

تاریخ پنجاب



بھائی پرمانند جی

تاریخ پنجاب

از

دیوتا سروپ بھائی پرمانند جی ایم۔ اے

لالہ لاجپت رائے اینڈ سنز بکسیلرز و پبلشرز

لوہاری دروازہ لاہور

نے

(پنجابی پریس لاہور میں باہتمام بابو نظام الدین پرنٹر چھپوایا)

بار اول

ایک ہزار

فہرست مضامین

دیباچہ

تعریف انسانی سماج کی پیدایش۔ ترقی اور تنزل کا حال اس کی تاریخ کہلاتا ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ کسی ایک تاریخی تذکرہ میں یہ سب حال ایک جگہہ پائے جائیں اُن میں سے کسی ایک کا بیان بھی تاریخ کہلا سکتا ہے۔

ضرورت ہمیں اپنے موجودہ حالات کو اچھی طرح سمجھنے کے لئے تاریخ کا جاننا نہایت ضروری ہے۔ انسانی سوسائیٹی کا جو نقشہ ہم اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھتے ہیں اسے تشریح کے ساتھ واضح کرنا تاریخ کا سب سے بڑا کام ہے۔ تاریخ ہمیں یہ بتلاتی ہے کہ یہ سب کچھ کیونکر اور کیسے واقع ہوا۔ مثال کے طور پر ہم پنجاب میں یہ دیکھتے ہیں کہ یہاں پر ہندو آباد ہیں۔ مسلمان بھی ہیں۔ سکھ بھی ہیں۔ ہندو مسلمان اور سکھوں کی ریاستیں بھی ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ سارا پنجاب انگریزی قوم کی تحت میں ہے۔ ہم تاریخ کے مطالعہ سے یہ معلوم کر سکیں گے کہ ہمارے اوپر حکومت کرنیوالی انگریزی قوم کہاں سے کسطرح اور کیوں آئی؟ اور کسطرح سے انہوں نے پنجاب پر اپنا قبضہ کر لیا۔ سکھ لوگ کس طرح سے پیدا ہوئے۔ ان کی موجودہ ریاستیں کیسے بن گئیں؟

سکھوں کے اندر مذہبی اور پولیٹیکل جوش کیوں اتنے زور سے پایا جاتا ہے؟

مسلمان لوگ کہاں سے آئے؟ انکا اس ملک سے کیا تعلق رہا؟

انکا رویہ اس ملک کی طرف کیوں خاص طریقے کا ہے ؟ ان کے مذہبی اختلاف اور مذہبی جوش کی تہ میں کونسا خیال کام کرتا ہے ؟ پنجاب میں مسلمانوں کی اتنی زیادہ تعداد کیسے آگئی ؟ ہندو کون ہیں ؟ انکا اس ملک سے کیا تعلق ہے ؟ مسلمانوں کو وہ ابھی تک غیریت کی نگاہ سے کیوں دیکھتے ہیں ؟ ان سب اور ایسے ہی اور سوالوں کا جواب ہمیں تاریخ کے مطالعہ سے ملتا ہے ۔

ہماری موجودہ حالت پہلے گذری ہوئی حالتوں کا نتیجہ ہے

یہ اچانک یا ایک ہی وقت میں پیدا نہیں ہوگئی بلکہ یہ ان ہزاروں تبدیلیوں کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے جن میں سے ہمارے بزرگوں یعنی آباواجداد کو گذرنا پڑا ہے ۔ یہ تبدیلیاں بھی خودبخود یا اچانک پیدا نہیں ہوئیں بلکہ سب کی سب ایک متواتر کام کرنیوالے علت و معلول کے سلسلہ کا نتیجہ ہیں یہ سلسلہ تمام قدرت میں اور قدرت کے ذریعہ تمام انسانوں کے اندر لامحدود زمانے سے کام کرتا چلا آتا ہے ۔ آنیوالا زمانہ ان سب حالات سے بنایا جارہا ہے جیسا کہ موجودہ زمانہ پچھلے حالات کی وجہ سے بنا ہے ۔ یہ قانون جتنی دور ہم خیال کر سکتے ہیں پیچھے تک کام کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے ۔ کون کہہ سکتا ہے کہ ایک ہندو کی موجودہ زندگی میں کتنا بڑا حصہ رامائن یا مہابھارت کی تعلیم سے موثر ہوتا ہے ؟ رامائن اور مہابھارت کے واقعات ہزاروں سال ہوئے اس دیش میں واقع ہوئے لیکن ایک ہندو کی روزانہ زندگی اور جذبات میں ایسا پایا جاتا ہے ۔ گویا کہ وہ ابھی واقع ہورہے ہیں وید اُن سے بھی ہزاروں

سال پہلے لکھے گئے۔ لیکن اسوقت بھی ہم دیکھتے ہیں کہ ویدوں کی تعلیم دینے والے رشی ہمارے کانوں میں اسی میٹھے سور سے گائن کرتے ہیں جیساکہ ہزاروں سال ہوئے ہمارے بزرگوں کے کانوں میں کیا کرتے تھے۔ ایک ہندو بچہ ہندو سماج میں پیدا ہوکر اپنی ابتدائی زندگی میں ہی اس ساری ترقی سے بہرہ ور ہو جاتا ہے جو کہ ہندو قوم نے ہزاروں سال میں کی ہے۔

علم تاریخ ہماری زندگی کو لا انتہا طور پر لمبا کر دیتا ہے کہا جاتا ہے کہ پچھلی صدی کی سائنس کی ترقی کا بڑا کرشمہ یہ ہے کہ سائنس نے اس زمین پر سے اور اس زمین اور دوسرے اجرام فلکیہ کے درمیانی فاصلے کو کاٹ دیا ہے۔ سٹیم اور بجلی کی امداد سے کی ہوئی ایجادوں نے اس زمین پر دور دراز بسنے والی قوموں کو ایک دوسرے کے اتنا نزدیک کر دیا ہے کہ ہمیں اپنے گھر میں بیٹھے ہوئے منٹ منٹ خبر پہنچتی رہتی ہے کہ دنیا کے دوسرے حصوں میں کیا ہو رہا ہے۔ جو فاصلہ ہم پہلے سالوں میں طے کرتے تھے اسے اب دنوں میں طے کر کے ہم دوسرے لوگوں سے میل جول اور تجارت پیدا کر سکتے ہیں۔ دور دیکھنے والے اوزاروں کی مدد سے دوسرے ستاروں اور سیاروں کی بابت ہمارا علم بھی بڑھ رہا ہے۔

جس طرح سائنس فاصلہ کو کاٹ کر کم کر دیتی ہے اسیطرح تاریخ ہمارے لئے وقت کو کاٹکر بہت چھوٹا کر دیتی ہے۔ ہم فرانس کے انقلاب پر ایک کتاب پڑھتے ہوئے یہ محسوس کرتے ہیں کہ ہم انقلاب عظیم کے واقعات کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ ہماری زندگی خود بخود ہی ڈیڑھ

سو سال کے قریب لمبی ہو جاتی ہے۔ جب ہم راماین یا مہابھارت کے حالات کو سنتے یا پڑھتے ہیں تو ہمیں محسوس ہوتا ہے کہ ہم اسی زمانے کے بھارت ورش میں رہتے ہوئے اس زمانہ کی سماجک حالت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ اس سے ہماری چند سالوں کی زندگی چند ہزار سال لمبی ہو جاتی ہے۔

اگر پچھلے زمانے کے واقعات کا کوئی علم موجود نہ ہو تو ہمارا ماضی اور مستقبل بالکل کورا ہو جاتا ہے اور ہم اپنے آپکو خلا کے ایک بڑے سمندر میں ایک ذرہ کی مانند لٹکتا ہوا سمجھ سکتے ہیں جسکا کوئی آگا یا پیچھا نہیں ہے۔

تاریخ کا فائدہ

تاریخ کا سب سے بڑا فائدہ یہی ہے کہ ہم اس کے مطالعہ کے ذریعے پچھلے سارے انسانی تجربے کا علم حاصل کر کے اس سے دانائی اور سبق سیکھ سکتے ہیں اور یہ دانائی ہمارے اندر جتنی زیادہ بڑھتی جاتی ہے اتنے ہی زیادہ ہم ترقی کر سکنے لائق بنجاتے ہیں۔ اسی دانائی کے ذریعہ ہمیں ان قوانین کا پتہ لگتا ہے جو کہ ہماری شخصی اور مجموعی ترقیوں کے اندر کام کرتے ہیں۔ شخصی زندگی کو قائم رکھنے اور بچا کرنے کے لئے جو قانون انسان دریافت کرتا ہے وہی مہارا دھرم شاستر یعنی مذہبی اور نیتک قوانین بنجاتے ہیں۔ مجموعی زندگی کو دنیا بچا کرنے والے قوانین کو راج نیتی شاستر کہا جاتا ہے۔ اخلاقی قوانین کا توڑنا ہماری شخصی زندگی کے لئے مہلک ہوتا ہے۔ اسی طرح مجموعی زندگی کے قوانین کا توڑنا ہماری قومی اور ترقی کے لئے تباہ کن ہوتا ہے بعض اوقات ایسا دیکھا گیا ہے کہ کئی قوموں میں اپنی مجموعی طاقت کا گھمنڈ اتنا بڑھجاتا ہے کہ وہ انسان کی ذاتی خوبیوں کو بالکل نظر انداز کرنے لگ جاتی ہیں کچھ عرصہ تک ان ذاتی کمزوریوں کا نتیجہ معلوم نہیں ہوتا لیکن وقت آتا

ہے۔ جب اسے کسی ایسی قوم سے ٹکر یا واسطہ پڑتا ہے جسمیں مجموعی خوبیوں کے ساتھ ساتھ افرادی خوبیاں بھی زور سے پائی جاتی ہیں تو وہ قوم ٹکر کھاتے ہی چور چور ہو جاتی ہے۔ اسی طرح ایسی اور مثالیں ہمارے سامنے ہیں جہاں کہ ایک قوم کے افراد کی ساری توجہ ان کی ذاتی خوبیوں میں لگ جاتی ہے اور ان کی مجموعی زندگی اتنی کمزور ہو جاتی ہے کہ جب انہیں محض مجموعی طاقت رکھنے والی ایک قوم سے مقابلہ پڑتا ہے تب اسکی تمام افرادی خوبیاں اُسے بچانے سے قاصر ہوتی ہیں۔

دنیا میں بہتیری ایسی قومیں ہوئیں جنہوں نے ترقی کی۔ اس ترقی سے انکا گھمنڈ بڑھا اور انہوں نے دوسروں پر غلبہ حاصل کیا۔ اس غلبہ کی بدولت انہیں بے حد دولت حاصل ہوئی اس مال و دولت کی ترقی کا نتیجہ انکو آرام اور آسائش کی محبت پیدا ہوئی اس محبت سے ان میں وہ غفلت اور کاہلی آئی جس نے انکو کمزور کر کے تباہ کر دیا۔

ترقی کے اندر ہی گھمنڈ کا بیج ہوتا ہے گھمنڈ میں دوسروں پر غلبے کا غلبے میں آرام پسندی اور آرام پسندی میں تباہی کا۔ دوسری قوموں کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔ جن میں ترقی کا رخ دوسری طرف چلا گیا وہاں ہم نہ تو وہ گھمنڈ دیکھتے ہیں نہ دوسروں پہ غلبہ کی خواہش اور جنکی ترقی انہیں اس دنیا و ہی گھمنڈ پر اور غلبے پر یا آرام سے دور رکھنے کی بجائے کیطرف لیجاتی ہے۔ اس سے افرادی اونچائی اور بلندی کی مثالیں پیدا ہو سکتی ہیں۔ لیکن مجموعی زندگی کمزور ہو جاتی ہے اور انہیں یہ بات بھول جاتی ہے کہ یہ دنیا جدوجہد کا مقام ہے۔ اس قدرتی قانون سے غافل ہو کر بھی وہ ایک دوسری طرح کی کاہلی اور سستی کا شکار ہو جاتے ہیں جو انکی

تباہی کا باعث ہو جاتی ہے۔ بات عجیب ہے لیکن درست ہے کہ ایک طرف گھمنڈ کی موجودگی اور دوسری طرف گھمنڈ کی عدم موجودگی دونوں میں ہی قوم کی تباہی کا بیج پایا جاتا ہے۔

تاریخ میں اتفاق

انسان کی شخصی زندگی میں ہمیں کئی مثالیں دکھائی دیتی ہیں کہ ایک آدمی سے ذرا سی غلطی سرزد ہو جاتی ہے۔ اس کی ساری آئندہ زندگی کا نقشہ بدل جاتا ہے۔ ایک آدمی ٹریم کار پر سفر کرتے ہوئے ذرا سا پھسل جاتا ہے اس کے جسم کا ایک حصہ کٹ جاتا ہے وہ باقی تمام زندگی کے لئے ناکارہ بن جاتا ہے اسی طرح کے کئی حادثات ہم قوموں کی زندگیوں میں بھی دیکھتے ہیں۔ بڑے بڑے انقلابوں یا جنگوں کے دوران میں ہمیں کئی بار یہ کہنے کا موقعہ ہوتا ہے۔ اگر یہ نہ ہوتا تو آئندہ کی تاریخ بالکل بدل جاتی۔

یہ ایک بڑا بھاری سوال ہے کہ قوموں کی تاریخوں میں اتفاق کا کیا حصہ ہے اور چھوٹے چھوٹے حادثات کا تاریخ پر کیا اثر پڑتا ہے اس سوال کا جواب دو مختلف طریقوں سے دیا جا سکتا ہے ایک تو بالکل منطقی طریقے پر۔ وہ اسطرح کہ اگرچہ شخصی زندگی کی طرح قومی واقعات میں بھی حادثات ضرور ہوتے ہیں لیکن ان کا دائمی اثر صرف اسی حالت میں ہوتا ہے جبکہ اس شخص یا قوم کے اندر ان کے پیدا کرنے والی کمزوری بھی پائی جاتی ہو۔

جو شخص ٹریم سے پھسل کر اپنے آپکو ہمیشہ کے لئے لنگڑا کر لیتا ہے اسکی عادت میں ایک قسم کی بے پروائی پائی جاتی ہے جو کہ ایسے نازک موقعہ پر اسے غافل بنا دیتی ہے اور جو بے پروائی اگر اسوقت اپنا اثر پیدا نہ کرتی

تو کسی اور موقعہ پر ویسا ہی اثر پیدا کر دیتی۔ شخصی زندگی کیطرح قومی حالت میں بھی قوم میں بعض ایسے نقص آجاتے ہیں جو اسے غلطیوں کا شکار بنا دیتے ہیں اور جس سے اس کے دشمنوں کو از حد فائدہ پہونچتا ہے۔ مثلاً ایک جنگی افسر میدان میں کمزوری دکھاتا ہے یا اپنی قوم کے ساتھ بیوفائی کر کے دشمن کے ساتھ ملجاتا ہے تو یہ محض اتفاق کی بات نہیں ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اس قوم میں قومی وفاداری کا مادہ اتنا کمزور ہو چکا ہے کہ وہ اپنے لئے رہنما چننے میں اچھے برے کی پہچان نہیں کر سکتی۔ یا اس قومی کمزوری کی وجہ سے اس کے رہنما بھی کمزوری کا آسان شکار بن جاتے ہیں۔

اس کے جواب کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ بعض نازک موقعوں پر قدرت کی طرف سے حادثات واقع ہو جاتے ہیں جنکا اثر تاریخ پر دائمی پڑتا ہے اس سے یہ نتیجہ نکالنا آسان ہے کہ تاریخی واقعات کی رفتار میں کوئی پوشیدہ طاقت کام کرتی ہے جسے ہم اتفاق یا ہونی دبھاوی، کہہ سکتے ہیں۔ اسی پوشیدہ طاقت کو ہی بعض فلاسفروں نے خدائی طاقت نام دیا۔ انکا کہنا ہے کہ دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے وہ خاص قوانین کے ماتحت خدائی مرضی کے مطابق ہوتا ہے۔ قوموں کے عروج و زوال میں اسی طاقت کا ہاتھ کام کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ ان کی نظر میں یہ دنیا ایک بڑا بھاری ناٹک ہے جس کے سٹیج پر مختلف ایکٹروں کی طرح قومیں آتی ہیں اور اپنا کھیل کر کے پردہ کے پیچھے چلی جاتی ہیں۔ اس سارے ناٹک کی تہ میں خدائی تدبیر کام کرتی ہے۔

تاریخ کی فلاسفی:۔	قوموں کی تاریخ کا بہت سا حصہ جنگوں یا لڑائیوں کے

بیان سے بھرا ہوتا ہے۔ یہ جنگ زیادہ تر ایک قوم کے اپنی ہمسایہ قوم کے خلاف ہوتے ہیں۔ اندرونی طور پر دیکھنے سے ہر ملک میں آبادی کے کئی مختلف طبقے ہوتے ہیں اور ان طبقوں کی ایک دوسرے کے ساتھ جدوجہد چلتی رہتی ہے۔ ان کے علاوہ خاص مذاہب کے عروج نے مختلف ممالک اور اقوام پر اپنا خاص خاص اثر ڈالا ہے اور مذہبی اختلافات کی بنا پر بھی اقوام میں بہت سی گڑبڑ مچتی رہتی ہے۔ بہتیرے بادشاہ۔ بادشاہی خاندان بھی ایسے ہو گئے ہیں جنہوں نے اپنے ذاتی یا خاندانی مفاد کو مدنظر رکھکر اپنی اور دوسری قوموں کے مستقبل کو بدلنے کی کوشش کی ہے تاریخ کی فلاسفی اس امر کے دیکھنے میں پائی جاتی ہے کہ وہ کون سے بڑے خیال ہیں جنہوں نے ان تاریخی طاقتوں کو چلانے کا کام کیا ہے۔ اور جو کہ ظاہرا انسانی جنگ و جدل اور انقلابات کی تہ میں کام کرتے ہیں۔

فرانس کے بڑے انقلاب کو لیکر دیکھیں اس نے عوام کے جذبات کو کیونکر بھڑکایا؟ اور کس طرح اس کی بدولت پیرس اور دوسرے بڑے بڑے شہروں میں لوگوں کا کشت و خون ہوا۔ بعد میں اس کی وجہ سے یورپی اقوام میں کتنے بڑے جنگ و جدل ہوئے ان سب واقعات اور قصے کہانیوں سے کتابوں کے صفحے بھرے پڑے ہیں۔ لیکن تاریخ کے ایک محقق کی نظر میں ان واقعات کی کوئی بڑی حقیقت نہیں وہ ان کی تہ میں اس طاقت کو جاننے کی کوشش کرتا ہے جو یہ سب نظارے ہماری نظروں کے سامنے لاتی ہے ان سب تاریخی نظاروں کو پیدا کرنے والا عام طور پر ایک خیال ہوتا ہے جو کہ انسانوں کے دلوں پر اپنا اثر ڈالکر ان کے کاموں کو ایک سانچے کی شکل میں ڈھال دیتا ہے

اس خیال کو جاننا اور اس کے بواعث اور نتائج کو اچھی طرح سمجھنا سمجھ قابلیت پیدا کرتا ہے۔ کیا ہم یہ بات اچھی طرح سے نہیں جانتے کہ فرانس کے انقلاب کی تہ میں ایک خیال کام کرتا تھا جس کی بنیاد فرانس کے فلاسفروں نے ایک مدت پہلے سے ہی فرانس کی سرزمین میں ڈالدی تھی اس خیال کو ایک انقلابی شکل دینے والا روسو نامی ایک مشہور فلاسفر ہوا ہے۔ روسو نے ایک چھوٹی سی کتاب لکھکر انسانی سوسائیٹی کی نابرابریوں کے برخلاف جنگ کا اعلان کردیا۔ جب اس نے یہ کہا کہ انسان اپنی قدرتی حیوانی حالت میں موجودہ تمام ترقی یافتہ حالات کی نسبت سکھ اور آرام والی حالت میں تھا۔ کیونکہ موجودہ تمام ترقی انسان کی نابرابری پر مبنی تھی۔ روسو کے اس خیال کو سنکر فرانس کے امیر لوگ اسپر ہنستے تھے لیکن اس خیال کی گہرائی کو سمجھنے والے ایک فلاسفر نے کہا۔ وقت آئیگا کہ ان لوگوں کے بیٹوں پوتوں کا چمڑا جو اس کتاب سے دل لگی کرتے ہیں اس کی جلدیں باندھنے کے کام آئیگا۔ یہ پیشینگوئی بڑی زبردست لیکن سچی ثابت ہوئی۔ اس خیال نے طاقت پکڑکر فرانس میں ایک سا ماجک انقلاب پیدا کردیا۔ اس انقلاب کی بدولت سینکڑوں اور ہزاروں امیر عورتوں اور مردوں کے صرف اس قصور کی سزا میں سر قلم کردئے گئے کہ ان کا جنم امیروں کے گھر میں ہوا تھا۔

یوروپ نے پچھلے جنگ عظیم میں یوروپی ممالک کے اندو سمندر کی تہ میں زمین پر اور آسمان پر تباہی کی جو تصویر نظر آتی ہے کیسی خوفناک ہے! یہ ساری تصویر ایک بڑے درخت کے تنے کی شاخوں اور پتوں کی مانند ہے۔ اس تصویر کا اصلی کارن اس بڑے درخت کے بیج

کی طرح ایک نہایت باریک سا خیال ہے جس نے ایک انسان کے دلمیں جگہہ کر لی تھی۔

جرمنی کے بادشاہ قیصر یا اس کی قوم میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ دنیا میں جرمنی دماغ اور کلچر کا غلبہ ہونا چاہیئے اور اس خواہش نے یوروپ میں ایک جنگ عظیم برپا کر دی۔ جرمنی میں یہ خواہش کیوں پیدا ہوئی اس کی وجہہ یہ تھی کہ پچھلے تین سو سال کے اندر یورپی قوموں کے درمیان دنیا میں اپنی طاقت اور تجارت کو پھیلانے کا بڑا جذبہ کام کر رہا تھا۔ اور جب یوروپ کی دوسری قومیں انگلینڈ۔ فرانس وغیرہ اس جذبے کو پورا کرنے کے لئے آپس میں لڑ رہے تھے جرمنی ایک گہری نیند میں سو رہا تھا۔ جب جرمنی کی آنکھ کھلی تو اس نے دیکھا کہ اس کے سوتے ہی دنیا ساری لٹ گئی اور اب اسکا بھی یہ کام ہے کہ اس لوٹ سے اپنا حصّہ حاصل کرے۔ یوروپ کی قومیں کچھ صدیوں سے دنیا کی پیچھے رہی ہوئی قوموں کو ہضم کر جانے کے درپے تھیں اس خواہش کو پورا کرنے کے لئے انکا باہمی جنگ ایسا ہی ایک نظارہ ہے جیسا کہ ہڈی کو چھیننے کے لئے کتے آپس میں لڑا کرتے ہیں

انسان کی مجموعی زندگی

انسان کی بہت سی تعریفیں کی گئی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ انسان دو پاؤں پر چلنے والا حیوان ہے۔ دوسری یہ ہے کہ انسان باتیں کرنے والا حیوان ہے۔ تیسرے یہ ہے کہ انسان ایک سماجک حیوان ہے۔ آخری تعریف کے یہ معنی ہیں کہ انسان اسوقت اسکا درجہ حاصل کرتا ہے جبکہ بہت سے ملکر وہ ایک سبھا یا سوسائٹی کی حالت میں رہنا شروع کر دیتے ہیں

افرادی حالت میں انسان اکیلا حیوان سے بڑھ کر کچھ حقیقت نہیں رکھتا۔ کسی انسان کو جنگل میں تن تنہا چھوڑ دو یا اکیلا ایک کوٹھری میں بند کر دو اسکے ساتھ ملنے جلنے والا کوئی اور نہ ہونیسے وہ اپنے آپکو ایک حیوان سے بدتر پاتا ہے۔ جو کچھ کہ ہم ہیں۔ اپنی سوسائیٹی کی پیدائش ہیں ہماری زندگی خاص قسم کی خوشیوں۔ وچاروں۔ غموں اور جذبات کا مجموعہ ہے اور یہ سب ہمارے اندر ہماری سوسائیٹی سے پیدا ہوتے ہیں۔ سوسائٹی شخصوں سے اوپر اور علیحدہ ایک آزاد ہستی ہے۔ اس سانا جک جیون کے آغاز سے ہی منش سبھیہ بنتا ہے۔ اس سے وہ سبھا میں شامل ہوتا ہے۔ اسی وقت ہی اس کی سبھتا کی بنیاد پڑتی ہے۔ اس سبھا یا سوسائٹی کو قائم رکھنا ہر ایک انسان کا فرض ہے۔ ایک ودوان کا یہ مقولہ ہے کہ اپنی سوسائٹی کو قائم رکھنے کے لئے ہمیں اپنی شخصیت کو قربان کر دینا چاہیئے اور اگر ہم اپنی ذات کو اپنی سوسائٹی سے برتر سمجھتے ہوں تو ہمیں چاہیئے کہ ہم سوسائیٹی کو ترک کر کے اکیلے جنگل میں جا کر رہنا شروع کر دیں۔

تاریخ میں اخلاق

انسان نے نیکی اور بدی کو جانچنے کے لیئے چند اصول مقرر کر دیئے ہیں۔ ان اصولوں کو مختلف مذاہب کے ہادیوں نے اپنا سہارا دیکر اپنے مذہب کا حصہ بنا لیا ہر جگہہ انسانی سوسائٹی مذہبی خیال سے یا اخلاقی خیال سے ان اصولوں کو درست سمجھتی ہے اور ان کی تعلیم دینا اپنا فرض سمجھتی ہے۔ مثلاً سچ بولنے کو انسان نے سب سے اونچا درجہ دیا ہے اور ہم کو یہ ذہن نشین کرایا جاتا ہے کہ دنیا میں سدا سچ کی فتح ہوئی ہے اور سچ کے

بولنے میں ہر قسم کا خطرہ اُٹھانے پر تیار رہنا چاہیئے۔ دوسرا بڑا اصول وہ سنہری قاعدہ ہے جس میں یہ سکھایا جاتا ہے کہ ہم دوسرے انسانوں سے ویسا ہی سلوک کریں جیسا کہ ہم چاہتے ہیں کہ وہ ہمارے ساتھ کریں یعنی ہم کسی کی جان کو تکلیف نہ دیں اور نہ کسی کے مال کو ناجائز طور پر لینے کی کوشش کریں۔ اس قسم کے اخلاقی اصولوں میں تعلیم پاتے ہوئے ہماری خواہش یہ ہوتی ہے کہ ہم انہی اصولوں کے عمل کو تاریخ میں بھی دیکھیں۔ لیکن تاریخ کا مطالعہ اس بارے میں ہمارے لئے بڑا مایوس کن ہے۔ تاریخ میں ہمیں نہ سچ کی فتح نظر آتی ہے نہ محبت کی۔ بلکہ جہاں کہیں مادی طاقت زیادہ ہوتی ہے وہ میدان میں بازی لے جاتی ہے۔

ہندوؤں کی تاریخ میں ہمیں یہ دیکھنے کا کافی موقعہ ملیگا کہ جن لوگوں نے صدیوں تک پنجاب پر حملے کر کے لوٹ مچادی خواہ وہ شاکہ تھے یا افغان یا مغل سب کے سب اخلاقی خوبیوں کے لحاظ سے ہندوؤں سے بدرجہا نیچے تھے۔ ان حملہ آوروں کے اندر نہ رحم کا خیال تھا نہ انسانی محبت کا نہ دوسرے کی جان و مال کی عزت تھی نہ کوئی اخلاقی پاکیزگی پائی جاتی تھی۔ ہندوؤں میں یہ سب باتیں موجود تھیں لیکن ان کی موجودگی ہندوؤں کو تکلیف سے بچانے میں مددگار نہ ہو سکی۔ تاریخ کو غور سے پڑھنے والا یہ دیکھ کر گھبرا جاتا ہے اور چلا اُٹھتا ہے کہ کیا دنیا میں کوئی ایشور ہے جو کہ اچھے اور بُرے کرموں کا بدلہ دیتا ہے۔ اگر کوئی ایشور ہے تو کیا وجہ ہے کہ ظالم لوگ دنیا میں پھلتے اور پھولتے ہیں اور نیک اور انصاف پسند ہمیشہ مصیبت اور عذاب میں رہتے ہیں؟ تاریخ میں اس

بے رحمی اور بے انصافی کو دیکھکر بہتیرے لوگ ایشور اور اخلاق سے ہی منکر ہو بیٹھے ہیں۔ ہماری سمجھ میں تھوڑا سا پھیر ہے جو ہم اس بات کو سمجھنے کے ناقابل ہیں اصل بات یہ ہے کہ سب اخلاقی خوبیاں بڑی اعلی ہیں لیکن ان کے لئے امن کی حالت ہونا لازمی ہے۔ جہاں کہیں امن کی بجائے کشمکش کا وقت آجاتا ہے اور اس دنیا میں کشمکش کا وقت ہمیشہ رہیگا تو ان سب اخلاقی خوبیوں کی بجائے ایک خوبی زیادہ کار آمد اور اعلی ہو جاتی ہے اور وہ باہمی سنگھٹن ہے۔ جن لوگوں میں زیادہ سنگھٹن ہوتا ہے خواہ ان میں اخلاقی خوبیاں نہ بھی ہوں وہ ہمیشہ ان لوگوں پر فتح پالیتے ہیں جن میں سنگھٹن نہیں ہوتا خواہ ان میں باقی کی سب خوبیاں موجود ہوں۔ اگر سنگھٹن موجود ہو تو دوسری اخلاقی خوبیاں سوسائٹی کو زیادہ مضبوط بناتی ہیں۔ لیکن اس جدوجہد کی دنیا میں اخلاقی خوبیوں اور سنگھٹن کو ترازو کے دونوں پلڑوں میں رکھکر تولا جائے تو سنگھٹن کا پلڑا ہمیشہ زیادہ بھاری ہوتا ہے۔ انگلینڈ کے مشہور فلاسفر ہربرٹ سپنسر نے اس معمولے پر بحث کرتے ہوئے ایک نتیجہ نکالا ہے اور اسی میں اس کی فلاسفی کا مدار ہے "جو قومیں یا قبیلے زیادہ سوشل ہونگے وہ ہمیشہ کم سوشل قوموں اور قبیلوں پر راج کریں گے"۔

ہندوؤں میں سنگھٹن کی عدم موجودگی

خواہ ہندوؤں کی فلاسفی کی وجہ سے تھا۔ خواہ بدھ مذہب اور جین مذہب کی تعلیم کی وجہ سے۔ ہم ہندوؤں میں یہ دیکھتے ہیں کہ ان کے اندر انسانی محبت اور ہمدردی کا جذبہ اتنا بڑھ گیا تھا کہ انہیں کسی غیر سے نفرت نہ رہی تھی اور نہ انہیں باہمی سنگھٹن کی ضرورت

محسوس ہوئی۔ اس سنگھٹن کا نہ ہونا ہی ہندوؤں کے لئے اس کمزوری کا باعث تھا جس نے انکو دنیا میں رسوا کر دیا۔ بیشک مسیح کی تعلیم میں یہ پایا جاتا ہے کہ تم اپنے دشمن سے محبت کرو۔ لیکن مسیح کے چیلوں نے کبھی اسپر عمل نہیں کیا۔ مہاتما بدھ نے نہ صرف اس اصول کی تعلیم دی بلکہ ہندوستان کو یہ فخر ہے کہ مہاتما بدھ نے دنیا میں اس اصول کو عملی صورت دینے کی کوشش کی۔ بدھ کی تعلیم کا سار یہ تھا "دشمن پر محبت سے فتح حاصل کرو۔ جنگ کے اوزاروں کو پرے پھینکدو" یہ بڑا تجربہ کیا گیا اور اس میں ناکامی ہوئی۔ لیکن اس نے ہندوؤں کی سنگھٹن کی طاقت کو بھی غائب کر دیا۔

اب اگر سنگھٹن ہو تو کس بنا پر؟ ہندوؤں کے مقابلے پر جتنی طاقتیں کام کرتی ہیں ان میں مذہب کے ذریعے بڑا مضبوط سنگھٹن کیا گیا ہے کیا ہندوؤں کو بھی کسی ایسے مذہب کا سہارا لیکر سنگھٹت ہونا چاہئے مذہب کے ذریعے جتنے سنگھٹن ہوئے ہیں ان میں بڑی برائی یہ ہے کہ وہ دنیا میں سے آزادی ضمیر اور بردباری کی سپرٹ کو تباہ کر دیتے ہیں۔ انکا سنگھٹن باقی ان تمام لوگوں کے برخلاف ہے جو کہ ان کے مذہبی خیالات میں ان کے ساتھ اتفاق نہیں کرتے موجودہ حالت میں اگر ہندوؤں کو کسی سنگھٹن کی ضرورت ہے تو اس کی غرض ان کا اپنی ہستی کو بچانا اور دنیا میں اس ضمیر کی آزادی کو قائم رکھنا ہونی چاہئے۔ اگر کوئی اعلیٰ اصول ہے جو کہ دنیا کو ایک قدم آگے لے جا سکتا ہے اور جس کی اسوقت اشد ضرورت ہے وہ یہی ہے کہ ان مذہبی سنگھٹنوں کو توڑ کر ضمیر کی آزادی کے جھنڈے کے نیچے ایک سنگھٹن

کیا جائے۔ اس سنگھٹن کا منشا یہ ہوگا کہ دنیا کو اس ضمیر کی غلامی سے جو کہ ان مذاہب نے ڈال رکھی ہے آزاد کرے۔ صرف ہندو ایک قوم ہے جس نے آتما کی آزادی کو سب سے اونچا درجہ دیا ہے۔ کسی قسم کا مذہبی خیال رکھنے والا ہندوؤں میں عزت کا مستحق مانا گیا ہے۔ اسلئے صرف ہندو ہیں جو کہ پھر دنیا میں اس آزادی کو قائم کریں گے۔ ہندو تہذیب کا مُدعا تمام خیالات۔ انرجی اور کام کو جسم۔ دماغ اور آتما کی ترقی میں لگانا۔ پریم اور بردباری کو قائم کرنا۔ خودی کو مشترکہ بھلائی کے ماتحت کرنا اور دوسروں کے بھلے کیلئے ذاتی اغراض کو قربان کرنا۔ آتما کو پرماتما میں جذب کرنا اور اس سچائی کو محسوس کرنا ہے کہ سب برہمانڈ کے اندر ایک آتما کام کر رہی ہے اور ہم سب اسکے ہی حصے ہیں۔

سوسائٹی یا سماج ایک زندہ ارگنزم ہے

دنیا میں دو طرح کی اشیا ہیں ایک جاندار اور دوسری غیر جاندار۔ ان دونوں میں ایک بڑا فرق یہ ہے کہ جاندار بیرونی حالات کے اثر سے بدلتی رہتی ہیں اور غیر جاندار میں باہر کے اثر سے کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوتی۔ ایک پتھر کے اوپر سے آندھی اور طوفان گذر جاتے ہیں لیکن وہ ویسے کا ویسا بنا رہتا ہے۔ دوسری طرف ایک پودے پر سورج کی روشنی نہ آنے دو اسے زمین سے خوراک نہ لینے دو۔ وہ مُرجھانا شروع کر دیتا ہے۔ اور کچھ دیر کے اندر مر جاتا ہے۔ افرادی حالت میں انسان ایک چیتن طاقت ہے۔ ہمارا سوال ہے کہ مجموعی حالت میں بھی انسان کہاں تک ایک چیتن طاقت کہلا سکتے ہیں؟

اکیلا انسان جنگل میں رہتا ہوا حیوانی حالت میں ہوتا ہے جب

مرد اور عورت ملکر اکٹھے رہتے ہیں اور بچے بھی پیدا کرتے ہیں تو ان کی حالت ایک کنبے کی ہو جاتی ہے۔ انسانوں کے اس مجمع میں اسی درجے تک مجموعی چیتن طاقت بھی پیدا ہو جاتی ہے انکو سکھ اور دکھ دینے والی طاقتیں ایک سی ہوتی ہیں۔ ان سب کا نفع نقصان ایک ہی بات میں ہوتا ہے۔ ان سب کی زندگی ایک دوسرے کے ساتھ گہرے طور پر وابستہ ہو جاتی ہے۔ جب کئی ایک کنبے ملکر اکٹھے رہتے ہیں تو وہ ایک قبیلہ (ٹرائب) کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ اسوقت اس کے اندر قبیلے کی مجموعی چیتنا بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ ان سب کا نفع و نقصان ایک ہی بات میں ہوتا ہے۔ دشمنوں سے اپنی حفاظت کرنے۔ اور دوسروں کے ساتھ لڑائی کرنے یا صلح رکھنے میں ان کی ذمہ واری ایک سی ہوتی ہے۔ اس سوسائٹی کے مختلف حصے ایک جاندار کے مختلف حصوں کی طرح کام کرتے ہیں جب بہت سے قبیلے ملنے پر ان کے حقوق اور ذمہ واریاں ایک ہو جاتی ہیں تو ساماجک ترقی میں ان کا درجہ ایک قوم کا ہو جاتا ہے۔ اور ان کے اندر ایک قومی چیتنا پیدا ہو جاتی ہے۔ ہمیں یہ بھی ماننا پڑتا ہے کہ بعض چھوٹے درجہ کے حیوانوں مثلاً چیونٹیوں اور شہد کی مکھیوں میں فطرتاً ہی اس قسم کا ساماجک سنگھٹن پایا جاتا ہے لیکن انکا سنگھٹن ابتدائی حالت سے آگے ترقی نہیں کر سکتا۔

انسانی سوسائٹی یا سماج ایک ہستی ہونے سے افراد پر اپنا اثر مشترکہ طور پر ڈالتی ہے۔ سوسائٹی اچھی ہونے سے ان کے اندر رہنے والے افراد ایک سانچے میں ڈھلکر اچھے بنتے ہیں۔ سوسائٹی میں برے خیالات

برا آچار۔ یا بُرا علم ادب موجود ہونے سے اس کے افراد انہی کے سانچے میں ڈھلتے ہیں۔ اگر سوسائٹی آزاد ہے تو اس کے افراد آزادی کی آب وہوا میں پلکر نڈر ہوتے ہیں۔ جب وہ سوسائٹی دوسرے کے ماتحت ہوکر غلام بنجاتی ہے تو اس کے سب افراد غلامی کی آب وہوا میں پل کر غلامی کی برائیاں اپنے اندر جذب کرتے ہیں۔ اگر سوسائٹی غریب ہوگی تو اس کے بڑے اثر سب افراد پر اپنا عمل کریں گے۔ اگر دولتمند ہوگی تو اس کے سب افراد اس سے اچھی طرح متاثر ہونگے۔ قحط یا وبا کا اثر بھی ساری ہی سوسائٹی پر پڑتا ہے۔ سوسائٹی میں رہنے والے افراد اسکا ایک ایسا حصہ بنجاتے ہیں کہ ان کی ذات سوسائٹی میں جذب ہو جاتی ہے اور وہ اکیلے نہ زندہ رہ سکتے ہیں نہ ترقی کر سکتے ہیں۔

انسانی تہذیب کی مختلف حالتیں

یہ ضروری نہیں کہ سارے انسان سبھیہ (مہذب) اوستھا میں ہی رہتے ہوں۔ زمین کے مختلف حصوں میں اس زمانے میں بھی ایسے انسان موجود ہیں جو ابھی تک جنگلوں میں حیوانی حالت میں رہتے ہیں ان کی کوئی سوسائٹی نہیں۔ ابھی تک انہوں نے افرادی حالت سے آگے کنبہ کے درجے تک بھی ترقی نہیں کی۔ ان کی ابھی تک کوئی زبان نہیں بنی وہ بولتے ضرور ہیں لیکن ان کی بولی جنگلی جانوروں کی طرح چند آوازوں تک محدود ہے ان آوازوں کے ذریعے وہ خاص حالات میں اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ لیکن انکا اکٹھا ہونا ایسا ہی سبب ہے جیسے کئی دوسرے حیوانوں کا ہے۔ انکا سب سے بڑا جذبہ ایک ہی ہے بھوک ا سے دور کرنیکا طریقہ بھی سیدھا سادھا ہے۔ اگر درخت سے کچھ ملا تو وہ کھالیا

اگر وہ نہ ملا تو جانور مار کر اس پر گذارہ کر لیا۔ اس کے لئے اسے ہتھیاروں کی ضرورت ہوتی ہے جن کو وہ پہلے پہل پتھروں سے اور بعد میں لوہے کی مدد سے بناتا ہے۔ ان ہتھیاروں کا استعمال ہی اس کی ترقی کا پہلا زینہ ہے۔

اس جنگلی حالت سے ترقی کر کے انسان کنبے کی حالت میں آتا ہے وہ اپنی زبان میں بھی ترقی کرنا شروع کرتا ہے وہ بھیڑ بکری جیسے جانوروں کو پالنا شروع کر دیتا ہے۔ انہی سے وہ ضرورت کے مطابق اپنی خوراک حاصل کر لیتا ہے ترقی کا اس سے اگلا درجہ جبکہ انسان حیوانوں کے ساتھ ساتھ خاص قسم کی نباتات کو پیدا کرنا شروع کرتا ہے۔ کھیتی کا درجہ ہے۔ کھیتی کرنے سے پہلے انسان کی زمین کے ساتھ محبت نہیں ہوتی۔ وہ اپنے رکھے ہوئے جانوروں پر انحصار رکھتا ہے۔ اور انہی کو ساتھ لئے جہاں ان کی خوراک کے لئے سرسبز زمین دکھائی دیتی ہے وہاں اتنی دیر تک ڈیرہ جمائے رکھتا ہے۔ جبتک کہ وہ سبزی ختم نہیں ہو جاتی۔ جب انسان ترقی کی اگلی منزل یعنی کھیتی کرنے پر قدم رکھتا ہے تو اسے ایسی زمین کی تلاش ہوتی ہے جو اس کے لئے زیادہ کارآمد ہو۔ اس زمین پر آباد ہو جانے سے قدرتی طور پر اس کے ساتھ انسان کی محبت پیدا ہو جاتی ہے۔ وہیں پر وہ اپنے رہنے کا مستقل انتظام کرتا ہے اور اسے ہی وہ اپنی زمین سمجھنے لگ جاتا ہے۔ آسانی سے کھیتی انہی مقامات پر ہو سکتی ہے جہاں پانی کثرت سے مل سکتا ہے اس لیے ہم یہ دیکھتے ہیں کہ جتنی بھی پرانی تہذیبیں پیدا ہوئیں ان کی ابتدا ان مقامات پر ہوئی ہے جو دریاؤں کے کناروں پر واقع تھے۔ ہمارے دیش کی تہذیب کا آغاز دریائے سندھ اور اس کے پانچ یا گنگا دریاؤں کے کناروں پر ہوا دوسرے الفاظ میں پنجاب ہی آریہ تہذیب کا سب سے پہلا اور پرانا گھر ہے۔ کچھ عرصہ

بعد ہم یہ دیکھتے ہیں کہ یہ تہذیب پنجاب سے چلکر گنگا کی وادی میں جا قائم ہوئی اور وہاں اسے اتنا عروج ہوا کہ وہ مقام بھی اس تہذیب کا وطن سمجھا جانے لگا۔ اسی طرح مصر کی تہذیب دریائے نیل کے کنارے شروع ہوئی۔ یہی دنیا کی دجلہ اور فرات کے کناروں پر۔ اسی لیئے تاریخ دان اس ابتدائی زمانہ کو دریائی تہذیب کا زمانہ کہتے ہیں۔ اس کے بعد وہ زمانہ آیا جبکہ جہازرانی کا ہنر دریافت ہوا اور اس ہنر کی مدد سے ان اقوام نے ترقی کے میدان میں قدم رکھا جو کہ چھوٹے چھوٹے سمندروں کے کناروں پر آباد تھیں۔ ان لوگوں نے کھیتی سے آگے بڑھ کر تجارت کے میدان میں قدم رکھا اور ایک جگہہ کی تہذیب کو دوسری جگہہ لیجانے میں بڑا کام کیا۔ تہذیب کی اس حالت کو بحیروں کی تہذیب کہا جاتا ہے۔ پرانے فی نی شی ان اہل یونان اور اہل اطالیہ اس تہذیب کے نمائندے ہیں۔ موجودہ تہذیب سمندری تہذیب کہلاتی ہے۔ اسکا آغاز اسوقت ہوا جبکہ بڑے بڑے سمندروں کے دریافت ہوجانے پر یورپی اقوام نے نئی اور پرانی دنیا کے نئے سمندری راستے دریافت کیئے اور سمندری جہازرانی کے ذریعے دنیا کی تجارت ہونی شروع ہوئی

تہذیب کے دو طریقے جنگی اور غیر جنگی تعاون

ترقی کرتی ہوئی سوسائٹی جب قبیلہ کی حالت میں آجاتی ہے تو اسوقت اس میں باہمی تعاون دو مختلف طریقوں پر شروع ہوتا ہے۔ ایک حالت میں قبیلے کو اپنے ہمسایہ قبیلے کے ساتھ لڑائی کرنی پڑتی ہے اور اسے ہر وقت لڑائی کرنے پر تیار رہنا پڑتا ہے۔ جنگ کی حالت کے لیئے ایک خاص لیڈر کا ہونا ضروری

جنگی قبیلہ کی کامیابی اسی بات پر انحصار رکھتی ہے کہ وہ سب اپنے لیڈر کی پوری اطاعت کریں۔ ان سب کی ذاتی اور مشترکہ دونوں طرح کی بھلائی اس کا حکم ماننے میں ہی پائی جاتی ہے۔ لیڈر کے طاقتور ہونے سے ہی اسکو اپنے دشمنوں کے ساتھ کامیابی سے مقابلہ کرنے کی امید ہوتی ہے سوسائٹی کی اس حالت کو جنگی تعاون کی حالت کہتے ہیں۔ جنگ میں فتح پانے پر قبیلے کی طاقت اور خوشحالی بڑھتی ہے۔ قبیلے کی خوشحالی ہونے سے اسکے افراد بھی زیادہ طاقتور اور خوشحال ہوتے ہیں۔ یہ قبیلہ لوٹ مار پر گذارہ کرنے والی ایک فوج کی مانند ہوتا ہے اور اسی وجہ سے اس کے افراد کا باہمی تعلق بہت گہرا اور مضبوط ہوتا ہے۔ یہی قبیلے ترقی کرتے کرتے قوم بنجاتی ہے۔ یوروپی قوموں کی قومیت اسی اصول پر مبنی ہے۔ اور تا حال بھی ہم یہ دیکھتے ہیں کہ یوروپی اقوام جرمن انگلنڈ فرانس وغیرہ ایکدوسرے کے ساتھ جنگ کی تیاری میں مشغول رہتے ہیں۔

سماجک ترقی کا دوسرا اصول غیر جنگی تعاون ہے۔ اس اصول کے مطابق افراد کا مدعا قبیلے یا سماج کی بہتری کے بجائے اپنی ذاتی ترقی اور آرام ہوتا ہے۔ ہر ایک ممبر اپنے ذاتی فائدے کو سامنے رکھکر کام کرتا ہے اور ان سب ممبروں کا مجموعی فائدہ سوسائٹی کی بہتری بنجاتا ہے۔ ایک آدمی کپڑا بنتا ہے۔ دوسرا کھیتی کرتا ہے۔ تیسرا ہتھیار بناتا ہے۔ چوتھا جوتا بناتا ہے یا مکان۔ اگرچہ ان کے یہ خاص کام اپنے لئے آرام حاصل کرنے کی غرض سے ہوتے ہیں لیکن وہ جس سوسائٹی میں رہتے ہیں اُسے بھی ضروری طور پر فائدہ پہنچاتے ہیں۔ قدیم زمانہ میں درنوں کی اور بعد ازاں ذاتوں کی تقسیم اس اصول پر عمل کرتے ہوئے کی گئی ہے۔ تمدن جوں جوں بڑھتا

کو قائم کرنے والے رشیوں کے سامنے اصلی غرض سوسائٹی کی خدمت اور بہتری ہی تھی۔ دونوں کا طریقہ سوسائٹی کو ایک جاندار جسم کی مانند فرض کر لیتا ہے۔ اور اور اس میں ہر ایک شخص کو ان فرائض کی ذمہ داری لینے کے لئے آزادی دیتا ہے۔ جس کے پورا کرنے کی خاص قابلیت وہ رکھتا ہو۔ برہمن اپنے دماغ کو اعلیٰ بنا کر اسے اپنی سوسائٹی کے ارپن کر دیتا تھا۔ اس دماغی ترقی کی سب سے بڑی کسوٹی یا شرط یہ تھی کہ وہ شخص آتما اور جسم کو کمزور کرنیوالی تمام خواہشات سے اوپر ہو جائے۔ برہمن ایک طرح سے سوسائٹی کی چوٹی سمجھا جاتا تھا۔ جو سوسائٹی کی حفاظت کے لئے سب کی آندھی اور طوفان اپنے اوپر سہار لیتا تھا۔ اور جس کی زندگی ایک قسم کا آدرش ہوا کرتی تھی۔ جو لوگ اپنے جسم میں بل پیدا کر کے اپنی زندگی کو ہتھیلی پر رکھے ہوئے اپنی سوسائٹی کی حفاظت کے لئے ہر وقت موت کا سامنا کرنے کے لئے تیار رہتے تھے کھشتری کہلاتے تھے۔ ان سے نیچے وہ لوگ ہوتے تھے جو عام دنیا داروں کی طرح دھن کمایا کرتے تھے اور اسکا بڑا حصہ سوسائٹی کی خدمت میں خرچ کیا کرتے تھے۔ جو لوگ اپنے اندر یہ قابلیت بھی نہ پیدا کر سکتے تھے وہ سوسائٹی کی معمولی خدمت کرتے ہوئے اس کے سیوک کہلاتے تھے۔ سوسائٹی کا یہ نمونہ اگرچہ اعلےٰ درجہ کا ہے۔ لیکن اس میں قومی محبت کا جذبہ اتنا نہیں پایا جاتا تھا جتنا کہ جنگی نمونہ کی سوسائٹی میں پایا جاتا ہے۔ چونکہ اس میں غیروں سے جنگ نہیں کرنا پڑتا۔ اس لئے نہ اس میں دوسروں سے نفرت ہوتی ہے۔ اور نہ باہم اتنی محبت ہوتی ہے کہ قومیت کا جذبہ مضبوط ہو سکے۔

مختلف قوموں کی پیدائش ۔ سائنسدان ہمیں بتاتے ہیں کہ اس جگت

کی موجودہ صورت ظاہر ہونے سے پہلے مادہ پرمانوں کے ایک لاانتہا اور وسیع سمندر کی شکل میں تھا۔ اب سمندر کے اندر حرکت پیدا ہوئی یہ حرکت دو شکلوں میں ظاہر ہوئی۔ ایک ملانے والی (Cohesion) اور دوسری علیحدہ کرنے والی (Repulsion) وہی حرکت جہاں پرمانوں کو آپسمیں ملاتی تھی دوسری پرمانوں کو ایکدوسرے سے علیحدہ بھی کرتی تھی۔ اس عالمگیر حرکت کے عمل کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان پرمانوں کے اکٹھا اور جدا جدا ہونے سے دنیا میں بے انتہا اجرام فلکیہ بن گئے ان میں سے ایک ہماری یہ زمین بھی ہے۔ انسانوں کی ابتدائی حالت بھی پرمانوں کے اس سمندر کی طرح تھی جس کے اندر اس قسم کی حرکت نے کام کرنا شروع کیا اور اس سے بے انتہا مختلف قومیں بن گئیں۔ ان قوموں کی بنیاد میں باہمی سنگھٹن اور دوسروں سے مغایرت کا خیال کام کرتا ہے قوم کو ایک بنانے والی کئی طاقتیں ہیں۔ جن میں سے بڑی بڑی نسل کا ایک ہونا۔ زبان کا ایک ہونا۔ ملک کا ایک ہونا۔ گورنمنٹ کا ایک ہونا اور مذہب کا ایک ہونا ہیں۔ قوم کے بننے کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ یہ سب اجزا موجود پائے جائیں۔ برخلاف اس کے اگر ان میں سے ایک بھی غیر معمولی کشش رکھتا ہے تو وہ قومیت پیدا کر سکتا ہے۔ مثلاً مسلمانوں کے لئے صرف مذہبی اعتقاد ہے جو انہیں ایک بناتا ہے۔ اس مذہبی اعتقاد کے سامنے ملک زبان یا نسل کی کوئی حقیقت نہیں۔ انگریزی قوم اگرچہ زمین کے مختلف کونوں میں پھیلی ہوئی ہے۔ مگر ایک زبان کے رشتے نے انکو قومیت میں باندھ رکھا ہے۔ پرانی آسٹرین امپائر کے اندر ایک مضبوط گورنمنٹ نے مختلف نسل اور زبان کے لوگوں کو صدیوں تک ایک

قوم بنائے رکھا۔ سوئٹزرلینڈ کے اندر زبانوں کا اختلاف ہے۔ اسی طرح امریکہ کی یونائیٹڈ سٹیٹس میں نسلوں کا اختلاف ہے۔ لیکن اپنی زمین کی محبت نے اس کے اندر رہنے والوں میں مضبوط قومی جذبہ پیدا کیا ہے نسل خون کی لہر کو جاری رکھتی ہے۔ ایک خون سے ہونا ایک باہمی کشش پیدا کرتا ہے اور ہر وقت ہمارے دلوں میں ان بزرگوں کی یاد کو تازہ رکھتا ہے جن کی اولاد سے ہم ہیں۔ ان کی بہادری کی کتھا کہانیاں ان کے کارنامے یا ان کی تکلیفات ہم سب کے دلوں میں ایک ہی قسم کے جذبات پیدا کرتے ہیں۔ ہم شری رامچندر اور سیتا کی مصیبت کی کہانی پڑھ کر ابھی تک آنسو بہاتے ہیں۔ ان کے تپ اور بل کے کارناموں کو سنکر ہمارے خون میں جوش پیدا ہو جاتا ہے۔ کونسا ہندو بچہ ہے جس نے پرتاپ کی دکھوں کی کہانی پڑھ کر ایک بار آنسو نہ بہائے ہوں کونسا ہندو بچہ ہے جسکا سر پرتھوی راج کا نام لیکر فخر سے اونچا نہ ہو جاتا ہو اور جے چند کے نام پر شرم کے مارے نیچے نہ جھک جاتا ہو۔ پنجاب کے بیراگی بہادر اور مہاراشٹر کے سیواجی کی کہانیاں ہمارے اندر ایک ہی قسم کے جذبات پیدا کرتی ہیں یہی جذبات قومیت کے اجزا ہیں۔

زبان وہ سرسوتی دیوی ہے جو کہ قوم کے اندر قومیت کی روح پھونک سکتی ہے۔ زبان ایسا ایک خزانہ ہے جس میں ایک قوم کے عالموں اور رشیوں کے وچار اور خیالات بند کئے ہوئے پائے جاتے ہیں زبان میں قوم کا سارا علم ادب یا ساہتیہ پایا جاتا ہے۔ جو کہ اس قوم کی تہذیب کی ایک سچی تاریخ ہوتی ہے۔ اپنشدوں کو پڑھ کر ہمارے سامنے فوراً ان رشیوں کی تصویر آجاتی ہے جو کہ جنگلوں میں کٹیاؤں میں بیٹھے ہوئے

عالم ہستی کے گہرے رازوں پر ایک دوسرے سے سوال وجواب کیا کرتے تھے ہم کو فوراً معلوم ہو جاتا ہے کہ ہمارے ان بزرگوں کی خواہشات کیا تھیں ان کی آتماؤں میں کون سے وچار کام کرتے تھے۔ ان کے سامنے زندگی کا آدرش کیا تھا۔ اس سے بھی پہلے کے زمانے میں جائیں تو ہمارے سامنے ویدک زمانہ آجاتا ہے جبکہ رشی دریاؤں کے کناروں پر بیٹھے ہوئے وید منتر پڑھتے اور ان کے ساتھ ساتھ مختلف یگیوں کو کیا کرتے تھے۔ وہ وید منتر اب بھی بڑی خوبصورتی کے ساتھ ہمیں یہ بتلاتے ہیں کہ ہمارے ویدک زمانے کے رشیوں کے سامنے کیا بڑا آدرش تھا ویدک رشی اس برہمانڈ کو پرماتما کی طرف سے ایک بڑا یگیہ سمجھتے تھے اور وہ دل سے یہی چاہتے تھے کہ ان کے جسم ان کے دماغ ان کی بدھی ان کے سب اچھے اور ان کی ساری عمر غرضیکہ جو کچھ ان کے پاس ہے اس یگیہ کے سمپورن کرنے میں ارپن ہو۔ اپنشدوں کے زمانے کے بعد ہمیں درشنوں کے رچنے والے وہ اچاریہ دکھائی دیتے ہیں جو کہ اپنے شنوں کے جھنڈوں کو ساتھ لئے ہوئے جگہ جگہ ملک میں پھرتے تھے اور اپنی اپنی فلاسفی کا پرچار کرتے تھے۔ اس کے بعد ہم مہابھارت اور گیتا کے زمانے میں آجاتے ہیں۔ جبکہ گیتا کی ایک چھوٹی سی نظم میں ہمیں اپنی قوم کی ساری ترقی اور تہذیب اسطرح بند نظر آتی ہے گویا کہ کوزے میں ایک سمندر کو بند کر دیا ہے۔ جبتک دنیا میں گیتا موجود ہے ہندو تہذیب اور قومیت مٹائی نہیں جاسکتی۔

محض اتنا ہی نہیں زبان قوم کی ایک وہ تصویر ہے جسپر ان ساری تبدیلیوں کا عکس برابر پڑتا جاتا ہے جن میں سے اس قوم کو گذرنا پڑتا ہے

اگر ہمارے پاس قوم کی تاریخ موجود نہ ہو تو ہم زبان میں مختلف الفاظ کی تاریخ سے ہی ان واقعات کا کافی پتہ لگا سکتے ہیں جو قوم کے ساتھ واقع ہوئے ہیں۔ بعض الفاظ کی شکل سے ہمیں معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ ہم نے دوسری قوموں کے ساتھ تجارت کے تعلقات پیدا کر کے لئے ہیں دوسرے الفاظ ہیں جو کہ دوسروں کے ساتھ جنگ کے ذریعے ہماری زبان میں داخل ہوئے ہیں اور کئی ایسے الفاظ ہوتے ہیں جو کہ ہماری زبان میں ایسی چوٹوں کے نشان ہیں جیساکہ جسم پر تلوار کے زخموں کے نشان باقی رہ جاتے ہیں آریہ نسل کی تاریخ کا کچھ علم نہ تھا۔ حال ہی میں جب یورپی قوموں کو سنسکرت زبان کا علم ہوا تو انہوں نے علم زبان (فالالوجی) کی بنیاد ڈالی۔ اور اس علم زبان کے ذریعے انسان کی ابتدائی تاریخ میں وہ بڑی دریافت ہوئی ہے جسکا پتہ لگنا دوسرے طرح سے بالکل ناممکن تھا اس کے ذریعے مختلف زبانوں کے اندر الفاظ کی مشابہت اور مقابلے سے ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ موجودہ یورپ کی تمام اقوام آریہ نسل کی شاخیں ہیں اور کسی زمانہ میں اسی ایک جگہ رہا کرتی تھیں جہاں پر کہ ایرانیوں اور ہندوؤں کے بزرگ بود و باش رکھتے تھے۔

زمین کے اندر ایک کشش پائی جاتی ہے جو کہ ہم عام طور پر محسوس نہیں کرتے لیکن جب ہمیں اپنے ملک سے باہر رہنے کا اتفاق ہو تو معلوم ہوتا ہے کہ کشش وطن کی طاقت کیا ہے۔ اسوقت ہمیں یوسف کا کہنا بالکل سچ معلوم ہوتا ہے کہ "مصر کی سلطنت میں تخت پر بیٹھنے کی نسبت کنعان میں گدا ہونا خوش تر ہے" ملک سے جلا وطن ہوئے اشخاص کے دلوں میں ایک خواہش بڑے زور سے کام کرتی ہے کہ اگر زندگی میں نہیں تو مرنے کے

بعد ان کے جسم کی راکھ انکی زمین کی مٹی میں شامل ہو ہندوؤں نے ان مقامات کو قوم کے لئے تیرتھوں کا درجہ دیدیا۔ جہاں پر ان کے قومی بیروں کی زندگیاں گذریں۔ کسی مقام کے تیرتھ ہونے کے لئے صرف اتنی بات ہی کافی ہے کہ اس زمین کے ذرّے کرشن کے پاؤں سے چھوتے رہے ہیں۔ ہم اس زمین کی بابت کیا کہیں جس کی مٹی میں رانی پدمنی اور اس کی ہزاروں سہیلیوں کی راکھ ملی ہوئی پائی جاتی ہے جنھوں نے اپنے ملک کی عزت قائم رکھنے کے لئے چتا پر بیٹھ کر اپنے ہاتھوں سے وہ شعلے بلند کئے جنہوں نے ان کے جسموں کو جلاکر خاک کردیا اور ہمارے دلمیں ابھی تک آگ پیدا کر سکتے ہیں۔

گورنمنٹ اس زرہ بکتر کا نام ہے جو کہ قوم کے جسم کو سب خطروں سے محفوظ رکھ سکتا ہے۔ قوم کا جسم اسوقت تک ہی زندہ رہ سکتا ہے جبتک اس کی حفاظت کرنے والی اپنی گورنمنٹ موجود ہو۔ ہندو دھرم شاستر کے مطابق کھشتری کا بڑا فرض گورنمنٹ کو قائم رکھنا ہے۔ کھشتریوں کے کمزور ہو جانے سے گورنمنٹ کمزور ہو جاتی ہے اور کسی قوم میں کھشتریوں کا نہ رہنا اس کی موت کا باعث بنجاتا ہے۔ پرانے زمانے میں راجا لوگ ہی گورنمنٹ کے بڑے قائمقام سمجھے جاتے تھے اور ان راجاؤں کے کارنامے ہی قوم کی تاریخ مانی جاتی تھی۔ اس زمانے میں گورنمنٹ کا دائرہ کسی ایک شخص یا کسی جماعت کے ہاتھ سے نکالکر اتنا وسیع کر دیا گیا ہے کہ گورنمنٹ کا کام سب لوگوں کے ہاتھ میں دیا گیا ہے۔ جو تاریخ پرانے زمانے میں صرف راجاؤں کی ہوا کرتی تھی اب لوگوں کی زندگی کے متعلق بنائی جانے لگی ہے۔ گورنمنٹ نہ صرف قوم کو اندرونی اور بیرونی

بیماری سے روکتی ہے بلکہ گورنمنٹ کا اچھا یا بُرا ہونا قوم کے چرتر کو اچھا یا بُرا بنا دیتا ہے۔ جس طرح سے اگر ایک سکول کی گورنمنٹ ایسے استادوں کے ہاتھ میں ہو جو مطلق العنان اختیار رکھتے ہوں ان کے پاس پڑھنے والے طالب علم ہمیشہ ان سے ڈرتے رہتے ہیں ان کی خوشامد کرتے ہیں۔ اور سزا کے ڈر سے جھوٹ بولنے اور دوسری کمزوریوں کے عادی ہو جاتے ہیں۔ اور اچھے استادوں کے ہونے پر طالب علم زیادہ آزاد ہوتے ہیں اور ان کے چرتر میں وہ خوبیاں پیدا ہو جاتی ہیں جو کہ آزادی کی آب وہوا میں رہنے سے ہوتی ہیں اسیطرح جہاں کہیں گورنمنٹ مطلق العنان ہوتی ہے وہاں لوگوں کا چرتر بزدلانہ اور خوشامدانہ بنجاتا ہے اور ایک آزاد گورنمنٹ کے نیچے لوگ راستباز ایماندار اور نڈر ہوتے ہیں۔

مذہب ایک سب سے آخری طاقت ہے جو کہ نزدیک کے زمانے میں ہی لوگوں کو اکٹھا کرکے خاص حالات سے پیدا کی گئی ہے۔ مذہب کے معنی دہرم سے بالکل مختلف ہیں۔ دھرم انسان کے لئے اس کے مختلف فرائض کو پورا کرنا ہوتا ہے۔ مذہب اس کے برخلاف ایک، دو یا زیادہ عقائد پر یقین رکھنے کا نام ہے۔ ان عقائد کے ماننے والے سب ایک مذہب کے پیرو کہلاتے ہیں۔ پرانے زمانے میں لوگ دہرم کی تعلیم دیا کرتے تھے جس کا مطلب لوگوں کی زندگیوں کو اونچا کرنا تھا۔ مہاتما بدھ کے چیلوں نے مذہب کا بیج دنیا میں قائم کیا جبکہ انہوں نے جگہ جگہ لوگوں کو بدھ کے نام پر دھرم کی تعلیم دینی شروع کی ان کے پرچار کا ذریعہ لوگوں کی خدمت اور لوگوں سے محبت تھی۔ اس کے بعد حضرت مسیح کے پیرووں نے بدھ کے چیلوں کی نقل کی اور مسیح کے نام پر دنیا کو ایک مذہب

لانے کی کوشش کی۔ محبت کے ساتھ ساتھ انہوں نے تلوار کو بھی مذہب پھیلانے کا ایک ذریعہ بنالیا۔ تیسرا بڑا مذہب اسلام ہوا ہے جس کے بانی حضرت محمدؐ نے یہ قرار دیا کہ اگر مذہب ایک اچھی چیز ہے تو اس کا پھیلانا بھی ایک اچھا کام ہے اس حالت میں اگر اس اچھے کام کرنے کے لیئے تلوار کو ایک بڑا ذریعہ بنالیا جائے تو کیا ہرج ہے؟ اس میں کچھ شک نہیں کہ مذہب نے عیسائیوں اور مسلمانوں میں بڑا مضبوط سنگھٹن پیدا کیا ہے لیکن ہم کو یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ اس مذہب نے انسانوں کے محض چند خیالوں کی بناپر ٹکڑے ٹکڑے کر کے قوموں میں اتنے فساد اور جھگڑے برپا کیئے ہیں کہ مذہب کی طاقت بنی نوع انسان کے لیئے ایک لعنت ثابت ہوئی ہے اسوقت دنیا میں ہندوؤں کی صرف ایک قوم ہے جو کہ مذہب کے اثر سے آزاد اور پاک ہے۔ ہندوؤں میں مذہبی فرقے ضرور موجود ہیں لیکن عام ہندو کسی ایک مذہبی خیال کے معتقد نہیں ہیں۔ ہندو محض ایک قومی نام ہے۔ بدھ مذہب کی تعلیم نے قومیت کے جذبے کو نہایت کمزور کر دیا اور جو کچھ تھوڑا بہت پولیٹیکل سنگھٹن ہندوؤں میں موجود تھا اسے بھی توڑ ڈالا۔ جسوقت ہندوؤں کو غیر اقوام سے مقابلہ پڑا اُن میں نہ تو کوئی مذہبی سنگھٹن موجود تھا اور گورنمنٹ کے ایک نہ ہونے سے نہ کوئی ایک پولیٹیکل طاقت تھی۔

انسان کی مجموعی تعریف

اگرچہ بنی نوع انسان مختلف قوموں میں بٹ گئی ہے لیکن یہ سب قومیں انسانی سوسائٹی کے حصے ہیں اور ایکدوسرے کے ساتھ ایسے ملے ہیں کہ الگ نہیں کیئے جاسکتے۔ کارلائل کا مقولہ ہے کہ اگر میں ایک پتھر اٹھا کر دوسری

جگہ پھینکتا ہوں تو اس سے کُرّہ زمین کا مرکز ثقل بدل جاتا ہے۔ اسی طرح کوئی ایسا چھوٹا واقع نہیں ہوتا جس کا تھوڑا بہت اثر دور دراز قوموں پر بھی نہ جا پڑتا ہو اگر ہم دنیا کی تاریخ اور اس کے موٹے موٹے واقعات پر ایک سرسری نظر بھی ڈالیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ کوئی واقع اکیلا بذات خود پیدا نہیں ہو جاتا بلکہ وہ تمام پچھلے واقعات کے ساتھ علت اور معلول کے سلسلے میں بندھا ہوتا ہے۔ کبھی مختلف واقعات ملکر علت بنجاتے ہیں جس سے ایک نیا نتیجہ پیدا ہوتا ہے۔ ہر زمانے میں اس قسم کے بے انتہا نتائج پیدا ہوتے رہتے ہیں اور علتیں بنتی رہتی ہیں۔ ہم ایک موٹا سا سوال کرتے ہیں کہ ہندوستان کس طرح سے ہزاروں میل کے فاصلے پر واقع ایک چھوٹے سے ملک کے نیچے آگیا ہے آؤ اسکو کھوج کر کے پیچھے جائیں۔ پہلا جواب یہ ہے کہ جب انگریز یہاں تجارت کرنے کے لئے آئے اسوقت ہندوستان کی پولیٹیکل حالت ایسی گری ہوئی تھی کہ کوئی ایک سمجھدار یا طاقتور شخص جو کچھ لوگوں کو اپنے ماتحت اکٹھا کر سکتا تھا بڑی آسانی سے راج کی طاقت کو حاصل کر سکتا تھا۔ انگریز تجاروں نے اس بات کو دیکھ لیا۔ انہوں نے بھی دوسرے لوگوں کی طرح راج کی طاقت حاصل کرنے کے لئے ہاتھ پاؤں مارنے شروع کئے۔ وہ کیوں کامیاب ہوئے اس کی وجہ یہ تھی کہ انگریزی قوم کی پچھلی ساری تاریخ کا مطالعہ ہر ایک انگریز کے اندر ایسے اوصاف پیدا کر دیتا تھا جن سے کسی قسم کی پولیٹیکل جدوجہد میں ان کی کامیابی کا موقع زیادہ ہو جاتا تھا۔ دوسرا سوال انگریز تجارت کے لئے اتنی دور کیوں آئے اس لئے کہ اہل سپین کے ساتھ ان کی دشمنی تھی۔ اہل سپین نے نئی اور پرانی دنیا کو دریافت کر کے ساری تجارت اپنے ہاتھ میں لے لی سپین

کے جہاز روپے سے مالا مال ہو کر سمندر پر پھرتے تھے بلکہ ایلزبیتھ کے وقت میں کچھ انگریز لیٹروں نے مشرق سے آتے ہوئے سپین کے ایک جہاز کو لوٹا اور اس کی دولت کو دیکھکر انگلینڈ کے لوگوں میں یہ خواہش ہوئی کہ وہ بھی ہندوستان کی طرف تجارت کا رُخ کریں۔ اگلا سوال یہ ہوتا ہے کہ اہل سپین نے کیونکر سمندر ہی راستے دریافت کئے؟ اسکا جواب یہ ہے کہ سپین اور پرتگال ۷۰۰ سال تک مسلمانوں کی حکومت کے نیچے رہے۔ پندرھویں صدی کے درمیان ہی سپین کی عیسائی ریاستوں نے اسلام کی حکومت کا سپین میں خاتمہ کردیا۔ لیکن ان کے دلوں میں مسلمانوں کے بر خلاف نفرت کا جذبہ ایسا زوردار تھا کہ وہ جہاز بنا کر افریقہ کے مغربی کنارے پر ان کے تعاقب میں چل پڑے۔ جاتے ہوئے افریقہ کے جنوب میں جا پہونچے اور ایک جہاز ران مشرق کی طرف مڑکر اپنا جہاز ہندوستان کے کنارے تک لے آیا۔ اگلا سوال یہ ہے کہ اسلام کی حکومت سپین میں کیسے قائم ہوئی؟ اسکا جواب ہمیں اسلام کے آغاز اور حضرت محمدؐ کی تعلیم کی طرف لے آتا ہے۔ ۱۔ حضرتؐ نے اسلام کی بنیاد کیسے ڈالی؟ انہوں نے عرب سے باہر جہاز پر سفر کرتے ہوئے یہودی مذہب کی تعلیم کو اپنے اندر جذب کر لیا اور اس کی بنیاد پر عرب میں اسلام کی پولٹیکل طاقت قائم کی۔ یہودی مذہب کی تعلیم کن ذریعوں کا نتیجہ تھی؟ یہ سوال ہے جو کہ ہمیں قدیم زمانے کی تاریخ میں لیجاتا ہے یہودیوں نے ایران سے کیا سیکھا؟ انہوں نے چیلڈیا یا مصر سے کیا سیکھا؟ اور چیلڈیا اور مصر نے ہندوستان سے کیا سیکھا۔ اس طرح کا ایک گہرا سلسلہ ہے جو کہ بنی نوع انسان کے تاریخی واقعات کو ایکدوسرے کیساتھ

ایک سلسلے میں باندھ دیتا ہے

قوم کی اصلی تاریخ کیا ہے؟

قومیت کو بنانیوالے مختلف عنصروں کا ہم نے تھوڑا سا ذکر کیا ہے اسکے ساتھ اتنا اور اضافہ کرنا ضروری ہے کہ جسطرح انسان کے جسم کے پیچھے ایک چھپی ہوئی زندگی کی طاقت ہے جسے روح یا آتما کہا جاتا ہے اسیطرح قوم کے جسم کے پیچھے ایک چھپی ہوئی زندہ طاقت ہوتی ہے جو اس قوم کی روح یا جان کہلاتی ہے یہ روح اس قوم کی تہذیب یا سبھیتا ہے۔ ہر ایک قوم اس دنیا میں اپنا ایک خاص مشن رکھتی ہے۔ اس مشن کو قائم رکھنا اور دنیا میں پھیلانا اس کی زندگی کا بڑا مدعا ہوتا ہے اور یہ قومی مشن اس تہذیب میں پایا جاتا ہے جو کہ یہ قوم اپنے لئے اور دنیا کے لئے پیدا کرتی ہے۔ یہ تہذیب کیا ہے اسکا بتانا ایسا ہی مشکل ہے جیسے یہ بتانا مشکل ہے کہ آتما کیا ہے۔ باوجود اس کے ہم موٹے طور پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ تہذیب ایک قوم کی خواہشات اور کوششوں۔ بھاؤں اور وچاروں کے مجموعہ کا نام ہے۔ قوم کی موت کے معنی یہ ہیں کہ اس کی تہذیب یعنی سبھیتا کا خاتمہ ہو گیا۔ جن قوموں کی قومیت کمزور ہو جاتی ہے وہ اپنی سبھیتا کی حفاظت کرنے کے ناقابل ہو جاتی ہیں۔ دنیا میں بہتیری پرانی قومیں ہوئی ہیں جنہوں نے ترقی کی۔ اپنی تہذیب کی روشنی کو دوسرے ممالک میں پھیلایا۔ وقت آیا کہ ان کا تنزل شروع ہوا اور وہ ایسی گر گئیں کہ ان کی تہذیب کا نام باقی نہ رہا۔ پرانے یونان کے اسوقت صرف کھنڈرات ہی باقی ہیں۔ مصر کی پرانی تہذیب کا نشان اسوقت صرف اس کے میناروں میں باقی ہے

پرانے ایران کے بادشاہوں اور ہیروں کے نام اسلام نے اپنے اندر جذب کرکے اپنی تہذیب کا حصّہ بنالئے ہیں نہ پرانا روم دنیا میں باقی ہے نہ پرانا مصر دُنیا میں باقی ہے نہ پرانا یونان۔ ان کی تہذیب نے یوروپ کو روشن کردیا۔ لیکن اپنے ملک میں اُنکا چراغ بجھ گیا۔

سب پرانی اقوام میں سے ہندوؤں کی ایک پرانی قوم ہے جو کہ باوجود ہزاروں سال کے حملوں کی آندھی اور طوفان کے اپنی تہذیب کو ابھی تک بچائے ہوئے ہے۔ ہماری سچی تاریخ وہ ہوگی جو اس تہذیب کو اپنا آدرش رکھکر اس کے نقطہ خیال سے لکھی جائے گی وہ تاریخ اس لہر کی رفتار کو قلمبند کرے گی جو لہر ہماری قوم کے تمام واقعات کے اندر آتما کی مانند بہتی ہوئی چلی آتی ہے۔ اس تاریخ کا کام یہ ہوگا کہ قومی آتما کی حفاظت کرے اور جو قومی کمزوریاں یا بیماریاں اسے گرا رہی ہیں ان کو دور کرے اسوقت جو تاریخی کتابیں ہمارے درمیان موجود ہیں ان سب میں ایک بڑا عیب پایا جاتا ہے کہ وہ ہمارے قومی نقطہ خیال کو بالکل نظرانداز کردیتی ہیں۔ ان کتابوں کا مسالہ زیادہ تر انگریز مصنفوں کا لکھا ہوا ہے جنہوں نے بہت سے حالات تو اپنے نقطہ خیال سے لکھے ہیں اور باقی کے حالات مسلمان مورخوں کی کتابوں سے اخذ کئے ہیں امر واقع یہ ہے کہ نہ تو انگریز مورخ اور نہ مسلمان مورخ ہندوستان کی تاریخ کا اصلی نقطہ خیال سمجھ سکتے تھے۔ انگریز مورخوں نے ہندوستان کی بابت جو لکھا ہے وہ واقعی ہندوستان کی تاریخ نہیں ہے بلکہ ہندوستان میں انگلستان کی طاقت کا پھیلاؤ اور اسکے کام کا بیان ہے۔ اس کو پڑھکر انگریز بچوں کے دلوں میں فخر اور گھمنڈ کا جذبہ پیدا ہو سکتا ہے

لیکن اس ملک کے رہنے والوں کے دلوں میں سوائے عام واقفیت کے کوئی اچھا بھاؤ نہیں پیدا ہوتا۔

اسی طرح مسلمان مورخوں نے غزنوی یا غوری کی تفصیل لکھی لیکن یہ سب حملے ہماری قوم کی تاریخ کے ساتھ ایسا ہی تعلق رکھتے ہیں جیسا کہ ہمارے جسم پر ہمارے دشمنوں کے زخموں کے نشان موجود ہوں ان کا اثر جسم پر ضرور ہوتا ہے لیکن محض ان کا بیان ہماری قومی زندگی کو کوئی فائدہ نہیں پہونچا سکتا۔ کسی قوم کو اس کی اپنی تاریخ سے محروم کر دینا اور اسکو غیر ملکی خیال کی لکھی ہوئی تاریخ سکھا دینا مداری کی نظر بندی کی طرح اسے بھرم جال میں ڈال دینا ہے تاکہ وہ یہ ماننے لگ جائیں کہ ان کی نہ کوئی قوم تھی نہ سبھیتا اور وہ ہمیشہ سے فٹ بال کی طرح دوسروں کے ٹھڈوں کا شکار بنی چلی آئی

نقطہ خیال ہی ہے جو کہ ہمارے لئے ایک چیز کو اچھا یا برا بنا دیتا ہے اگر ایک بھیڑئے سے بھیڑ کے متعلق دریافت کیا جائے تو اسکا قدرتی بیان یہ ہوگا کہ بھیڑ بڑا اچھا جانور ہے کیونکہ اسکا گوشت ایک اچھی خوراک ہے۔ جسے کھانے میں مزا آتا ہے اور اسے کھا کر کچھ اور کھانے کی ضرورت نہیں رہتی۔ لیکن بھیڑ سے پوچھو وہ کیا کہے گی؟ بھیڑ کہتی ہے۔ بھیڑیا بڑا ظالم جانور ہے۔ میں اپنے گھر میں بیٹھی ہوں کسی کو دکھ نہیں دیتی کسی کا کچھ بگاڑتی نہیں۔ گھاس پھونس کھا کر گذارہ کر لیتی ہوں لیکن دنیا میں ایسے ظالم موجود ہیں جو کہ غریبوں اور بے گناہوں کو زندہ نہیں رہنے دیتے بھیڑئے کے لئے جو بات اچھی ہے بھیڑ کے لئے وہ موت ہے پرلوں کے مختلف نقطہ نگاہ ایک ہی فعل کو اچھا یا برا

بنا دیتا ہے۔ تاریخ لکھنے میں نقطہ نگاہ کا خیال رکھنا نہایت ضروری ہے
ایک نقطہ نگاہ سے لکھی ہوئی تاریخ ہمارے لئے قومی زندگی پیدا
کر سکتی ہے۔ دوسرے نقطہ نگاہ سے لکھی ہوئی تاریخ ہماری
قومی موت کا باعث بنجائے گی۔

کیا پرانے ہندوؤں کو تاریخ کا خیال نہ تھا

عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ پرانے
زمانے کی کوئی تاریخی کتابیں نہیں ملتیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ
پرانے آریوں کو تاریخ کا شوق نہ تھا۔ بات یہ ہے کہ موجودہ طریقے
پر لکھی ہوئی پرانے زمانے کی کوئی تاریخ ہو ہی نہیں سکتی۔ پرانے
ہندوستان کی سوسائٹی ایک بڑے فراخ خود مختاری کے اصول
پر قائم ہوئی تھی۔ جس میں ہر ایک شہر اور گاؤں دوسروں سے آزاد تھا
اور اپنے انتظام میں بالکل خود مختار تھا۔ پرانے زمانے کے یونان کے
شہر بھی اپنی حکومت اور انتظام میں پورے آزاد تھے روم بھی ایک
آزاد شہر تھا۔ پرانے یونان کی بھی کوئی ایک تاریخ نہیں ملسکتی اور جو
کچھ حالات ہمیں ملتے ہیں وہ صرف یونان کے مختلف شہروں کے لڑائی
جھگڑوں کے ہیں۔ مہابھارت کے زمانے میں ہمیں ملک کی پولیٹیکل
حالت کا ایک خاص نقشہ دکھائی دیتا ہے۔ کوروں جیسے بڑے اور
قدیم خاندان کی راجدھانی ایک شہر ہستناپور تک ہی محدود تھی جبوقت
پانڈو دروپدی کے سوئمبر کو جیت کر ہستناپور کو واپس آئے۔ تو کرشن کی
وساطت سے ان کی اور کوروں کی صلح ہوئی۔ پانڈووں کو تھوڑی
دور فاصلے پر ایک زمین دی گئی جہاں انہوں نے اندر پرستھ نگر بنا کر

اپنی آزاد راجدھانی قائم کر لی - پانڈوں نے جب راج سُویگیہ کیا تو بھیم ارجن وغیرہ بھائی سب اطراف میں گئے - راجاؤں کو فتح کیا اور اُن سے نذرانے لیکر واپس چلے آئے - اسی موقع پر بھیم ارجن اور کرشن تینوں بغیر کسی فوج کے مگدھ پہونچے اور کشتی میں جراسندھ کو قتل کر کے واپس چلے آئے - اگرچہ ہندو سوسائٹی سماجک وچاروں اور رسوم کے لحاظ سے ایک ہی سمجھی جاتی تھی لیکن پولیٹیکل لحاظ سے اتنی ہی ریاستیں تھیں جتنے شہر اور گاؤں تھے - ان سب کو ملا کر ملک کی ایک پولیٹیکل تاریخ نہیں بنائی جا سکتی تھی اپنی پرانی کتابوں میں ہمیں صرف ان بڑے خاندانوں یا بڑے راجاؤں کے ذکر ملتے ہیں جو کہ دوسرے خاندانوں سے بڑھے ہوئے تھے ملک کی پولیٹیکل ایکتا کی صرف ایک ہی نشانی تھی اور وہ یہ کہ سب راجاؤں میں مہاراج ادھیراج کا درجہ سب سے اونچا سمجھا جاتا تھا اور یہ درجہ جو کوئی راجا طاقت میں باقیوں پر سبقت لیجاتا اسے دیدیا جاتا تھا - راجاؤں کے اندر جو کوئی بڑا راجا ہوتا تھا اس کی یہ خواہش ہوتی تھی کہ وہ اس درجہ کو حاصل کرے چندر گپت غالباً پہلا راجا جس نے سارے دیش میں ایک گورنمنٹ قائم کرنے کی کوشش کی اور وہ اس کوشش میں کامیاب ہوا - لیکن اشوک کے مرجانے پر ملک پھر پرانی حالت میں چلا گیا - مسلمان حملوں کے وقت میں ہندو راجا خاص خاص بڑے شہروں میں راج کرتے تھے اور انکی حفاظت کرنا ہی وہ اپنا فرض سمجھتے تھے - باقی علاقے کے ساتھ انکا کوئی پولیٹیکل تعلق نہ تھا - اس لئے حملہ آور اپنی فوج لئے ہوئے سیدھے راجدھانی پر آ پہونچتے تھے - راستے میں کوئی ان کی مخالفت نہ کرتا تھا - ان حملوں کے وقت میں بھی اجمیر کا راجا - قنوج کا راجا یا متھرا کا راجا - ایسے ایسے نام سُنے جاتے ہیں - ملک

میں ایک مضبوط راجا کا نہ ہونا ہندوؤں کی سب سے بڑی کمزوری تھی جو انکے لئے مہلک ثابت ہوتی۔ جب شہاب الدین دہلی فتح کرنے کے بعد قطب الدین کو وہاں کا راجا بناکر چھوڑ گیا تو اسوقت مسلمانوں کا راج دہلی شہر کی حدود تک ہی محدود تھا۔ عام لوگ صرف اسی بات کو مانتے تھے کہ دہلی کا راجا ہی ہندوستان کا راجا ہوتا ہے۔ تغلق خاندان کے وقت میں ابن بطوطا نامی سیاح افریقہ سے دہلی آیا اس نے اپنے سفرنامے میں لکھا ہے کہ دہلی شہر سے کچھ فاصلے پر کوئی شخص بادشاہ کا نام تک نہ جانتا تھا۔ سب گاؤں اور قصبے اپنا انتظام آپ کر لیتے تھے ملک کو ایک پولیٹیکل ارگنیزیشن کے نیچے لاکر ایک راجہ قائم کرنیوالا بادشاہ اکبر ہوا۔ راجپوت راجا اپنے آپکو ہندوؤں کے محافظ سمجھتے تھے۔ انہوں نے اکبر کی مخالفت کی ان سب کا سرتاج پرتاپ تھا جس نے اکبر کے آئین کے نیچے آنا پسند نہ کیا اور اپنی جان جوکھوں میں ڈالکر ہزاروں مصیبتیں سہتا ہوا اس کے مقابلے پر ڈٹا رہا۔ ہندو نقطہ خیال سے ہندوستان کی تاریخ کا مرکز رانا پرتاپ تھا لیکن چونکہ مسلمان بہت مدت سے ملک میں رہنے لگ گئے تھے ملک کے پولیٹکل نقطہ خیال سے تاریخ ایک بڑا قدم آگے بڑھ جاتی ہے اور ہمیں یہ دیکھ کر حیرانی ہوتی ہے کہ کس طرح ایک بالکل ان پڑھ مذہبی تعصب سے اونچا ہوکر ہندوؤں کے دلوں سے مسلمانوں کے برخلاف صدیوں کی نفرت کو دور کر کے اتنے بڑے کام کی بنیاد ڈال سکتا ہے۔

پنجاب کی تاریخ

غالباً یہ سوال کیا جائیگا کہ پنجاب کی تاریخ لکھنے کی کیا ضرورت تھی؟ اس کے جواب میں مندرجہ ذیل امور کی طرف توجہ دلا دینا کافی ہوگا:-

۱۔ پنجاب ہندوؤں کا اصلی گھر ہے

پنجاب ہندوؤں کا اصلی وطن ہے۔ ہندو نام کا آغاز پنجاب میں ہوا۔ پنجاب کے پانچ دریاؤں کے ساتھ سندھ اور سرسوتی دو اور دریا ملاکر اس زمین کا نام ویدک زمانے میں سپت سندھو تھا۔ یہ سپت سندھو لفظ نہ صرف آرش گرنتھوں میں آتا ہے بلکہ پارسیوں کی پرانی مقدس کتاب ژند اوستھا میں بھی آتا ہے۔ فارسی زبان میں س۔ ہ سے بدل کر سپت سندھو۔ ہپت ہندو بنجاتا ہے اس ہپت ہندو سے ہی ہمارا نام ہندیا اندو اور ہمارے ملک کا نام ہندوستان یا انڈیا ہوا۔ اسی نام سے ہم اور ہمارا ملک ابھی تک مشہور چلا آتا ہے۔

۲۔ پنجاب آریہ نسل کا وطن ہے۔

آریہ نسل کے آغاز کے متعلق کئی مختلف اصول پیش کئے جا چکے ہیں۔ لیکن ابھی تک یہ فیصلہ ہونا باقی ہے کہ وہ ابتدائی مقام کہاں پر تھا۔ سوامی دیانند نے ایک مت یہ پیش کیا ہے کہ انسانی سرشٹی کی پیدائش تبت میں ہوئی کیونکہ یہ ملک پرتھوی میں سب سے زیادہ اونچائی پر واقع ہے۔ یورپی مورخوں کی یہ رائے ہے کہ آریہ نسل کی اصلی جائے پیدائش وسط ایشیا تھی۔ کئی اسے شمالی یوروپ بتاتے ہیں۔ لوک مانیہ بال گنگا دھر تلک نے اپنے ویدک مطالعہ کے سہارے پر یہ نیا مت پیش کیا ہے کہ پرانے آریہ لوگ شمالی قطب کے پاس منجمد میں رہا کرتے تھے اور وہاں سے بڑھتے ہوئے ہندوستان اور ایران میں آئے اور یوروپ کی ممالک میں پھیلے حال ہی میں بابو ابناش چندر داس نے رگویدک انڈیا کتاب لکھی ہے جس میں اس نے لوکمانیہ کے مت کو غلط ثابت کیا ہے۔ اور رگ وید کے منتروں کے حوالے سے اس امر کو پایہ ثبوت تک پہنچانے کی کوشش کی ہے

کہ آریہ نسل کی اصل جائے پیدائش پنجاب ہے۔ بابو موصوف نے لکھا ہے کہ رگ وید میں ایسے منتر پائے جاتے ہیں جو جیوالوجیکل انقلاب کے زمانے سے پہلے کے ہیں۔ اور بھوگر بھ ودیا (جیوالوجی) کی مدد سے یہ ثابت کیا ہے کہ پنجاب اور دکن کے بیچ میں ایک سمندر حائل تھا جیوالوجیکل انقلاب ہونے سے اس سمندر کے غائب ہو جانے پر راجپوتانے کا صحرا پیدا ہو گیا جس سے پنجاب اور دکن ایک ملک بن گئے۔ اس انقلاب کو ہوئے ہزاروں سال کا عرصہ ہوا ہے۔ وید منتروں میں اُس سمندر کا ذکر ہے اس لئے وہ ان ہزاروں سالوں سے بڑا لمبا زمانہ پہلے لکھے گئے ہونگے قدرتی نتیجہ یہ ہے کہ آریہ لوگ ابتدا میں اس سپت سندھو ہی کے رہنے والے تھے۔

شمال میں کشمیر اور جنوب میں قندھار کا علاقہ بھی سپت سندھو میں شامل تھا۔ جنوب میں راجپوتانہ کا سمندر اور مشرق میں مشرقی سمندر تھا جو کہ وادی گنگا کے اوپر پھیلا ہوا تھا۔ شمال کی طرف قندھار اور کابلستان سے ہوکر آریہ نسل کی شاخیں مغرب کو باسفورس کے اوپر سے پانیٹی اس کے راستے سے ہوکر گئیں (پانیٹی اس سنسکرت لفظ پنتھ ہے جسکا ارتھ راستہ ہے)

۱۳۔ ملک کی تاریخ میں پنجاب کا حصہ

ہندوستان کی مشترکہ تاریخ میں دکن اور بنگال کا بہت بڑا حصہ نہیں ہے اور اگر کچھ ہے تو اتنا ہی کہ سب سے پہلے مدراس اور بنگال انگریزی ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت کے نیچے آئے اور انہوں نے مغربی اثرات میں سب سے پہلے آکر باقی ملک کی قومیت کی گراوٹ کی سڑک پر راہنمائی کی۔ راجپوتانہ اور مہاراشٹر نے اپنے اپنے خاص زمانے میں ہماری موجودہ تاریخ میں بہت

بڑا حصہ لیا ہے۔ لیکن پنجاب کی خصوصیت یہ ہے کہ اسکا حصہ ملک کی تاریخ میں شروع زمانہ سے لے کر موجودہ زمانے تک لگاتار ایک سا چلا آتا ہے اس لیئے پنجاب کی تاریخ میں سارے ملک کی تاریخ کا سار پایا جاتا ہے باہر سے جتنے حملہ اور آئے سب سے پہلے پنجاب میں ہی آئے اور یہاں ہی ان کے مستقبل کا فیصلہ ہوا دریائے سرسوتی کے پاس ہونے سے کوروکھشیتر پنجاب کا ایک قدیمی حصہ ہے۔ اگر ہم کوروکھشیتر کے ساتھ دہلی کو بھی پنجاب کے ساتھ شامل کرلیں تو بلاشبہ پنجاب سارے ملک کی تاریخ کا مرکز بن جاتا ہے۔

۴۔ پنجاب کے لوگوں کا چرتر

ہندوستان کے تمام حصوں میں سے پنجابیوں کا چرتر (کیریکٹر) خاص طرح کا ہے۔ ان کے اندر کام کرنے کا مادہ زیادہ پایا جاتا ہے۔ پنجاب کی ہندو آبادی میں زیادہ تر براہمن اور کھتری ہیں۔ ان دونوں جماعتوں کے اندر باہمی فرق بہت ہی کم ہے۔ پنجاب کے کھتریوں میں عجیب خاصیت ہے کہ موقعہ کے مطابق براہمنوں کے۔ کھشتریوں کے یا ویشوں کے فرائض کو پوری طرح سے ادا کر سکتے ہیں۔ جس وقت ضرورت تھی ان میں سے مذہبی اصلاح کرنے والے گورو پیدا ہوئے جن کی زندگی میں براہمنوں کے سارے اعلیٰ اوصاف پائے جاتے تھے۔ اور ہم چاہے ساری دنیا کی تاریخ چھان ڈالیں ہمیں کہیں ایسے دس مہاپرش نظر نہیں آتے جیسے کہ دس گورو ایک دوسرے کے بعد گدی پر جانشین ہوتے رہے ہیں۔ پنجاب میں وہ سچا کھشتری لچھمن سنگھ پیدا ہوا۔ جسے بیراگی بہادر کہا جاتا ہے۔ ان کھشتریوں میں سے دیوان محکم چند اور اس کی اولاد جیسے مدبر پیدا ہوئے۔ جنہوں نے مہاراجہ رنجیت سنگھ کی سلطنت کی بنیاد ڈالنے میں بڑا بھاری حصہ لیا۔

موجودہ وقت پر نظر ڈالنے سے بھی معلوم ہوگا کہ اگرچہ سوامی دیانند گجرات کا ٹھیاواڑ میں پیدا ہوئے اور انہوں نے نہایت ہی تھوڑا وقت پنجاب میں صرف کیا۔ لیکن پنجاب کے لوگوں کے چرتر کی وجہ سے ہی انکے کام کو سب سے بڑھ کر کامیابی ہوئی۔ اسی طرح پولیٹیکل تحریک کے لیڈر بھی زیادہ دوسری جگہہ ہوئے ہیں۔ لیکن۔ ان کے خیالات کا اثر سب سے بڑھ کر پنجاب کے لوگوں میں پایا جاتا ہے۔ پنجاب کے لوگ خالی خیال میں نہیں رہتے وہ خیال کو فوراً فعل کی شکل میں لانا چاہتے ہیں۔ ان کے خیالات اور فعلوں میں بہت زیادہ فاصلہ نہیں پایا جاتا۔ سرکار انگریزی اس امر کو اچھی طرح سے سمجھتی ہے اور اسی وجہ سے وہ پنجاب کو زیادہ دبانے کی کوشش کرتی ہے ان سب حالات کو سامنے رکھکر اس نتیجے پر پہونچنا بڑا آسان ہے کہ ملک کی آئندہ تاریخ بنانے میں بھی پنجاب کا بہت بڑا حصہ ہوگا۔

جغرافئے کی بابت

زمین کی عمر پُرانے آریہ جیوتش شاستر کے حساب کے مطابق اِس دُنیا کو بنے ہوئے اِس وقت ایک عرب ۹۶ کروڑ سال سے اُوپر کا عرصہ گزر چکا ہے۔

حال ہیں مختلف علوم کی جو ترقی ہوئی ہے اس کے ذریعے سے سائینسدان لوگ بھی اس رائے پر آ پہونچے ہیں کہ اس دنیا کو بنے ہوئے ۱۰ کروڑ سے لیکر ایک ارب ۱۰ کروڑ سال تک کا عرصہ گذر چکا ہے۔ زمین کی زندگی میں سب سے پہلا وہ زمانہ تھا جب کہ اس کرہ پر کوئی جاندار شئے موجود نہ تھی۔ دوسرا زمانہ وہ آیا جبکہ نہایت ہی سادہ بناوٹ رکھنے والے جاندار یہاں ظاہر ہوئے۔ اس سے اگلے زمانے میں سمندر کے اندر مچھلیاں اور خشکی جنگلات کی شکل میں ظاہر ہوئی اگلا زمانہ زمین کے اوپر رینگھنے والے جانوروں کا تھا۔ سب سے آخیر وہ زمانہ آتا ہے جبکہ گھاس اور دوسری نباتات اور دودھ پلانے والے جانور زمین پر نمودار ہوئے۔ انسان کی پیدائش بھی اس زمانے میں ہوئی۔

انسانی تہذیب سائینسدان لوگ انسانی تہذیب کو تین بڑے زمانوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ پہلے زمانے کو پرانے پتھر کا زمانہ کہا جاتا ہے۔ اسے مسیح سے ۱۰ لاکھ پہلے تک گنا گیا ہے۔ اس زمانے میں اس زمین پر کئی بڑے بڑے برف کے طوفان آئے۔ زمین کو موجودہ شکل میں آئے کوئی پچاس ہزار برس کا عرصہ مانا گیا ہے۔ اس زمانے میں

جہاں کہیں انسان تھے وہ اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے موٹے پتھر کے اوزار استعمال کیا کرتے تھے۔ دوسرا زمانہ وہ آیا جس میں بجائے موٹے پتھر کے پتھر کے نفیس اوزار استعمال کئے جانے لگے۔ اسے نئے پتھر کا زمانہ کہتے ہیں تیسرا زمانہ وہ آیا جبکہ انسان کو معدنیات کا علم ہوا اور اسنے لوہے کو اپنے اوزاروں کے لئے استعمال کرنا شروع کیا۔ اس زمانے کو لوہے کا زمانہ کہتے ہیں۔

سائنسدانوں کا یہ خیال ہے کہ جنوبی ہندوستان کے انسان ابتدائی زمانے سے یہاں پر پائے جاتے ہیں۔ یہ لوگ غیر آریہ نسل سے تھے تناولی کے ضلع میں ایسی قبریں ملی ہیں جہاں پر کہ وہ لوگ لاش ایک مرتبان میں بند کرکے زمین میں گاڑا کرتے تھے۔ شمالی ہند میں پہلے پانی ہی پانی تھا۔ جب پانی کی جگہہ خشکی نمودار ہوئی تو بھی شمال اور جنوب کے درمیان بہت کم تعلقات تھے۔

آب وہوا کا اثر

زمین اور آب وہوا کا اثر وہاں کے لوگوں کے کیرکٹر (چرتر) پر اور ان کی سوشل اور پولیٹیکل زندگی بنانے میں بڑا بھاری ہوتا ہے۔ سخت دل اور مضبوط جسم والے افغان اپنی پہاڑی زمین کا ویسا ہی نتیجہ ہیں جیسا کہ نرم دل ہندو اپنی میدانی زمین اور گرم آب وہوا کا ہے۔ افریقہ کی آب وہوا حبشی کے خط وخال اور رنگ کو اسی طریقے سے پیدا کرتی ہے جسطرح کہ جاپان کی آب وہوا منگولین چہرا اور خط وخال بناتی ہے۔ آب وہوا کے اثر کے لئے یہ ضروری ہے کہ انسان کی نسلیں مدت مدید تک اس آب وہوا کے اثر میں رہیں اسوقت اگرچہ امریکین۔ کنیڈین یا اسٹریلین۔ انگریزوں سے پوری مشابہت

رکھتے ہیں۔ لیکن اب وہوا کا اثر اب بھی ظاہر ہو رہا ہے اور زمانہ آئے گا
جبکہ یہ لوگ اپنی نسل سے بالکل مختلف بن جائیں گے۔

موجودہ پنجاب کا حدود اربعہ

شمال میں ہمالہ پہاڑ جو اسے تبت اور چین سے جُدا کرتا ہے۔ مشرق میں دریائے جمنا جنوب میں سندھ اور دریائے ستلج۔ مغرب میں کوہ سلیمان جو اسے افغانستان اور بلوچستان سے جدا کرتا ہے۔

ہمالہ میں کشمیر۔ جیند۔ منڈی۔ سکیت۔ ناہن وغیرہ ریاستیں اور شملہ۔ کلو۔ ڈلہوزی وغیرہ پہاڑیاں۔ مغرب میں ہزارہ کی خوبصورت وادی ہے۔ جنوب میں حصار اور دلی کا علاقہ ہے جو غدر کے بعد اس میں شامل کیا گیا ہے۔ پنجاب کا شمال دنیا کا باغیچہ ہے۔ جنوب میں ریتیلے صحرا اور جنگل ہیں۔ شمال کی آب وہوا نہایت سرد ہے اور میدان میں گرمیوں میں نہایت گرم اور سردیوں میں نہایت سرد ہوتی ہے۔

رقبہ اور آبادی

پنجاب کا رقبہ ۱ لاکھ ۴۴ ہزار ۴ سو ۲۶ میل مربع ہے آبادی دو کروڑ سے اوپر ہے ۱۹۰۱ء کی مردم شماری کی رپورٹ کے مطابق پنجاب کشمیر اور راجپوتانہ کی آبادی بالکل آرین ہے۔ صوبہ جات متحدہ اور بہار میں آرین اور دراوڑ ملی ہوئی ہیں بنگال اور اوڑیسہ میں تھوڑا سا حصہ آرین اور باقی منگول اور دراوڑ ملا ہوا ہے بمبئی۔ گجرات۔ مہاراشٹر۔ کرگ تک شک اور دراوڑ ملی ہوئی ہے۔ مدراس حیدرآباد۔ ممالک متوسط۔ چھوٹا ناگپور لنکا تک دراوڑ نسل ہے۔

پنجاب کے دریا

پنجاب کو پانچ دریاؤں کی وجہ سے یہ نام دیا گیا ہے ان میں سے ہر دو دریاؤں کے بیچ کے علاقے کو

دوابہ کہا جاتا ہے۔ ان پانچوں کے علاوہ چھٹا دریا سندھ ہے جو کہ نہایت قدیم زمانہ سے جنگی اور ملکی وجوہات کے باعث اس کی حد سمجھا جاتا ہے تمام حملہ آور اور سیاح اسے ہندوستان کا پھاٹک سمجھتے رہے ہیں۔

سندھ پہلے پہل آریہ لوگ پنجاب اور سندھ میں رہتے تھے۔ وید میں سندھ کا نام بہت دفعہ آتا ہے گنگا کا نہیں۔ سندھو کو دھن دینے والا۔ کھیتوں کو سرسبز کرنے والا بتایا ہے۔ سنسکرت = سندھو۔ یونانی = سنتھس۔ رومن = سنڈس۔ چینی سنٹو۔ فارسی = سندھ (Sinthos) پلینی نے اسے انڈس لکھا ہے۔ کشمیر اور کاشغر کے درمیان کیلاش میں کانگڑی سے نکل کر سوات اور اٹک کے پاس سے بہتا ہے۔ الیگزینڈر برنیر (Alexander Burnes) نے اسکا راستہ اسطرح بیان کیا ہے۔

ہمالہ کی پہاڑی دیواروں کے درمیان تبت میں پیدا ہو کر ۱۴۰ میل شمالمغرب کو جاتا ہے - یہاں اسے "ننا کا باب" کہتے ہیں۔ یہاں اس میں مغرب سے غار دریا ملتا ہے۔ تھوڑی دور چلکر کشمیر کی وادی میں داخل ہوتا ہے۔ اور شمال مغرب کی طرف جاتے ہوئے لداخ کے صدر مقام لیہ کے پاس سے گذرتا ہے۔ لداخ سے بہت سے نالے ندیاں اس میں آملتے ہیں سکاردو کے پاس ایک تنگ راستے کے نیچے سے گذرتا ہے اور جنوب کی طرف جاتے ہوئے گلگت کا ایک بڑا دریا اپنے ساتھ شامل کرتا ہے ۱۲۰ میل تک ہندوکش کے پہاڑوں میں تنگ دروں اور گہری تنگ وادیوں میں سے ہو کر دربند پہونچتا ہے۔ اس کے بعد جج کی وادی میں داخل ہونے پر یہ کشتی چلانے کے قابل ہو جاتا ہے۔ ۴۰ میل بعد اس میں کابل دریا مغرب سے آملتا ہے جو کہ کابل کے وسیع احاطے کوہ سفید۔

ہندوکش۔ چترال سے ہوتا ہوا آتا ہے۔
اس کے بعد سلسلہ کوہ سلیمان کے اندر داخل ہوتا ہے
اور کئی مقامات پر قابل گذر ہو جاتا ہے۔ اگرچہ اس میں سے گذرنا بڑا خطرناک ہے۔ اٹک پر کشتیوں کے ذریعے عبور کیا جا سکتا ہے ۱۱۰ میل نیچے کالاباغ اور وہاں سے ۲۵۰ میل کے نیچے مٹھن کوٹ کے پاس سے گذرتا ہے جس کے دو تین میل کے فاصلے پر پنج ند (چناب) اس میں آملتا ہے ۴۹۰ میل اور طے کر کے بحیرہ عرب میں جا گرتا ہے اس کے ایک کنارے کیطرف سندھ سے بنوں تک سڑک جاتی ہے اور دوسرے کنارے ملتان سے راولپنڈی تک۔

پنج ند یعنی چناب کے پانچوں دریاؤں کو اکٹھا کر کے آملاتا ہے۔ جس میں سے دریا جہلم کشمیر وادی میں سے بہتا ہوا جہلم پنڈ دادنخاں کے پاس سے گذرتا ہوا گھیالے سے ۱۰ میل نیچے تری مو کے مقام پر چناب سے جا ملتا ہے دونوں ۲۶ میل اکٹھے چلکر فاضل شاہ کے پاس راوی کو اپنے اندر لیتے ہیں یہاں پر انکا نام چناب ہو جاتا ہے۔ ملتان سے ۵۰ کوس جنوب کو اُچ کے مقام پر ستلج اس میں آملتا ہے جو بیاس کے پانی کو فیروز پور کے پاس سے اپنے ساتھ لے آتا ہے۔

اصلی باشندے

مغربی عالموں کا خیال ہے کہ جن لوگوں کو دید میں اُسر، راکھشس۔ دسیو یا داس کہا ہے وہ اصل میں اس ملک کے باشندے تھے۔ یہ لوگ زیادہ تر تاتاری نسل سے تھے آریوں کے آنے سے پہلے یہ لوگ پنجاب کے حصوں میں کبھی آباد تھے جانوروں پر گذارا کرتے تھے۔ جانوروں کی کھالیں پہنا کرتے ہے اور اپنے مختلف

دیوتاؤں کی پوجا کیا کرتے تھے۔ ان کے خط وخال زبان کے الفاظ اور مذہبی رسوم تاتاری لوگوں سے ملتی تھیں۔ یہ لوگ پتھر کی اور معدنیات کی تہذیب کے زمانوں سے گذر چکے تھے۔ پہلے پہل پتھر کے اوزار بنایا کرتے تھے۔ بعد میں پیتل اور لوہے کے بنانے لگے۔ دراوڑ زبان بھی تورانی زبان سے مشابہت رکھتی ہے۔ یہ لوگ پنجاب سے داخل ہو کر بعد میں جنوب میں جاکر آباد ہوئے۔ ہمالہ کے دامن میں رہنے والے تبتی برمن اور بنگال کے کول لوگ شمالمشرقی راستے سے ہندوستان میں آئے۔ یہ لوگ مُردوں کو دفناتے تھے۔ مُردوں کے ساتھ یہ لوگ ہتھیار بھی گاڑا کرتے تھے پولینڈ اور تاتار کے اندر قبروں میں یہ اوزار پائے گئے ہیں۔ سٹاکیوں کی رسموں کے مطابق بیوہ اپنے چھوٹے بھائی سے شادی کر لیا کرتی تھی ہر رسم کے موقع پر یہ لوگ ناچتے اور شراب پیا کرتے تھے۔ ان میں ورن یا ذات کی تقسیم مطلق نہیں پائی جاتی تھی۔ آریہ ان سے نفرت کرتے تھے۔ ان کی رہائش کی جگہہ شہر سے باہر ہوا کرتی تھی۔ ان کی جائداد انکے کتے۔ گدھے یا لوہے کے زیور ہوا کرتی تھی۔ آریوں نے ان کو فتح کرکے جنگلوں میں بھگا دیا یا اپنا غلام بنا لیا۔ منو میں انہیں چانڈال کہا گیا ہے اور ان کے لئے ہمیشہ کے لئے غلامی قرار دیکر بہت سخت قانون بنائے گئے ہیں جنکا ذکر باب ۸ اور ۱۰ میں ہے۔ دید میں انہیں شتر و اور دسیو بتایا ہے۔ ان کی بابت ہموار ناک والے یا بنا ناک کے ذکر آتا ہے۔ انہیں مارنے اور فتح کرنے کے لئے پرارتھنائیں کی گئی ہیں۔ اندر انہیں تباہ اور عاجز کرنے والا ہے۔ اگنی ان کے شہروں کو برباد کرنے والا اور انکو قتل کرنے والا ہے یہ لوگ مکانوں اور قصبوں میں رہا کرتے تھے

وید میں آتا ہے کہ اندر نے اسروں کے قصبوں کو برباد کیا۔ یہ راکھشس بہت دھن کے مالک تھے اور ان کے ساٹ برج اور لوہے قلعے تھے۔ انکو ابھی تک اچھوت شمار کیا جاتا ہے۔ پنجاب کے چوڑے۔ چمار مہتم۔ بورئیے۔ اہیری۔ ٹھوری۔ لبانا کھیل۔ سانسی۔ نٹ۔ پرنا۔ بازی گر بھی دارا۔ ہارلی۔ گندیلا۔ اوڈ۔ ہیسی۔ اس نسل میں سے گنے جاتے ہیں

آریہ نسل

مغربی وِدوانوں کا یہ بھی خیال ہے کہ آریہ لوگ بعد میں ہندوکش کے راستے پنجاب میں آئے۔ انکا رنگ زیادہ سفید اور شکل و شباہت زیادہ خوبصورت تھی۔ یہ لوگ بھی پرانے ایرانیوں کی طرح اپنے آپکو آریہ یعنی سریشٹھ کہتے تھے۔ آریہ کے ابتدائی معنی ہل چلانے والے کے ہیں۔ بعد میں اس کے معنی معزز یا حکمران کے ہو گئے۔ ایران کے بادشاہ دارا نے ایک کندہ میں اپنے آپکو ایک آریہ اور آریہ نسل سے لکھا ہے وہ ایرانی جو زردشت کے پیرو تھے یا ہوشنگ مذہب سے تعلق رکھتے تھے مانتے ہیں کہ ایران کا پہلا بادشاہ مہاباد تھا جس نے لوگوں کی چاروں ورنوں مذہبی جنگی۔ تجارتی اور خدمتگاروں میں تقسیم کی۔ ایرانی زبان ژند سنسکرت کی ایک شاخ ہے۔ سینکڑوں۔ فارسی نام سنسکرت سے نکلے ہوئے ہیں استخار (پرسی پولس) میں جمشید کے تخت پر جو حروف کندہ ہیں وہ بمبئی کے ایلیفنٹا کے کندوں سے مشابہت رکھتے ہیں اور دیوناگری سے ملتے ہیں۔ انہی باتوں کو دیکھکر سر ولیم جونس اس پختہ نتیجہ پر پہونچا کہ کسی زمانے میں ایران میں براہمنی مذہب پھیلا ہوا تھا۔ آریوں کی پہلی جائے رہائش سندھ کا کنارہ تھا۔ سندھو کا نام بار بار پرانی پستکوں میں آتا ہے۔ لاطینی لفظ کے معنے Sapta Sindhu - Hapta Hindu ژند اوستا میں ہپت ہندو سے مراد پنجاب کی

سرزمین سے ہے۔ آریوں کے پنجاب میں آنے کی تاریخ کے متعلق بہت اختلاف ہے۔ ولسن اسے ۱۵۰۰ ق۔م مانتا ہے۔ ولیم جونز ۲۸۰۰ ق۔م مانتا ہے اور ڈونگر ۲۰۰۰ ق۔م۔ اسی وقت ہی آریہ نسل کی دوسری شاخیں یوروپ کے ممالک یونان۔ اٹلی وغیرہ جاکر آباد ہوئیں۔

سپت سندھو سے نکل کر آریوں نے گنگا اور جمنا کے درمیان کا علاقہ جا آباد کیا۔ اس میں انہوں نے بڑے بڑے شہر آباد کئے۔ یہاں نہ صرف انہیں اصلی باشندوں سے جنگ کرنے پڑے بلکہ اچھی زمین پر قبضے حاصل کرنے کے لئے ایکدوسرے کے ساتھ لڑائیاں چھڑ گئیں ان لڑائیوں میں بڑے بڑے لیڈر نکل آئے جن کے ساتھ بڑے گروہ اور جماعتیں پیدا ہو گئیں۔ آہستہ آہستہ چھوٹے راجا یعنی لیڈر بڑے بڑے راجوں میں جذب ہوگئے۔ ان راجوں کے صلاحکار برہمن لوگ ہوا کرتے تھے جو یگیوں میں پروہتوں کا کام کیا کرتے تھے۔ راجہ پر اور لوگوں پر برہمنوں کا بڑا رعب داب تھا۔ اس لئے جمنا اور گنگا کے بیچ کے علاقے کا نام برہم رشی دیش پڑ گیا

لوکمانیہ بال گنگا دھر تلک کے خیال کے مطابق آریہ لوگ مسیح سے ۴۰۰۰ برس پیشتر خیبر کے راستے ہندوستان میں آئے تھے انکے پرانے شمالی وطن (Ancient Home) کی روایات ان کے اندر تازہ تھیں ۔ ( ) اریاناوائی جو کو چھوڑ کر ان کا ایک حصہ سپت سندھو میں آباد ہوا اور دوسرا ایران میں۔ پنجاب آریوں کا پہلا گھر تھا اور اب بھی ہے۔ باقی حصوں میں دراوڑ آباد تھے۔ پنجاب کی ساری آبادی آرین تھی۔ وید میں پنجاب کی نسل کو بھارت کہا ہے بعد میں

اسی نسل کے نام سے ملک کا نام ہو گیا۔
ایک انڈیا کا مشہور مصنف لکھتا ہے کہ پنجاب سے چلکر آریوں نے روہیلکھنڈ۔ اودھ اور بہار کو آباد کیا۔ کورو۔ پنچال اور ودیہ ان ہی کی بڑی شاخیں تھیں۔ ۲۵۰۰ سال ہوئے جبکہ رام کی کہانی شروع ہوتی ہے جمنا اور گنگا کے درمیان کا علاقہ غیر آباد تھا۔ وادی گنگا کو رام چندر کے بزرگوں نے دیکھ بھال لیا تھا اور دریائے گوداوری تک جا چکے تھے پنجاب کے آریوں نے بھی سندھ پر قبضہ کر لیا تھا۔ ممالک متوسط کے جنگلوں میں براہمنوں نے جگہہ بہ جگہہ اپنے آشرم یعنی کاونیاں جا بنائی تھیں راکھش لوگ انکو گھیرے رہتے تھے۔ یہ راکھشش دراوڈ نسل سے تھے اور آدمی کو بھی کھا لیتے تھے۔ رامچندر نے اس بات کو محسوس کیا اور حملہ کر کے لنکا تک کو جا فتح کیا۔ اگرچہ اس کے ہزاروں سال بعد بھی دکھن علیحدہ ہی رہا لیکن اس سے اتنا فائدہ ضرور ہوا کہ آریوں نے اپنی بہادری کا سکہ دراوڑ لوگوں پر جما لیا۔ اس کے بعد دراوڑ لوگ اریہ تہذیب کے اثر میں آنے لگے۔ یہ عجیب بات ہے کہ رامائن میں بھرت کا پنجاب میں اپنے ماموں کے گھر جانا بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے لیکن رام کا گوداوری اور بندھیاچل کے بعد کے سفر کا کچھ بیان نہیں ملتا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ رامائن کا مصنف والمیکی بندھیا کے آگے باقی دریاؤں کاویری۔ کرشنا کی بابت کچھ نہ جانتا تھا۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ آریوں اور دراوڑوں میں بہت کم تعلق تھا

آریہ نسل کی دوسری شاخیں

موجودہ زبانوں کی تحقیقات سے آریہ نسل کی مختلف شاخوں کا پتہ لگتا اس زمانے

کی ایک بڑی دریافت ہے۔ قدیم زبانوں کا علم رکھنے والے عالموں نے مختلف زبانوں کے درمیان اور ان کی گرامر کی قواعد میں اس قسم کی عجیب مشابہت دیکھی کہ وہ اس نتیجہ پر پہونچے کہ پرانے ایرانی بختریا۔ میڈیا سوگڈیانہ کے رہنے والے۔ ٹیوٹان۔ سلاف۔ سیلٹک۔ گریک۔ رومن وغیرہ سب نسلیں ایک ہی ماخذ سے نکلی ہیں۔ ان زبانوں میں عام بولچال کے الفاظ ایک بڑا بھاری ورثہ ہیں جو کہ ان سب کو اپنے اصلی بزرگوں کی وراثت میں ملا ہے۔ فادر۔ مدر۔ ڈاٹر۔ برادر۔ راجہ۔ ودھوا۔ دیو وغیرہ گنتی کے الفاظ شکلوں میں ذرا ذرا اختلاف رکھتے ہوئے سب زبانوں۔ یعنی سنسکرت۔ ایرانی۔ لاطینی۔ جرمن۔ انگریزی۔ ڈچ۔ ڈینش۔ سویڈش۔ سلاونک وغیرہ میں بالکل ایک ہیں۔ ایشور یا ایش وہی لفظ ہے جو کہ مصر کی پرانی زبان میں [illegible] اور [illegible] ہیں وید کا متر اور ورن اوستھا کا متھرا اور یونانی کا [illegible] ہے سنسکرت میں ورترا ایرانی ورترا یعنی بھوتوں کا سردار ہے۔ اب اس بات کو ماننے میں کسی کو اعتراض نہیں ہو سکتا کہ جدا ہونے سے پہلے آریہ نسل کی تہذیب میں خاص ترقی ہو چکی تھی۔



تاریخ پنجاب

ویدک زمانہ

تاریخ کا منبع

موجودہ تاریخ دس بارہ ہزار برس سے زیادہ پیچھے نہیں جاتی بیبلونیا اور مصر کی تاریخ جسکو مورخ لوگ اسوقت سب سے پرانی مانتے ہیں۔ پرانے کھنڈرات یا قدیم تہذیب کے دوسرے علامات کے سہارے پر لکھی گئی ہے۔ لیکن ہندوستان کی تاریخ کے متعلق ہمیں کوئی ایسا ثبوت نہیں ملتا۔ ہمارے ابتدائی بزرگوں نے نہ کوئی یادگاریں بنائیں اور نہ لمبے کرئی اور نشانات چھوڑے اور اگر کچھ ثبوت ہمیں ملتے ہیں تو وہ ہمکو چھٹی صدی قبل مسیح بودھوں کے زمانے تک لیجاتے ہیں۔ باوجود ان سب باتوں کے ہندو لوگ اپنے آپکو چیلڈیا اسیریا اور مصر سے بھی پہلے کی سب سے پرانی قوم ظاہر کرتے ہیں۔ ہندو کا یہ دعوٰے صرف روایت پر انحصار رکھتا ہے۔ مورخ لوگ اسکو ماننے پر تیار نہیں۔ اور یہ کہتے ہیں کہ ہندو جرمن نسل سے تعلق رکھتے اور وسط ایشیا یا شمالی یورپ سے ہندوستان میں آئے ہیں ان کی رائے میں مصر کی تہذیب سب سے پرانی اور عالمگیر ہے۔ کیونکہ یوروپ کی تہذیب مصر کی تہذیب سے شروع ہوتی ہے اور یوروپ کی تہذیب میں مصر کا بہت بڑا حصہ ہے اس لئے وہ لوگ مصر کی طرف نہ صرف حیرت سے بلکہ بڑی شکر گذاری کے خیال سے دیکھتے ہیں۔ جب یوروپ پر ابھی

اندھیرا ہی چھایا ہوا تھا مصر اور بیبلونیا ترقی کی چوٹی پر پہنچ چکے تھے
ان کا خیال ہے کہ چونکہ ہندو بھی یوروپی نسل سے ہیں ان کی تہذیب
بھی مصر اور میسوپوٹیمیا کے بعد آئی چاہیئے اس لئے یہ تین چار ہزار برس سے
زیادہ پرانی نہیں ہو سکتی۔

مصریوں کا پرانا ریکارڈ ہیروگلیفک حروف میں تھا جسکی دریافت
ایک انگریز ڈاکٹر ینگ نامی نے انیسویں صدی کے درمیان میں روزٹا
پتھر کے ملنے پر کی۔ اسی طرح نینوا میں اینٹوں پر کیونی فارم حروف
میں لکھے ہوئے الفاظ ملے جن سے کہ بیبلونیا کی پرانی تاریخ کا بہت کچھ
پتا چلا ہے۔ ہندوستان میں ایسا کوئی ریکارڈ نہیں ملتا۔ لیکن ہندوؤں کا
سب سے بڑا ریکارڈ رگ وید ہے جس میں دیوتاؤں کی ہیمٹ کی ہوئی
رچائیں موجود ہیں ان کی زبان اور خیال ایسے سرل اور خوبصورت ہیں کہ
مصریوں اور اسیریوں کی تہذیب سے ہمیں بہت پہلے لیجاتے ہیں۔ یہ
رچائیں کسی جگہ کاغذ یا پتھر پر لکھی نہیں گئیں بلکہ انسانی یاد کی طاقت کو
ترقی دیکر لفظ بلفظ ایک نسل سے دوسری نسل تک پہنچا دیگئی ہیں۔ ہندوؤں
نے اس طریقے کو سب سے بہتر اور زیادہ دیرپا خیال کیا کیونکہ پتھر مٹی یا بھوج
پتر سب تباہ ہو جانے والے ہیں لیکن انسان کا دل و دماغ ہمیشہ زندہ رہنے
والا ہے۔ ہندوؤں نے مادہ کی نسبت دماغ کو زیادہ ترجیح دی۔

ابھی تک اس بڑے ثبوت سے اس لئے غفلت کی گئی ہے کہ
یہ بیچارے اندریوں کو اتنا اپیل نہیں کرتا جتنا کہ پتھر اور اینٹیں
یا اُن کی بنی ہوئی یادگاریں لیکن اس کے ساتھ ایک اور وجہ یہ بھی تھی
کہ جس زبان میں یہ ثبوت لکھا ہوا ہے وہ زبان بے انتہا زمانہ گذر جانے

کے بعد اب مرچکی ہے اور اس کے پڑھنے والوں نے آنکھوں پر ایسے تعصب کی پٹی باندھی ہے کہ وہ اسکو سمجھ ہی نہیں سکتے اس امر سے تو یوروپین عالم بھی انکار نہیں کر سکتے کہ رگ وید گیان کا منبع یا دنیا میں سب سے پرانی کتاب ہے۔ اس کتاب کے سہارے پر آریہ نسل کی ابتدائی تاریخ لکھی جا سکتی ہے۔ اگر ہم وید کا مطالعہ فائی لالوجی۔ آرکیولوجی۔ جیولوجی۔ ایسٹرونومی کی بدولت دریافت ہوئے ہوئے معلومات کی امداد سے کریں تو ہمیں نہ صرف آریہ نسل کی بلکہ نوع انسان کی ابتدائی سچی تاریخ معلوم ہو سکے گی۔ اور اس سے کئی گہرے قدیم سوال حل کئے جائیں گے۔ اس سے معلوم ہوگا کہ کس طرح آریہ نسل کا اصلی وطن پنجاب ہے اور اس اصلی وطن سے چلکر یہ نسل اور اس کی تہذیب کسطرح دنیا کے مختلف مقامات میں پھیلے اور یہ کہ کسطرح بنی نوع انسان میں سے آریہ لوگ پہلے انسان تھے جنہوں نے انسان کو باقاعدہ ترقی کے راستہ پر چلایا۔ کس طرح یہ لوگ سوچا کرتے تھے اور کس قسم کی امیدیں رکھتے تھے کسطرح انہوں نے خیال کی طاقت کو دوڑا کر زندگی کے سوالوں کو حل کرنا شروع کیا اور کسطرح تہذیب کے میدان میں قدم قدم آگے بڑھے

وید پر مغربی عالم

مغربی عالموں کا خیال ہے کہ رگ وید نہایت قدیم کتاب ہے۔ اس میں ۱۰۱۷ سوکت اور ۱۰ ہزار منتر ہیں۔ اس سے آریوں کی زندگی کی نسبت کافی واقفیت ملتی ہے جبکہ وہ کئی ہزار سال قبل مسیح سندھو کے کنارے پر رہا کرتے تھے سام اور یجر رگ وید ہی سے لئے گئے ہیں اتھرون اس سے بہت بعد کا بنا ہوا ہے۔ لکھنے کا ہنر ایجاد ہونے سے پہلے رشی لوگ انکو

زبانی یاد رکھا کرتے تھے اور پشت در پشت یاد کرتے چلے آتے تھے ان میں سے کئی سوکت رشیوں کے نام پر ہیں۔ ان میں کوئی تاریخی واقعات نہیں لیکن آریوں کی حالت اچھی طرح ظاہر ہو جاتی ہے آریہ لوگ مویشیوں کو پالا کرتے تھے اور ان کے لئے ایشور سے پرارتھنا کیا کرتے تھے۔ یہ مویشی ہی ان کے دھن تھے گائے کی سب سے بڑھ کر عزت تھی۔ اگرچہ اس کے علاوہ گھوڑے بھینس۔ بھیڑ بکری کا بھی ذکر آتا ہے۔ مصری اور فنیشی ان دنوں بھی گائے کی ویسی ہی عزت کرتے تھے۔ مصر میں بیل (اپسس) کی پوجا بہت مشہور ہے۔ انکی بھومی کا نام سپت سندھو آیا ہے۔ گنگا اور جمنا کا ذکر کم ہے۔ سرسوتی اور دھرشدوتی (گھاگرا) کے درمیان کا علاقہ برہم ورت کہلاتا تھا۔

رگوید سے ظاہر ہوتا ہے کہ آریوں کو راکشسوں سے لڑنے میں بڑی دقت پیش آئی۔ وہ اندر سے پرارتھنا کرتے تھے کہ وہ اپنے وجرا اور سیاہ بادلوں سے انکو تباہ کرے۔ زرہ بکتر پہنے ہوئے سپاہیوں کا بادل کی بجلی کے ساتھ مقابلہ کیا گیا ہے۔

اندر کی کمان کی تعریف پائی جاتی ہے جو جہاں جاتی ہے فتح حاصل کر لی جاتی ہے۔ تیز سموں والے گھوڑے رتھوں کے ساتھ دشمن پر جا پڑتے ہیں اور اپنے پاؤں تلے انہیں کچل ڈالتے ہیں۔ آریہ لوگ رتھوں کے ذریعے لڑا کرتے تھے (پرانے یونانیوں کی لڑائی کا طریقہ بھی یہی تھا۔ ٹرائن جنگ میں رتھ ہی استعمال کئے گئے تھے۔) رتھوں کے علاوہ پیادہ فوج۔ تلوار۔ بھالا۔ کمان۔ کلہاڑا۔ بگل بجانے والا اور جھنڈے والے کا ذکر بھی پایا جاتا ہے۔ جھنڈا بہت قدیم زمانے میں رشک پیدا

کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔ نقارہ اور بگل بھی استعمال ہوتے تھے
وید میں نقارے کو مخاطب کر کے کہا ہے " اپنی آواز سے زمین اور آسمان
کو گنجا دو۔ ہمارے دلوں میں طاقت دو دشمن کے دل ہلا دو"۔ جنگ میں نعرہ
بھی استعمال کیا جاتا تھا۔ رامائن میں جے رام اور مہابھارت میں جے اسکھو پانڈو
تیرا نام بتایا جاتا ہے۔

ویدک زمانے میں کنبے کا بزرگ ہی اسکا پروہت ہوتا تھا۔ قبیلے
کے سب لوگ اکٹھے ہو کر یگیہ کیا کرتے تھے۔ جگ کرانے والا کوئی نہیں ہوتا
تھا۔ ہر ایک قبیلہ اپنے راجا کو حکمران سمجھتا تھا۔ راجا گرام پر اور پور
(محفوظ شہر) پر حکومت کرتا تھا۔ بھاٹ لوگ اس کی بہادری کے گیت
گایا کرتے تھے۔ ان کو سونا۔ گائے۔ رتھ۔ خوبصورت لڑکی انعام میں
ملا کرتی تھی۔ پنجاب میں رہتے ہوئے آریہ لوگ جنگلی اور مردانہ تھے۔ ہمالہ
کے پہاڑوں میں سورگ یعنی اپنے دیوتاؤں کی رہائش کی جگہ سمجھتے تھے
کھیتوں کو پانی دینے کے لئے نہریں کھود لیتے تھے۔ دھان اور جو وغیرہ بویا
کرتے تھے۔ کاتنا اور چمڑے کو کمانا جانتے تھے۔ لوہار ترکھان۔ گاڑی
بنانے والے سنار اور وید اس میں پائے جاتے تھے۔ شراب خانہ۔ جوا۔
(چوپٹ) راگ اور ناچ کا ذکر بھی پایا جاتا ہے۔

بیاہ عام طور پر ایک ہی ہوا کرتا تھا۔ لڑکی اپنا پتی آپ ہی چن لیتی
تھی۔ شادی کی رسم بڑی پوتر اور سنجیدہ سمجھی جاتی تھی۔ ویدک زمانے میں
استری کا درجہ بہت اعلیٰ تھا۔ وید کے بہت سے منتر استریوں اور
رانیوں کے نام پر ہیں۔ استری پڑھی لکھی ہوا کرتی تھی۔ برہمن اور
کھشتری کا صرف پیشوں کے نام تھے نہ کہ ذات کے۔ دو ہوا کو پھر کر منتر

کرنے کی اجازت نہ تھی کیونکہ اس نے خاوند کے ساتھ اپنے فرض کو پورا کر دیا تھا لکایہ بھی خیال ہے کہ وید میں گومیدھ یگیہ وغیرہ کی اجازت ہے جس میں گلئے بھی یگیہ میں ماری جاتی تھی اور یگیہ کا گوشت کھانا اچھا سمجھا جاتا تھا۔ آریہ لوگ سوم رس نکالکر پیا کرتے تھے اور اس سے دیوتاؤں کی پوجا کرتے تھے۔

ہندوؤں میں وید کا درجہ

یوں تو وید دنیا کے کتب خانے میں سب سے پرانی اور پہلی کتاب مانی گئی ہے۔ لیکن آریہ نسل کی ایک شاخ ہندو ہیں جنہوں نے وید کی حفاظت کرنا اپنا خاص فرض سمجھا ہے۔ ہندو وید کی سب سے بڑھکر عزت کرتے ہیں۔ وید برہم ہے۔ وید سوتہ پرمان ہے ویدا ایشوری گیان ہے۔ وید سارے علوم کا آدی مول یعنی بیج ہے اس لئے جو کوئی وید کی نندا یا بے عزتی کرتا ہے وہ ناستک ہے۔ ہندوؤں کے اندر ایسے فلاسفر ہوئے ہیں جنہوں نے ایشور کی ہستی سے انکار کیا ہے۔ لیکن وید کو وہ پرمان اور قابل عزت مانتے ہیں ہندوؤں نے وید کی قائمی اور حفاظت کے لئے اپنے اندر سے سب سے اونچی جماعت مقرر کر دی جو کہ برہمن کہلاتے۔ اس وجہ سے ہندو دھرم کو برہمن دھرم بھی کہا جاتا ہے تمام قوم کے اندر وید کی اتنی گہری عزت یہ ظاہر کرتی ہے کہ کسطرح قوم نے اپنی سبھیتا کے منبع کو اپنی جان سے بھی عزیز سمجھے رکھا ہے

سوامی دیانند نے جو اس زمانے میں سنسکرت کا سب سے بڑا اسکالر اور رشی ہوا ہے ویدوں کو خاص عزت کا درجہ دینے کے

لئے اسے الہام ماننا قرار دیا ہے۔ الہام کا لفظ عوام کے دلوں میں وید کے لئے عزت پیدا کرنیکا بہت اعلیٰ طریقہ ہے مگر یہ ضروری ہے کہ ہم لفظ الہام اور ایشوری گیان کے درمیان فرق اچھی طرح سمجھ لیں۔

الہام کہنے سے وید محض ایک یقین کی کتاب بنجاتا ہے۔ اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہم بغیر کسی سوچ بچار کے اور بغیر ویدوں کے پڑھے خود اس بات پر یقین کریں اور دوسروں کو یقین کرنے کے لئے مجبور کریں کہ وید ایک الہامی کتاب ہے۔ ایشور کا گیان ہونے میں وید کی عظمت اس کے مطالعہ میں پائی جاتی ہے نہ کہ اسپر محض یقین کرنے میں۔

الہام کے لئے یہ ضروری ہے کہ ایشور نے ایک وقت میں جس کسی ایک یا دو شخصوں کے دل میں جن کو اس نے پسند کیا وید کا سارا گیان ڈالدیا اور اس کی شکل انہی الفاظ میں ہوئی۔ اس کے لئے یہ ضروری نہیں کہ جن شخصوں کو گیان ہوا وہ پہلے بھی کچھ گیان رکھتے ہوں۔ کیونکہ ایسی حالت میں یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ آیا جس بانی کو وہ ایشور کی بانی بتاتے ہیں وہ سچ مچ ایشور کی طرف سے ہے یا ان کے اپنے گیان کی بدولت ہے ایشوری گیان ہونے کے لئے اتنا کافی ہے کہ جن رشیوں کو وید کا گیان ہوا ان کی بدھی اور آتما اتنی اونچی ہو گئی ہو کہ وہ ایشور کی قدرت کو غیر معمولی طاقت بینائی سے دیکھ سکیں۔ یہ طاقت ان رشیوں کو ایشور کی کرپا سے حاصل ہوئی۔ ایشور گیان ہونے کے لئے یہ بھی ضروری نہیں کہ سارا گیان ایک ہی وقت میں کسی شخص کو دیدیا جائے۔ صرف اتنا کافی ہے کہ جب کبھی کسی رشی نے اپنے آتما کو پوتر کرکے ایشور کی مہربانی کا مستحق بنایا اُسنے گیان کی ان سچائیوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ کیونکہ یہ سمجھہ میں آنا مشکل

ہے کہ جو رشی منتروں کے ارتھوں کو دیکھ سکتے تھے وہ منتروں کے اندر
چھپی ہوئی سچائی کو کسطرح نہ دیکھ سکتے تھے۔

پنجاب آریوں کا وطن ہے٭ یورپی عالم یہ کہتے ہیں کہ آریہ لوگ سپت سندھو میں ایک حملہ آور کی حیثیت سے داخل ہوئے اور یہاں پر ہی مدت تک انہیں اصلی باشندوں سے لڑنا پڑا۔ وید یہاں پر ہی لکھا گیا۔ اس لئے وید میں جنوبی حصّوں کا کوئی ذکر نہیں پایا جاتا۔

عام ہندو یہ مانتے ہیں کہ وید اپورشیہ ہے یعنی یہ پہلے انسان برہما کے ساتھ ہی پیدا ہوا ہے۔ آریہ نسل کے لوگ یہاں پر ہی پیدا ہوئے۔ وہ دوسرے ہمسائیوں کی نسبت زیادہ دماغی طاقت رکھتے تھے۔ اسلئے انہوں نے تھوڑے عرصہ میں ہی۔ اپنی آتمک اور دنیاوی ترقی کر لی۔

شری بال گنگادھر تلک نے جیوتش ودیا کی مدد سے وید کا مطالعہ کر کے یہ ثابت نکالا کہ آریہ لوگوں کا اصلی وطن بحر منجمد شمالی کے نزدیک تھا وہاں پر ہی وید لکھے گئے اور وہاں سے ہی چل کر آریہ لوگ ہندوستان ایران اور یوروپ کے ممالک کو گئے۔ بابو اویناش چندر داس نے حال ہی میں رگ وید پر ایک کتاب لکھی ہے۔ جس میں اس نے لوکمانیہ تلک کے مت کی تردید کر کے ایک نیا سدھانت قائم کیا ہے کہ جب رگ وید لکھا گیا تھا۔ آریہ لوگ اسوقت سپت سندھو میں ہی رہا کرتے تھے اور یہ زمانہ زمین کی شکل میں تمام جیولوجیکل تبدیلیوں سے پہلے کا ہے اور اس نے وید کے مستند پرمانوں سے اور جیولوجیکل شہادت سے یہ ثابت کیا ہے کہ سپت سندھو ہی ہندوستان

٭ بابو اویناش چندر داس کی کتاب رگ ویدک انڈیا سے سہارے پر لکھا گیا ہے۔

کے براعظم میں سب سے پرانی زمین ہے جہاں زندگی پہلے پہل پیدا ہوئی اس جگہہ ایولیوشن یعنی وکاش کا عمل ہوتا رہا حتی کہ انسان پیدا ہوا اس عرصہ کو جیوالوجی کے لحاظ سے کم ازکم ۲۰ ہزار اور لاکھ برس کے درمیان کا مانا گیا ہے رگ وید خود (منترا۵ - ۱۶ - ۶۰) اس زمانے کو تین حصوں میں تقسیم کرتا ہے یعنی ابتدائی درمیانی اور موجودہ " اواندر! بڑے اپنیشے کرنے والا ہے رشی جو ابتدائی زمانے میں رہتے تھے تمہارے لئے یگیہ کرکے تمہارے متر بن گئے۔ درمیانی زمانے والوں نے بھی ایسا ہی کیا۔ اور آجکل کے رشیوں نے بھی اسطرح تمہاری دوستی حاصل کی ہے اس لئے او اندر کرپا کرکے اس منتر کو سُنو جو تمہاری پوجا کرنے والا پیش کرتا ہے۔ رگ وید (۳ - ۲۹ - ۲) " بعض رچائیں پرانے بزرگوں سے نئی زبان میں لکھی ہوئی آئی ہیں" ظاہر کرتا ہے کہ وید کی پہلی زبان آرکیک ( ) ہوئی بعد میں ویدک سنسکرت ہوئی۔ وید کا آغاز ایک ناقابل یاد زمانے تک چلا جاتا ہے رگ وید میں ایک جگہہ آیا ہے کہ سپت سندھو میں چار ماہ تک برابر برسات ہوتی تھی۔ اسی بات کا ذکر ژنداوستھا میں بھی ہے کہ نہایت قدیم زمانے میں سپت سندھو بڑی خوشگوار اور سرد آب و ہوا رکھتا تھا اہرمنو نے اسکو تبدیل کرکے گرم بنا دیا۔ یہ ایک بڑی جیوآلوجی کل تبدیلی کیطرف اشارہ ہے۔ رگ وید (۴ - ۲۶ - ۲) " اندر نے آریہ لوگوں کو سپت سندھو میں زمین دی اور ان کی رکھشا کے لیے جدشا اوران پیدا کئے۔ پہلی دشمن آہی (سانپ) آیا جس نے برشا کو روکا۔ اندر کو اس کے خلاف لڑائی کرنی پڑی اس لڑائی میں اندر نے اسے مار ڈالا۔ اندر کی یہ فتح سپت سندھو میں ہی ہوئی

نوٹ۔ یہ کتھا بہت پرانے رشیوں سے چلی آئی ہے جبکہ پہلے پہل

انہوں نے بجلی اور بادلوں کو دیکھا اور اس راز کو حل کرنے کا خیال کیا
اپنی غالباً بادل میں بجلی کی چمک تھی۔ برشا کانہ ہونا وہ اس بجلی کی
شرارت سمجھتے تھے۔ اور تب اندر اپنی گرج سے ان پر حملہ کرتا تھا
اس کے بعد برسات کا ہونا اندر کی بڑی بھاری فتح سمجھی جاتی تھی
جس کے بعد سورج اور آسمان دکھائی دینے لگتا تھا۔ اس لئے
اندر سب سے بڑا دیوتا مانا جانے لگا۔

داس بابو نے وید کی قدامت کے مندرجہ ذیل بڑے ثبوت پیش کئے ہیں:۔
ا۔ وید میں سپت سندھو کے اردگرد چار سمندروں کا ہونا لکھا ہے۔
اور یہ بات جیو آلوجیکل انقلاب کے وقت سے پہلے تھی۔ سپت سندھو کی چار
حدود پر چار سمندر تھے۔ صرف شمالمغرب میں اسکا تعلق ایران سے اور اسکے
ذریعے مغربی ایشیا سے تھا۔ شمال میں ہمالیہ اور ایشیائی بحیرہ روم جو ترکستان
یا منگولیا کی حدود سے بحیرہ اسود تک پھیلا ہوا تھا۔ زمین کے اندر بھونچال
آنے سے باسفورس نکل آئی اور اس بحیرہ کا بہت سا پانی یوروپی بحیرہ
روم میں چلا گیا جہاں پر پانی بہت گہرا تھا وہاں پر بحیرہ اسود۔ بحیرہ خذر۔ جھیل
ارال اور جھیل بلکاش رہ گئیں۔ مغرب میں کوہ سلیمان اور اس کے نیچے سمندر
تھا جو کہ موجودہ سندھ کی جگہہ پر بحیرہ عرب تک پھیلا ہوا تھا۔ مشرق میں سمندر تھا
جو کہ ہمالہ کے دامن میں بعض جگہہ گہرائی میں تین میل تھا۔ اور سپت سندھو
کے مشرقی کنارے سے آسام تک پھیلا ہوا تھا۔ گنگا اور جمنا ہمالہ کے مشرقی
ڈھلوان سے پانی لیکر تھوڑی دور چل کر اس مشرقی سمندر میں ملجاتی تھیں
جنوب میں راجپوتانہ کا سمندر تھا جو جنوب کی طرف اراولی پہاڑ تک اور مغرب
کی طرف خلیج کے ذریعے بحیرہ عرب سے اور شمالمشرق میں مشرقی سمندر سے

ساتھ ملا ہوا تھا۔ شمالمغرب میں قندہار یعنی موجودہ افغانستان تھا جہاں
آریہ لوگ آباد تھے ۔ راجپوتانہ اور سندھ دونوں سمندر کی تہ میں تھے
۲۔ رگ وید میں سندھو اور سرسوتی کے درمیان کا علاقہ دیوکرت
یونی یعنی زندگی اور پیدائش کا مخزن بتایا ہے۔ سرسوتی اور درشدوتی
کے درمیان کا علاقہ برہم ورت کہلاتا ہے۔ یعنی وہ علاقہ جہاں برہما
پیدا ہوئے ۔ کم ہیرے ٹو فالی لالوجی کا باپ ریڈلم کہتا ہے کہ انسان
کی پیدائش کشمیر میں ہوئی اور یہی اس دنیا پر بہشت ہے۔
وید میں منو کے طوفان کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ منو کے طوفان کا
ذکر شت پتھ براہمن میں پایا جاتا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔
منو کی کشتی ہمالہ دامن میں ایلا پر جا لگی یہ جگہ کشمیر میں ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے
کہ آریوں کی پیدائش بھی سپت سندھو اور کشمیر کی سرزمین میں ہوئی
یہ طوفان بھونچال کی وجہ سے ہوا جس سے سمندر میں ایسی حرکت ہوئی کہ
اس سے راجپوتانہ کی خشک زمین ظاہر ہوئی ۔ رگ وید کی ۷ - ۲۵ - ۲
اسطرح پر ہے" دریاؤں میں سرسوتی اکیلا جانتا ہے ۔ پوتر ندی جو پہاڑوں
سے نکل کر سمندر میں جا گرتی ہے " ظاہر کرتا ہے کہ کسی زمانے میں
سرسوتی ہمالہ سے نکل کر سمندر میں گرتی تھی ۔ حالانکہ اب یہ دریا راجپوتانہ
کی ریت میں ہی جذب ہو جاتا ہے ۔ اس پرچیا کے لکھنے کے بعد ہی زمین
میں وہ تبدیلی ہوئی ۔ جہاں پر پہلے سمندر تھا وہاں اب ریتلا میدان
ہو گیا ہے ۔ جیوآلوجی کی تحقیقات سے ہی یہ پتہ چلتا ہے کہ جہاں پر
آجکل راجپوتانہ ہے وہاں پر کسی زمانے میں ایک بڑا سمندر تھا
یہ تبدیلی غالباً کٹو شری ([illegible]) زمانے میں واقع ہوئی

جسے اگر کئی لاکھ نہیں تو ہزارہا سال تو ضرور ہوئے ہیں۔

۳- اندر کو خوش کرنے کے لئے سوم رس پلانا ضروری تھا سوم بوٹی سپت سندھو میں ہی ہوا کرتی تھی۔ اس لئے سوم یگیہ سپت سندھو میں ہی ہوا کرتا تھا۔ جوں جوں آریہ لوگ آگے بڑھتے گئے اس بوٹی کے نہ ملنے سے اس یگیہ کو چھوڑتے گئے۔ ایرانیوں نے اندر کی پوجا کی جگہہ۔ سورج کی پوجا شروع کر دی اور وہ اندر سے اتنی نفرت کرنے لگے کہ آریوں کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ ان کی باہم دشمنی کی وجہ سے دونوں کے درمیان بڑا بھاری جنگ ہوا جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ سپت سندھو سے نکل کر ایران کو چلے گئے۔ اگرچہ وہاں جاکر بھی انہوں نے ہوم پوجا پھر جاری کر لی۔ وید میں کئی جگہہ آیا ہے کہ سوم یگیہ سب سے پرانا اور دیوتاؤں کو پیارا ہے۔ سوم بوٹی چینی۔ شہد اور دودھ کو ملا کر سوم رس بنایا جاتا تھا سب سے اچھا سوم سندھو کے کنارے ہوتا تھا یا ہمالہ میں سوجاوٹ چوٹی پر۔ سوم یگیہ سب سے پرانا ہونے کی وجہ سے بھی سپت سندھو آریوں کا سب سے پرانا وطن ہے سائس صاحب نے لکھا ہے کہ سنسکرت کی کسی کتاب میں یہ ذکر نہیں پایا جاتا کہ ہندوستانی کسی اور ملک سے یہاں آئے ہوں۔

سرسوتی سرسوتی کے کنارے پر آریہ لوگ آتما اور پرماتما کی بابت خیالات کی بلند پروازی کرنے لگے۔ اسکے کنارے وہ یگیہ کیا کرتے تھے اور یہاں پر ان کو وہ سچائیاں ظاہر ہوئیں جنہوں نے ان کے دماغوں کو اور آتماؤں کو اونچا کر دیا۔ اس زمانے میں سرسوتی بھی ایک بڑا خوفناک اور طاقتور دریا تھا۔ اس کے کنارے

بڑی اچھی فصلیں ہوتی تھیں اور آریہ لوگ اس کے ساتھ اس طرح محبت کرتے تھے جیسے بچہ ماں کی چھاتی کے ساتھ۔ خوبصورتی کے لئے نہایت خوبصورت رچائیں لکھی ہوئی ملتی ہیں۔ ہمالہ کے نچلے حصے میں برف پڑا کرتی تھی۔ جس کے پگھلنے سے پانی برابر سال بھر جاری رہتا تھا۔

سپت سندھو کی زمین

رگ وید میں سندھو کی بڑی تعریف پائی جاتی ہے۔ منتر کے منتر اس کی مداح میں لکھے ہیں۔ آج بھی یہ دریا ویسا ہی عالیشان۔ وسیع اس کی لہریں تیز اور اس کی وادی زرخیز ہے۔ سندھو کیلاش سے نکلتا ہے اسکے مغربی مددگاروں کے نام سسرتو۔ شویتی۔ کوبھا (کابل سے گومل)، ہہتنو کے کورم وید منتروں میں آئے ہیں ایسے ہی مشرقی مددگاروں کے نام بھی ہیں۔ شتدرو (ستلج) پرشونی (ایراوتی یعنی راوی)، اسکنی۔ (چناب)، مرت بردھا (چناب کا جنوبی حصہ)، وتستہ (جہلم)، اور ارجیکا (وپاشا یا ویاس)، بھی پائے جاتے ہیں۔ ساتواں دریا سرسوتی تھا جسکا بڑا مددگار دریشدوتی (گھگر) تھا۔ ان ساتوں دریاؤں سے سپت سندھو نام پڑا۔ گنگا اور جمنا کا ایک ادھ بار ذکر آیا ہے۔ لیکن گنگا وید کے زمانے کے بعد زیادہ مشہور ہوئی جبکہ سرسوتی کی شہرت بالکل جاتی رہی۔ چونکہ اسوقت تک گنگا اور جمنا مشرقی سمندر کے بالکل نزدیک بہتی تھیں۔ ان کے کنارے رہنے کے قابل ہی نہ تھے۔

جس وقت رگ وید لکھا جارہا تھا۔ بحیرہ راجپوتانہ اور سرسوتی ندی کے درمیان کشمکش جاری تھی وہ ریت لا کر سرسوتی کے دہانے کو بھرتا تھا

اور ندی اُسے روک گئی تھی۔ آہستہ آہستہ ریت جمع ہو گئی اور بحیرہ ہٹ گیا اس سے سمندر سپت سندھو سے دُور ہو جانے پر یہاں پر برسات کم ہو گئی۔ سرسوتی کو کوہ ہمالہ سے پانی نہ مل سکا اور اسکا دہانہ بند ہو جانے سے یہ ایک معمولی سا نالہ بن گئی۔

قبیلوں کے نام

سپت سندھو کے تین بڑے حصے تھے
۱۔ سرسوتی کے ساتھ اوپر کا علاقہ۔
۲۔ بھارتی جو کہ اس کے نچلے کنارے کے ساتھ تھا اور جس میں بھارتی رہا کرتے تھے۔ جن کا بڑا بزرگ وشوامتر تھا۔
۳۔ کشمیر کی وادی یعنی ایلا۔

ان کے علاوہ دو اور قبیلے تھے ایک پرشونی (راوی) کے مشرق میں ترلسو جن کا بزرگ وششٹھ تھا۔ اور دوسرا قبیلہ سندھو کے کنارے پر۔ بھارتی۔ ترلسو۔ الو۔ درہو اور ترپوش (یادو) یہ پانچ آریہ قبیلے پنچ جن کہلاتے تھے ان کے علاوہ دوابوں میں پورو اور چھید بھی قبیلے رہتے تھے۔

پیداوار

دریاؤں کی وجہ سے سپت سندھو کی زمین بڑی زرخیز تھی اس میں چاول باجرہ اور جو بکثرت پیدا ہوتے تھے۔ یہی آریوں کی خوراک تھی۔ یہاں پر مویشیوں کے لئے چارہ بہت تھا۔ یہ مویشی آریوں کی دولت تھی۔ روئی بہت ہوتی تھی اور اس سے ململ بنائی جاتی تھی۔ جو سندھو کہلاتی تھی جیسے لونیا میں بھی اسی وجہ سے اسکو یہ نام دیا گیا تھا۔ بعینہٖ اسی زمانہ میں چونکہ پہلے پہل روئی کا کپڑا کالی کٹ سے انگلینڈ میں گیا وہاں پر اس کا نام

در کیلی کو دیا گیا۔ پنجاب کے اونی کپڑے بھی اسوقت ایسے ہی مشہور تھے۔ جب باقی دنیا گہری نیند میں سوئی ہوئی تھی۔ سندھو نے دنیا کو ہوشیار اور محنتی بنا دیا

جانور

گائے شروع سے بڑا مفید جانور سمجھا گیا ہے۔ اسکا گھی ہوم کرنے میں استعمال کیا جاتا تھا۔ گائے کی تعریف وید میں پائی جاتی ہے۔ بیل کو طاقت کی علامت سمجھا جاتا تھا اور اسے ہل چلانے اور گاڑی کھینچنے میں استعمال کیا جاتا۔ اگرچہ یہ بھی ذکر آتا ہے کہ یگیوں میں بیل اور گھوڑے کی قربانی کی جاتی تھی۔ گائے کی کھال سے مختلف اشیاء بنائی جاتی تھیں۔ گھوڑا سواری اور رتھوں کے لئے استعمال ہوتا تھا۔ وید میں گھوڑ دوڑ کا ذکر بھی آیا ہے۔
جنگی رتھوں میں گھوڑے لگائے جاتے تھے۔ گدھے کا ذکر ہے خچر کا نہیں۔ اتیرے براہمن میں بھینس کا ذکر ہے۔ بھینسوں کے گروہ جنگلوں میں چرائے جاتے تھے یہ بھی معلوم تھا کہ بکری کو تپ دق نہیں ہو سکتا۔ اسکا گوشت اور دودھ تپ دق کے مریض کے لئے مفید بتایا ہے۔ بھیڑ بھی اون اور دودھ لینے کے کام آتی تھی۔ قندھار کی بھیڑ اون کے لئے مشہور تھی۔ اونٹ باربرداری کے کام آتا تھا کتا بھی پالتو جانور بنا لیا گیا تھا۔ پچھلے زمانے میں بہت سندھو کے کتے میسوپوٹیمیا اور ایران کو شکار کے لئے بھیجے جاتے تھے۔ ہاتھی بھی پالے گئے تھے۔ شکاری ہاتھیوں کو پھنساتے اور پکڑتے تھے۔ راجا لوگ ان پر چڑھا کرتے تھے۔ شیر۔ ہرن۔ نافہ ہرن۔ کالا بارہ سنگھا سانپ مچھلی اور مینڈک کا ذکر بھی آتا ہے۔ پرندوں میں مور عقاب۔ راج ہنس

کوا۔ اُلّو۔ گدھ وغیرہ کا نام بھی ہے۔

نباتات اور معدنیات

اناجوں میں دھان۔ باجرا۔ گنا کا ذکر ہے۔ کنول پھول بہت ہردلعزیز تھا۔ کُشا گھاس پوتر سمجھا جاتا تھا۔ سونا۔ چاندی۔ لوہا۔ تانبا اور جواہرات کا ذکر بھی پایا جاتا ہے۔ سونے اور چاندی کے سکّے اور زیور بنائے جاتے تھے۔ لوہے سے ہتھیار۔ زرہ بکتر اور زراعت کے اوزار بنائے جاتے تھے۔ یہ سب دھاتیں ہندوستان سے بیبلونیا وغیرہ کو جایا کرتی تھیں۔

داس

آریوں کے بیچ جن کے علاوہ اور قبیلے بھی تھے جن کے خیالات اور رسوم ان سے مختلف تھے وہ نہ یگیہ کرتے تھے اور نہ اندر دیوتا کی پوجا کرتے تھے۔ آریہ لوگ انہیں دسیو کہکر نفرت کیا کرتے تھے۔ مغربی عالم تو کہہ دیتے ہیں کہ یہ یہاں کے اصلی باشندے تھے۔ لیکن اگر سپت سندھو کے اصلی باشندے آریہ لوگ ہی ہوں تو یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ دسیو کہاں سے آئے۔ اسکو سمجھنے کے لئے ہمیں یہ جاننا ضروری ہے کہ ابتدا میں انسان خانہ بدوش حالت میں رہتا تھا سبزی اور پھل پر گذارہ کرتا تھا جہاں اچھی خوراک ملتی وہاں ٹھیر جاتا۔ اور جب کھانا نہ ملتا تب پتھروں یا ہڈیوں کے بنائے ہوئے ہتھیاروں کے ذریعے بھوک مٹانے کے لئے جانوروں یا پرندوں کو مارنے کی ضرورت پڑتی تھی۔ آہستہ آہستہ انسانوں نے جانوروں کو گھر رکھکر پلانا شروع کیا اس سے بھیڑ بکری۔ گائے وغیرہ گھریلو بن گئے۔ یہ جانور ہر سال بڑھنے لگے اور اُنکا دودھ بھی انسان کے لئے بڑی عمدہ خوراک ثابت ہوا۔ لیکن چونکہ ان جانوروں کے لئے چراگاہوں کی ضرورت تھی اس لئے خانہ

بدوشی ویسی کی ویسی ہی رہی۔ زمانہ گذر جانے کے بعد ایسے جنگلی اناج معلوم ہوئے جنکا بیج بو دینے سے ان کی مقدار بڑھائی جا سکتی ہے کئی لوگوں نے ان کی زراعت شروع کر دی اور ان کی خانہ بدوشی چھوٹ گئی۔ اناج کو بونا اس کی خبرداری اور پھر اسے کاٹنا اور چھانٹنا ایک مقام پر ہی رہائش ضروری کر دیتا ہے۔

لیکن کئی ایسے قبیلے تھے جو شکار کی حالت میں قائم رہے۔ یہ قبیلے کھیتی کرنے والوں کے مویشی چرا لیا کرتے تھے انھوں نے اپنی حالت سے آگے ترقی نہ کی اس لیے انہیں دسیو یعنی لوٹنے والا کہا جاتا تھا۔ جانور چرا کر ان کو مار کر کھا لیا کرتے تھے۔ ان کو راکشس اس لئے کہا جاتا تھا کہ ان سے رکشا کی ضرورت ہوا کرتی تھی۔ دن کو وہ گاؤں کے پاس ڈیرہ رکھتے تھے اور سامان چوری کرنے کا موقع دیکھتے رہتے تھے۔ انہوں نے ایسا تنگ کیا کہ راجاؤں کو انہیں نکالنے کے لئے باقاعدہ مہم تیار کرنی پڑی۔ آریہ لوگ ان کے اتیاچار سے ایسے تنگ آ گئے کہ انہوں نے پکا ارادہ کر لیا کہ کسیطرح ان لٹیروں کا خاتمہ کر دیا جائے۔ آریوں کا یہ خیال تھا کہ ان کو تباہ کر دینا ہی ایک علاج ہے۔ ان کا سدھار کرنا ناممکن تھا۔ اس لئے ان کے ساتھ مدت تک جنگ جاری رکھنی پڑی۔ رشی لوگوں نے بھی اس میں حصہ لیا۔ مگدالا رشی رتھ لیکر ان کے مقابلے پر گیا اس کی عورت مگدالنی رتھ چلاتی تھی اس نے تیر کمان سے لڑائی کر کے اپنی گوؤں کو ان سے واپس لے لیا ان لڑائیوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے دسیو مارے گئے بہت سے دیش چھوڑ کر مغربی ایشیا کے راستے یوروپ کو چلے گئے

دیواُسر سنگرام

جس طرح آریوں میں آریہ کھیتی کرنے والے اور دسیو لٹیرے دو حصے ہو گئے تھے اسی طرح کچھ زمانہ بعد ایک اور اصولی اختلاف پر انکی دو بڑی پارٹیاں بن گئیں۔ وید میں دیو و اُسر دونوں لفظ طاقت کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں وید کے ابتدائی منڈلوں میں اندر۔ ورن نرو غیرہ کو اُسر لفظ سے مخاطب کیا گیا ہے۔ بعد میں آسر ان طاقتوں کے لئے استعمال ہونے لگا جو دیو کے خلاف سمجھی جاتی تھیں۔ لیکن آریوں کی ایک ہی پارٹی نے اپنے دیوتاؤں کے لئے یہی لفظ پسند کیا اور انہوں نے دیو لفظ کو برا سمجھنا شروع کر دیا۔

آریہ لوگ اندر کو دیوتیں سب سے بڑا مانتے تھے دوسری پارٹی نے اس کی پوجا کرنے سے انکار کر دیا۔ آریوں نے انہیں اُسر کہہ کر ان کے برخلاف جنگ کرنی شروع کر دی۔ اس میں بہت سی لڑائیاں لڑی گئیں جن سے بعض میں لڑنے والوں کی تعداد پچاس ہزار ہو جاتی تھی۔ ایک رشی کہتا ہے "میں ان سب کو جلا دوں گا جو اندر کو نہیں پوجتے۔ میں نے اندر کے دشمنوں کو قتل کر دیا ہے اور وہ شمشان میں سوئے پڑے ہیں۔"

یہ اُسر یعنی اُہر لوگ ایرانی تھے جو وید منتروں سے محبت نہ رکھتے تھے اور ان کی زبان بھی اچھی طرح نہ بولتے تھے ان کا آریوں سے ایک اور بڑا فرق بھی ہو گیا۔ یہ لوگ آگ کو پوتر سمجھتے تھے

اور اس میں جانوروں کا گوشت ڈالنا بُرا سمجھتے تھے۔ وہ برابر لڑتے رہے مگر آخر کار ہار گئے اور ملک سے نکال دئے گئے وہاں سے نکلکر ادھر ادھر پھرتے رہے بعد میں "ایری یانا وائی جو" میں جا آباد ہوئے برف پڑنے یا طوفان آنے کی وجہ سے یہ جگہہ ناقابل رہائش ہو گئی اس لئے وہاں سے چلکر وارا کو گئے۔ یہ واقعہ گلیشل زمانے سے پہلے کا ہے۔ آخر کار زوراشتر ان کو موجودہ ایران میں لے آیا۔ سنسکرت کا "جرا تو سٹھا" بگڑکر زردشت بنا ہے۔ اس نے ایرانیوں کے مذہب کو ایک خاص شکل دیدی۔ اس نے ژند اوستھا میں دیو اور سوم یگیہ کے برخلاف لکھا ہے۔ دیودں کو برائی کی طاقت اور سوم کو تباہ کرنے والا بتایا ہے لیکن ایرانیوں میں بھی ایک ایسا گروہ نکل آیا جو پرانی رسم کو چھوڑنا نہ چاہتا تھا۔ انہوں نے ایک اور پودے سے رس بنانا شروع کیا۔ اور اُسے ہوم کہکر پینا شروع کیا۔ وید میں یہ مذہب اسروں کا ہے جو کہ اُسر تکھشو یعنی اہرمنزد کی پوجا سکھاتا تھا

دکن اور یہی لوگ

رگ وید میں دکن یا اس کے دریاؤں کا کہیں ذکر نہیں پایا جاتا۔ دکن سپت سندھو سے بالکل علیحدہ ایک براعظم تھا جو کہ ایک طرف مشرقی اور جنوبی افریقہ سے جنوبی چین۔ برہما اور آسام سے اور دوسری طرف اسٹریلیا سے ملا ہوا تھا۔ یہ براعظم انسانی نسل کا پنگوڑا خیال کیا جاتا ہے یہ نسل آریہ نسل سے مختلف تھی جو کہ سپت سندھو میں پیدا ہوئی۔ اس نسل کی شاخیں منگولین اور حبشی تھیں اور یہ مختلف قبیلوں میں منقسم ہو گئیں انہوں نے اپنی وحشی حالت سے کبھی ترقی نہیں کی۔ اب بھی بہتیرے مقامات ہیں جہاں

وہ اپنی اصلی حالت میں جیسا کہ ان کے بزرگ ہزاروں سال پہلے رہا کرتے تھے پائے جاتے ہیں۔ دکن کا سپت سندھو کی تاریخ سے براہ راست کوئی تعلق نہیں۔ لیکن اسکا ذکر کرنا اس لئے ضروری ہے کہ آریوں کی ایک دلیر شاخ سمندر میں پھرا کرتی تھی اس کو پنی یا ونک کہتے ہیں۔ یہ لوگ جہازوں کے ذریعے مالا بار وغیرہ کناروں پر جایا کرتے تھے۔ آریہ لوگ انکو لالچی اور لوبھی ہونے کی وجہ سے اچھا نہ سمجھتے تھے اور وہ بھی دور دور جگہ پھرتے رہنے سے آریہ دہرم اور رسومات پر ٹھیک نہ چلتے تھے۔
ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب بحیرہ کی جگہ راجپوتانہ کا ریتلا میدان پیدا ہو گیا پنی لوگ سپت سندھو سے بالکل علیحدہ کٹ گئے اور مالا بار کے کنارے پر آباد ہو گئے۔ انہوں نے وہاں کے اصلی باشندوں یعنی چولیہ اور پانڈیہ پر اپنا بڑا اثر ڈالا اور انہیں دھاتوں کا استعمال اور جہاز کا بنانا سکھایا۔ چول اور پانڈیہ نے ان کے زیر اثر ہو کر ایک نئی تہذیب کی بنیاد ڈالی۔ بعد میں یہ دونوں نسلیں میسو پوٹیمیا اور مصر میں جا آباد ہوئیں۔ چول سے چیلڈین اور پانڈیہ سے مصر کی مصری تہذیب نکلی جس نے سیمیٹک اور یورپی قوموں کی تہذیب بنانے میں اتنا بڑا حصہ لیا۔

ان کا پھیلاؤ پنی لوگ مالا باسی جہازوں میں پھرتے پھراتے۔ میسوپوٹیمیا سیریا اور بحیرہ روم کے ٹاپوؤں میں جا پہونچے۔ یہی لوگ "فی نی شی ان" قوم کے بزرگ تھے۔ جنہوں نے افریقہ کے شمالی کنارے پر۔ جنوبی یوروپ کے کناروں پر گریٹ برٹن اور ناروے کے کنارے پر تہذیب کا بیج بویا۔

ہیروڈوٹس کہتا ہے کہ فی نی شین لوگ پہلے بحیرہ ایرتھین پر رہتے تھے۔ وہاں سے چلکر بحیرہ روم میں آباد ہوئے۔ ایرتھین بحیرہ وہی ہے جسے بحیرہ عرب کہا جاتا ہے کارومنڈل کے کنارے سے خلیج فارس میں سے گذر کر یہ لوگ دجلہ اور فرات کے پاس جا آباد ہوئے وہاں پر رہنے سے ان کے مذہب اور زبان میں بہت سی تبدیلی آگئی وہاں سے سیریا ہوتے ہوئے فی نی شیا جا پہونچے یہ جگہہ سمندر کا کنارہ ہونے سے زمین کو بہت پسند آئی اس لئے یہاں ہی آباد ہو گئے۔ بسبت سندھ سے نکلے ہوئے ان کو ہزاروں سال گذر جانے پر ان کی زبان اور قومیت بالکل اور ہو گئی۔ ان کی زبان میں تھوڑے سے لفظ ہی سنسکرت زبان کے رہ گئے۔

بیبلونیا کے لوگوں میں بھی یہ روایت ہے کہ بحیرہ عرب سے ایک خدائی مچھلی آدمی آیا اس نے چیلڈیا کے لوگوں کو جو حیوانوں کیطرح رہتے تھے ہنر اور علوم سکھائے۔ یہ مچھلی دیوتا 'ای آ' ہے جو سازی اسیریں یادگاروں پر کندہ پایا جاتا ہے۔ فی نی شین مذہب میں دنیا کی پیدائش کا اصول ویدک طریقہ سے ملتا ہے اور ان کے دیوتا آسمانی طاقتوں کے نام ہیں جن میں سب سے بڑا بال یعنی سورج ہے جبکا دوسرا نام ارمی لنس ہے جسے وید میں درن کہا ہے جیولیس "افریکے لنس" جس نے تیسری صدی میں لکھا ہے کہتا ہے کہ فی نی شی ان لوگوں کی تاریخ ۳۰ ہزار سال تک پہنچ جاتی ہے

اسیریا اور بیبلونیا

جب پنی لوگ بیبلونیا گئے تب اپنے ساتھ کچھ چولوں کو بطور ملاح کے لے گئے بعد ازاں

ان چولوں کی کثیر تعداد وہاں جا پہنچی۔ چونکہ وہاں قابل زراعت زمین بکثرت تھی انہوں نے اپنی ایک بستی جا بسائی اس بستی کا نام انہوں نے "چول ڈے شیا"، رکھا جو کہ بعد میں چیلڈیا ہوگیا۔ یہ لوگ بھی اپنے دیوتا اور پروہت اپنے ساتھ لے گئے۔

عالم لوگ اس امر پر متفق ہیں کہ چیلڈیا کے لوگ سیمیٹک نہیں تھے کثرت رائے یہ ہے کہ وہ انڈویوروپین نسل سے تھے ان کو اپنے دارالخلافہ "سومر" سے سومیرین کہا جاتا ہے۔ ان لوگوں سے بیبیلونیا کا مذہب اور تہذیب نکلے۔ اور ان کے دارالخلافہ ازسے ازرائیل قبیلہ نکلا جس نے مذہبی روایات کو تمام دنیا میں پھیلا دیا۔ یہ سومیرین انڈو یوروپین اور دراوڑ نسل کی ملاوٹ ہیں۔ انڈو یوروپین وہ ہی تھے جو سپت سندھو سے آئے اور چول دراوڑوں سے ملکر نئی نسل پیدا کی۔ سومیرین اور دراوڑ دونوں کی زبانوں دونوں کے طریقہ جہازرانی زراعت اور تجارت میں ایسی مشابہت پائی جاتی ہے کہ ہال صاحب نے اپنی کتاب موسومہ "اینشینٹ ہسٹری آف دی نیرایسٹ" میں لکھا ہے کہ سومیرین دکن کے ہندوؤں سے ملتا ہے اس لئے اغلب ہے کہ سومیرین ہندوستانی تھے جو کہ سمندر یا ایران سے ہوکر وہاں آباد ہوئے نینوا کے ایک پرانے مکان میں ساگوان کی ایسی لکڑی پائی گئی ہے جو مالابار کے سوا کہیں اور جگہہ نہیں پائی جاتی۔ ریگوزن صاحب کہتا ہے کہ "مانا" سونے کا سکہ بیبلونیا اور وید دونوں میں پایا جاتا ہے۔ اسی بیبلونیا میں ململ کا نام سندھو تھا بیبلونیا کے دیوتاؤں کے نام ویدک ناموں سے ملتے ہیں جیسے بیبلونیا کے مذہبی

اصول وعلوم دنیا کی پیدائش وغیرہ ویدک اصولوں سے ملتے ہیں۔ منو کے طوفان کی کتھا میں مچھلی دیوتا بن جاتا ہے جو وہاں پوجا جاتا ہے۔ قربانی کی رسم پروہتوں کی عزت (جنکا کام گیان دہیان اور جوتش تھا اور سماٹش سے بھی براہمنوں کی اولاد معلوم ہوتے تھے۔) مندروں میں گنواری لڑکیوں کا رکھا جانا چیلڈیا کے بڑے بڑے مندر چول تہذیب کے ثبوت ہیں۔ دراوڑ جیوتش میں بڑے مشہور تھے اور وہ اپنا جیوتش بھی وہاں اپنے ساتھ لے گئے

مصر کی تہذیب

یوروپ کی تہذیب کے علوم وفنون میں سب سے بڑا حصہ مصر کا ہے مصر کی آبادی کے دو حصے تھے ایک افریقہ کے نمونے سے ملتا ہے دوسرا باہر کا ہے یہ دوسرے لوگ کو میپاٹاس بادشاہ کے وقت میں مصر میں آئے وہ بہت ترقی یافتہ تھے اور اپنے ساتھ ہیرو گلیفک حروف بھی لائے۔ انہوں نے پُرانے باشندوں کو فتح کرلیا۔

ہیرن کی رائے ہے کہ مصر کی کھوپری ہندوستانیوں سے ملتی ہے، انکا دیوتا ہورس اور ہاتھر تھے۔ ہورس سویرے کا ستارہ یعنی سوریہ تھا جس میں "س" "ہ" سے بدل جاتا ہے مصر کی مذہبی اور سوشل رسومات ہندوستان سے ملتی ہیں۔ ان کے دیوتا آسمانی ہیں اور انکا مذہب قدرتی طاقتوں کی پرستش ہے۔ "اوسائی اس اُوراسی سس الشور اور الیش سے ملتے ہیں ان دونوں کے درمیان جدوجہد کی کتھا بعینہٖ اسی نمونہ کی ہے جیسے وید میں اندر اور ورتر کی ہے۔ ایک اور بڑا دیوتا امی مو تھا جسے تین گنوں کے اوپر بتلایا جاتا ہے۔ اسی سے امین لفظ نکلا ہے

اور یہ وید کا اوم ہے۔ مصریوں میں قربانی کا دستور پایا جاتا تھا۔ انکا راجہ ایشور کا قائمقام سمجھا جاتا تھا اور وہ مذہب کا اور راج کا سردار تھا قربانیوں میں پروہت کا کام کرتا تھا۔ اور وہی جج اور قانون بنانیوالا تھا مصریوں میں ذاتوں کی تقسیم ایسے ہی تھی جیسے کہ ہندوستان میں پروہت جنگی۔ تجارتی وغیرہ۔ جنگ کے سارے قواعد منو سے ملتے ہیں عمر کی بھی ایسی ہی تقسیم تھی جو منو نے لکھی ہے۔ ماہ میں ایک آدھ دن برت رکھنا ضروری ہوتا تھا۔ عورتوں کی بہت عزت تھی۔ وہ فلاسفی میں بحث کیا کرتی تھیں۔ راج گدی پر بیٹھ سکتی تھیں ہتھیار باندھ کر ملک کے لئے لڑائی کرتی تھیں۔ مصری آتما کو امر مانتے تھے۔ ماتم کے سوائے اپنے بال کاٹ ڈالتے تھے۔ براہمن دوبار نہایا کرتے تھے۔ ان کے ہاں یگیہ کا طریقہ رائج تھا جانور کا انتخاب اس کے اعضا کو کاٹنا آگ میں ڈالنا اور منتر پڑھنا ایسا ہی پایا جاتا ہے۔ بیل اور گائے کو وہ سرشٹی اتپتی کے نر اور مادہ اصول سے تشبیہ دیتے تھے۔ جو کہ شیو لوگوں کی لنگ اور یونی کی پوجا ہے اور دراوڑ نسل کی مانی جاتی ہے۔ مصری لوگ گائے کی بہت عزت کرتے تھے اور مانتے تھے کہ ایش کی روح گائے میں چلی گئی ہے۔ سوئر کو بہت غلیظ سمجھتے تھے سمیٹک مذاہب نے یہ خیال مصریوں سے صاف نقل کیا ہوا معلوم ہوتا ہے وہ اپنے آپکو غیروں سے علیحدہ رکھتے تھے ان کے پہلے راجہ کا نام مینو تھا جس نے مصر میں ۴ ہزار چار سو برس قبل مسیح راج قائم کیا اور اس نے سرخ (سورج بنسی) اور سفید (چندر بنسی) تاج کو ملا دیا۔ سکندر کے وقت مصر کے پروہت اپنا زمانہ ۲۴ ہزار سال کا گنتے تھے۔

ان سب شاہتوں کو دیکھ کر "بائیبل ان انڈیا" کے مشہور مصنف "جیکولیو" نے اپنی کتاب میں یہ مکمل طور پر ثابت کر دیا ہے کہ بائیبل کی سب فلاسفی اور قوانین ورسوم مصر سے لئے گئے۔ اور مصر کی تہذیب اور قانون آریہ تہذیب اور منو کے دہرم شاستر کی نقل ہے۔ انہی باتوں کو دیکھتے ہوئے داس بابو اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ دکن کے یہ پانڈیہ لوگ تھے جو کہ پنی تجاروں کے ساتھ مصر میں گئے اور وہاں پر ویدک تہذیب کے درخت کو قائم کیا اسطرح پر سپت سندھو کی تہذیب دنیا کی سب پرانی اور موجودہ زمانے کی تہذیبوں کا اصلی منبع ہے۔ جب تمام دنیا اندھیرے میں ڈوبی ہوئی تھی رگ وید کے آریہ لوگوں نے سرسوتی اور سندھو کے کنارے پر وہ اگنی جلائی جسے انہوں نے انسان کی بھلائی اور رہنمائی کے لئے ہزاروں سال تک جلتے اور چمکتے رکھا۔ بہت زمانے کے بعد اس پوتر اگنی کی کچھ لکڑیاں اِدہر اُدہر لیجائی گئیں اور کچھ عرصہ جلنے کے بعد بجھ گئیں۔ بیبلونیا۔ اسیریا اور مصر کی تہذیبیں اب صرف نام ہی رہ گئی ہیں۔ صرف ہندوستان ہے جسمیں ابھی تک وہ اگنی جلتی ہے اگرچہ آندھی اور طوفانوں نے اسے بجھانے میں کوئی کسر نہیں رکھی۔ اگر اس میں ضروری سمی دھا اور سامگری ڈالی جائے گی تو یہ برابر جلتی رہے گی۔

وید میں انسانی تقسیم

رگ وید میں پرش سوکت ہے جو کہ سوسائٹی کو مختلف حصوں میں تقسیم کرتا ہے۔ جب کوئی سوسائٹی ترقی کرتی ہے تو وہ ضروری طور پر مختلف حصوں میں منقسم ہو جاتی ہے۔ انگلینڈ میں ہی پادری لوگ ہیں۔ امیر ہیں۔ درمیانی درجہ کے لوگ ہیں اور مزدور ہیں۔ وید کے زمانے میں اس قسم

کی تقسیم ہو چکی تھی اسکا بڑا ثبوت یہ ہے کہ پرانے ایرانیوں اور مصریوں میں بھی یہی چار حصے پائے جاتے ہیں۔ برہمن ایک بڑا اعلیٰ پیشہ تھا لیکن کسی خاص گروہ کا نہ تھا۔ وید کہتا ہے کہ پہلے ایک ہی آریہ جاتی تھی۔ رامائن میں بھی ایسا ہی ذکر ہے کہ کرت یگیہ میں سب لوگ برہمن ہی تھے۔ پھر برہمن اور کھشتری دو ہوئے برہمنوں کی عزت کی وجہ خاص یہ تھی کہ انہیں یگیہ کرانے ہوتے تھے۔ سب کچھ یاد کرنا ہوتا تھا۔ اچھی یادداشت اور تیز فہمی کی وجہ سے اس کام کے لئے برہمن کا لڑکا ہی زیادہ موزون سمجھا جاتا تھا۔ کھشتری تریتا یگیہ میں علیحدہ ہو گئے لیکن ان کی شادیاں باہم ہوتی تھیں اور گذارہ کے لئے دونوں کو کھیتی کرنی ہوتی تھی۔ آہستہ آہستہ جب کھشتری لڑائی میں لگ گئے تو کھیتی کرنیوالی ایک تیسری قوم پیدا ہو گئی اور کچھ عرصہ بعد سیوا کرنے والی ایک چوتھی جماعت بنگئی

براہمنوں کے فرائض اور حقوق

کوشیتکی میں براہمن کو دیوتا اور دیوتاؤں کا دیوتا کہا ہے۔ صرف برہمن کا ہی حق ہے کہ یگیہ کی چیزوں کو لے سکے ان کے چار بڑے حقوق ہیں۔ ارچا (عزت)، اہیتا (ظلم سے آزادی)، اب وستیا۔ (سخت سزا کا نہ ملنا) اور ان کے چار فرائض ہیں۔ خون کی پوترتا۔ پرتی اپ چریا (معاش کا مناسب طریقہ)، لیش اور لوگ آپکتی (لوگوں کی مذہبی و دماغی تعلیم)

جنم کا برہمن بننے سے کوئی تعلق نہ تھا۔ شت پتھ برہمن (۱۱-۶-۲۰۶-۱۵) میں لکھا ہے "یاگیہ ولک کی شکشا سے جنک براہمن بن گیا۔ تیستری سنگمتا میں لکھا ہے "جس کے پاس ودیا ہے وہ براہمن ہے"۔ کتھک اور متیر ینا سنگمتا میں آیا ہے۔ "تم برہمن کے باپ کا کیا پوچھتے ہو؟ - برہمن کی ماں

کا کیا پوچھتے ہو؟ کیونکہ جو وید جانتا ہے وہی باپ ہے وہی دادا ہے
گیان ہی برہمن کی سب سے بڑی شرط ہے" کوشیتکی (۵۱۵) میں لکھا ہے
"گورو کو ادھیکار تھا کہ اپنے شیشہ پر ارشیم یا برہمن پن دان کرے۔ اگر
وہ برہمن بننے کا خواہشمند ہو اور اس کے لئے یوگتا رکھتا ہو" ایتریہ
برہمن میں بڑا خوبصورت مضمون آتا ہے (۷۔۱۹) یگیہ کھشتری سے
ویش سے اور شودر سے بھاگ گئی اور برہمن کے پاس گئی۔ یگیہ صرف برہما
پر اور برہمن پر رہ گیا۔ کھشتری تب برہمن کے پیچھے گیا اور کہا مجھے بھی اس
یگیہ میں بلاؤ" برہمن نے کہا اچھا ایسا ہو۔ تم اپنے ہتھیار تیر کمان پرے
رکھدو اور برہمن کے روپ میں برہمن بنکر اور برہمن کے ہتھیاروں سے
یگیہ کے پاس آؤ۔" جس پر کھشتری نے اپنے اوزار پرے پھینکدئے
اور برہمن کے اوزار لیکر اس کے پاس گیا۔ یہ کتھا صاف ظاہر کرتی ہے
کہ کھشتری اور برہمن میں کوئی تمیز نہ تھی دونوں ایکدوسرے میں تبدیل
ہو سکتے تھے۔ ایتریہ اور شت پتھ میں اور کئی جگہہ آیا ہے کہ کھشتری
اور ویش بھی یگیہ کرنے سے برہمن ہو جاتا ہے اپ ستمبہ سوتر کہتا ہے
" آچاریہ شیشہ کو نشکشا دیکر اصلی جنم دیتا ہے۔ یہی جنم اوتم ہوتا ہے
ماں اور باپ صرف شریر پیدا کرتے ہیں۔ اس جنم سے پہلے بچہ شودر
کے سمان ہوتا ہے۔ سنسکار تھا جو کہ برہمن بناتا تھا نہ کہ جنم۔ عام طور
پر یہ کہا جاتا ہے کہ صرف براہمن وید پڑھ سکتے تھے اور وہی پروہت
ہو سکتے تھے ان کے لئے شادی کی کوئی بڑی بندش نہ تھی۔ وہ سب
جگہہ شادی کر سکتے تھے۔ کھشتریوں کی ایک دوسری جماعت تھی
یہ بڑا اپنے سرداروں کی اولاد تھے۔ اور مدت تک غلبہ کے لئے

برہمنوں کے ساتھ لڑتے رہے۔ وشسٹ اور وشوامتر کی جدوجہد اس اصول پر تھی کہ کھشتری کا بیٹا برہمن کیوں نہیں بن سکتا۔ آخر میں وشوامتر اس میں جیت گیا اور برہمن گنا گیا۔ ویش عام لوگ تھے جن میں سے برہمن اور کھشتری بھرتی کیا جاتے تھے۔ برہمن تین شادیاں کر سکتا تھا۔ کھشتری دو اور ویش صرف ایک۔ برہمن کا اُپنین موسم بہار میں ہوتا تھا کھشتری کا گرمی میں اور ویش کا خزاں میں۔ مانگنے کے وقت برہمن طالبعلم 'بھونت' لفظ شروع میں بولتا تھا کھشتری درمیان میں اور ویش آخر میں سفید زمین برہمن کا نشان تھی سرخ کھشتری کی اور پیلی ویش کی۔

شودروں کو نیچ سمجھا جاتا تھا اور انہیں کوئی حقوق حاصل نہ تھے۔ اب سمجھ میں آیا ہے کہ شودر کھانا بناتے تھے اور دوسرے ورن کھا لیتے تھے۔ لیکن اسی میں یہ بھی لکھا ہے کہ جو کچھ غلیظ شودر لایا ہو اُسے نہ کھانا چاہیئے۔ آہستہ آہستہ شادی میں رکاوٹ آنے لگی اور شودر عورت سے شادی بہت بُری سمجھی جانے لگی۔

اُتری کے مطابق جو شخص شودر سے شادی کرتا ہے برادری سے خارج ہو جاتا ہے۔ بھرگو کے مطابق جو برہمن شودر عورت سے لڑکا پیدا کرتا ہے برہمن نہیں رہتا اور جو اسے اپنے پاس رکھتا ہے نرک میں جاتا ہے۔ یہی شادی کا طریقہ جو پہلے شودروں سے تمیز کرانے لگا بعد میں ویش اور کھشتریوں سے بھی جدا کرانے لگ گیا اور برہمن ایک علیحدہ جماعت بن گئی۔

ویدیں سوشل آرگنیزیشن یعنی سبھا

رگوید کا بڑا مشہور منتر ہے "ہم سب ملکر بیٹھیں۔ ہم سب آپس میں بات

چیت کریں۔ ہم سب کے من ایک ہوں ہمارے وچار ایک ہوں ایسا ہی رگوید (۱۰۔۱۹۱۔۳) کا خوبصورت منتر ہے کہ تمہارا منتر ایک ہو تمہاری سبھا ایک ہو۔

سبھا کا ذکر بھی وید میں صاف آتا ہے "برہمن کو دکھ دینے والے پر وزن اور منتر کی ورشا نہیں ہوتی۔ سبھا اس کے موافق نہیں ہوتی اور اسکا کوئی ساتھی نہیں ہوتا" ایک مایوس ہوا ہوا امیدوار کہتا ہے"۔ میں طاقتور ہوں۔ میں تمہارا سب کا مالک بنجاؤں گا۔ تمہاری سبھا کا اور تمہارے پرستاؤں کا" اتھروید میں راجاؤں کے لیے پرارتھنا ہے" اس کے اور اس کی سبھا کے درمیان اتفاق رہے ہو"

اتھروید میں سبھا اور سمتی کا کئی بار ذکر آیا ہے۔ خیال یہ ہے کہ سبھا گاؤں والوں کی ہوتی تھی بادشاہ کی سبھا کو سمتی کہا کرتے تھے۔ جو کوئی سبھا کو اپنی طرف کرنا چاہتا تھا اسکا طریقہ ایک ہی تھا کہ وہ تقریر اور دلیل کے زور سے لوگوں کو اپنی طرف پھیرے۔

لوکل سبھا۔ ویدک زمانے میں گرام سبھا ارگنی زیشن کی ابتدا تھی۔ گاؤں کا لیڈر ویدمیں گرامین کہلاتا تھا اسے راجا کے انتخاب میں رائے کا حق تھا۔ وہی گاؤں کی سبھا کا پردھان ہوا کرتا تھا اس سبھا میں امیر اور غریب، دونوں جایا کرتے تھے۔ رگ وید (۸۔۴۔۹) میں آیا ہے" اندر تمہارا متر گھوڑے رتھ اور گئو سے آراستہ ہے وہ اچھی خوراک کھاتا ہے اور بڑی شان کے ساتھ سبھا میں جاتا ہے"۔ اس سبھا میں گوؤں کا ذکر ہوتا تھا۔ بڑے بڑے مضمون پر وچار ہوتا تھا اور انہیں سمجھنے والا عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا

تھا۔ بحث میں کسی بڑے آدمی کے خلاف ہتک آمیز لفظ بولنا یا کسی قسم کی رورعایت دکھانا۔ پاپ گنا جاتا تھا۔ اس سبھا میں انصاف بھی کیا جاتا تھا۔ گویا یہ ایک عدالت کا کام بھی دیتی تھی۔ لیکن اس کے لئے اغلب ہے کہ ایک مستقل کمیٹی بنا دیجاتی تھی جس کے لئے خاص ممبر چنے جاتے تھے۔

دل بہلانے اور خوش کرنے کے لئے شروع سے رواج چلا آتا ہے زمر کہتا ہے کہ ویدک زمانے میں بھی جب سبھا کا سنجیدہ کام ختم ہو جاتا تھا تو وہ ایک موجودہ کلب کا کام دیتی تھی جس میں لوگ جمع ہو کر ناچتے گاتے اور راگ ناٹک کیا کرتے تھے۔ اس میں مداری کے کھیل بھی دکھائے جاتے تھے۔ ان ساماجک جلسوں کو گوشٹھی کہتے تھے جنکا ذکر واستھائن میں تفصیل سے دیا ہے۔ ایک مکان میں لوگ جمع ہوتے تھے راگ رنگ ناچ اور کھانا پینا ہوتا تھا۔ علم ادب اور دوسرے مضامین پر لیکچر ہوتے تھے۔ واتسائن کہتا ہے کہ گاؤں کے لوگوں میں بھی شہریوں کی نقل کر کے ایسی گوشٹھیاں جاری کرنی چاہئیں یہ جیسے بطور آرام اور صحت افزا کھیلوں کے ہوتے تھے

ویدمیں پالٹیکس

وید میں راجا کے انتخاب کا ذکر عام طور پایا جاتا ہے دونوں طرف کے امیدواروں کا ذکر ہے انتخاب کرنے والوں کا ذکر ہے رتھ رکھنے والے اور گاؤں کے سردار اس انتخاب میں حصہ لیا کرتے تھے۔ ایک وید کا منتر ہے "جیسے راجا لوگ سبھا میں اکٹھے ہوتے ہیں ویسے بوٹیاں اس دماغ میں اکٹھی ہوتی ہیں جو بیماریوں کا ناش کرتا ہے۔ اس سے زمر نتیجہ نکالتا

ہے کہ ویدک زمانہ میں آلی کارگی کا طریقہ رائج تھا وہ کہتا ہے کہ اتھرو وید میں انتخاب کے وقت کئی شہزادے ایکدوسرے کے خلاف اُمیدوار کھڑے ہوئے ہیں۔ اور اوسٹھا میں بھی کئی حکمرانوں کی اکٹھی گورمنٹ کا ذکر ہے۔ ایتریہ براہمن میں لکھا ہے کہ اُتر گورو اور اُتر مدرا قبیلوں کی گورمنٹ ویراجیہ (یعنی بغیر راجا کے) تھی۔

یجروید (۱۰۔۱۷) میں کہا ہے "اے پرجا کے لوگو تم اسکو جو فلاں پتا کا اور فلاں ماتا کا پتر ہے جسکا کوئی مخالف نہیں یعنی جیسے سارا شہر چاہتا ہے۔ اپنی حفاظت۔ بڑائی اور کھیتی کے لیئے راجہ بناؤ" پروہت کے ان وچنوں کو سنکر پرجا کے خاص آدمی راجا کو گدی پر بٹھاکر کہیں (یجروید ۹۔۲۲) "ہم ماتری بھومی کو نمسکار ہے۔ ماتری بھومی کو نمسکار ہے۔ اب تو اس ماتری بھومی کا نیتا اور دھارن کرنے والا ہے۔ ہم تم کو کرشی کے لئے۔ دیش کے کلیان کے لئے رب کی رکھشا کے لئے اور اپنی شانتی کے لیئے راجہ بناتے ہیں"۔ اس منتر میں یہ صاف طور پر بتایا ہے کہ کھیتی کی ترقی کرنا۔ ملک کی بہتری کرنا رعایا کی حفاظت اور ان کی طاقت کو بڑھانا راجا کے سب سے بڑے فرض ہیں۔ اتھروید (۱۲۔۱۔۱۱) "جنم بھومی میری ماتا ہے اور میں اس کا پتر ہوں" اتھروید (۱۲۔۱۔۱۵) اے ماتری بھومی ہم تجھ سے ہی پیدا ہوئے ہیں تیرے پر ہی چلتے پھرتے ہیں تو ہی سب دو پاؤں والوں اور چارپاؤں والوں کو دھارن کرتی ہے یہ سب برہمن کھشتری ویش شودر اور انتیج تیرے ہی ہیں جن کے لئے اُدے ہوتا ہوا سورج امرت رو پی کرنوں کو پھیلاتا ہے۔ آگے اتھرو اُدے بتلاتا ہے

کس طرح ہم سب کو جسمانی طور پر مضبوط اور دماغی طور پر اونچے ہو کر اپنے ملک کے لئے قربان ہونا چاہیئے (اتھرووید ۱۲-۱-۶۲)
"اے ماترِی بھومی! تجھ سے پیدا ہوئے سب پرانی نروگ اور مضبوط ہو کر ہمارے ساتھ رہنے والے ہوں تاکہ ہماری عمر بڑی ہو اور ہم سارے گیانی بنکر تیرے لئے بلی دینے والے ہوں" رگ وید میں اپنے آپکو پھیلانے اور اوج پراپت کرنے کی آگیا دی ہے۔
رگ وید (۱۰-۲۳-۱۳) "اے منشو تم آگے بڑھو اور فتح حاصل کرو جو کسی سے نہ دبائی جا سکے" رگ وید (۴-۳۶-۱۱) میں کہا ہے
"دیوتا اس کی سہائتا نہیں کرتے جو آپ اپنی سہائتا نہیں کرتا ہے"
راجہ اور پرجا کے باہمی تعلقات پر یجروید (۹-۲۶) میں کہا ہے۔
"اے راجا! تم پرجا پر ادھیکار جماؤ اور پرجا تم پر ادھیکار جمائے" جسکا صاف مطلب یہ ہے کہ راجا اور پرجا دونوں کی طاقت ایکدوسرے کے اوپر انحصار رکھتی ہے۔ جب کبھی پرجا پر مصیبت ہو تو وہ اپنے بچاؤ کے لئے اپنے راجہ کی طرف دیکھتے ہیں۔ رگوید (۱۰-۲-۱۷۳-۱)
"اے راجن! میں نے تجھے چنا ہے تم ہمارے بیچ میں اوہی پتی ہو تو ایسا درڑھ ہو کر کھڑا ہو کہ نہ کبھی ڈولے اور نہ کبھی ہلے سب لوگ تجھے چاہتے ہیں راشٹر تجھ سے کبھی نہ ہلے" اتھرووید (۲۰-۷۰-۲)
"اے راجن! ہم اپنی رکھشا کے لئے بلوان اور منشوں کو وش میں رکھنے والے تجکو بلاتے ہیں تمہارا کام ہمارے سب دکھوں کو دور کرنا ہے"۔ رگوید (۱۰-۴-۲۷-۲۰) میں آیا ہے کہ تو ہمارے شترؤں کو دبا کر اور جو ہمارے حقوق دبائے ہوں انکو دبا کر، جو ہم سے لڑائی کرنا چاہتے یا ہم سے حسد

کرتے ہیں انکو دبا کر کھڑا ہو۔" یجر وید (۱۱۔۸۲) میں کہا ہے " میں نے انکی بھجا کو اونچا کر دیا ہے۔ میں نے ان کے تیج اور بل کو اونچا کیا ہے۔ میں اپنے دشمنوں کو کمزور کرتا ہوں اور اپنوں کو اونچا کرتا ہوں"۔

ویدک لٹریچر ویدک زبان سنسکرت سے علیحدہ ہے۔ وید کی تفسیر برہمن گرنتھ کہلاتے ہیں۔ رگ وید کے برہمن ایتریے اور کوشکی ہیں۔ یجر وید کے شت پتھ اور تیتریے۔ سام کے تانیڈ ٹلبیہ۔ لاؤنس اور چھاندوگیہ۔ ان سب میں اخلاقی اور مذہبی تعلیم ہے۔ وید منتروں کے استعمال کے موقعے درج ہیں اور یگیہ کرنے کے طریقوں پر بحث ہے۔

اوپ وید۔ دھنر وید (فن جنگ)، گاندھرو وید (علم موسیقی)، ارتھ وید (علم صنعت وحرفت)، ایور وید (علم طب) ویدانگ شکشا چھند (عروض)، ویاکرن (گرامر)، نروکت (الفاظ کی تشریح۔ جیوتش۔ (نجوم) کلپ (دھرم شاستر)۔ ویاکرن میں پانتی کی گرامر سب سے مشہور اور لاثانی ہے۔ اس کی تشریح میں پتنجلی کا مہابھاشیہ

اپنشد اپنشدیں ویدوں اور برہمنوں کا حصہ سمجھی جاتی ہیں ایش کین۔ کٹھ پرشن۔ منڈک۔ مانڈو کیہ۔ ایتریے تیتریے۔ چھاندوگیہ۔ برہدارنکیہ وغیرہ ہیں ان کی عظمت اسی سے ظاہر ہے۔ کہ دارا شکوہ نے انکا فارسی میں ترجمہ کرایا۔ مشہور جرمن فلاسفر شاپن ہاور نے ان کے ترجمے کو پڑھ کر یہ کہا کہ" اپنشد میری زندگی کی تسکین کا باعث ہوئے اور یہی میری موت کے وقت میری تسکین کا باعث ہونگے اسکا ذکر کرتے ہوئے پروفیسر میکس مولر نے کہا" اگراس رائے پر کسی اور شہادت کی ضرورت ہو تو

میں بڑی خوشی سے اس کی تائید کرتا ہوں"
سمرتیوں کا ذکر نہیں پایا جاتا۔ سمرتیاں بعد کی بنائی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ صرف ایک ہی پرانی سمرتی ہے اور وہ منو کا دھرم شاستر ہے۔

پرائیویٹ زندگی

ویدک زمانے میں اخلاقی اور روحانی لحاظ سے انسان کی زندگی بہت اعلیٰ اور پوتر تھی۔ جسے عام طور پر ہم روحانی عظمت کہتے ہیں وہ اخلاقی خوبیوں کی بنیاد پر ہی قائم ہے اور اخلاقی خوبیوں کی جڑ زندگی کی سادگی میں ہے۔ ہماری بداخلاقی اور گراوٹ زندگی کی ضروریات اور پیچیدگیوں کے بڑھنے سے درجہ بدرجہ بڑھتی ہے۔ جب ہم پرانے زمانے کی سادگی اور تیوں کا خیال کرتے ہیں اور انکا موجودہ حالت سے مقابلہ کرتے ہیں تو ہمیں دونوں قسم کی زندگی میں عجیب قسم کی مخالفت اور ضد دکھائی دیتی ہے۔ ہمارے لئے برہمچریہ وغیرہ کی ہدائیں اتنے دور کے معراج معلوم ہوتے ہیں کہ انکا ہماری زندگی پر کوئی اثر ہی نہیں پڑتا۔ دماغی لحاظ سے اس زمانے کی معلومات گنتی وغیرہ کا شروع۔ راگ کے سوروں کا آغاز وغیرہ بہت سادہ معلوم ہوتے ہوں لیکن اسوقت کا خیال کرنے سے وہ آجکل کی بڑی بڑی ایجادوں سے کہیں بڑھکر درجہ رکھتی ہیں۔

اس شروع کے زمانے کو ست یگ کا زمانہ کہا جاتا ہے جبکہ نہ کوئی جھوٹ بولتا تھا اور نہ کوئی چوری کرتا تھا اور نہ کوئی اولاد پیدا کرنے کے خیال کو چھوڑ کر استری سمبندھ کا خیال کرتا تھا۔ ان کے لئے نہ کسی گورنمنٹ کی ضرورت تھی نہ کسی ڈنڈ کی۔ جب انسان زیادہ پھیل جانے

سے آبادی بڑھنی شروع ہوئی تو ان کی ضروریات زیادہ بڑھنے لگیں اور وہ دوسروں کے حقوق میں بھی دخل دینے لگے۔ اپنشدوں اور آرنیکوں کے زمانے تک بھی ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اسوقت بھی سوسائٹی کی بنیاد وہی رشی لوگ تھے جو کہ اپنے کنبے سمیت بنوں میں رہتے تھے اپنا وقت ہستی کے بڑے بڑے مسائل پر ایک دوسرے کے ساتھ وچار کرنے اور انہی مضمونوں میں اپنے شیشہ کو تعلیم دینے میں خرچ کرتے تھے ان وچاروں میں استریاں بھی حصہ لیتی تھیں۔ کھشتری راجا بھی اپنے ایکو تیاگ اور آتم گیان میں ان برہمن رشیوں کے ہم پلہ سمجھتے تھے ان کا دعویٰ تھا کہ وہ سب دنیاوی فرائض کو پورا کرتے ہوئے بھی اس دنیا میں نہیں پھنستے۔ اس لئے الکا تیاگ اور برت زیادہ قیمتی تھا یہ راجا لوگ عموماً سبھائیں لگایا کرتے تھے جن میں رشی لوگ بھی آکر ان کے ساتھ بحث مباحثہ کرتے تھے۔ یہ سبھائیں اس زمانے کے بڑے جلسے تھے اور ان کا حال اسوقت کی ساماجک زندگی کی ایک تصویر ہے۔ ان سبھاؤں میں بڑے بڑے بحث طلب سوال عموماً یہ ہوا کرتے تھے۔ "آتما کا روپ کیا ہے؟ شریر چھوڑ کر جیو آتما کہاں جاتا ہے؟ مکتی کی اوستھا کیا ہوتی ہے؟ گیان کا سب سے آسان سادھن کیا ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔"

مہابھارت کے شانتی پرب میں یدہشٹر کے سوال پر بھیشم کا جواب اس زمانے کی حالت کا ٹھیک نقشہ دکھاتا ہے۔ یدہشٹر نے پوچھا راجہ کہاں سے آیا؟ اور اس کی شکتی کیسے ہو گئی؟ وہ بھی تو سب انسانوں کی طرح دو ہاتھ پاؤں رکھتا ہے۔ بھیشم نے جوابدیا۔ کرتہ یگ

میں کوئی راجہ نہ تھا۔ سب لوگ آزاد تھے اور سب آپ سے آپ دھرم کرتے تھے۔ عرصہ گذر گیا۔ لوگ کام۔ غصہ اور لالچ میں آکر پاپ کرنے لگے۔ اس سے دیوتا لوگوں کو دکھ ہوا اور وہ برہما کے پاس گئے کہ برائی کا علاج کرو۔ برہما نے ڈنڈ نیتی تیار کی تاکہ سزا کے ڈر سے پاپ سے لوگوں کو بچایا جائے۔ برہما نے شنکر کو نیتی سکھائی شنکر نے اندر کو۔ اندر نے برہسپتی کو۔ برہسپتی نے اُسے۔ تین ہزار شلوکوں میں جمع کیا۔ اسے برہسپتی نیتی کہتے ہیں شکر نے اس کے ایک ہزار شلوک بنا دیئے۔

پرجاپتی نے یہ شاستر انڈگا کو دیا وہ پہلا شخص تھا جس نے اس کے مطابق راج کیا۔ اسکا بیٹا اتی بالا ہوا جس کے بیٹے وینا نے اسکی پرواہ نہ کی ظلم کرنے لگا اور مرضی کے مطابق دشمنی اور رعایت کرنے لگا۔ رشیوں نے ملکر اسے قتل کر ڈالا اور اس کی دائین ران سے اسکا بیٹا پرتھو بنایا۔ برہمنوں اور دیوتاؤں نے اسے کہا" اس زمین پر قانون کے مطابق راج کرو۔ بغیر کسی رو رعایت کے سب کے ساتھ ایک سا سلوک کرو۔ یہ بھی اقرار کرو کہ تم براہمنوں کو سزا نہ دو گے" پرتھو نے اقرار کیا اور حکومت کرنے لگا۔ اس نے زمین کو پتھروں سے صاف کیا اور اسپر سترہ قسم کا گھاس اور برکھش پیدا کیئے۔ اسے راجن کہا گیا کیونکہ سب لوگ اس سے خوش تھے وشنو خود راجہ کے جسم میں گھس جاتا ہے اس لئے سب لوگ راجہ کے سامنے جھکتے ہیں۔ راجہ وشنو کی سپرٹ اور ڈنڈ نیتی کا گیان لیکر پیدا ہوتا ہے۔

ایک اور بیان ہے۔ جب آبادی بڑھ جانے سے لوگوں کو دکھ ہونے لگا انہوں نے قاعدہ بنایا کہ جو دوسرے کو گالی دیتا ہے یا مارتا ہے دوسرے کی عورت کو بہکاتا ہے یا دوسرے کی جائداد لیتا ہے اُسے خارج کر دینا چاہیے۔ لیکن کوئی اس قاعدے پر عمل کرنے کے لئے تیار نہ تھا۔ اسلئے سب لوگ پرجاپتی کے پاس گئے اور کہا کہ ہمکو ایک ایسا راجہ دو جسکا سب لوگ حکم مانیں اور جو اس قانون پر سب سے عمل کرالے۔ برہما نے منو کو کہا کہ تم اس حکومت کو سنبھالو مگر اس نے انکار کر دیا کہ پاپیوں پر راج کرنا بڑا مشکل ہے۔ اس سے خود بھی پاپی بننا پڑتا ہے۔ اسپر لوگوں نے منو کو کہا "درست ہے گناہ کا سارا بوجھ ان پر پڑے گا جو پاپ کرینگے ہم تمہیں اپنے سونے اور مویشی کا ۱/۵۰ اور اناج کا ۱/۱۰ اور ایک خوبصورت لڑکی شادی کے وقت پر دینگے۔ ہمارے بڑے بڑے آدمی ہتھیار لیکر تمہارے ساتھ رہیں گے۔ تم مضبوط ہو کر ہم پر حکومت کرو۔ ہم یہ بھی اقرار کرتے ہیں کہ اپنی نیک کاموں کا چوتھا حصہ تمہارے ارپن کریں گے۔"

منو نے مان لیا اور حکومت شروع کر دی اس نے سب بڑے آدمی مار ڈالے اور لوگوں کو دھرم کرنے پر مجبور کیا۔ منو اور پرجا کے درمیان یہ عہد نامہ بڑا اعلیٰ خیال تھا جس کے مطابق لوگوں کو اپنی رکھشا کے لئے راجا کو چننا ضروری ہوا۔

مہابھارت کا زمانہ

نیا زمانہ

ویدک زمانہ کے خاتمہ پر ہم ایک بالکل نئے زمانے میں آجاتے ہیں جو کہ شکل و صورت میں پہلے سے بالکل مختلف ہے۔ اسکو ہم نے مہا بھارت کا زمانہ کہا ہے۔ کیونکہ مہابھارت کا عظیم جنگ ایک ایسا بڑا واقعہ ہے جو کہ اسے پرانے زمانے سے علیحدہ اور مخصوص کر دیتا ہے۔ ویدک زمانے میں آریہ تہذیب کی ابتدا ہوئی۔ آریہ نسل کا پھیلاو ہوا۔ جس سے کہ آریہ تہذیب کا بیج مختلف ممالک میں بویا گیا۔ جب دنیا کی سب قومیں اپنے اپنے راستے پر ترقی کرنے لگ گئیں تو اسوقت آریہ لوگوں کا پھیلاؤ محض ہندوستان تک ہی محدود ہو گیا۔ ویدک کال کے پچھلے حصہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ آریہ لوگ صرف اپنے ملک کو آباد کرنے اور اپنے اندرونی معاملات کو طے کرنے میں ہی لگ گئے

راجپوتانہ کی خشک زمین نکل آنے پر سپت سندھو ہندوستان کے باقی حصوں سے ساتھ مل گیا۔ قدرتی طور پر سپت سندھو کے آریوں نے ملک کے دوسرے حصوں میں اپنی بستیاں بنانی شروع کیں اور وہ گجرات سوراشٹر اور کشن کندھا۔ میسور میں جا آباد ہوئے۔ اگست رشی کی اولاد وندھیا کو عبور کر کے دکن کو چلی گئی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سپت سندھو سے نکل کر آریوں نے گنگا کی وادی میں اپنا ایک دوسرا وطن بنا لیا تھا اس سرزمین میں آریہ تہذیب نے گویا ایک نیا لباس پہن لیا اور یہاں

سے آگے دکن کی طرف بڑھنی شروع ہوئی۔ رامائن میں ہم دکن میں آریوں کی
ان بستیوں کے پھیلاؤ کا ذکر مفصل طور پر پڑھتے ہیں۔ رامچندر کی زندگی
کی کہانی سے ہی یہ غرض معلوم ہوتی ہے کہ دکن کے جن حصوں اور جنگلوں
میں آریہ لوگوں نے اپنی بستیاں اور آشرم جا بنائے تھے۔ ان کی حفاظت
کے لئے آریوں کی پولیٹیکل طاقت کا ثبوت دے۔ ہم نے دیکھا ہے کہ دکن
کے براعظم میں انسانوں کی ایک نئی نسل پیدا ہوئی تھی۔ آریوں کو اپنا
پھیلاؤ کرتے ہوئے اب اس نسل کے مختلف لوگوں کے ساتھ واسطہ
پڑا۔ جہاں پر آریہ لوگوں نے اس نسل کو اپنی تہذیب کے اندر شامل کر کے
اپنے ساتھ ایک بنانے کی کوشش کی وہاں اس میں بھی کوئی شک
نہیں کہ اس نسل کی شاخوں کا اثر آریوں کی تہذیب ۔ ان کی زبان
اور ان کی رسوم پر بہت سا پڑا۔ ہمارا ہندستان کی تاریخ کے اس حصہ
سے تعلق نہیں ہے لیکن جب ہم مہابھارت کے زمانے میں داخل ہوتے
ہیں تو اس وقت ہمارے سامنے اپنے ملک اور سوسائٹی کی ایک
تصویر آتی ہے جس کا ذکر مہابھارت کی کتاب میں نہایت خوبصورتی
سے پایا جاتا ہے۔

مہابھارت

جمنا کے کنارے پر ہستنا پور میں بھارت خاندان
کی ایک بڑی راجدھانی نہایت قدیم زمانے
میں قائم ہوگئی۔ اس کے ایک راجہ کا نام شنتنو تھا۔ راجہ شنتنو کا بیٹا بھیشم ہم
بھیشم بڑی عمر کا ہوگیا تھا جب راجہ شنتنو ایک ملاح کی لڑکی ستیہ وتی پر عاشق ہوگیا اور اُسنے شادی کرنیکی خواہش
ظاہر کی۔ ملاح نے اُس شرط پر اپنی لڑکی راجہ کو دینی منظور کی کہ اسکا
بیٹا بھیشم تخت کے دعوے سے دست بردار ہو جائے نہ صرف اتنا ہی

بلکہ اس خیال سے کہ بھیشم کی اولاد سے اور کوئی دعویدار نہ ہو جائے بھیشم عمر بھر بغیر شادی کئے رہنے کا اقرار کرے۔ بھیشم نے یہ شرائط قبول کر لیں اور راجہ کا ستیہ وتی سے بیاہ ہوگیا۔ اس شادی سے اسکا بیٹا وچتر ویریہ پیدا ہوا۔ اس کے دو بیٹے پانڈو اور دھرت راشٹر تھے۔ پانڈو گدی پر بیٹھا لیکن جلدی ہی مرگیا۔ اس کی دو رانیاں کنتی اور مادری سے اسکے پانچ بیٹے ہوئے تھے۔ یدھشٹر۔ ارجن۔ بھیم۔ نکل اور سہدیو۔ یہ پانچوں نابالغ تھے اس لئے راج کا ولیعہد ان کا چچا دھرت راشٹر ہوا۔ دھرت راشٹر آنکھوں سے اندھا تھا۔ اس کے ہاں ایک سو بیٹے تھے جن میں سب سے بڑا دریودھن تھا۔ دریودھن کی یہ خواہش ہوئی کہ اپنے چچازاد بھائیوں کو راج سے محروم کرکے خود تخت کا مالک بنجائے دھرت راشٹر بھی دل سے یہی چاہتا تھا۔ پہلے پہل مختلف طرح کی سازش کرکے دریودھن نے پانچ پانڈو پتروں کی جان لینے کی کوشش کی لیکن اس میں اُسے کامیابی نہ ہوئی۔ پانچوں بھائی جان کے خوف سے بھیس بدلکر ادہر اُودہر پھرتے تھے کہ انہوں نے پانچال کے راجہ کی لڑکی دروپدی کے سوئمبر کی خبر سنی۔ اس سوئمبر میں بہت سے راجہ جمع ہوئے تھے لیکن ارجن کو تیراندازی میں وہ کمال حاصل تھا کہ وہی سوئمبر کی مشکل شرط کو پورا کرسکا اور دروپدی کی اس کے ساتھ شادی ہوگئی۔

اس موقعہ پر ان کے رشتہ دار کرشن اُنکو آملے اور ہستناپور میں لاکر دریودھن سے ان کی صلح کرائی اور انہیں کچھ فاصلے پر ایک جنگل

کا قطعہ دلوایا جسے کاٹ صاف کر پانڈووں نے ایک نیا شہر آباد کیا جو کہ اندر پرست کے نام سے ان کی راجدھانی بنا۔ ان کی کامیابی کو دیکھکر دریودھن کے حسد کی آگ پھر جلنے لگی اور اس نے انکو اپنے ہاں بلاکر یدھشٹر کو جوا کھیلنے کی دعوت دی یدھشٹر بطور ایک کھشتری انکار نہ کرسکتا تھا چوپٹ کی بازی میں وہ اپنا دھن دولت اور بھائی سب کچھ ہار گیا۔ اس کے پانچوں بھائیوں کو تیرہ برس کے لئے بنباس میں رہنا پڑا۔ جس کے ختم ہو جانے پر انہوں نے دریودھن سے اپنی ملکیت کا حصہ طلب کیا۔

دریودھن ان کو ایک انچ بھر زمین دینے پر بھی راضی نہ ہوا۔ جسکا نتیجہ کوروکشیتر کا وہ بڑا جنگ ہوا جسے مہابھارت کی پُستک بیان کرتی ہے۔ اس جنگ میں ملک کے سب قبیلے اور راجے ایک نہ ایک طرف شامل ہوئے تھے۔ لاکھوں آدمیوں کے خون کے بعد پانڈووں کو فتح حاصل ہوئی اور یدھشٹر راج کرنے لگا۔ اس کے بعد ارجن کا پوتا پریکشت ہستنا پور کا راجہ بنا اور کرشن کا پوتا بجر اندر پرست کا۔ پریکشت کا بیٹا جنمیجے بڑا بھاری راجہ ہوا۔ اس نے اپنے دشمن "ناگوں" کے برخلاف بڑا بھاری جنگ کیا اور اس جنگ کی فتح کی یادگار میں ایک یگیہ کیا جس میں پہلی بار مہابھارت گایا گیا۔ یہ مسیح سے تین ہزار برس پہلے کا واقعہ ہے۔ مہابھارت کی شکل اس میں آمیز ہوتے ہوتے بڑھتی گئی۔ سنہ ۳۰۰ قبل مسیح سے تین سو سال پہلے کے قریب اس کی موجودہ صورت بنگئی۔ اس کتاب سے اس زمانہ کا صحیح صحیح حال معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے اسے ہم نے مہابھارت کا زمانہ کہا ہے۔

اس زمانہ کا ہندوستان کا جغرافیہ

بھیشم پرب میں لکھا ہے کہ آریہ ورت میں ۱۰۰ قبیلے آباد تھے۔ ۵۰ نربدا کے نیچے دکن میں اور ۴ ملیچھ قبیلے آریہ ورت سے پرے۔ اس میں سے سب مقامات کا پتہ لگانا ناممکن ہے جن کا پتہ لگ سکا ہے وہ اسطرح ہے۔ پانچال شمالی اور پانچال جنوبی جو گنگا کی دونوں اطراف میں رہتے تھے۔ پہلے کا دار الخلافہ رہی چھترا اور دوسرے کا کاچی لیا ۲۔ کوشل یہ بھی دو قبیلے دکھشنی اور اتری کورو کھشیتر میں آباد تھے۔ ۳۔ کاشی اور وشالی سمھلا کے پورب میں آباد تھے۔ ۴۔ گنگا کے جنوبی کنارے پر ملدھ اور کروش۔ ۵۔ سون کے پرے مگدھ جنکا دار الخلافہ راج گرہ یا راج گریو تھا۔ ۶۔ ان سے آگے انگ بنگ کلنگ پولند۔ منی مان۔ پوندر اور سوماتھا آباد تھے۔ ۷۔ سمندر کے کنارے کے ملیچھ شر مکار اور ورمکار۔ ۸۔ کورو کھشیتر کے دکھن میں متھرا کے پاس شور سین۔ ۹۔ مت سیہ۔ ۱۰۔ چنبل کے کنارے کنتی بھوج۔ روانتی۔ بھوج کاتا۔ ۱۱۔ پشچم کی طرف سوراشٹر یا کاٹھیاوار۔ بھوج کاتا (غالبا گجرات) سورو پرا کا یا سوپارا۔ اتری کوکن۔ تلی کاٹا یا تلی کوٹا۔ گھاٹو کے اوپر ڈنڈک۔ ۱۲۔ سمندری ملیچھ۔ کیرل۔ پانڈیہ۔ درواڑ۔ چول اندھر۔ آدھرا۔ اوڑیسہ۔ کلنگ۔ ۱۳۔ پرنت۔ اپرنت انارت اور الوپ کا ٹھیک پتہ نہیں لگتا۔ ۱۴۔ کورو کھشیتر پشچم میں روہتکا۔ پہاڑیوں کے پاس متیہ میعو (مارواڑ کا صحرا) وشدن۔ شبی گرت۔ انبشتھا۔ مالوہ۔ سندھ پنج ند۔ (پنجاب) ہرا۔ ہورا۔ ہونا۔ سندھ۔ سوویر۔ گندھار اور کشمیر مشہور نام ہیں۔

پنجاب میں کہی گیہ۔ اشوپتی (یونانیوں کا سوفی ٹے ٹیس (ستادھابارہوی) راوی اور بیاس کے درمیان۔ مدر اور گندھار (مدر کا دار الخلافہ شکل تھا)

پہاڑوں میں مہندر (اڑیسہ کا سلسلہ کوہ) ملایا (مشرقی اور مغربی گھاٹ) ساہی یا (مغربی اور مشرقی گھاٹ کو ملانیوالا سلسلہ) شکتی مان (کاٹھیاواڑ کا سلسلہ کوہ) رکھشاون (اراولی کا سلسلہ) وندھیا پارسی یاترہ ان کے علاوہ اور بہت سے چھوٹے چھوٹے نام ہیں۔ مہابھارت میں دوسو کے قریب دریاؤں کے نام آئے ہیں جنکا پہچاننا ناممکن ہے رامائن میں کورو کھشیتر سے دریاؤں کو گنا ہے۔ مشرق میں بھاگیرتھی شراوو کوشکی۔ ایگندکی، کالندی (جمنا) سرسوتی۔ سون۔ دکن میں مہاندی۔ گوداوری۔ کرشنا اور کاویری کا ذکر ہے جنوب میں سندھو کا اور اس کے پرے پاری یاترا پہاڑ کا۔ پنجاب کے پانچ دریا کرن پرب میں اسطرح آئے ہیں۔ شترو۔ ایراولی۔ چندر بھاگا۔ وتستہ۔ ویاسا اور چھٹا سندھو۔ اس کے علاوہ سرسوتی کا خاص ذکر ہے۔ شلیہ پرب میں اسکا سارا کورس تفصیل کے ساتھ بتایا ہے۔ بلرام دوارکا سے اس دریا کی یاترہ کے لئے چلا۔ پہلے دوارکا کے نزدیک پربھاسا تیرتھ کو گیا۔ وہاں سے چمسودبھید تیرتھ اور وہاں سے اُدپان کو بید کو۔ (یہاں سے لوگ سرسوتی کے راستے کو صرف دلدل زمین اور بہت درختوں کے نشان سے بتلاتے تھے) وہاں سے وناشن تیرتھ کو (یہاں سرسوتی زمین کے نیچے غائب ہوجاتی ہے اس لئے وناشن کہتے ہیں) وہاں سے چلکر پھر اصلی ندی میں ہوتا ہوا نگر گا تیرتھ کو وہاں سے نگا تیرتھ اور اس کے بعد کئی تیرتھوں سے ہوتا ہوا کورو کھشیتر

میں پہونچا۔ وہاں سے ہمالیہ میں جاکر سرسوتی کی پیدائش ایک پہاڑی پر سرون جمنا کے مغرب میں دیکھی۔

یہ دریا اسوقت آریوں کا بہت پوتر دریا سمجھا جاتا تھا۔ اس لیئے بلرام کی رائے کے مطابق بھیم اور دریودھن کا یدھ سرسوتی کے جنوبی کنارے پر ہوا۔ اب بھی ہندو لوگ یہ مانتے ہیں کہ یہ دریا پریاگ کے نزدیک گنگا اور جمنا میں ملکر تربینی بناتا ہے۔ وینڈاڈ میں ہرادتی ایک بڑا متبرک دریا ہے اسیطرح سرایو ایک اور دریا ہے جو وینڈاڈ کے ہرائیو سے ملتا ہے۔

جب مہابھارت کا یدھ ہوا تو پنجاب کی ریاستوں نے دریودھن کا پہلو لیا۔ راجہ شلیا۔ بھوری شروا پنجاب کے راجا تھے۔ جیدرتھ۔ کیکیئے سندھ کا راجا تھا۔ دوبلیے ایرادتی سے آئے تھے یہ سب پنجاب کے اصلی آریہ تھے جو اپنی زمین کو آریہ ورت کہتے تھے اور دوسروں کو ملیچھ۔ ایک شلوک میں یہ کہا ہے کہ آریہ لوگ اپنی بھاشا میں ملیچھ بھاشا سے موثر نہیں ہوتے تھے۔ جب ارجن اپنا گھوڑا پھراتا ہوا وجے پر گیا تو اس نے آریہ اور ملیچھ دونوں قسم کے راجاؤں کو فتح کیا۔ پانڈوں کی طرف آریہ اور دراوڑ نسلوں کے ملے ہوئے راجہ تھے۔ یو یو دھانہ ستوت کاٹھیاواڑ سے تھا۔ درشٹلے کیتو چھیدی کا راجا کانپور سے تھا۔ دروپد آگرہ اور علی گدھ سے۔ وراٹ دھولپور سے اور بھرتپور سے جیت سین مگدھ سے اور پانڈیہ مدراس کا راجہ تھا۔

اس مضمون پر لکھتے ہوئے۔ ایک انڈیا کا مشہور مصنف چنتا منی ویدیوں رقمطراز ہے " ۲۰۰۰ سال کے عرصہ کے اندر یونانی۔

بکترین ۔ پارتھین ۔ ہنوں ۔ شاکیہ ۔ عرب ۔ ترک ۔ مغل اور افغانوں نے پنجاب پر حملہ کیا ۔ اسپر بڑی حیرانی کی بات ہے کہ پنجاب کے لوگ ابھی تک سب سے اُوتم اور شدھ آریہ ہیں ۔ اس کی وجہ ایک ہی ہے کہ جب غیر لوگ ایسے ملک میں آتے ہیں جو کہ پہلے سے ہی شائستہ اور اور گھنا آباد ہوتا ہے تو وہ ان کے اندر جذب ہو جاتے ہیں یا اُنکی ہستی یونہی مٹ جاتی ہے جیسے گنگا کا پانی ہمالیہ میں بالکل صاف ہے جوں جوں نیچے جاتا ہے اس میں اور ندی نالے ملنے سے اسکا پانی ملاوٹ والا ہوتا جاتا ہے"

پولیٹیکل حالت

ایک شلوک میں یدھشٹر کہتا ہے کہ ہر ایک گھر میں راجا ہیں مگر مہاراج کی پدوی پانا مشکل ہے ۔ اسکا مطلب یہ ہے کہ مہا بھارت کے زمانے میں شہر شہر اور گاؤں گاؤں میں راجہ ہوا کرتے تھے ۔ مگر اصلی راجا وہ ہوتا تھا جسکو یہ سب لوگ اپنے سے اوپر سمجھتے تھے اور اسے مہاراج ادھیراج کہا جاتا تھا ۔ مہاراج ادھیراج کا کام صرف اتنا تھا کہ ان راجوں سے اپنی اطاعت قبول کرائے ۔ اسکا کام اُنکو تباہ کرنا نہ تھا ۔ یدھشٹر اور دریودھن نے دگ وجیہ کیں مگر انہوں نے کسی راجے کو اپنے نیچے نہیں کیا ۔ یہی وجہ ہے کہ برہمنوں اور اپنشدوں کے زمانے سے وہی قبیلے کاشی ۔ ودھ ۔ چیدی ۔ شودسین ۔ کورو پنچال ۔ مت سیہ ورمی ۔ غنی ای ۔ بھوج ۔ مالوہ ۔ کھشدرکا ۔ مدرا ۔ کے کیا ۔ گندھارا سندھو ۔ سودیر ۔ کمبوج ۔ کوشی نرا ۔ کیرتا ۔ انارتا وغیرہ برابر ویسے کے ویسے اور انہی ناموں کے ساتھ بودھوں کے زمانے تک چلے آتے ہیں ۔

ان سب میں گورنمنٹ کی شکل راجہ کی تھی۔ لیکن ہر جگہہ براہمن لوگ راجہ کی حکومت سے آزاد تھے۔ ہر موقع پر لوگوں کی رائے لیجاتی تھی رامائن میں صاف آتا ہے کہ۔ وشسٹھ نے سب بڑے سرداروں کو اور گاؤں میں سے بڑے بڑے آدمیوں کو بلایا۔ یہ سبھا برہمنوں اور کھشتریوں کی قائمقام تھی وہ مہاراجہ کی اس تجویز پر وچار کرتی رہی۔ کہ رامچندر کو یوراج بنایا جائے۔ سبھا نے اتفاق رائے سے پاس کیا کہ یہ تجویز مان لی جائے۔ راجہ نے کہا کہ شاید سبھا کے لوگ اس کے لحاظ سے ایسا کر رہے تھے۔ تب سبھا کے ممبروں نے رام کے گن ورنن کئے اور ہاتھ باندھے ہوئے راجا نے ان کی رائے قبول کی۔ سارا بیان ایسا صاف ہے کہ اس میں ذرا شک نہیں کیا جا سکتا۔ وشسٹھ کی موت کے بعد راجا چننے کے لئے پھر سبھا بلائی گئی۔ کچھ آدمی یہ کہتے تھے کہ اکشواکو بنش میں سے راجا بنانا چاہئے۔ لیکن وشسٹھ نے یہ تجویز کی کہ بھرت کو راجا بنایا جائے اور اسکو فوراً بلانا چاہئے۔ مہابھارت میں ذکر ہے کہ راجہ پریت نے اپنے بیٹے دیوپا کو تاج دینا چاہا۔ لوگوں نے اسے روکدیا۔ راجہ کے آنسو نکل آئے جبپر لوگوں نے کہا کہ اگرچہ دیوپا میں سب گن موجود ہیں مگر اس کو چمڑے کی بیماری ہے لوگوں کی رائے غالب آئی اور بیٹے کی جگہہ اسکا بھائی راجہ چنا گیا اسی طرح جب یُیاتی اپنے چھوٹے بیٹے پورو کو راجہ بنانا چاہتا تھا لوگوں نے اعتراض کیا راجہ نے ان کے جواب میں اپنی دلیلیں پیش کیں جبپر لوگ راضی ہو گئے اور رسم ادا کی گئی۔

جب بدھشٹر نے سمراٹ کا خطاب لینا چاہا تو کرشن نے اس موقعہ پر

ایک تقریر کی جس میں اس کی وجہ تسمیہ بیان کی - اس تقریر سے اسوقت
کی پولیٹیکل حالت کا پتہ لگتا ہے - وہ اسطرح پر ہے -
"جمدگنی نے کھشتریوں کو قتل کر دیا جو باقی رہ گئے انہوں نے
سورج بنسی اور چندر بنسی کھشتریوں سے ملکر یہ قاعدہ نکالا - اسی لئے
اور اکش واکو سے پیدا ہوئے قبیلے ایکھوجے قریب ہیں - بیانی کی
نسل سے بھوج کا سب جگہ پھیلے ہوئے ہیں اسوقت سب راجاؤں لے
لئے جراسندھ کو اپنا سمراٹ بنایا ہے کیونکہ وہ سب سے زبردست ہے
وہ مدھ دیش میں راج کرتا ہے اور بہادر شسوپال اسکا سیناپتی بن
گیا ہے - وکردنت کروشوں کا راجہ اسکا نائب ہے - پشچم کے یونانی
راجہ بھگیہ دت جس کے نیچے مرد اور نرک ہیں غیر جانبدار
ہے - جنوب مغرب میں کنتی بھوج پروتیت تمہارا متر ہے - بھیشم کا اور
واسدیو اونگ اور پونڈ کیرت کا راجہ اجراسندھ کی طرف ہے شمالی
کے بہت سے راجا پنچال - شورسین اور بست سیہ وغیرہ جراسندھ کے
ڈر سے ادھر اُدھر بھاگ گئے ہیں - ہم نے باوجود اپنے لوگوں کی بہادری
اور زیادہ تعداد کے متھرا کو چھوڑ دیا ہے اور گو شمالی کے قلعے میں
آ پناہ لی ہے - یہ قلعہ ایسا مضبوط ہے کہ عورتیں بھی اس کی حفاظت
کر سکتی ہیں - وہاں ہم مگدھ دیش کے لئے ترستے ہوئے رہ رہے ہیں" گو
گو راشٹر اگرچہ بعض جگہ الیگارکی (سرداروں کی) اور جمہوری حکومتیں
تھیں جہاں پر بڑوں کی سبھا وہ کام کرتی تھی جو راجہ کے تھے ان
کو گن اور گن پتی کہا گیا ہے - اس زمانے کے شروع میں یہاں پر
بھی ایسے قبیلے موجود تھے جو کہ یونان کے قبیلوں کی طرح آزادی

سے محبت کرنے والے تھے یہ سب قبیلے ایک طرح کی چھوٹی چھوٹی آزاد ریاستیں تھیں دونوں ملکوں میں یہ قبیلے ایک ہی نسل سے ایک ہی دیوتاؤں کو ماننے والے تھے ایک ہی زبان بولا کرتے تھے۔ باہمی شادیاں کرتے تھے۔ پولیٹیکل طور پر سب آزاد تھے۔ ایک قبیلہ دوسرے کو شکست دیدیتا تھا۔ مگر اُسے تباہ نہ کرتا تھا۔ حیرانی کی بات یہ ہے کہ جوں جوں وقت گذرتا گیا۔ یونان میں جمہوریت زور پکڑتی گئی مگر ہندوستان میں راجہ کی حکومت بڑھتی گئی۔ ہندوستان میں آزادی کا رخ رُک گیا اس کی وجہ یہ ہے کہ درجو تکے فرائض کی تقسیم سے راج کا کام صرف کھشتریوں کے سپرد کر دیا گیا۔ عام لوگ گورنمنٹ کے انتظام سے بالکل بے پرواہ ہو گئے۔ اور آہستہ آہستہ ملک اور قوم میں عوام کی تعداد دوسری جاتیوں کو شودر کے طور پر شامل کر لینے سے بہت زیادہ بڑھ گئی۔ ان پر پابندیاں لگا کر راجوں کے اختیارات بڑھانے پر زور دیا گیا نتیجہ یہ ہوا کہ پہاڑوں میں جو چھوٹے چھوٹے قبیلے تھے وہاں تو عام لوگوں کا زور رہا مگر میدانی ریاستوں میں راجا مطلق العنان ہو گئے راجا کا راج بڑا سکھ دینے والا خیال کیا جانے لگا۔ راجا کے نہ ہونے کی برائی اسوقت بڑے زور سے ظاہر کی گئی۔ جب لوگ دشرتھ کی موت کے بعد اکٹھے ہوئے وہ کہنے لگے۔

"جہاں راجہ نہیں ہوتا وہاں برسات نہیں ہوتی نہ اناج پیدا ہوتا ہے بیٹے باپ کا حکم نہیں مانتے نہ عورت پتی کا۔ کوئی اپنی جائداد محفوظ نہیں رکھ سکتا نہ برہمن کی کوئی عزت ہوتی ہے۔ نہ سچائی کی نہ زیور پہنی ہوئی لڑکیاں شام کے وقت باغ میں جا کر کھیل سکتی ہے نہ کوئی اور خوشی

یا تماشا ہو سکتا ہے نہ کھلے دروازے آدمی سو سکتے ہیں نہ تیز رفتار سواریوں
پر جنگل میں جا سکتے ہیں۔ نہ تجارتی لوگ اِدھر اُدھر پھر سکتے ہیں کہیں
کوئی فلاسفر دکھائی نہیں دیتا۔ نہ شہزادے صندل کھڑاؤں پہنے ہوئے
چلتے دکھائی دیتے ہیں۔ جیسا دریا بغیر پانی یا جنگل بغیر گھاس کے ہے ایسے
ہی ریاست بنا راجہ کے ہے۔ جسطرح جسم کے لئے آنکھ ضروری ہے
ایسے ہی بھلائی کی حفاظت کے لئے راجا ہونا ضروری ہے اگر راجہ نہ ہوگا
تو سب جگہہ اندھیرا ہو جائیگا اور اچھے بُرے میں کوئی تمیز نہ ہو سکے گی"
بدامنی کا خوف اتنا بڑھ گیا کہ مہابھارت کے شانتی پرب میں یہاں تک ذکر ہے
"اگر کوئی طاقتور فتح کرنے کے لئے آجائے تو جس ریاست کا کوئی راجہ نہ
ہو یا کمزور ہو اسے خوش آمدید کہنا چاہئے کیونکہ بدامنی سے بڑھ کر اور
کوئی برائی نہیں اگر وہ خوش ہو گیا تو اچھا ورنہ سب کچھ تباہ کر دے گا۔
ایک گائے جو مشکل سے دودھ دیتی ہے بار بار تنگ کی جاتی ہے۔ جو
آسانی سے دودھ دیتی ہے اسے کوئی تنگ نہیں کرتا" یہ ظاہر کرتا ہے کہ
اسوقت بھی لوگوں کو گائے بھینس سمجھنے کا خیال پیدا ہو گیا تھا۔ لوگ راج
سے بے پرواہ ہونے لگ گئے۔ اس خیال سے کہ گورنمنٹ سے صرف ٹیکس دینے کا
تعلق ہے۔ عام لوگوں کو صرف امن کی خواہش رکھنی چاہئے انہیں اس
سے کیا کہ کون راجہ ہوتا ہے۔ آہستہ آہستہ سٹیٹ راجہ کی ذاتی جائداد سمجھی
جانے لگی۔ اس زمانے کے آخر میں پولیٹیکل گراوٹ یہاں تک پہنچ گئی کہ
مہابھارت میں ہی راجا آدمی کی شکل میں ایشور کا روپ مانا جانے لگا

راجا کی طاقت بودھوں کے زمانے کے شروع میں مذہب اور گورنمنٹ میں دو بڑے
انقلاب واقع ہوئے۔ ایران میں سائرس پہلا بادشاہ تھا۔ جس نے

سلطنت کی بنیاد ڈالی اور اس کے بعد دارا نے صوبوں کو فتح کر کے ان پر اپنے گورنر مقرر کرنے کا طریقہ جاری کیا۔ غالباً ایرانیوں کی نقل کر کے کوشل نے کاشی کو فتح کر کے تباہ کر دیا۔ پھر مگدھوں نے کوشل کو تباہ کر کے مگدھ امپائر کی بنیاد رکھی جس کا صدر مقام راج گرہہ سے پاٹلی پتر میں تبدیل کیا گیا۔ ہندوستان میں یہ پہلی امپائر تھی اور چندر گپت پہلا امپیرر تھا۔ اس کے وقت کے بعد بہت جگہ پر راجاؤں کے اختیارات مطلق العنان ہو گئے اور ان کی مرضی ہی سب کچھ ہو گئی۔

راجا کے فرائض کا ان سوالوں سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے جو نارد نے مہابھارت کے پانچویں باب میں یدھشٹر سے پوچھے ہیں۔ وہ کہتا ہے "کیا تمہاری ریاست تمہاری طرف سے، تمہاری رانیوں کی طرف سے، تمہارے شاہزادوں کی طرف سے یا چوروں یا لالچی اشخاص سے مظلوم تو نہیں ہے؟ کیا تمہارے پانی کے ذخیرے بھرے اور مناسب جگہ پر رکھے ہیں تاکہ تمہاری رعایا کو صرف برسات پر منحصر نہ رہنا پڑے؟ کیا کھیتی کرنے والوں کا بیج ضائع تو نہیں جاتا؟ کیا تم قرضہ ایک فیصدی سود پر دیتے ہو؟ کیا تمہارا وراتہ محکمہ یعنی کھیتی، مویشی پالنا اور تجارت کا لین دین اچھے آدمیوں کے ہاتھ میں ہے؟ کیونکہ اس میں ہی لوگوں کو خوشی اور آرام ہے۔ کیا گاؤں کے پانچ افسر تمہارے بھلے میں کوشاں ہیں؟ کیا اپنے شہروں کی حفاظت کے لیے گاؤں کو تم نے اپنے شہروں جیسا محفوظ بنایا ہے اور اپنی سرحد کو گاؤں جیسا؟ کیا تمہارے ملک میں جو ڈاکو پھرتے ہیں تمہاری فوج ان کا تعاقب کرتی ہے؟" نارد کا خیال ہے کہ راجا کا پہلا فرض ملک کو بدامنی سے

بچانا ہے۔ ۲۔ اس کے بعد کھیتی کے لئے نہروں کے ذریعے پانی کا انتظام کرنا۔ ۳۔ کھیتی کرنے والوں کو سودی روپیہ کا انتظام کرنا۔ ۴۔ عدالت کا انتظام دیکھنا۔ گاؤں کے پانچ افسر ہوتے ہیں۔ پرشت (بڑا آدمی) سماہرت (ٹیکس رکھنے والا) سمروہاتا (رعایا اور ٹیکس دینے والے کے درمیان پنچ) لیکھک (حساب رکھنے والا) ساکشی (گواہ)

۵۔ اندھے۔ گونگے۔ لولے اور کمزوروں کی پرورش کا انتظام کرنا

۶۔ قحط زدہ لوگوں کے لئے امداد کا انتظام کرنا۔ ۷۔ سانپ، چیتے اور وبائی بیماریوں سے لوگوں کی حفاظت کرنا۔ ۸۔ مال کے متعلق راجا کو خاص ہدایت تھی کہ ہر روز کی آمدنی خرچ سے زیادہ ہو۔ اس کی طاقت خزانے کو بھرے رکھنے میں ہے۔ اسی کے نتیجے وہ خرچ وغیرہ رکھ سکتا تھا۔ اس لئے راجہ کو آمدنی کی چھوٹی سے چھوٹی رقم بھی نظر انداز نہ کرنی چاہیئے۔ ان سے ہی خزانہ بنتا ہے۔ اور نہ اسے اپنے دھرم کے لیے اور خواہشات کے لیے آمدنی سے زیادہ خرچ کرنا چاہیئے

راج دھرم میں راجہ کے متعلق مندرجہ ذیل ہدائتیں کی گئی ہیں:۔

اسے اپنے وقت کے تین حصے کرنے چاہئیں۔ صبح دھرم کے لئے، دوپہر ارتھ یعنی دنیاوی کاروبار کے لیے اور شام کام یعنی اپنی خواہشات کے لئے۔ سویرے اٹھتے ہی راجا اپنی پرجا کی بہتری کا خیال کرے۔ ہر ایک سوال پر صرف ایک آدمی سے صلاح لے اور پھر اس پر فوراً عملدرآمد کرے۔ ہزار بے وقوف کو چھوڑ کر ایک عالم کو اپنے پاس رکھے اور ایسے عالموں کو تحفہ تحائف سے خوش رکھے اور کبھی کسی افسر کو بغیر قصور ثابت ہوئے علیحدہ نہ کرے۔ اسے خوش خلق اور

ہنس مکھ ہونا چاہئے لیکن کبھی اپنے نوکروں سے دل لگی نہ کرنی چاہئے بہادروں کی کبھی بے عزتی نہ کرنی چاہئے۔ کسی حالت میں حوصلہ نہیں کھونا چاہئے۔ اپنی رعایا کو ملنے کا موقع دینا چاہئے اور ان کی شکایات سننی چاہئے۔ محتاجوں اور دکھیوں کی امداد کرنی چاہئے۔ جیسے حاملہ عورت اپنے بچے کی خاطر تمام خوشیاں قربان کر دیتی ہے۔ راجا کو اپنی پرجا کے لئے تمام خوشیاں قربان کر دینی چاہئیں۔ راجا مندرجہ ذیل چودہ عیبوں کو اپنے سے دور رکھے :۔

۱۔ فرض سے غفلت۔ ۲۔ جھوٹ۔ ۳۔ غصہ۔ ۴۔ بے احتیاطی۔ ۵ ویدی۶ عالموں سے میل نہ رکھنا۔ ۷ سستی۔ ۸ عیش میں پڑنا ۹ لالچ۔ ۱۰ بے وقوفوں سے مشورہ۔ ۱۱ طے شدہ امور کو عمل میں نہ لانا ۱۲ راز کو فاش کر دینا۔ ۱۳ بہت پہلوؤں میں مصروفیت۔ ۱۴ مشورہ کے لیئے جلسے نہ کرنا۔

راجہ کے منتری اور عہدیدار راجہ کو آٹھ منتری رکھنے کے لیئے کہا گیا ہے۔ ان آٹھ کے نام کہیں ایک جگہ نہیں دیئے۔ کہیں کہیں سچو، وزیر اعظم، سیناپتی، پروہت، جیوتشی، وید وغیرہ۔ راجہ کے لیئے ضروری بتائے ہیں۔ ان آٹھ کے علاوہ ایک شلوک میں ۱۸ عہدہ داروں کے نام اسطرح دیئے ہیں :۔ منتری، پروہت، یوراج، چھوتی (سیناپتی) دوار پال، انتر دیشنیش، جیل افسر، خزانہ افسر، مال افسر، شہر افسر کنسٹرکٹ افسر، ڈنڈ افسر، دھرم ادھیکش، سبھا ادھیکش، قلعوں کا محافظ، سرحد کا محافظ، جنگل افسر پرولیشنا (؟)، ان سب کے اوپر

تین تین جاسوس ایکدوسرے کو نہ جاننے والے مقرر ہونے چاہئیں۔ جو راجا کو سب معاملات کی خبر پہنچاتے رہیں۔ راجا کو ذاتی طور پر خفیہ محکمہ خزانہ اور عدالت کا خیال رکھنا چاہیئے۔ یعنی خود چروں سے خبر وصول کرنی چاہیئے۔ خود آمد و خرچ کا حساب دیکھنا چاہیئے۔ اور خود دربار لگا کر لوگوں کی شکایات سننی چاہئیں۔ اس کے علاوہ اسے اپنے ساتھ مصاحب رکھنے چاہئیں۔ جو موروثی اچھے خاندان والے اور جو اسکی ریاست میں ہی پیدا ہوئے ہوں۔ شر و کھشا یعنی باڈی گارڈ جو بڑا عالم۔ محتاط اور سچا ہو رکھنا ہوتا تھا۔

جوڈیشل انتظام

عدالت کرنا راجا کا اپنا کام سمجھا جاتا تھا۔ اور مقدمات سننے کے لئے ایک کونسل ہوتی تھی جسکا ذکر شانتی پرب میں پایا جاتا ہے۔ اس کونسل میں چار برہمن نمائندے عالم۔ شادی شدہ اور اچھے چالچلن کے ہوتے تھے آٹھ بہادر کھشتری۔ اکیس دولتمند ویش تین صاف شودر اور ایک آٹھ صفتوں والا سوت ہوتا تھا۔ ان میں سے آٹھ ممبروں کے ساتھ راجا ہر ایک مقدمے کو سنے۔ کبھی چوری روپیہ لیکر کسی کی رعایت نہ کرے۔ ایسا کرنا بڑا بھاری پاپ اور ریاست تباہ کرنے والا بتایا ہے۔ طاقتور کے مقابلے پر کمزور کی حفاظت کرے۔ اگر مدعا علیہ جرم سے انکاری ہو تو گواہوں کی مدد سے فیصلہ کرے۔ گواہ نہ ہونے پر فیصلے میں بڑی احتیاط سے کام لینا چاہیئے۔ جرم کے مطابق سزا دینی چاہیئے۔ امیر کو جرمانہ غریب کو قید اور بدمعاش کو بید کی سزا دے۔ بادشاہ کا قاتل۔ آگ لگانیوالا چور اور ورن کو خراب کرنے والا

وغیرہ کو عذاب سے مارنا چاہیئے۔ نیائے کے ساتھ سزا دینے میں کوئی برائی نہیں۔ لیکن جو راجا اپنی مرضی سے ہی سزا دیتا ہے نرک کا بھاگی ہوتا ہے۔ ایک کے بدلے دوسرے کو کبھی سزا نہ دے"۔ کونسل میں ولیٹوں کی تعداد اس لئے زیادہ تھی کیونکہ مقدمے زیادہ تر دیوانی ہوتے تھے۔ عدالت میں مدعی اور مدعا علیہ اپنا اپنا بیان دیتے تھے اور گواہوں کو اپنے ساتھ لے جاتے تھے۔ گواہوں کی عدم موجودگی میں سچائی پر پہنچنے کے لئے آرڈیل (خدا کی مرضی) کا استعمال ہوتا تھا۔ چوروں کو مار دیا جاتا تھا یا ان کا دایاں ہاتھ کاٹا جاتا تھا۔ راجہ کی ایک اکیلی عدالت ہوتی تھی۔ نہ کوئی اور سزا اور نہ کوئی اپیل کی عدالت تھی۔ گواہ راجہ کے خوف کی وجہ سے جھوٹ نہیں بولتے تھے۔ جرم بہت کم تھا۔ لوگ خوش تھے اور عموماً راجا کے دربار میں جانے کی بجائے اپنے جھگڑے آپس میں فیصلہ کر لیا کرتے۔ اس تمام زمانہ میں یہی حالت رہی اور اسکا اثر یونانیوں پر یہ ہوا کہ انہوں نے لکھا ہے "ہندوستان میں کوئی عدالتیں نہیں اور نہ ان میں باہم کوئی جھگڑے تھے۔ اگر کوئی شخص کسی کو روپیہ دیدیتا تھا اور اسے وہ واپس نہ دیتا تھا تو روپیہ دینے والا اپنے آپ پر فضول اعتبار کرنیکا الزام لگاتا تھا"۔ جب چندر گپت کے زمانے میں سلطنت بہت بڑھ گئی راجہ خود فیصلے نہ کر سکتا تھا۔ اس سے آہستہ آہستہ عدالت کا دوسرا مقرر کیا گیا جو راجہ کی جگہ برہمن جج ہوتا تھا۔ قانون کی سمرتیاں پیچیدہ اور مکمل بننے لگیں۔ ملزم اور گواہ عدالت میں بلائے جانے لگے (ان سے پہلے مدعی مدعا علیہ گواہوں کو ساتھ لیکر آیا کرتے تھے اور زبانی بیان دیا کرتے تھے)۔ جیوری کا طریقہ

آہستہ آہستہ ٹہتا گیا۔ اور گواہوں کو جھوٹ بولنے کی عادت ہوتی گئی

محکمہ مال

ریاستیں چھوٹی ہونے کی وجہ سے محکمہ مال بھی سیدھا سادہ تھا۔ ہر ایک گاؤں کا بڑا آدمی گرام ادہی پتی کہلاتا تھا۔ بیس گاؤں پر سو گاؤں پر اور ہزار گاؤں پر علیحدہ علیحدہ افسر مقرر تھے۔ چھوٹا افسر بڑے افسر کے پاس اپنی رپورٹ بھیجا کرتا تھا۔ ایک افسر مال روپیہ کی نگہبانی کیا کرتا تھا اور اسکا کام چھوٹے افسروں کے ظلم کو روکنا بھی تھا۔ سٹیٹ کی آمد زمین اور تجارت سے ہوتی تھی زمین کی پیداوار پر ۱/۶ اور سونے اور مویشی پر ۱/۵۰ محصول تھا۔ سوداگر بہ قیمت خرچ اور قیمت فروخت کا لحاظ رکھکر ٹیکس لگایا جاتا تھا۔ محنتی لوگ یا ٹیکس دیتے ۔ یا انہیں ریاست کا کام کرنا پڑتا تھا۔ ٹیکس لینے کا اصول مہابھارت میں ایک شلوک میں بتایا ہے۔

"دانا راجا کو لوگوں سے اسطرح ٹیکس وصول کرنا چاہیے جیسا بچھڑے کو بھوکا مارے بغیر گائے سے دودھ لیا جاتا ہے۔ لوگوں کو یہ بھی بتا دینا چاہیے کہ ان سے ٹیکس انتظام قائم رکھنے اور دشمنوں سے مقابلے کے لئے استعمال کئے جائیں گے۔ جنگ کے لئے خاص قسم کی اجازت تھی۔ ٹیکس بڑھانے کے متعلق یہ بھی کہا ہے کہ انہیں آہستہ آہستہ اسطرح بڑھانا چاہیے جیسے بیل آہستہ آہستہ بوجھ اٹھانے کے قابل بنایا جاتا ہے یکلخت قابو میں لانے سے وہ بے قابو ہو جاتا ہے" راجہ کی آمدنی کے دوسرے ذرائع کانیں۔ نمک۔ شلک د غالباً محصول منڈی) ایل اور ہاتھی ہیں اور ان پر راجہ کو اپنے خاص اعتباری آدمی مقرر کرنے کے لئے ہدایت ہے۔ جنگل ابھی تک راجہ کی ملکیت

نہ تھے اِن پر کوئی ٹیکس نہ تھا۔ جنگلوں کی اتنی بہتات تھی کہ ان میں مویشی چرانے۔ لکڑی کاٹنے یا شکار کرنے کی کھلی اجازت تھی۔ گاؤں کے رہنے والے گاؤں کی زمین کو آپس میں بانٹ لیا کرتے تھے لیکن بعد میں زمین کی خرید و فروخت بھی کی جاتی تھی اس لیئے یہ پابندی بھی جاتی ہوگی مہابھارت میں سونے کے سکے 'نِشک' کا ذکر پایا جاتا ہے جو کہ بہت قیمتی ہوگا۔ کیونکہ جب ایک موقعہ پر برہمنوں کو نِشک دیا گیا تو وہ خوش ہو کر چلانے لگے "ہم کو نشک ملا ہے"!

راج نیتی اور جنگ

اس زمانے کے شروع میں راجا کے فرائض بالکل سادہ اور معمولی تھے لیکن اس زمانے کے آخیر میں سٹیٹ بڑھتے بڑھتے اتنی بن گئی اور فرائض ایسے پیچیدہ ہو گئے کہ راجہ کچھ کا کچھ بن گیا۔ فرائض کی جو تصویر راج نیتی کی کتابوں میں دکھائی گئی ہے اس سے راجہ کی حالت میں ایک حیرت انگیز انقلاب معلوم ہوتا ہے۔ ہر ہسپتی اور شکر نیتی کا خلاصہ مہابھارت کے شانتی پرب میں دیا ہوا ہے جس میں منش کے جیون کا اودیش دھرم۔ ارتھ۔ کام اور موکش بتلا کر راج نیتی ارنبھ ہوتی ہے اس کے مطابق گورنمنٹ کے چھ حصے ہیں۔ راجا۔ وزیر۔ سفیر۔ راجہ کا لڑکا۔ مخبروں کی قسمیں اور ان کے لباس۔

دشمنوں کے ساتھ برتنے کے پانچ طریقے ہیں۔ سام (صلح کی پالیسی) دان (دینا)، دنڈ (ڈرانا)، بھید (پھوٹ) اور آپکشا (بے اعتنائی) علاوہ ازیں عہد ناموں اور خفیہ مشوروں کی قسمیں۔ چار موسموں میں فوجوں کے کوچ کے طریقے اور مختلف قسم کی فتح وغیرہ کا ذکر ہے

سٹیٹ کو پانچ حصوں میں بانٹا ہے۔ ملک۔ قلعہ۔ فوج۔ خزانہ اور وزرا۔ آٹھ قسم کی فوج کا اور اس کے ساتھ مختلف قسم کے بارعودوں اور زہروں کا۔ دوستوں۔ دشمنوں اور غیر جانبداروں کا۔ قواعد اور جنگ کے سامان کا لڑنے کے طریقوں کا۔ جن میں ہتھیاروں کا رکھنا سپاہیوں میں جوش پیدا کرنا۔ یا مدہم کرنا۔ ہدایت اور حکم کو پہنچانا۔ شکست کا اور پیچھے ہٹنے کا ذکر پایا جاتا ہے یہ بھی بتایا ہے کہ دشمنوں کے ملک کو برباد کرنے کے کون سے طریقے ہیں فاکوؤں کے ذریعے۔ آگ لگانے والوں یا زہر پھیلانیوالوں کے ذریعے سے قبیلوں کے سرداروں کو بہکا کر فصل اور درختوں کو تباہ کر کے ہاتھیوں کو ڈرا کر یا خراب کر کے اور وفادار لشکروں میں بے وفائی پھیلا کر۔

ریاست کی ترقی اور تنزل کو سات حصوں میں تقسیم کر کے عہدناموں ڈیپوٹیشنوں۔ کمزوروں کی حفاظت۔ دشمنوں کی تباہی راجہ کی کمزوریوں اور راجہ کے تمام فرائض کا ذکر ہے۔

جنگ راجیہ کو قائم رکھنے کے لئے ایک ضروری حالت سمجھی جاتی تھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ۔ قبیلے بھی ایک دوسرے کے ساتھ جنگ کی حالت میں رہنے لگ گئے تھے۔ ہربرٹ سپنسر نے تمام پولیٹیکل انسٹی ٹیوشنوں کی ترقی کا آغاز اس جنگی تعاون سے منسوب کیا ہے اس زمانے کے مدبروں کی بھی یہ رائے ہے کہ ایک گرتی ہوئی یا مرنے والی قوم کے لئے بھی بچاؤ کا علاج صرف جنگ ہی ہو سکتا ہے۔ ہر زمانہ میں ایسے لوگ پائے جاتے رہے ہیں جن کے دل جنگ کی تصویر یا خیال سے گھبرایا کرتے ہیں لیکن ان لوگوں کی دماغی حالت غیر معمولی ہی ہوتی

ہے اور ان کا اس دنیا کا نقشہ صرف ان کے اپنے خیال میں خاص وجود رکھتا ہے
جدوجہد اور باہمی مقابلے کا سپرٹ جب قوموں سے نکل جاتا ہے اسی وقت
ہی ان کے اندر قدرتی تنزل کے اسباب آموجود ہوتے ہیں۔ مہابھارت
کے وقت جنگ کے ہنر نے خاصی ترقی کرلی تھی فوج کی ارگنیزیشن ہو چکی تھی
جنگ کے۔ قواعد اور جنگ کا اخلاق بھی تیار ہو چکا تھا۔ ہر ایک راجا نے
باقاعدہ فوج رکھنی شروع کر دی تھی۔ اس کی چار قسمیں تھیں۔ پیدل۔ سوار
ہاتھی اور رتھ۔ ہر ایک سپاہی کو کچھ نقدی اور کچھ غلہ بطور تنخواہ دیئے جاتے
یدھشٹر ایک موقعہ پر کہتا ہے۔ سپاہی کو تنخواہ نہ دینے سے برا نتیجہ پیدا ہوتا
ہے۔ ہر ایک فوج میں دس سپاہیوں پر ایک۔ سو پر دوسرا۔ اور ہزار پر بڑا
افسر ہوتا تھا۔ بڑے افسروں کی تنخواہ اور عزت زیادہ ہوتی تھی ساری
فوج کے لئے ایک سیناپتی ہوتا تھا جس کی بابت کہا گیا ہے کہ گرمی سردی
برسات برداشت کرنے کے قابل ہونا چاہئے۔ اس فوج کے علاوہ
بحری فوج۔ مخبر اور جبر لوگ ہوتے تھے۔ بحری فوج کشتیوں اور سمندر
کے جہازوں سے بنتی تھی۔ پیدل فوج کے پاس تلوار۔ تبر۔ کلہاڑا وغیرہ
ہتھیار ہوتے تھے۔ ہاتھیوں کی فوج میں بڑے بڑے پہلوانوں کے پاس
گرگز اور بھالا ہوتے تھے۔ سواروں کے پاس تلوار اور بھالا ہوتا تھا۔
ہر ایک سپاہی کوچ زرہ بکتر پہنتا تھا۔ مختلف علاقوں کے لوگ مختلف
قسم کی لڑائیوں میں مشہور تھے۔ پنجاب اور سندھ کے لوگ تیز کلہاڑے
سے لڑا کرتے تھے۔ رتھ کا یودھا اس زمانے کا بڑا لڑنے والا تھا۔ جس کا
خاص ہتھیار تیر کمان ہوتا تھا۔ اگرچہ شکتی اور چکر بھی استعمال کیا جاتا تھا
تیر دور تک پھینکا جا سکتا تھا۔ اس لئے ہندوستانی تیراندازی کی خاص

مشق کرتے تھے۔ ان کی کمان آدمی کے قد کے برابر ہوتی اور تیر ہولے لوہے
کی چادر کو چھید سکتا تھا۔ اس تیر کمان کو چلانا بڑی طاقت اور مشق کا کام
تھا۔ رتھ اس لئے دیا جاتا تھا کہ لڑنے والا بہت جلد اپنی پوزیشن بدل سکے
اور تیروں کا ذخیرہ اپنے پاس رکھ سکے۔ رتھ آجکل کے توپخانے کی مانند ہوتا
اشوتھامہ کے ساتھ آٹھ چھکڑے تیروں کے بھرے رہتے تھے۔ ہر ایک گاڑی آٹھ
بیلوں والی تھی۔ تیر جو گھٹنے لگے جس نے اس ذخیرہ کو خالی کر دیا۔ آخر وہ
ہتھیار تھے جو آگ، بارش یا ہوا پیدا کر کے دشمن کو تباہ کر دیتے تھے۔ رتھ
کا سرا ایک گول لمبا سا ہوتا تھا جس کے اوپر ہر ایک یودھا کو تمیز کرنے
کے لئے مختلف قسم کا جھنڈا لہراتا تھا۔ لڑائی میں اس جھنڈے کو گرانے
کی بھی کوشش کی جاتی تھی۔ ہر ایک رتھ میں اپنا نقارہ ہوتا تھا۔ عام طور
پہ یودھا اپنے دشمن کو اپنا نام اور اپنے کنبے کا نام بتا کر چیلنج کرتا تھا
تو وہ جنگ لڑنے لگ جاتے تھے۔ سنکھ بجانا معمولی بات تھی جو دشمن نزدیک
ہونے پر چھوٹے تیر استعمال کئے جاتے تھے۔ سینا پتی کا ہنر اس بات میں
سمجھا جاتا تھا کہ وہ فوج کو مختلف شکلوں میں باندھے۔ ویسے وہ
ترتیب تھی جب میدان لڑنے کے وقت سپاہی کھڑے کئے جاتے تھے۔
مگر بھیشم پتامہ نے جنگ کے اخلاق کے متعلق بتایا ہے کہ دشمن جس نے
ہتھیار ڈال دئیے ہوں یا جسکا ہتھیار ٹوٹ جائے جو گر پڑے جو
میدان سے بھاگ رہا ہو جو اطاعت قبول کرے۔ جسکا بیٹا مارا گیا ہو
پیاسا سویا ہوا یا پانی پیتا یا کھیتی کرتا ہو اس پر کبھی حملہ نہ کرنا چاہیے
یونانی لوگ یہ بھی دیکھ کر حیران ہو گئے کہ جب لڑائی ہو رہی تھی کھیتی
کرنے والے لوگ برابر اپنا کام کرتے رہے۔ جنگ میں ایسے موقعے

بھی گئے ہیں جہاں اپنا ملک یا دوسرے ملک برباد کر دینے کی ہدایت ہے ۔ شانتی پرب میں بتایا ہے کہ ہار جانے والے راجا کو کیا کرنا چاہئے اپنے مویشی جنگل سے ہٹا لینے چاہئیں ۔ اپنے ملک کو برباد کر دینا چاہئے سب گاؤں والوں کو شہر میں لے آنا چاہئے ۔ پل تباہ کر دینے چاہئیں کنوئیں وغیرہ گرا دینے چاہئیں اور جو نہ گرائے جا سکیں ان کو زہریلا کر دینا چاہئے ۔ قلعے کے ساتھ تھوڑا جنگل کاٹ دینا چاہئے ۔ قلعے میں سے نکل جانے کے لئے خفیہ راستے ہونے چاہئیں ۔ پھاٹکوں پر انجن اور توپیں رکھنی چاہئیں ۔ قلعے میں کنوئیں کھود دینے چاہئیں ۔ کھانا رات کو پکانا چاہئے ۔ یگیہ کے سوائے سب آگ بجھا دینی چاہئے ۔ دن میں آگ جلانے والے کو سخت سزا کی ڈونڈی پٹوا دینی چاہئے ۔ ہر ایک گذرگاہ اور مندر پر مخبر مقرر کر دینے چاہئیں ۔ تمام بھکاری ۔ جھگڑوں والے ہیجڑے ۔ پاگل ۔ ناچنے والے شہر سے نکال دینے چاہئیں کیونکہ یہ بڑے خطرناک ہوتے ہیں ۔ تیل ۔ چربی ۔ گھی ۔ دوائی ۔ گھاس ۔ لکڑی ۔ پلاش اور زہریلے تیر جمع رکھنے چاہئیں"

سماجک حالت

میگیستھنز کا ایک ہی فقرہ ذات کا آئینہ بتا دیتا ہے ۔ وہ لکھتا ہے "کوئی آدمی اپنی ذات سے باہر شادی نہیں کر سکتا ہے ۔ اور نہ کوئی دوسرا پیشہ اختیار کر سکتا ہے" اس کے معنی یہ ہیں کہ شادی اور پیشہ کی حد بندی ذات کی جڑ میں ہیں ہم نے دیکھا ہے کہ ویدک زمانے کے آخیر میں ورنوں کے درمیان شادی پر پابندی لگنی شروع ہو گئی تھی ۔ اس ملک میں شادی کی پابندی کی خاص وجہ یہ تھی کہ آریوں کو ایک ایسی نسل سے یہاں پر واسطہ پڑا

جو کہ رنگ۔ اور چہرے میں بالکل مختلف تھی۔ ان کی حالت اس ملک میں ایسی ہی تھی جیسی کہ انگریزوں کی افریقہ میں یا امریکہ میں ہے۔
شادی کی پابندی سب سے پہلے شودر عورتوں کے متعلق شروع ہوئی مہابھارت کے انوشاسن پرب میں ایک شلوک آتا ہے "برہمن کا لڑکا خواہ کسی ورن کی ماں سے ہو برہمن ہوتا ہے۔ صرف چار ورن ہیں پانچواں نہیں ہے۔ لیکن جب کسی آریہ ورن کی شادی غیر آریہ عورت سے ہو جاتی تھی تو رنگ ویسا نہ رہ سکتا تھا۔ اس لئے بیج اور کھشیتر بنا بر منو سمرتی میں ہی بحث شروع ہو گئی۔ اگرچہ منو نے بیج کے حق میں ہی فیصلہ کیا ہے۔ لیکن شودر عورت سے برہمن کا لڑکا مردہ سے بدتر بتایا ہے ویش لوگ شودر عورت سے شادی کیا کرتے تھے، اس لئے اب ویش عورت کے خلاف بھی نفرت کا خیال پیدا ہونے لگا۔ ایک برہمن کا ویش عورت سے لڑکا ایسا اچھا نہ مانا تھا جیسا کہ برہمن یا کھشتری عورت سے۔ ایسی اولاد کو ادنےٰ درجہ دیا گیا۔ مہابھارت میں ایسی اولاد کے حقوق پہ بحث کی گئی ہے اور یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ برہمن کی اولاد کے دس حصے کئے جائیں۔ چار حصے برہمن عورت کی اولاد کو تین حصے کھشتری عورت کی اولاد کو دو حصے ویش عورت کی اولاد کو اور ایک حصہ شودر عورت کی اولاد کو دئے جائیں۔ یدھشٹر کے وقت ورنوں کی بہت سی کھچڑی سی ہو گئی جب یدھشٹر سے کرم اور جنم کے متعلق سوال کیا گیا تو اسکا آخری جواب یہ تھا۔ "اگر گن نہ ہوں تو ذات فضول ہے کیونکہ خون میں اسقدر ملاوٹ ہو گئی ہے"۔
جنم کے خیال کا زور منتگا کی کتھا سے ظاہر ہوتا ہے جس میں

اندر کہتا ہے "ایک چنڈال ہزار جنم کے بعد شودر بنتا ہے۔ شودر اس سے تین گنا عرصہ میں ویش اور ویش ساٹھ گنا عرصہ میں کھشتری وغیرہ" گوتم کے چوتھے کے ۲۲، ۲۳ شلوک میں کہا ہے "اگر ایک سورن عورت جو کھشتری ماں اور برہمن باپ سے ہو کسی برہمن سے شادی کر لے اور اس کی لڑکیاں سات نسل تک برہمن سے شادی کرتی رہیں تو آنیوالی اولاد برہمن بن جاتی ہے" گوتم کہتا ہے "بعض آچاریوں کے مت میں یہ تبدیلی پانچویں نسل میں ہو جاتی ہے"

آہستہ آہستہ یہ خیال زور پکڑ گیا کہ برہمن ماں اور برہمن باپ سے ہی برہمن بچہ پیدا ہوتا ہے جس سے کہ برہمن علیحدہ ذات بن گئی۔ اسیطرح سے کھشتری ویش وغیرہ علیحدہ ذاتیں بن گئیں۔ بدھ کے سامنے جب یہ سوال آیا تو اس نے جواب دیا "ماں کی کچھ بات نہیں باپ کی سب کچھ ہے۔ جو باپ ہوتا ہے ویسی ہی اولاد ہوتی ہے" لیکن بودھوں کے وقت برہمنوں سے کھشتری عورت کیساتھ شادی کرنے کا حق بھی لے لیا گیا۔ بدھ دھرم نے ذات اور بھید کے خلاف بڑا اندولن کیا۔ لیکن جب اسکا زوال ہو گیا تو ہندوؤں کا پرانا میلان پھر تیزی سے کام کرنے لگا اور رشتے سے قریب ذات کی پابندیاں بہت سخت ہو گئیں اور ذاتوں کے اندر قبیلہ پیشہ فرقہ۔ قومیت مذہب رسوم اور مقامات کی وجہ سے بے شمار ٹکڑے بن گئے۔

عورت کی پوزیشن

ابتدائی زمانے میں شادی کی کوئی حد بندی نہ تھی۔ جب راجا پانڈو نے کنتی کو نیوگ کرنے کو کہا تو اسے بتایا کہ پہلے پہل عورتیں بالکل آزاد تھیں لیکن

چونکہ بوڑھے مرد اور عورتوں کی کوئی پرواہ نہ کرتا تھا۔ اس لئے شادی
کا رواج ڈالا گیا۔ مہابھارت کے زمانے میں کئی عورتوں کے ساتھ
بھی شادی کرنے کا رواج تھا۔ اس بات کو یونانیوں نے پسند نہیں
کیا۔ انہوں نے لکھا ہے کہ ہندوستانی بہت سی عورتوں کے ساتھ
شادیاں کر لیتے ہیں انہیں کئی گولیاں بنانے کے لئے کئی خوشی کے لئے
اور کئی اولاد کیلئے۔ قدرتی نتیجہ یہ ہوتا ہے اگر انکو پاکیزہ حالت میں نہ
رکھا جائے تو یہ بدچلن ہو جاتی ہیں۔ یونانیوں کی واقفیت پنجاب
تک محدود تھی وہ اس سے آگے نہیں گئے۔ پنجاب میں عورتوں کو
آزادی بہت زیادہ تھی اور عام قاعدہ ہے کہ باہر کے لوگ
اس آزادی کو غلط معنوں میں لیتے ہیں۔ جب سکندر آیا تو پنجاب میں
مدرا اور کیے کیا کی جگہ کیٹھا اور سو فائٹ قبیلوں نے لی تھی۔
کیٹھا قبیلے میں عورتیں خود خاوند کو چنتی تھیں اور سو فائٹ میں خوبصورتی
کے لئے لڑکی کو پسند کیا جاتا تھا۔ ماوری مدرا سے اور کیگئی کیکے سے
قبیلے سے تھی۔ بہت تحفے دیکر ان کو شادی میں لیا گیا تھا۔ اُس
زمانے میں نیوگ کیا جاتا تھا۔ ودھوا کی دوسری شادی بُری سمجھی
جاتی تھی۔ جب ارجن جیدرتھ کے قتل کی قسم کھاتا ہے تو کہتا ہے
"اگر میں شام تک اسے قتل نہ کروں تو میں اس جگہ جاؤں جہاں
وہ جاتے ہیں جو ودھوا عورتوں سے شادی کرتے ہیں" رامائن اور
مہابھارت کے زمانے میں بچپن کی کوئی شادی نہیں پائی جاتی سوبھدرا
اور اُترا شادی کے وقت پوری جوانی پر تھیں۔ اترا کا خاوند ابھی منیو
شادی کے چند ماہ کے بعد ہی مارا گیا اور اسوقت وہ حاملہ تھی۔ لڑکیوں کو

دھرم اور قانون کی ہدایت کے ذریعہ پوتر رکھا جاتا تھا۔ دروپدی کے بن میں رہتے ہوئے عورتوں کا جو آدرش اس نے ستیہ بھاما کے سامنے رکھا ہے وہی آجکل ہندو عورتوں کے سامنے چلا آتا ہے۔ شادی کی مختلف رسمیں یہ ظاہر کرتی ہیں کہ کسطرح لڑکی کی شادی بیچنے سے دان کے درجے تک جا پہونچی۔ اس زمانے میں بھی پنجاب کے بعض قبیلوں میں لڑکی بیچنے کا رواج تھا۔ سمرتیوں کے مطابق یہ شادی بہت گری ہوئی تھی۔ ایرین کہتا ہے۔ ٹیکسلا میں بڑی بڑی لڑکیاں فروخت کے لئے پیش کی جاتی تھیں اور سب سے زیادہ قیمت دینے والے کو دیجاتی تھیں۔ براہمنوں میں لڑکی کے دان کا رواج تھا۔ کھشتری سوئمبر کیا کرتے تھے۔ سوئمبر دو قسم کا ہوتا تھا۔ لڑکی خود انتخاب کرے یا شادی کے لئے کوئی شرط رکھی جاوے۔ دُشینت اور شکنتلا کی شادی پہلی قسم کی تھی۔ دوسری کا رواج کھشتریوں میں عام تھا۔ تیر اندازی میں مقابلہ ایک بڑی شرط ہوتی تھی۔ دروپدی اور سیتا کی شادی اسی طرح ہوئی۔ گندھرب شادی میں لڑکی کو بھگا لیا جاتا تھا۔ اگر اُسکے اپنے رشتہ دار چھڑا نہ سکیں تو وہ بھگانیوالے کی سمجھی جاتی تھی۔ سوبھدرا کی شادی اسیطرح ہوئی۔ اس زمانے کے شروع میں بھی ستی کا رواج تھا۔ مادری اپنے پتی پانڈو کے ساتھ چتا پر چڑھی۔ یونانیوں نے بھی یہ لکھا ہے کہ کیتھا بیے میں عورتیں اپنے خاوند کے ساتھ اپنے آپکو جلا دیتی تھیں۔ ڈایوڈورس لکھتا ہے کہ گیبین کی لڑائی میں جو انٹی گونس اور یومے نیز کے درمیان ہوئی ایک ہندوستانی جرنیل کے ٹی اس نامی مارا گیا۔ اس کی دو عورتیں اس کے ساتھ جلائے جانے کی عزت کے

لئے خواہشمند تھیں۔ چونکہ بڑی حاملہ تھی اور قانون کے مطابق وہ چل نہیں سکتی تھی اس لئے چھوٹی کو چلنے کے لئے اجازت دی گئی۔

مذہب اور لٹریچر

اس زمانے میں بول چال سنسکرت زبان میں ہوا کرتی تھی لیکن اس کے پچھلے حصے میں مختلف صوبوں میں پراکرت زبانیں بولی جانے لگیں۔ اصلی باشندے اور شودر سنسکرت کو ٹھیک ٹھیک نہ بول سکتے تھے۔ جب نسلوں کی ملاوٹ زیادہ ہوتی گئی تو سنسکرت بھاشا بھی بہت اشدھ بولی جانے لگی۔ اصلی آریوں نے اس بگڑی ہوئی بھاشا کو بڑی نفرت کی نگاہ سے دیکھا۔ آہستہ آہستہ یہ پراکرتیں بنتی گئیں وِدُر نے پانڈو بھائیوں کو ملیچھ بھاشا میں ہی یہ بتایا تھا کہ انہیں لاکھ کے مکان میں نہ ٹھہرنا چاہئے۔ اسوقت تک سارا لٹریچر بھی سنسکرت زبان میں ہی تھا۔ مہاتما بدھ نے پراکرت بھاشا میں پرچار شروع کیا۔ اس زمانہ میں تعلیم کا رواج عام تھا۔ ہر جگہ آشرم اور پرلشیدھ (یونیورسٹی) موجود تھیں۔ دوج ذاتوں میں ہر ایک بالک کو برہمچاری رہنا اور گورو کے گھر رہکر ودیا پڑہنی ہوتی تھی۔ آشرم اور پرلشیدھ اس زمانہ کے سکول اور کالج تھے جن میں ہر قسم کے علوم ویاکرن سے لیکر تیر اندازی تک سکھائے جاتے تھے۔ مذہب کا طریقہ ابھی ویدک زمانے کے مطابق تھا۔ یگیہ کئے جاتے تھے۔ وید کا پڑہنا ہر ایک آریہ کا فرض تھا۔ کھشتری اور برہمن سندھیا اور اگنی ہوتر کیا کرتے تھے۔ رام لکھشمن اور سیتا جنگل میں بھی برابر ہون کرتے رہے۔ یدھشٹر کے فرائض میں انکا ذکر پایا جاتا ہے رامچندرا اور یدھشٹر تیر اندازی کے ساتھ ساتھ وید بھی پڑہا کرتے تھے

اسوقت تک مورتی پوجا جاری نہیں ہوئی تھی اور نہ کہیں اس کا ذکر آتا ہے۔ البتہ دیوتاؤں کی پرستش یا قدرت کی پوجا کا خیال پایا جاتا ہے۔ یوں تو ۳۳ دیوتا مانے جاتے تھے مگر ان سب میں سے وشنو اور شو کی پوجا بہت زور پکڑنے لگی جیسے ابتدائی زمانے میں اندر اور سورج کی پوجا پر آریوں کے دو دل ہو گئے تھے اسی طرح اب شو اور وشنو کا مقابلہ کرتے ہوئے آریوں میں دو بڑے فریق ہو گئے پہلے وشنو کو اونچا بتایا گیا اس کے ہزاروں نام مقرر کئے گئے۔ سنکھ، چکر گدا، پدم وشنو کے نشان تھے۔ آہستہ آہستہ شو کو بڑا بنایا گیا۔ آریوں کا شو گورے رنگ کا پتی ہے اسکا جسم ننگا اور سر پر بال ہیں۔ شو لنگ کی موجودہ شکل غیر ارین لوگوں کی پوجا کی طریق کی نقل تھی۔ وشنو اور شو کے پوجاریوں کے درمیان بہت دیر تک مقابلہ جاری رہا۔ اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ کسوتی مہا بھارت میں کئی موقعوں پر شیو کی خاص طور پر تعریف کرتا ہے تاکہ اس کے اوپر وشنو کی طرفداری کا الزام نہ لگایا جائے۔ شو کی پوجا کے بعد آہستہ آہستہ اس کی شکتی یعنی درگا پوجا کا بھی پرچار ہونا شروع ہوا۔ پنجاب اور بنگال میں درگا پوجا کا رواج بہت بڑھ گیا۔ وشنو اور شو کے پوجاریوں میں ہنسا اور اہنسا کے مضمون پر باہم بہت اختلاف ہوا۔ اور اس معاملے پر بہت لمبی بحث چھڑ گئی کہ یگیہ کے وقت جانور مارنا چاہیئے یا نہیں۔ کھشتری لوگ اشومیدھ آدی یگیوں کے موقعوں پہ جانور مارنا ضروری سمجھتے تھے۔ دوسرے لوگ چاہتے تھے کہ یگیہ ایسے ہی کر دئے جائیں۔ اگست بارہ سال تک ویسے ہی یگیہ کرتا رہا جس کی وجہ سے

رشی لوگ ناراض ہو گئے۔ اور انہوں نے جا کر اس سے کہا کہ یگیہ کے لئے مارنا پاپ نہیں ہے اور وہ اس پر راضی ہو گیا۔ پہلے مارنے کے خلاف خیال پیدا ہوا تھا بعد ازاں اس کے الٹ خیال پیدا ہو گیا فیصلہ آخر میں اس سمجھوتہ پر ہوا کہ یگیہ کے لئے مارنا مارنا نہیں ہے۔ لیکن مہابھارت کے پچھلے حصے میں غالباً بدھ اور جین دہرم کے اثر سے اہنسا کا بہت پرچار ہو گیا اور اہنسا کو سب سے بڑا دہرم قرار دیا گیا۔ اس زمانہ میں فلاسفی کی ترقی خاص طور پر ہوئی اور مہابھارت کے ہر حصہ میں فلاسفانہ خیال پائے جاتے ہیں۔ اس زمانہ میں فلاسفی کے بہت سے مت پیدا ہوئے۔ جن میں کئی آستک تھے اور کئی ناستک خیال رکھتے تھے۔ ان میں سے چھ درشن یعنی سانکھ نیائے۔ یوگ۔ ویدانت۔ ویشیشک اور میمانسا بہت مشہور ہیں۔ پانچ تتو اور پانچ اندریاں شروع سے ہی اس ملک میں فلاسفروں کے لئے اصول موضوعہ کے طور پر مانے جاتے چلے آتے ہیں۔ یونانی فلاسفر پانچ کی جگہہ چار تتو مانا کرتے تھے۔ ہندوؤں نے پانچواں تتو آکاش کو مانا ہے جس کے بعد وہ سارے برہمانڈ کو ایک مہا تتو میں لیجانا چاہتے تھے اس کے آگے پار برہم آجاتا تھا۔ ناستکوں اور آستکوں کے درمیان اختلاف اسبات سے شروع ہوتا ہے کہ کیا یہ پانچ تتو اور پانچ گن۔ جیو۔ چت۔ بدھی۔ اہنکار سے حل ہو جاتے ہیں یا کسی پانچویں شکتی آتما کی ضرورت ہے۔ ناستک کہتے تھے کہ جیسے گائے کے اندر گھاس سے گھی پیدا ہو جاتا ہے یا بعض اجزا کے ملنے سے خوشبو پیدا ہو جاتی ہے ایسا ہی تتوؤں کے ملنے سے یہ سب گن پیدا

ہو جاتے ہیں۔ آستک کہتے تھے کہ مادی چیز سے روحانی یا غیر مادی پیدا نہیں ہو سکتی۔ جڑ سے چیتن پیدا نہیں ہو سکتا اگرچہ وہ یہ بھی مانتے تھے کہ جیسے مادہ غیر فانی ہے آتما بھی غیر فانی ہے گوتم اور کناد پرمانوؤں کے سدھانت کو چلانے والے مانتے تھے کہ سنسار میں انیک جیو آتما ہیں جن کا روپ آنو ہے اور جو ایک شریر سے دوسرے شریر میں جاتے ہیں۔ یونان کے فلاسفروں کا بھی یہی خیال تھا۔ اس کے مقابلہ پر بدھ لوگ آتما کو ودیا بدھی۔ کرم آدی گنوں کا ایک مجموعہ یعنی بنڈل مانتے تھے اور ان کے خیال میں یہی مجموعہ سوچتا۔ محسوس کرتا اور جگہ تبدیل کرتا تھا اسی طرح ان کے سامنے ایشور کا سوال بھی ایک بڑا معمہ تھا اگر پرکرتی اور آتما کو انادی مانا جائے تو ایشور کی پوزیشن ایک معمہ کی سی بنجاتی ہے۔ پہلا شخص کپل منی تھا جس نے وکاس یعنی اُنکرانتی کے اصول کی تعلیم دی ویدانت فلاسفی اس نتیجہ پر پہونچی کہ ایشور اپنے سے یہ جگت بناتا ہے جگت اس میں رہتا ہے اور اس میں ہی واپس چلا جاتا ہے۔ لیکن سوال یہ اٹھتا ہے کہ ایک سے انیک کیوں ہوا ویدانت اس کا صرف اتنا ہی جواب دیتا ہے کہ یہ کیول لیلا ہے۔ ایک کھیل تماشا ہے۔ سانکھ یہ کہتا ہے کہ پرکرتی کے اندر تین گن تم رج ستت ہیں جبتک ایکی برابری رہتی ہے کچھ نہیں ہوتا۔ جب ہل چل ہو کر کوئی گن زیادہ ہوتا ہے تو سرشٹی شروع ہوتی ہے آخری سوال یہ ہوتا ہے کہ یہ ہل چل کیوں ہوئی ؟

ایک اور سوال یہ ہے کہ اندریوں کے ذریعے کس پر اور کسطرح اثر ہوتا ہے ؟ اگر آتما نرلیپ ہے تو وہ اندریوں کے جال میں کیوں

آپھنستا ہے؟ اسکا جواب یوگ میں دیا ہے کہ جیسے لہروں کے ذریعے عکس گندھلا ہو جاتا ہے ایسے ہی اندریوں کی ورتیاں آتما کو چھپا لیتی ہیں۔ خواہش کی رسی کو کاٹ دو بیلون اور چڑھنا شروع ہو جائے گا فلاسفی کے ان سب سکولوں کے اوپر گیتا کی تعلیم ایک چوٹی کی طرح ہے۔ کرشن بھگوان نے گیتا کا اپدیش کرتے ہوئے سب سکولوں اور راستوں کو ملا کر اپنا ایک بڑا مشترکہ راستہ بنا دیا ہے جس میں وہ سب راستے ملکر ایک ہو جاتے ہیں۔ اس خیال کو گیتا کے ایک شلوک میں ظاہر کیا گیا ہے "جو جس راستے سے ہے ارجن میری طرف آنا چاہتا ہے میں اسی راستے سے اس کو لے لیتا ہوں یہ سب راستے آخیر میں میرے پاس آ پہنچتے ہیں"

بھگوت گیتا

خیالات کے اختلاف کے لئے مکمل بردباری کا اگر کسی مذہبی کتاب میں ثبوت ملتا ہے تو وہ بھگوت گیتا میں ہی پایا جاتا ہے۔ عام کتابوں کا قاعدہ یہ ہے کہ پہلے وہ سچ کا درجہ سب سے اونچا قرار دیدیتے ہیں اور اس کے ساتھ یہ تعلیم دیتے ہیں کہ جو کچھ ان میں لکھا ہے وہ سچ ہے اور جو اس کے برخلاف ہے وہ جھوٹ ہے۔ ان کتابوں کی تعلیم پاکر قدرتی طور پر ان پر چلنے والوں میں تنگ دلی اور تعصب کا مادہ پیدا ہو جاتا ہے وجہ صاف ہے کہ وہ دوسروں کو غلطی پر سمجھتے ہیں۔ ان کی سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ سچ کی شکل مختلف زبانوں میں اور ایک وقت میں مختلف آدمیوں کے لئے ان کی دماغی حالت کے مطابق بدلتی اور ہمیشہ مختلف ہوتی ہے۔ باقی کے لوگ سب کو ایک رسی سے ہانکنا چاہتے ہیں۔ گیتا لوگوں کی بدھیوں کے اختلاف کی حقیقت

کو جان کر مختلف لوگوں کے لئے مختلف راستوں کو درست قرار دیتی ہے دوسروں کو غلط بتانے سے خیالات کی آزادی یا اس کے لئے بردباری کبھی قائم نہیں کی جا سکتی۔ سچی آزادی اور بردباری کے لئے گیتا کی شرن میں ہی آنا پڑے گا۔

گیتا میں ایک اور بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے اندر فلاسفی گیان اور دھرم کا سار نکالکر ایک جگہہ کر دیا گیا ہے۔ انسان کی زندگی کا مدعا یہ بتایا ہے کہ اسے نتیجے کا خیال چھوڑ کر اپنے فرض کو پورا کرنا چاہیئے۔ اس فرض کی پہچان کے لئے سچے گیان کی تعلیم دی گئی ہے اور اس سچے گیان کو فلاسفی کے اوپر نربھر کر دیا گیا ہے۔ جس طرح مغرب کے فلاسفر اس زمانہ میں بھی انسان کی مجموعی خوشی کو ترقی دینا ہی سب سے بڑی نیکی سمجھتے ہیں ہندوستان کے مختلف درشنوں کی تعلیم دینے والے اپنی فلاسفی کو اسی اصول سے شروع کرتے ہیں کہ اس دنیا میں دکھ ہے۔ سوال ہے اس دکھ کو کیسے دور کیا جائے؟ اور سب نے اس دکھ کو دور کرنے کے بھن بھن اوپائے اور سادھن بتلائے ہیں۔ گیتا کی فلاسفی ان سب سے ایک قدم اونچی بڑھ کر یہ تعلیم دیتی ہے کہ حقیقت میں سکھ اور دکھ زندگی اور موت۔ سردی اور گرمی ایک ہی چیز کی مختلف حالتوں کے نام ہیں سچا گیانی وہ ہے جو سکھ اور دکھ کو ایک سا سمجھتا ہے اور اپنے فرض کو پورا کرتا ہے۔

صنعت و حرفت

کھیتی اس زمانے میں موجودہ درجے تک پہنچ چکی تھی۔ آبپاشی کا انتظام تھا یہی اناج پیدا ہوتا تھا۔ اور یہی طریقے استعمال کئے جاتے تھے۔ روئی گنا

تیں اور دوسرے رنگ پیدا کرنے والے فصل اچھی طرح ہوتے تھے۔ پھولوں کی پیداوار خاص طرح کی جاتی تھی۔ جانوروں کے پالنے کے ہنر کی طرف خاص توجہ دیجاتی تھی جیسا کہ سہدیو کی تقریر سے سُنا گیا ہے وہ انہیں کوئی بیماری نہیں ہوتی۔ جانوروں کی بیماری کو روکنے کا انتظام تھا۔ ہاتھی اور گھوڑوں کو بھی سدھایا جاتا تھا۔ اِن مضامین میں سنسکرت میں کتابیں بھی پائی جاتی ہیں۔ روئی اور کپڑے کی بناوٹ سب سے اول نمبر پر تھی۔ اُپنشدوں میں روئی کے لئے تُلا شبد آیا ہے۔ کپاس شبد منو سمرتی میں پہلی دفعہ آیا ہے۔ مہابھارت میں کئی جگہہ اسکا ذکر ہے۔ چرخہ اور کھڈی اس دیش میں ہزاروں سال سے استعمال کیا جاتا ہے جسکو یونانی لوگ دیکھ کر دنگ رہ گئے تھے۔ دُنیا کے اندر بڑا انقلاب پیدا کرنے والے دو بڑے انگریز ہوگریو اور کارٹ رائٹ ہندوستانی چرخے اور کھڈّی کی نقل کرنیوالے تھے قدیم زمانہ سے پٹہ اور تنتو ہندوستان میں چلا آتا ہے اور یہاں سے نہایت نفیس کپڑا ایران اور یورپ کے ممالک میں بھی جاتا تھا۔ امیر اور شہزادوں کا روئی کا خوبصورت کپڑا پہنے ہوئے ذکر آتا ہے۔ یُدھشٹر کے راج سویہ یگیہ میں شمالی راجاؤں کی طرف سے ریشمی اور اونی کپڑے پیش کئے گئے۔ کشمیر اسوقت بھی شال کے لئے مشہور تھا۔ کمبوج راجہ ایسا زری کپڑا لایا جو بھیڑ اور بلی کی اون سے بنایا گیا تھا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سونے سے زری کرنیکا ہنر بھی اسوقت معلوم تھا۔ رنگ سازی کا ہنر بھی پایا جاتا تھا۔ اور سب رنگ نباتات سے بنائے جاتے تھے۔ نقاشی کا ہنر بھی موجود تھا مگر بعد میں اسکا زوال ہوگیا۔ ان لوگوں کو دھاتوں کا علم بہت پرانے زمانے سے تھا۔ چھاندوگیہ اپنشد میں ایک شلوک ہے

"جیسے سونا نمک سے ملایا جاتا ہے۔ چاندی سونے سے۔ جست چاندی سے
سکہ جست سے۔ لوہا سکے سے لکڑی لوہے سے اور چمڑا لکڑی سے"
مشرقی اور شمالی راجا یدھشٹر کے لیے خوبصورت تلواریں۔ کرسیاں ہاتھی
دانت کے بنے ہوئے سنہری بستر۔ اچھے رتھ اور مختلف قسم کے
تیر لائے۔ سونا۔ جواہرات اور موتی باہر جاتے تھے۔ مکانات عموماً
پتھر کے ہوتے تھے۔ مہابھارت میں چلنے والے مکان کا ذکر ہے جسمیں
مٹی کی دیواریں تھیں۔ ویش لوگ پہلے کھیتی اور تجارت کیا کرتے تھے
آہستہ آہستہ ویشوں کا کام صرف تجارت ہو گیا۔ خرید و فروخت اور باربرداری
کے لئے چارن اور بنجی لوگ تھے جو بیلوں پر مال لیجایا کرتے تھے۔ روپیہ
سود پر لینے کا رواج بہت پرانا ہے۔ منو سمرتی میں کہا ہے کہ جب روپیہ
سمندر پار سوداگری کے لئے لیجایا جائے تو سود کی شرح زیادہ ہونی
چاہئے۔ یہ ظاہر کرتا ہے کہ غیر ممالک سے بھی تجارت ہوا کرتی تھی۔

شکل و شباہت اور لباس

سکندر کے مورخوں نے یہ تسلیم کیا ہے
کہ تمام ایشیائی قوموں میں سے ہندوستانی
قد میں اچھے اور طاقت میں زیادہ مضبوط تھے۔ میگاستھنیز کہتا ہے لوگوں
کے پاس خوراک بہتایت سے ہے اس لئے وہ معمولی قد قامت سے بڑھ کر
ہیں اور بہادرانہ چہرے کے لئے مشہور ہیں۔ یہ لوگ جسم کو تیار کرتے تھے
بہادر بننا چاہتے تھے۔ اور اس کے لئے ہر ممکن طریقے سے کوشش کرتے
تھے۔ اپنی نسل کی ترقی کرنا چاہتے تھے۔ ان میں مختلف قسم کی ورزشوں
کا رواج تھا۔ کرشن اور بلرام خود بڑے ورزش کرنے والے تھے۔ متھرا
کا راجا کنس دو بڑے پہلوان رکھتا تھا جنکو کرشن کے واسطے مارنا ضروری

تھا۔ پیشتر اس کے کہ وہ کنس پر حملہ کرے ٭ میر اسندھ کے پاس بھی ہنس اور ڈمبھ دو بڑے پہلوان تھے۔ وراٹ کے دربار میں کئی پہلوان تھے۔ جن میں کیچک سب سے بڑا تھا۔ جسے بھیم نے مار ڈالا۔ دریودھن خود بڑا پہلوان تھا اور گرز سے لڑا کرتا تھا۔ لڑائی کے لئے طاقت کا ہونا ضروری تھا۔ ہاتھیوں کے ساتھ لڑنا آریوں میں ایک بڑا ہنر گنا جاتا تھا۔ پورس کا قدوقامت اور جسم دیکھ کر سکندر حیران رہ گیا اور اس کے دلیرانہ جواب سے ایسا خوش ہوا کہ اس کے ساتھ بہت عمدہ سلوک کیا یونانیوں نے یہ بھی دیکھا کہ پنجاب میں ایک قبیلہ سوفائٹ (راماین کے اشوپتی) خوبصورتی کا بڑا شائق تھا۔ جو سپارٹن لوگوں کی طرح بدصورت اور کمزور بچوں کو مار دیتے تھے۔ اس زمانے میں لوگوں کا رنگ عام طور پر سفید تھا۔ مگر اس وقت کالے یا نیلے رنگ کی عزت ہونے لگی تھی۔ کرشن۔ ارجن بیاس۔ دروپدی کا یہی رنگ بتایا گیا ہے۔ یدھشٹر اور بھیم کا رنگ سونے کیطرح چمکتا تھا۔ نکل اور سہدیو خوبصورتی میں لاثانی تھے۔ یونانیوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ ہندوستانی بڑی عمر تک زندہ رہا کرتے تھے ایک قبیلہ سرائی کی بابت کہا ہے کہ اس کے لوگ ۱۴۰ برس تک زندہ رہتے تھے۔ سو برس سے زیادہ زندہ رہنا معمولی بات تھی۔ کرشن ۱۲۰ سال زندہ رہا۔

مردوں کا لباس بہت سادہ تھا۔ دو لمبے کپڑے یعنی ایک کمر کے گرد لپیٹا جاتا تھا اور دوسرا اوپر کے حصے کے لئے جس میں دائیاں ہاتھ کھلا حرکت کرتا رہتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں کپڑا کاٹنے اور سینے کا ہنر معلوم نہ تھا۔ مہابھارت میں درزی کا ذکر ہی نہیں آتا۔

٭ گیند کے ساتھ کھیلنا اُس وقت بچوں میں عام تھا۔ کورو شاہزادے گیند کھیل رہے تھے جب

درزی کا کام دارا کے وقت میں یونانیوں کے وقت میں پنجاب میں جاری ہوا۔ عورتوں کا لباس بھی بغیر کٹے اور بنائے دو لمبے کپڑے ہوتے تھے۔ نیچے کا کپڑا ایسے اگایا جاتا تھا جس سے بازو ننگے رہیں جیساکہ آجکل بھی گجرات اور مہاراشٹر میں رواج ہے۔ جب تنگی کی جانے کے لیئے دروپدی سبھا میں لائی گئی تو وہ بار بار کہتی رہی کہ وہ ایک دستر ہے اور وہ ایک کپڑا ایسا تھا جو کھینچا جا سکتا تھا۔ عام طور پہ عورتیں سر ننگا رکھتی تھیں۔ بالوں کے بیچ میں ایک لکیر تھی و دو ہوا یہ لکیر نہ رکھی تھیں مرد سر پر پگڑی پہنا کرتے تھے۔ بھیشم ورون پگڑی پہنے ہوئے میدان میں آئے۔ ایرین کہتا ہے ہندوستانی روئی کا ایک کپڑا پہنتے ہیں جو انکے گھٹنے اور گٹے تک آجاتا ہے اور ایک اوپر کا کپڑا جو کچھ کندھوں پر اور کچھ سر کے گرد لپیٹ لیتے ہیں" ہندوستانی لباس روئی سے بنا ہوا ہوتا تھا جو کہ ہندوستان سے باہر نہ ہوتی تھی۔ اس لیئے یونانیوں نے کہا ہے "ہندوستانی لباس اس اون سے بنتا ہے جو درختوں پر ہوتی ہے" امیر لوگ اور خاصکر عورتیں ریشمی لباس پہنتی تھیں، پنجاب۔ کشمیر اور قندھار میں اون کا کپڑا بھی استعمال ہوتا تھا۔ ہیراڈوٹس کہتا ہے کہ "ہندوستانی دریا کے اوپر پیدا ہوئے ایک گھاس سے بھی ایک کپڑا بناتے تھے" ایرین کہتا ہے "وہ سفید چمڑے کی جوتیاں پہنتے ہیں جن کے تلے بڑے موٹے ہوتے ہیں" امیر اور غریب میں لباس فرق کپڑے کی بناوٹ میں ہی ہوتا تھا۔ لوگوں کو سونے چاندی کے زیور پہننے کا شوق تھا۔ یونانیوں نے بھی اسبات کی تصدیق کی ہے کہ اگرچہ ہندوستانی اور سب باتوں میں سادہ تھے مگر انہیں زیوروں کا بہت

شوق تھا۔ کرسیوں کی جگہہ پیڑا استعمال ہوتا تھا۔ راجا کو مچان پر بٹھایا جاتا تھا جس پر گدیاں وغیرہ لگائی ہوئی ہوتی تھیں"

خوراک اور عام اطوار

میکس مولر نے ایک جگہہ کہا ہے:
" اخلاقی لحاظ سے حیوانی خوراک چھوڑ کر ویجی ٹیرین بن جانا کیسا اعلیٰ ہے مگر کون نہیں جانتا کہ ہندوستانیوں نے ایسا کرنے میں اپنی پولٹیکل آزادی کو قربان کر ڈالا؟"

مغربی عالموں کا خیال ہے کہ گوشت آریوں کی خوراک کا بڑا حصہ تھا۔ اسے وہ دماغ کی طاقت بڑھانیوالا سمجھتے تھے۔ یدھشٹر کے اشومیدھ یگیہ میں اتنے پرندے اور جانور بلیدان کئے گئے تھے کہ جنکا کوئی شمار نہیں۔ جو جانور یگیہ میں مارے جاتے تھے ان کا گوشت کھایا جاتا تھا۔ اس زمانے کے آخیر میں حیوانی خوراک کے برخلاف جذبہ بڑھ گیا۔ منو کہتا ہے کہ گوشت کھانا اور شراب پینا معمولی بات ہے کیونکہ یہ انسان کی فطرت میں ہے مگر ان سے پرہیز کرنا بہت اچھی بات ہے۔ مہابھارت میں بھی دونوں خیال پائے جاتے ہیں ایک جگہہ تو یہ بتایا ہے کہ برہمن اور کھشتری کو کون کون سے جانور کھانے چاہئیں۔ دوسری جگہہ بھیشم یدھشٹر سے کہتا ہے" جو شخص بڑھی۔ جیون اور خوبصورتی چاہتا ہے اسے گوشت نہ کھانا چاہیئے۔" یگیہ میں مارا ہوا اور شکار کرکے کھانا پاپ نہ سمجھا جاتا تھا۔

شراب کا استعمال بھی اس زمانے میں موجود تھا۔ یادو اور ورشنی بڑے شراب پینے والے لوگ تھے۔ پنجاب کے آریوں نے کھانے پینے کی عادت کو کم چھوڑا۔ اس لئے ان کی عزت کم ہونے

لگی۔ شلیہ پرب میں لکھا ہے "ایک موقعہ پر بارہ سال تک قحط پڑا۔ براہمن لوگ اِدہر اُدھر چلے گئے مگر براہمن سرسوتی کے کنارے پر رہ گئے وہ مچھلی کھاتے تھے اور ویدیاد رکھتے تھے۔ قحط کے بعد جب براہمن واپس آئے تو انہوں نے ان سرسوت براہمنوں سے وید کو پڑھا۔"

چاول کھانا معمولی بات تھی۔ دہرت راشٹر دریودھن سے سوال کرتا ہے جب وہ یدھشٹر کے راج سویہ یگیہ سے واپس آیا۔ "تم چاول گوشت کے ساتھ کھاتے ہو پھر کیوں کمزور ہو رہے ہو؟"

صرف یگیوں کے موقعوں پر ہی ایک ڈنر ہوا کرتے تھے۔ یونانی کہتے ہیں "ہندوستانیوں کے کھانے کا کوئی وقت مقرر نہیں"۔

درون پرب میں بیان کئے یدھشٹر کے روزانہ فرائض سے اس زمانے کی زندگی کا نقشہ معلوم ہوتا ہے "یدھشٹر سویرے اُٹھتا تھا ضروریات سے فارغ ہو کر اشنان کو جاتا۔ غسلخانے میں ۱۰۸ نوکر خوشبودار تیل اور پانی سے نہلاتے تھے۔ اس کے بعد ایک سر پر پگڑی پہنا تا جسکے بعد تازہ دھوئے کپڑے پہنکر مالا ڈالکر کچھ دیر تک دھیان میں مشغول ہوتا تھا۔ اس کے بعد یگیہ کنڈ میں گھی دھا ڈالتا۔ پھر دوسرے کمرے میں جاکر پھل اشرفیاں وغیرہ دان کرتا۔ جس کے بعد ایک اور صحن میں آتا جہاں اس کے لئے سنہری تخت بچھا تھا۔ نوکر موتیوں سے بھرے زیور لے آتا۔ جن سے وہ اپنے کو آراستہ کرتا۔ اس کے سر پر سنہری چنور ہوتا تھا۔ جہاں پر راگیوں کا راگ سنتا تھا۔ جبکہ کنڈل پہنے ہوئے تلوار لگائے ہوئے ایک جوان حاضر ہوا اور ڈنڈوت کر کے کرشن اور ارجن کا آنا ظاہر کیا۔" عام پہر تر بڑا اعلیٰ تھا راستبازی اس درجہ کی تھی

کہ یونانی دیکھکر حیران رہ گئے۔ مہابھارت کی تقریر کرنے والوں میں صاف بیانی بھی کمال درجہ کی ہے کہیں جھوٹ اور خوشامد کا نام تک نہیں دکھائی دیتا۔ سبھا پرب میں ششوپال کا قصہ اور یوگ پرب میں کرشن کی سفارت کے موقع پر تقریریں اس کی مثالیں ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اگر کھشتری کو شراب پینے یا جوا کھیلنے کی دعوت دیجائے تو وہ انکار نہیں کر سکتا تھا۔ غصہ کے وقت ہاتھوں کی تلیوں کو دبانا اور دانت پیسنا۔ خوشی کے وقت چہرے ہلانا ایک دوسرے کی ہتھیلی پر مارنا معمولی حرکات تھیں۔ مہابھارت میں تقدیر اور تدبیر کے درمیان بحث کے موقع پر بھیشم پتامہ کہتا ہے "لکشمی اس میں رہتی ہے جو بیدار رہتی ہے اور جس کے کام کی کھیتی بیت ہے" اس میں جو سمت ہے۔ ساتھ ہی کیرکٹر (چرتر) پر اتنا زور دیا ہے کہ "یہ چرتر ہے جو برہمن کو برہمن بناتا ہے ورنہ وہ برہمن نہیں ہے"۔ زندگی کی طرح ان کی موت بھی مردانہ ہوتی تھی کھشتری کے لئے چارپائی پر مرنا بری مصیبت تھی۔ دریودھن نے کہا "کھشتری کو بن میں یا میدان میں پران دینے چاہئیں"۔ براہمن بھی بیماری سے مرنا پاپ سمجھتے تھے اس لئے ڈوب کر یا چتا پر جل کر پران دیتے تھے۔ جب کوئی دنیا سے اداس ہو جاتا تھا تو وہ موت و زندگی کی پرواہ نہ کر کے جنگل کو چلدیتا تھا۔ میدان میں مرے ہوئے جسموں کو کوئی نہ جلاتا تھا۔ بلکہ وہ پرندوں اور جانوروں کی خوراک سمجھے جاتے تھے یہانتک لکھا ہے کہ اُس کے لئے نہ کبھی رونا چاہیے نہ غم کرنا چاہیئے۔ اور نہ کوئی اور رسم ادا کرنی چاہیئے۔ یونانی کہتے ہیں کہ ہندوستانی مُردوں کی کوئی یادگار نہیں بناتے وہ اُن کی خوبیوں میں اور

اُن کے گیتوں میں جوان کی یاد میں گائے جاتے ہیں انکی بڑی یادگار سمجھتے ہیں'' ایرین لکھتا ہے'' عام لوگ سواری کے لئے گدھے اونٹ اور گھوڑے رکھتے ہیں۔ امیر لوگ ہاتھی۔ راجہ ہاتھی پہ سواری کرتے ہیں عزت میں دوسرا درجہ رتھ اور چار گھوڑوں کا ہے۔ اونٹ تیسرے درجہ پر ہے۔ گھوڑے سے ہانکا جانا معمولی بات سمجھی جاتی ہے۔ مویشیوں کے گلے رکھے جاتے تھے۔ جب نکل گوؤ نکار کھوالا بن کر وراٹ کے پاس گیا تب اس نے کہا'' وہ راجا یدھشٹر کے لاکھوں گلوں کا نگہبان تھا ہر ایک گلے میں ایک ایک ہزار پشو تھا اور وہ پشوؤں کی تعداد بڑھانا اور ان میں بیماری کو روکنا جانتا تھا۔ استریوں کو گانا بجانا سکھایا جاتا تھا۔ ارجن نے وراٹ میں جاکر یہ کہا کہ میں عورتوں کو گانا بجانا سکھاؤں گا۔ رامائن اور مہابھارت میں عورت خاوند کا واحد نام لیکر بلاتی ہے۔ کنبہ میں اپنے رشتہ داروں اور دوستوں سے کوئی شرم نہ تھی۔ آزادی سے بات چیت کی جاتی تھی۔ باغ بڑے شوق سے لگائے جاتے تھے۔ عورتیں بڑے شوق سے اس باغ میں ہواخوری اور کھیل کے لئے جایا کرتی تھیں۔ پنجاب کے لوگ رامائن اور مہابھارت میں ہاتھ سے پانی پینے کے لئے مشہور تھے۔

اس زمانے کے اخیر میں لوگوں کے اندر اخلاقی گراوٹ زور سے آرہی تھی۔ اس کی ایک اعلیٰ تصویر مہابھارت کے شانتی پرب کے ۲۲۸ میں دی ہے'' جب بدھی مان لوگ پرانے زمانے کے نیک آدمیوں کی کتھا بتاتے تھے۔ نکمے آدمی ان پر ہنسنے اور حسد کرنے لگے۔ نوجوانوں نے بڑوں کا ادب چھوڑ دیا۔ آزاد آدمی نوکروں کا کام کرنے لگے اور ایسے

بے شرم کر اس میں اپنی تعریف کرتے تھے۔ جو آدمی باپ سے روپیہ کما کر دولتمند ہوئے تھے۔ لوگوں کا آدرش بن گئے۔ بیٹے باپ کے فرمانبردار نہ رہے۔ لوگوں نے ماتا پتا۔ آچاریہ۔ بڈھوں اور اتیتھیوں کی عزت بھی چھوڑ دی لوگوں نے دان دئے بغیر اور دیوتاؤں کا حصہ نکالے بغیر کھانا شروع کر دیا۔ انہوں نے ایسے جانوروں کا گوشت کھایا جو یگیہ کے لئے نہیں مارے گئے تھے۔ کھانے بنانے کی صفائی جاتی رہی۔ سورج ہوتے سونا اور سورج چڑھنے کے بعد جاگنا شروع ہو گیا۔ پڑھے لکھے اور مورکھ برہمنوں کی تمیز جاتی رہی۔ ویدودیا تو کھیتی کرنے لگے اور مورکھ لوگ شرادھ کھانے لگے۔ دوستوں نے دوستی کے لئے مدد چھوڑ دی اور اپنے اپنے چھوٹے سوارتھ کے پیچھے پڑ گئے۔ ایکدوسرے کو لوٹنا اور بیوپار میں دھوکا دینا شروع کر دیا۔ بہوئیں اپنی ساس اور سسر کے درمیان نوکروں اور خاوندوں پر حکومت کرنے لگ پڑیں۔ آدمی ناشکر گذار۔ ناستک اور پاپی بن گئے

بودھ کال

تاریخ کی تقسیم

ہم نے تاریخ کو مختلف زمانوں میں تقسیم کر کے اُنکے مختلف نام رکھے ہیں۔ ہمیں یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ تاریخ میں کوئی ایسا وقت نہیں آتا جبکہ ایک زمانہ ختم اور اسیوقت دوسرا زمانہ شروع ہو جاتا ہے ہم اتنا کہہ سکتے ہیں کہ سپت سندھو میں آریوں کی پیدائش اور سامان جنگ انتی کا آغاز کوئی پچیس تیس ہزار سال سے عرصہ سے ہوا ہے۔ اس زمانے کی تہذیب کا آدھار وید کے اوپر ہونے سے اسے ہمنے ویدک زمانہ کہہ دیا۔ لیکن آگے آتے ہوئے ہم یہ نہیں سکتے کہ کونسا ایک خاص وقت تھا جبکہ ویدک زمانہ بند ہو گیا۔ اور مہابھارت کا زمانہ شروع ہوا۔ مہابھارت کے زمانہ کا شروع بھی کوروں اور پانڈوں کے یدھ سے لگانا بڑی غلطی ہوگی۔ آریہ سوسائٹی کی جو تصویر ہم مہابھارت کی کتاب میں کھچی ہوئی پاتے ہیں اور جسکا ہم نے مختصر سا خاکہ مہابھارت کے زمانہ کے حال میں بیان کیا ہے اس یدھ سے کئی صدیاں پہلے اسی طرح چلی آتی تھی۔ اور یدھ کے بعد بھی کئی صدیاں ویسے ہی قائم رہی۔ ہم اس زمانے کو مہابھارت کا زمانہ اس لئے کہدیتے ہیں کہ اس زمانے میں ایک بڑا حادثہ "مہابھارت کا یدھ" واقع ہوا۔ جس طرح پر یہ کہنا بڑا مشکل ہے کہ آدمی کی عمر میں کونسے دن یا کونسے سال میں بچپن ختم ہو جاتی ہے اور جوانی شروع ہو جاتی ہے یا جوانی ختم ہو کر بڑھاپے کا آغاز ہوتا ہے۔ لیکن باوجود اس کے

ہمارے دلمیں کھپتی۔ جوانی اور بڑھاپے کا خصوصیت کے ساتھ جدا الفشہ آ جاتا ہے بچپن آہستہ آہستہ جوانی میں تبدیل ہو جاتی ہے اور جوانی آہستہ آہستہ بڑھاپے میں بدل جاتی ہے ہر وقت ایسا ہوتا ہے کہ اس میں ہم شروع اور انجام کا کوئی وقت مقرر نہیں کر سکتے۔ تاریخ کا بھی بعینہ یہی حال ہے ایک زمانہ آہستہ آہستہ دوسرے زمانے میں بدل جاتا ہے۔

مہابھارت کے بعد کے زمانہ کو ہم نے بدھ کال کا نام دیا ہے اس سے ہرگز یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ اسکا آغاز مہاتما بدھ سے ہوا۔ اور اسکا سارا تعلق بدھ مذہب سے ہے۔ برخلاف اس کے جو تصویر ہمارے سامنے اب آئے گی وہ مہاتما بدھ کے جنم سے پہلے اسی شکل میں تھی اور بدھ مذہب کے زوال کے بعد بھی اسی قسم کی رہی۔ اگرچہ مہاتما بدھ نے اپنے بڑے تیاگ اور تپ کے بل سے ایک بڑا انقلاب پیدا کر دیا لیکن ہم جانتے ہیں کہ جسطرح مہاتما بدھ نے اپنے بھکشوؤں کی منڈلی بنا کر جگہ جگہ اپنی روشنی کی بابت تعلیم دینی شروع کی۔ اسی طریقے پر فلاسفی کے مختلف فرقوں کے آچاریہ اپنے اپنے ششوں کی منڈلیوں کو ساتھ لیے ہوئے گاؤں گاؤں اور شہر شہر پھرا کرتے تھے اور اپنے مت کی تعلیم دیکر اپنے لیئے نئے چیلے پیدا کیا کرتے تھے۔ اس زمانے کا بڑا واقعہ بدھ مذہب کی ابتدا اور پھیلاؤ ہے۔ لیکن اس کے ساتھ اس زمانے میں بدھ مذہب کے مقابلے پر ہندوؤں کا بڑا اتحاد بھی پایا جاتا ہے۔ بودھ راجاؤں کے ساتھ ہی بڑے ہندو راجا پیدا ہوئے جنھوں نے ہندو قومیت اور تہذیب میں جان ڈال دی۔ ان دونوں طاقتوں کے درمیان کئی صدیوں تک جدوجہد ہوتی رہی۔ اس زمانے کے شروع میں غیر اقوام کے حملے

ہوئے جن میں سکندر کا حملہ بڑا مشہور ہے۔ اس زمانے کے درمیان میں تاتاریوں (ہونوں) کے حملے ہوئے۔ اس کے آخیر میں شمال مغرب سے اسلام کے حملوں کی لہر شروع ہوئی یہ حملے بھی اسی زمانے کا ایک حصّہ ہیں

پنجاب میں بیرونی حملے

بودھ کال کے شروع میں پہلی دفعہ ہم دیکھتے ہیں کہ کئی غیر قوموں نے اس ملک پر حملے کئے اور اس کی دنیا سے علیحدگی کو دور کیا۔ ویدک زمانے میں ہم نے دیکھا کہ سپت سندھو کے آریوں کی ایک شاخ جن کو پنی کہتے تھے اور جن کا خاص کام سمندر کے ذریعے تجارت کرنا تھا۔ آریہ تہذیب کو دکن میں اور دکن سے لے کر بیبے لونیا اور مصر میں پھیلاتے رہے۔ مہابھارت کے زمانے میں ہمیں اتنا پتہ لگتا ہے کہ جب یدھشٹر نے راجسو یگیہ کرنا چاہا تھا۔ تو چاروں بھائی ملک کے سب کونوں میں یدھشٹر کا گھوڑا پھراتے ہوئے راجوں سے نذرانے وصول کرتے رہے۔ اغلب معلوم ہوتا ہے کہ اسوقت ارجن وغیرہ ہندوستان کے ساتھ کے ملکوں میں بھی گئے ہوں کم از کم اتنا ضرور ہے کہ لنکا کے ساتھ۔ جاوا۔ بالی وغیرہ تمام ٹاپوؤں میں ہندو تہذیب پھیلنی شروع ہو گئی تھی۔ جب چوتھی صدی میں فاہیان جاوا میں گیا تو اس نے دیکھا کہ وہاں ہندو دھرم اور تہذیب زوروں پر ہے اس کے بعد اس ملک نے ایک قسم کی علیحدگی اختیار کر لی اور مدت تک بیرونی دنیا سے اسکا کوئی تعلق نہ رہا۔ اس زمانے کے شروع میں باہر کی اقوام تھیں جنہوں نے آکر ہندوستان کو تھوڑی بہت حرکت دی۔ چرچ کا مورخ یوسی بس کہتا ہے "۱۸۰۰ قبل مسیح میں مصر میں ایک بادشاہ سی آسٹرس ہوا۔ جو کہ بڑا فاتح تھا۔ اس نے سارا ایشیا فتح۔ اس نے پنجاب پر

بھی حملہ کیا اور گنگا تک ہو کر واپس چلا گیا۔ اس کے بعد پنجاب پر اسیریا کی ایک ملکہ سیمی رامس کے حملے کا ذکر پایا جاتا ہے یہ ملکہ ۸۰۰ قبل مسیح میں نینوا کے تخت پر بیٹھی۔ اسکا خاوند نالی نس تھا جس نے بے بے لونیا کی سلطنت کو اسیریا میں شامل کر کے نینوا شہر بسایا تھا"۔ اس کے حملے کا ہندو پہلو تو یہ ہے کہ سندھو کے پاس ویرسین نامی ایک راجا تھا۔ اس نے سکوہ سھان (اکہ) کی یاترا کی اور رکیشور نے خوش ہو کر اسے سھاورتی (یونانی سیڑا بے لس Stabrobates) بنا دیا۔ اس نے سنا کہ ملکہ سیمی رامس پنجاب پر حملہ کرنا چاہتی ہے اس لئے اس نے اسیریا پر حملہ کر کے اسے بڑی شکست دی جسپر ملکہ نے اس کی اطاعت مان لی"۔ لیکن یوروپی بیان اور ہے اسمیں پایا جاتا ہے کہ ملکہ نے پنجاب پر حملہ کیا اسے دریائے سندھو اور جنگلی ہاتھیوں کی دو بڑی دقتیں پیش آئیں جو دریائے سندھو عبور کرنے کے لئے اس نے فنیشیا سے جہاز بنوانے والے منگوا کر کشتیاں بنوائیں اور ان کے لیئے لکڑی حاصل کرنے کے لئے بلخ کا سارا جنگل کاٹنا پڑا۔ سھاورتی نے سندھو پر کشتیوں اور ہاتھیوں کے ساتھ اسکا مقابلہ کیا۔ فی نی شین لوگوں کا جہازی انتظام بہت اعلی تھا۔ راجہ دریا پر ان کا مقابلہ نہ کرسکا۔ ملکہ پل بنوا کر پار ہوئی۔ اونٹ کے اوپر چمڑے ڈال کر ہاتھیوں کے مقابلے میں جھوٹے ہاتھی بنا لیئے۔

جب ہندوستانیوں کو یہ معلوم ہوا ان کے حوصلے بڑھ گئے۔ انہوں نے بڑے زور سے حملہ کیا۔ ملکہ خود بہادری سے لڑی۔ راجا نے اسکو بھالے سے درچوٹیں دیں۔ ہزاروں سپاہی مارے گئے۔ ہزاروں دریا میں غرق ہوئے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ملکہ خود بھی وہاں ماری گئی۔

کہا جاتا ہے ۷۵۰ قبل مسیح فریدون بادشاہ کے وقت میں ایرانیوں نے

قنوج پر حملہ کیا۔ اور ۵۲۱ قبل مسیح میں دارا اول نے اپنے ایک جرنیل کو بحری بیڑا دیکر سندھ کا دہانہ دریافت کرنے کے لئے روانہ کیا۔ جسے دریافت کرکے اڑھائی سال بعد وہ سوسہ واپس پہنچا۔

تاتار کا پہلا بادشاہ اوغاز ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے خراسان۔ عراق۔ آذربائیجان۔ آرمینیا وغیرہ فتح کرکے پنجاب کا رخ کیا۔ کابل اور غزنی فتح کرکے کشمیر پر حملہ کیا۔ جگما کشمیر کا ہندو راجا تھا۔ اس نے بڑی بہادری سے مقابلہ کیا مگر ہار گیا۔ تاتاریوں کا یقینی حملہ ۶۵۰ قبل مسیح ہوا۔ تاتاری وحشیوں کے گروہ سندھ کے کنارے پنجاب کی زمین پر قابض ہوگئے ایران کے بادشاہ تگلث پیزر ( ) نے ان تاتاریوں کو شکست دی۔ اور یہ ہارے ہوئے سپاہی بھی پنجاب کو آ گئے۔

سنسکرت میں تاتاریوں کو ہون کہا ہے۔ پرانے گرنتھوں میں ان ہونوں کے ساتھ مقابلے کا ذکر بھی آیا ہے۔ ٹالمی اور پلینی انکو "جٹیلی" کہتے ہیں اس لئے خیال کیا جاتا ہے کہ پنجاب کے جاٹ اس نسل سے ہیں۔ اور سٹریبو یہ بھی کہتا ہے کہ راولپنڈی کے ٹکا یا ٹکشیا اس نسل سے تھے جو ۶۰۰ قبل مسیح وہاں آباد ہوئے اور جنہوں نے علاقے کو اپنا نام دیا

مہاتما بدھ کی پیدائش

ہم نے دیکھا ہے کہ مہابھارت کے زمانے کے آخیر میں ہندوؤں کے اندر گراوٹ شروع ہو گئی تھی۔ برہمنوں نے اپنے آپکو ایک اونچی اور علیحدہ ذات بنانے کے لئے سخت جدوجہد شروع کر دی تھی دوسرے لوگ ودیا پڑھ کر براہمن بننا چاہتے تھے اور برہمن انہیں اپنی ذات میں شامل نہیں ہونے دیتے تھے۔ انہوں نے دھرم کو ایسی پیچ در پیچ رسموں میں

جکڑ دیا کہ لوگوں کو یہ شبہ ہوتا تھا کہ آیا کرم کانڈ کا اصلی دھرم سے کچھ تعلق بھی ہے یا نہیں۔ یگیوں کے اندر جانوروں کی قربانی اس حد تک ہونے لگی کہ تمام لوگ اس سے متنفر ہو گئے۔ منتر گر ہتھوں کا پرچار ہونے سے منتر جنتر بہت بڑھ گیا۔ اور اصلی پاکیزگی دُور ہو گئی۔ ہندوؤں کی یہ حالت تھی جبکہ نیپال کے دامن میں کپل وستو کی راجدھانی میں شدھودھن راجا کے ہاں ۶۲۲ قبل مسیح میں ایک لڑکا پیدا ہوا جسکا نام انہوں نے سدارتھ رکھا۔ ۱۶ سال کی عمر میں اس لڑکے کی شادی کولی کے راجا کی لڑکی یشودھرا کے ساتھ ہوئی۔ بچپن سے ہی اسکا دل فکر اور دھیان میں لگا رہتا تھا۔ ایک وقت ہے کہ وہ اپنے چچا کے ساتھ شکار کو گیا۔ ایک پرند کی تڑپ کو دیکھکر اس کے دل پر بڑی چوٹ لگی۔ اسے یہی خیال رہنے لگا کہ سنسار دُکھ اور پاپ کا گھر ہے۔ زندگی پر یہ سوچتا ہوا کہتا تھا کہ یہ زندگی ایک چنگاری کی طرح ہے جو لکڑی کی رگڑ سے پیدا ہوتی ہے اور پیدا ہوتے ہی بجھ جاتی ہے۔ ۲۶ سال کی عمر میں اس نے ایک بوڑھے بیمار اور مُردہ آدمی کو دیکھا اس سے اس کے دل میں دُنیا سے نفرت پیدا ہو گئی اس نے کہا دھتکار ہے اس دُنیا کو جو دُکھ کا گھر ہے۔ دھتکار ہے اس زندگی کو جو سوچ کا گھر ہے۔ اسی وقت ہی اس نے تیاگ کا ارادہ کر لیا۔ اور جس رات اس کی عورت نے ایک بیٹے کو جنم دیا اس نے باہر سے ماں اور بچے کو سویا ہوا دیکھکر اور زیادہ پھنس جانے کے ڈر سے گھر چھوڑ دیا۔ اسے اس کی زندگی میں مہا تیاگ کہا جاتا ہے۔ پہلے کاشی جا کر برہمنوں سے ملا۔ اس کے بعد ۶ سال سخت سے سخت تپ کیا۔ سب قسم کی مصیبت بھوک پیاس گرمی سردی برداشت کی۔ ایک روز بیہوش ہو کر

گر پڑا۔ کچھ عورتیں پاس سے گیت گاتی ہوئی گذریں جس کا مطلب یہ تھا "اس رسی کو بہت مت کھینچو کہ ٹوٹ جائے گی۔" اس کو اس نے اپنے اوپر لگا کر تپ کرنا چھوڑ دیا۔ جس سے اس کے پانچ ساتھی بے پرواہ ہو کر بنارس چلے گئے۔ گوتم سنسار کے دُکھ کا کارن اور اسے دُور کرنے کا سادھن ڈھونڈنا چاہتا تھا۔ اسے اسبات کی فکر لگی ہوئی تھی کہ کس طرح دُنیا میں لوگوں کو دُکھ سے رہائی دی جائے۔ ۳۶ سال کی عمر میں اُسے یہ گیان ہوا کہ یہ سادھن زندگی کی پاکیزگی اور انسانی پریم ہے۔ اُسے آکاش بانی ہوئی کہ "تم اس صداقت کا دنیا میں پرچار کرو"۔ اس پرچار کے لئے اسنے پیلے کپڑے پہن لئے سر منڈوا کر ایک پیالہ ہاتھ میں لے لیا۔ اپنے آپکو بدھ کہکر ۴۴ سال تک جگہہ جگہہ پھر کر پرچار کیا راجاؤں اور پرجاوں کو اپنے راستہ پر لانے کے لئے کوشش کی۔ اجدھیا۔ گیا اور راجگڑھ اس کے کام کے مرکز تھے۔ پانچ ماہ کے اندر اس کے ساٹھ چیلے بن گئے۔ جن میں ایک بڑے دولتمند کا بیٹا یش تھا۔ اس نے سب کو حکم دیا کہ جاؤ سچائی کا پرچار کرو۔ اس کی تعلیم یہ تھی۔ ذات پات کی پرواہ مت کرو۔ کرم کانڈ اور یگیوں کے سہارے کو چھوڑ دو۔ ان کی جگہہ خیال زبان اور فعل کی پاکیزگی کا پرچار کرو۔ لوگ محض اعتقاد سے ہی دھرماتما نہیں بلکہ ان کی زندگی دھرمی کی ہو۔ زندگی کا آدرش نروان۔ یعنی بار بار پیدا ہونے کو روکنا اور اس کے لئے خواہش کو مار دینا تھا زندگی کا پورا پھل دنیا کو ترک کر دینے اور بھکشو بن جانے سے ہی حاصل ہو سکتا تھا۔ بھکشوؤں کی جماعت کو سنگھہ کہا جاتا تھا جو ایسا نہ کر سکے اس کے لئے درمیانی راستہ

تھا جس کی آٹھ بڑی منزلیں تھیں۔ سچا وشواش۔ سچا خیال۔ سچا واک سچا کرم۔ سچا ذریعہ معاش۔ سچا پرشارتھ۔ سچی سمرتی اور سچا دھیان۔ ایشور اور آتما کے وشے میں بدھ نے کوئی تعلیم نہیں دی۔ اس کی رائے میں یہ سب چرچے فضول تھے۔ کیونکہ ان کا اثر انسان کی زندگی پر کوئی نہیں پڑ سکتا وہ صرف نیک کام کا پیغمبر تھا۔ آخری رات بھی چیلوں کو اپدیش کرتا تھا اور ان کو الوداع کہکر دھیان میں مگن ہو گیا اور پران دیدیئے۔ اس کے آخری الفاظ یہ ہیں "کوئی چیز قائم نہیں رہتی" انکی راکھ گورکھپور کے ضلعے میں کاسیا میں گاڑی گئی۔

ملک کی حالت

بدھ کی پیدائیش کے وقت ملک میں کئی خود مختار ریاستیں تھیں جن میں سے کئی راجاؤں کے نیچے اور کئی بالکل جمہوری تھیں۔ جن میں گنوں کا راج تھا۔ ان جمہوری ریاستوں میں مگدھ۔ کوشلوں کی۔ ونسو کی۔ اونتی کی (اجین)، مشہور تھیں۔ ان کے علاوہ انگ (بھاگلپور)، کاشی۔ ورجین (جسمیں آٹھ بڑے قبیلے لچھاوی اور ودیہن وغیرہ شامل تھے)، کشی نرا۔ سیتی (نیپال کورونگی (اندر پرستھ) دو پنچالوں کی (جن کے دار الخلافے کنپلا اور قنوج تھے)، سوراسیونکی (مدھرا) گندھارا (دار الخلافہ تکشِ شِلا)، کمبوجوں کی (دار الخلافہ دوارکا) انکے علاوہ دس اور قبیلوں کا ذکر ہے جو بغیر راجا کے اور جمہوری اصولوں پر قائم تھے۔ ان میں سب سے بڑا شاکیہ تھا۔ اس کی انتظامی اور جوڈیشل کارروائی کا مجمع کپل وستو کے نزدیک عام ہوا کرتا تھا وہ اپنے پردھان آپ منتخب کرتے تھے۔ ان میں سے ایک اجین کو اجات شترو (مگدھ کا راجہ تباہ کرنا چاہتا تھا)، اس نے اپنا منتری بدھ

سکے پاس روانہ کیا۔ بدھ نے کہا "اے آنند! جبتک وجین لوگ اپنی سبھا باقاعدہ کرتے ہیں وہ پھیلیں گے۔ ان کو کوئی تباہ نہیں کر سکتا"

ان کے جوڈیشل انتظام کی بابت روایت ہے کہ وجین قبیلوں میں فوجداری قواعد کے چھ درجے تھے۔ ان میں سے ہر ایک درجہ کو ملزم کے چھوڑ دینے کا اختیار تھا۔ مگر کوئی ایک اسے سزا نہ دے سکتا تھا۔ اگر باری باری سب کی رائے ہوتی تھی تو اُسے سزا ملتی تھی اس مضمون پر یونانی لوگوں کی بھی کافی شہادت ہے۔ میگستھنیز کہتا ہے "بہت سے شہر ڈیموکریٹک گورنمنٹ تھی" "ملئے کوری اور سنگھی آزاد تھے انکا کوئی راجہ نہیں تھا" "جو شہر سمندر کے نزدیک ہیں کوئی راجہ نہیں رکھتے" ایرین کہتا ہے "سپرنٹنڈنٹ لوگ راجہ کو سب کچھ رپورٹ کرتے تھے اور مجسٹریٹ کو جہاں جمہوری حکومت ہوتی ہے" "کرٹی اس کہتا" سبرکے ایک قبیلہ تھا جس کی حکومت جمہوری تھی۔ کوئی راجہ نہ تھا۔ جب سکندر ان کے علاقے میں گیا تو ان کے پاس ۶۰ ہزار پیادہ ۶ ہزار سوار اور پانچ سو رتھوں کی فوج تھی۔ انہوں نے تین جرنیل چنے تھے یہ قبیلہ سندھ کے کنارے پر آباد تھا۔ تیا سائیں الی کار کی اسرداروں کی حکومت تھی۔ ایک پریذیڈنٹ اور تین سو ممبر تھے جو اس کی حکمران جماعت تھی۔ سکندر کے آنے پر انکا ایک پریذیڈنٹ اور تیس ڈپٹی اس کے ساتھ ملاقات کرنے کے لئے آئے" ایرین اور اسٹریبو دونوں کہتے ہیں کہ ہائی فیسس (دریائے بیاس) سے پار علاقہ بڑا زرخیز ہے لوگ کھیتی کرنے والے اور جنگ میں بہادر ہیں۔ ان کی گورنمنٹ ارسٹوکریٹک (امرائی)

کے ہاتھ آتا ہے جس میں پانچہزار مجلس کے ممبر ہیں"۔ چوتھی صدی قبل مسیح پنجاب میں سب جگہہ بناراجا کے گورنمنٹ تھی۔

پروفیسر راہنٹس ڈیوڈز کہتا ہے "سب دیہات ایک نمونہ پر بنائے جاتے تھے۔ ساری آبادی ایک جگہہ اکٹھی کی جاتی تھی۔ اسکو گلیوں میں تقسیم کیا جاتا تھا۔ گاؤں کے متصل درختوں کا ایک جھنڈ رکھا جاتا تھا۔ جس کے نیچے گاؤں کی پنچایت اکٹھی ہوتی تھی دو شاملات کے ساتھ چراگاہیں ہوتی تھیں۔ ان کے ساتھ لکڑی کاٹنے کے لیے جنگل چھوڑا جاتا تھا۔ کاشت شدہ زمین گھروں کی تعداد کے مطابق مختلف حصوں میں بانٹ دیجاتی تھی۔ ہرایک گھر اپنے لیئے کاشت کرتا اور اسکی پیداوار لے لیتا تھا۔ آبپاشی کے لیئے نالیاں بنائی جاتی تھیں گاؤں کی سب زمین مشترکہ گاؤں کی ملکیت سمجھی جاتی تھی۔ کسی ایک حصہ دار کو زمین بیچنے کا حق نہ تھا۔ گاؤں میں کوئی شخص آجکل کی طرح دولتمند نہ ہوتا تھا۔ ہر شخص کے پاس اپنی ضرورت کے لیئے کافی سامان موجود تھا۔ نہ بڑے زمیندار تھے نہ غریب۔ گاؤں کے اندر جرم کا نشان بھی موجود نہ تھا۔ گاؤں کے باہر جو ڈاکے وغیرہ ہوتے تھے ان کو روکنا مرکزی حکومت کا کام تھا۔ قصبات کی اونچی اونچی فصیلیں بنائی جاتی تھیں۔ مکانات چھوٹے اینٹ پتھر کے ہوتے تھے۔ لکڑی بھی بہت استعمال کی جاتی تھی۔ مکانات سجائے جاتے تھے۔ ان میں سے کئی سات منزلہ بھی تھے ان کے ساتھ حماموں کا ذکر بھی پایا جاتا ہے۔ ترکھان۔ لوہار۔ سنگ تراش۔ جلاہے۔ موچی۔ کمہار۔ رنگریز۔ سنار۔ ماہی گیر۔ قصائی۔ شکاری۔ حلوائی۔ نائی۔ مالش کرنے والے

پھول بیچنے والے۔ ملاح - مصور وغیرہ پیشہ در پائے جاتے تھے۔
بدھ کی پیدائش کے وقت مگدھ کی سلطنت بڑے عروج پر تھی۔ مہابھارت کے وقت یہاں جراسندھ راج کیا کرتا تھا۔ اس کے بعد ۱۸ راجاؤں نے حکومت کی ۶۰۰ قبل مسیح میں ششوناگ نے ایک نئے خاندان کی بنیاد ڈالی جس کی چوتھی پشت میں بدھ کی پیدائش کے وقت بمبسار راجا راج کرتا تھا۔
اس کے بیٹے اجات شترو نے بہت سا ملک فتح کیا۔ اس خاندان کے آخری دو راجا نندی وردہن اور مہانند تھے۔ انہوں نے ۴۳ برس حکومت کی۔ راجا مہاپدم نے نند خاندان کی بنیاد ڈالی اس کے آٹھ لڑکوں نے سو سال حکومت کی۔ یہ نند خاندان نیچ ذات سے تھا۔ آخری نند بڑا زبردست راجا تھا۔ اس کے پاس دو لاکھ پیادہ سپاہ بیس ہزار سوار چار ہزار ہاتھی اور دو ہزار رتھ تھے۔ اس کے وقت میں سکندر نے پنجاب پر حملہ کیا۔

سکندر کا پنجاب پر حملہ

ایران کی سلطنت بڑی زبردست دریائے سندھ سے لیکر بحیرہ روم تک پھیلی ہوئی تھی۔ مصر بھی اس میں شامل تھا۔ اس کے ۱۲۰ صوبے تھے دارا کے وقت سیریا۔ کوہ قاف کا علاقہ اور ایشیا کوچک کے یونانی شہر اس کے ماتحت تھے۔ ۴۹۰ قبل مسیح اسکا یونانیوں کے ساتھ جنگ ہو گیا اور اس نے یونان پر دھاوا کر دیا۔ میراتھان اور تھرماپلی وغیرہ کی لڑائیوں میں یونانیوں نے بہادری کے وہ جوہر دکھائے جو کہ ہمیشہ کے لئے یادگار زمانہ ہیں۔ اسوقت یونانی ریاستوں میں

ایتھنز اور سپارٹا بڑی زبردست تھیں۔ بعد ازاں انکا باہمی نفاق ہو جانے سے ان میں لڑائیاں ہوئیں جن میں وہ برباد ہو گئیں اور ان کی جگہ مقدونیہ کی ریاست نے ترقی پکڑی۔ اسکا بڑا بادشاہ فلپ تھا۔ جسکا بیٹا سکندر اعظم ۳۵۶ قبل مسیح میں پیدا ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ سکندر کا اتالیق ارسطو تھا۔ جو اُسے علیحدہ لے گیا اور اسے گورنمنٹ اور جنگ کے فن میں ماہر کر دیا۔ چھوٹی عمر میں ہی اس نے ایتھنز پر حملہ کر کے فتح پالی اسکا باپ فلپ اس سے خوش ہوا۔ اور بغلگیر ہو کر کہا "میرے بیٹے! اپنے لئے کہیں اور سلطنت ڈھونڈو یہ ملک تمہارے لئے بہت چھوٹا ہے"۔ ۳۳۶ قبل مسیح میں فلپ کے قتل ہو جانے کے بعد سکندر اس کا جانشین ہوا۔ سکندر نے تھریس فتح کیا۔ تھیبز پر حملہ کر کے ۳۰ ہزار آدمی غلام بنا کے ہیلاس پوانٹ کو عبور کر کے اس نے لاکھ سے زیادہ ایرانی فوج کو شکست دی۔ اور دارا کے داماد کو خود قتل کیا۔ ایشیا کوچک کو خود فتح کرنے کے بعد اوسا کے مقام پر دارا کو ایک اور شکست دی اسکا کنبہ اور بہت سا سامان سکندر کے ہاتھ آیا۔ دارا اس دریا سے فرات کا علاقہ دیکر اس سے صلح کرنا چاہتا تھا مگر سکندر سارے ایشیا کا دعویدار بنا۔ سکندر کے جرنیل پرمی نیو نے یہ کہکر صلح کی بڑے دی" میں اسے منظور کر لیتا اگر میں سکندر ہوتا۔" سکندر نے اسکا جوابدیا "میں بھی ایسا ہی کرتا اگر پرمینیو ہوتا"۔ اس کے بعد سکندر نے سیریا فی نی شیا کی طرف جاکر دمشق پر قبضہ کیا اور سات ماہ کے محاصرہ کے بعد ٹائر کو فتح کیا جو کہ دنیا کی تجارت کا مرکز تھا۔ یروشلم پر قبضہ کیا مصر سے ایرانیوں کی حکومت ہٹا کر اپنے ساتھ ملایا اور سکندریا شہر آباد کیا۔ پھر شمال کی طرف عراق عرب اور میسوپوٹیمیا

کی طرف بڑھا۔ نینوا سے ساٹھ میل تربیلا کے مقام پر دارا کو ایک بڑی
شکست دی اور وہ جنوں کی وجہ سے مر گیا۔ بختریا کا گورنر بسئی ایران کا
بادشاہ بننا چاہتا تھا۔ لیکن بخارا (Sogdiana) کے گورنر نے اُسے
گرفتار کرکے سکندر کے حوالے کر دیا۔ سکندر نے اُسکا ناک کان کاٹ کر
تیسرے دن قتل کر ڈالا۔ شراب کے نشہ میں صدر مقام پرسی پولیس
کو آگ لگا کر ویران کر دیا۔ اس کے بعد سیتھینیز کو شکست دیکر دارا کے
بھائی اکسی آرٹیزا (Oxyartes) کی لڑکی (Roxana) سے شادی
کی۔ سوسا کو فتح کیا۔ جہاں جاتا تھا اپنے شہر اور قلعے بناتا جاتا تھا۔ سیستان
میں سے گذر کر غزنی اور گندھار کا علاقہ فتح کیا۔ ہند کی بابت اس نے
بہت حالات جمع کر لئے تھے۔ دس دن کے اندر ہندوکش پہاڑ سے پار ہوا
کابل اور پنجاب کے درمیان کے قبیلے بڑے جنگجو اور بہادر تھے۔ اُنہوں نے
اطاعت قبول کر لی۔ آکر کابل دریا کے پاس پہنچ کر اس نے اپنے دو جرنیل
روانہ کئے تاکہ ملک کی جانچ کریں اور دریائے سندھ پر کشتیوں کا پل
تیار کرائیں۔ خود ہندوکش کے بہادر قبیلے آبا سی کی طرف بڑھا۔ سکندر کے
جرنیل ٹال می نے خوب جوانمردی دکھائی۔ لیکن اس قبیلے نے بڑی
جانبازی سے مقابلہ کیا اور چالیس ہزار آدمی کھو کر انکو مطیع ہوا۔ اس لڑائی
میں سکندر کو دو لاکھ تیس ہزار بیل لوٹ میں ملے ان میں سے نہایت عمدہ
اور خوبصورت چھانٹ کر اس نے مقدونیہ کو بھیجدئے۔ اس کے بعد سکندر
گواری قبیلہ کے علاقہ (غزنی) میں سے گذرا۔ انہوں نے ڈر کر ہی اطاعت
قبول کر لی۔ وہاں سے چلکر اس نے سندھ کے قریب راسے شی نی قبیلے کو
مطیع کیا۔ ان کے دارالخلافہ کا نام میگاسا تھا۔ یہاں کی ملکہ سپنے لچے اور

ملک کی حفاظت کے لیے خوب لڑی۔ سکندر کی ٹانگ پر ایک تیر نے ایسا زخم کیا کہ وہ چلا اُٹھا اور کہنے لگا "اگرچہ میں خدا کی جگہہ اور سورج کے بیٹے کے طور پر پوجا جاتا ہوں لیکن اس زخم کا درد مجھے احساس بتاتا ہے کہ میں فانی آدمی ہوں" تین دن کے محاصرے کے بعد انکو باعزت شرائط پیش کی گئیں ملکہ اپنی درباری عورتوں کے ساتھ بچہ کو ساتھ لئے ہوئے سکندر کے پاس آئی اور سونے کے پیالے میں اسے شراب پیش کی۔

اس لڑائی میں سکندر کے برخلاف ایک بڑی دغابازی کا الزام لگایا گیا ہے۔ میگاسا کی فوج میں ۲۰ ہزار سوار اور تیس ہزار سپاہی تھے ان میں سات ہزار کے قریب میدانوں سے آئے تھے شکست ہو جانے کے بعد انہوں نے سکندر کی فوج میں شامل ہونے کا اقرار کیا۔ سکندر نے انہیں ایک میل کے فاصلے پر ڈیرہ ڈالنے کی اجازت دی بعد میں انہیں یہ خیال آیا کہ اُن کیلئے ایک غیر ملکی حملہ آور کے ساتھ ملکر اپنے وطن کے برخلاف لڑنا ٹھیک نہ ہوگا۔ انہوں نے انکار کر دیا۔ اسپر سکندر نے سوتے ہوئے ان پر حملہ کر دیا انہوں نے ایک حلقہ بناکر اپنی عورتوں اور بچوں کو بیچ میں لے کر نہایت دلیری سے مقابلہ کیا اور سارے کے سارے میدان میں کام آئے۔ اس مقابلہ میں عورتوں نے بھی اپنے فرض کو پورا کیا۔ اس کے بعد سکندر اورا اور بذیرا کی طرف بڑھا۔ اورا پر ہندوستانی فرمانروا ابی سارس حکمران تھا اس نے جوانمردی سے مقابلہ کیا۔ سکندر کے سپاہی فصیل پر چڑھ گئے اور قلعہ لے لیا جس کے بعد بذیرا (باجور) خود ہی مطیع ہو گیا۔ سکندر آگے بڑھا اور سندھ کی بائیں طرف اورنس کا قلعہ لیا یہ جگہہ ہندوؤں کی مہابا ڈتی جو یوسف نئی

علاقہ میں امب کے قصبے کے قریب ہے۔

سکندر کی فوج نے پکیلی کے علاقہ میں بکلا شہر پر حملہ کیا ایک ماہ تک اسکے جرنیل وہاں مصروف رہے لیکن وہ لوگ سکندر کے آنے تک مطیع نہ ہوئے سکندر نے انکا ملک انکو واپس دیدیا سکندر نے نیارکس اور انٹی اکس کو فوج دیکر روانہ کیا تاکہ آگے کے حالات معلوم کریں اور اندرونی راستہ دریافت کرنے کے لئے جو آدمی انہیں ملیں انہیں گرفتار کریں اور وہ خود نیاسا شہر (سنگر ننگر ناور) کو روانہ ہوا شہر کے لوگوں نے اپنے سردار اور اسکے ساتھ تیس بڑے آدمیوں کو سکندر کے پاس روانہ کیا اور کہا کہ انکا قصبہ بےکس (Bacchus) دیوتا کی یادگار میں بنایا گیا ہے۔ سکندر کو اسے پناہ میں لے لینا چاہیئے اور اپنے بوڑھے اور کمزور سپاہیوں کے واسطے آرام گاہ بنا لینی چاہیئے۔ سکندر ان کی تقریر سے خوش ہوا اور انکی درخواست منظور کر لی لیکن یہ شرط پیش کہ وہ تین سوار اور شہر کے ایک سو اچھے آدمی بطور یرغمال اس کے حوالے کر دیں۔ اسپر سردار اکافس ہنس پڑا۔ سکندر نے اس کی وجہ دریافت کی جس پر اس نے کہا تم دیہات میں سے ایک سو کیا دو سو برے آدمی حوالے کر سکتے ہیں لیکن اس شہر کی گورنمنٹ کیسے چل سکتی ہے جس میں سے سو اچھے آدمی نکال دیے جائیں گے سکندر بہت خوش ہوا اور اس نے وہ شرط بھی ہٹا دی۔

ٹکسں شلا سندھ اور جہلم کے درمیان کا علاقہ ٹکسش شلا کے راجہ کی حکومت میں تھا۔ دریا کابل پر پہنچ کر ہی سکندر نے اسکو اور دوسرے راجاؤں کو اپنے سفیر روانہ کئے کہ وہ اس کے آنے پر اس سے آگے آکر ملیں اٹک سے کچھ فاصلے پر پل تیار کر دیا گیا تھا ٹکسش شلا کے راجہ نے سندھ پار

ہو کر چاندی کے دو سو سکے۔ تین ہزار بیل۔ دس ہزار بھیڑیں ۳۰ ہاتھی اور سات سو سوار سکندر کی نذر کیے اور ہر طرح سے مدد کے لیے تیار ہو گیا یہ راجا جہلم کے بادشاہ پورس اور پہاڑی راجا ابھی سار سے دشمنی رکھتا تھا۔ اس نے سکندر سے کہا "تمہارے اور میرے درمیان جنگ کی کیا ضرورت ہے۔ اگر تم ہم سے روٹی اور دوسری ضروریات چھیننے کے لیے نہ آئے ہو؟ عقلمند آدمی صرف ان کے لیے لڑنا پسند کرتے ہیں باقی رہا سونا چاندی۔ اس کی بات یہ ہے کہ اگر میرے پاس زیادہ ہو گا تو میں جو اسے کر دینے کو تیار ہوں اور اگر تمہارے پاس زیادہ ہو گا تو مجھے تم سے لینے میں کوئی عذر نہ ہو گا۔" سکندر نے کہا "ایسی نرمی کر کے تم لڑائی سے بچ نہیں سکتے۔ غلطی میں مت رہو میرے تمہارے درمیان لڑائی ضرور ہو گی۔ لیکن اب مہربانیوں کا مقابلہ ہے میں تمکو فیاضی میں بھی بڑھنے نہ دونگا" اس کے بعد اسے بہت سے تحفے تحائف دیے۔ فروری ۳۲۶ قبل مسیح میں سکندر نے ایک لاکھ ۳۵ ہزار سپاہ اور پندرہ ہزار سواروں کے ساتھ سندھ پار ہو کر پنجاب کی سرزمین میں اپنا قدم رکھا۔ جنگ اور فتح کے دیوتاؤں کے لئے بڑی قربانیاں کی گئیں۔ ابھی سار کا پہاڑی راجا بھی مطیع ہو گیا پورس ٹکشلا میں سکندر کا بڑا استقبال کیا گیا۔ یونانی لکھتے ہیں کہ یہ ملک مصر سے بھی زیادہ زرخیز تھا۔ یہاں پر گکھڑ وغیرہ کئی قبیلوں کے سفیر سکندر کو ملے اس نے ان سے نذرانے لیکر تحفہ تحائف بدلے میں دیے۔ اکیلا ایک پورس تھا جس نے اپنے ملک اور قوم کی آزادی کے لیے لڑنا مناسب سمجھا۔ اس نے سکندر کو کہلا بھیجا "میں اپنی

عد پر آپ سے ملونگا - ہتھیاروں کے ساتھ ہماری ملاقات ہوگی"۔ ساتھ ہی اس نے لڑائی کی تیاری شروع کردی - اس کی فوج تیس ہزار سپاہ سات ہزار سوار اور تین سو رتھ اور دو سو جنگی ہاتھی تھے۔ یونانی فوج مئی میں جہلا پور کے پاس جا پہونچی۔ سکندر کشتیوں کے ٹکڑے کرکے اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ موسم برسات زوروں پر تھی۔ دریا میں طوفان تھا۔ اس کے سارے گذرگاہ بڑے محفوظ تھے۔ پورس کو دھوکے میں رکھنے کے لئے سکندر ادھر ادھر پھرتا رہا۔ اور یہ افواہ مشہور کردی کہ موسم برسات گذر جانے پر حملہ کیا جائیگا۔ پورس نے احتیاط کم کردی سکندر نے ایک اندھیری رات کو جہلم سے ۱۶ میل کے فاصلے پر دریا کو عبور کیا۔ یہ خبر سنتے ہی پورس نے اپنے بیٹے کو فوج دیکر ادھر روانہ کیا سکندر آگے بڑھ چکا تھا لڑائی شروع ہوگئی جس میں پورس کا بیٹا مارا گیا پورس خود آ پہونچا۔ کوائن کرس رفس لکھتا ہے۔ جب مطلع صاف ہوتے پر پورس نے دشمن کو دیکھا تو اس نے سو رتھ اور پچاس ہزار سوار روانہ کئے ہر ایک رتھ کو چار گھوڑے لے جاتے تھے - اس میں چھ آدمی تھے۔ دو ڈھالوں والے دو تیر چلانے والے اور دو رتھوائی (جب لڑائی ہاتھوں ہاتھ ہوتی تھی۔ رتھوا ہی بھی گھوڑوں کی باگ چھوڑ کر لڑائی میں لگ جاتے تھے) اسدن رتھوا ہی بالکل بیکار ثابت ہوئے۔ غیر معمولی برسات نے مٹی پھسلنے والی ہوگئی۔ گھوڑے چل نہ سکتے تھے۔ رتھ کیچڑ میں پھنس جانے تھے۔ سکندر کے سپاہی بڑی تیزی سے حملہ کرتے تھے کیونکہ ان کے ہتھیار بہت ہلکے تھے۔ پہلے سیتھین اور داہی سواروں نے حملہ کیا اس کے بعد پرڈکاس (Perdiccas) نے داہنی طرف حملہ

گیا ادھر رتھوں نے جوش میں آکر دھاوا بول دیا اور مقدونیہ کی پیدل فوج کو کچل ڈالا۔ لیکن زمین کے پھسلنے والی ہونے کے سبب تھوڑی نیچے آگرے۔ کئی گھوڑے گھبرا گئے اور سواروں کو دریا میں جا ڈبویا۔ کچھ بچ کر واپس ہٹ گئے۔

مہابھارت میں صاف ہدایت ہے کہ کونسے موسم میں کونسی فوج استعمال کرنی چاہیے۔ "ہاتھی قلعوں اور ناقابل گذر جگہوں کے لئے سوار اور رتھ خشک موسم میں خشک زمین پر کام آتے تھے"

پورس نے اسکا خیال مطلق نہ کیا۔ جہلم کی لڑائی عین موسم برسات میں تھی اور رتھوں کو ناہموار اور گڈھوں والی زمین پر چلنا پڑتا تھا ایک بڑی سخت لڑائی کے بعد جس میں بیس ہزار سے اوپر آدمی مارے گئے۔ پورس زخمی ہوگیا اور پکڑا ہوا سکندر کے پاس لایا گیا۔ سکندر نے بڑی عزت کے ساتھ اسکا استقبال کیا۔ اسکا قد سات فٹ چھ انچ اور جسم ایسا سڈول تھا کہ اس کی شکل دیکھکر سکندر پر بڑا اثر ہوا۔ اسکی دلیری بھی کمال کی تھی۔ جب سکندر نے اس سے پوچھا کہ تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟ تو اس نے جواب دیا۔ "میرے ساتھ وہ سلوک کرو جو بادشاہ بادشاہوں کے ساتھ کرتے ہیں"! سکندر نے کہا "وہ تو میرا کام ہے تم اپنی خواہش بتاؤ" پورس نے کہا "میرے پہلے جواب میں سب باتیں آجاتی ہیں"۔ سکندر اس سے اتنا خوش ہوا کہ اسے اس کے ملک کے علاوہ اور بھی بہت سا علاقہ دیدیا۔ فتح کی یادگار میں سکندر نے دو شہر باسی رفلس اور نائس (موجودہ مونگ) آباد کئے۔

یونانیوں کی رائے میں دوابہ چناب بڑا خوبصورت اور زرخیز میدانی

علاقہ تھا۔ اس میں سینتیس ۳۷ شہر تھے جن میں سے ہر ایک میں پانچہزار سے زیادہ آبادی تھی۔ اس کے علاوہ بے شمار گاؤں تھے۔ جولائی میں سکندر نے چناب عبور کیا۔ چناب اور راوی کے درمیان کا علاقہ ایک راجہ کے نیچے تھا جسکا نام بھی پورس کہا جاتا ہے۔ وہ سکندر کے ڈر سے بھاگ گیا۔ لاہور سے قریب ہی سکندر راوی پار ہوا۔ جہاں پر ایک قبیلہ کیتھی آباد تھا۔ جسکا صدر مقام سنگھالا (سانگلا ؟) تھا دوسرے قبیلے کیتھی۔ مالی (ملتان یا مالی ستھان کے قریب رہنے والا قبیلہ) اور تیسرے آکسی ڈرکسی کشدر کا (اُچ کے پاس رہنے والا) تین قبیلوں نے سکندر کے برخلاف سازش کی۔ سکندر نے سنگھالا کا محاصرہ کیا۔ لوگ بڑی بہادری سے لڑے مگر ان کے ہتھیار صرف تیرکمان تھا جسکا اثر یونانیوں کے زرہ بکتر پر کچھ نہ ہوا۔ سترہ ہزار پنجابی سپاہی مارے گئے اور ستر ہزار گرفتار ہوئے۔ سنگھالا گرا دیا گیا۔ اور نزدیک کے شہروں میں قتل عام کیا گیا اس لڑائی سے راوی اور بیاس کے درمیان کا سارا علاقہ مطیع ہو گیا دریا کے ساتھ کے علاقہ میں ایک خوبصورت قبیلہ آباد تھا۔ جن کا اخلاق اور قانون بہت اعلیٰ تھا۔ بادشاہ کا نام سوفائی ٹیس تھا سکندر کے آنے پر اس نے دروازے کھولدیئے اور اپنے دو خوبصورت بیٹوں کو ساتھ لیکر اپنا تاج سکندر کے پاؤں پر رکھ دیا۔ تاج ہیروں سے چمکتا تھا۔ راجہ نے ایک لمبا چوغہ پہنا ہوا تھا جو اس کے پاؤں تک جاتا تھا۔ چوغہ پر زری کا کام تھا۔ اس کی کھڑاؤں پر موتی جواہرات جڑے تھے اس کے کانوں میں دو کمیاب خوبصورت ہیرے تھے سکندر نے اس کی بڑی تعریف کی اور اسکا تاج اس کے حوالے

کر دیا۔

سکندر نے مگدھ کے علاقہ کی دولت کی بڑی تعریف سُنی تھی وہ آگے جانے کو تھا۔ لیکن اس کے سپاہیوں نے مگدھ کی طاقت کی بھی خبریں سُن لی تھیں۔ اور پچھلے دو قبیلوں نے اُن کے ایسے دانت کھٹے کئے کہ وہ گھبرا گئے۔ اور راستہ لمبا خیال کر کے آگے جانے سے انکار کر دیا۔ وہ ڈرتے تھے کہ معلوم نہیں سکندر انہیں کہاں لیجائیگا سکندر نے ایک تقریر کی جس میں انکو پرانی فتوحات یاد دلائیں۔ اور واپس جانے کی بےعزتی کا خیال دلایا۔ لیکن کچھ اثر نہ ہوا سکندر نے تین دن رات اپنے آپکو اکیلا بند کر دیا اور کسی سے ملاقات نہ کی جب اس نے دیکھا کہ اس کے سپاہی بضد تھے اس نے واپس ہونیکا ارادہ کیا۔ اور خود دریا کے ساتھ ساتھ چل پڑا۔

واپسی راستے میں اس نے دیکھا کہ مالی ایک بڑا زبردست قبیلہ تھا۔ وہ بڑے پکے ہندو تھے۔ ان کے ساتھ کئی لڑائیاں لڑیں اور شہروں کو برباد کیا۔ ایک شہر کے برہمنوں نے بڑی مخالفت کی سکندر کو خود سب سے پہلے فصیل پر چڑھنا پڑا۔ بعد میں اس کے سپاہی بھی پہنچ گئے برہمنوں نے عورتوں اور بچوں کو جمع کیا اور گھروں کو آگ لگا دی اور خود ہزاروں کی تعداد میں جنگل کو بھاگ گئے۔ آخر کار سارے قبیلے کے لوگ اپنے صدر مقام میں جمع ہوئے اور قلعے میں پناہ گزین ہو گئے۔ سکندر نے قلعے پر دھاوے کا حکم دیا۔ جب ذرا دیر سی ہوئی تو خود آگے بڑھا اور تین اور سپاہیوں کے ساتھ بڑی بہادری سے دشمن کا مقابلہ کرتا رہا۔ تیروں سے زخمی ہو کر گر پڑا لیکن اس کے ساتھی

اس کے اوپر پڑ گئے۔ اتنے میں اس کی باقی فوج قلعہ کی دیواروں کو توڑ کر اندر داخل ہو گئی اور اسے ڈھال پر اٹھا کر خیمہ میں لے گئے حکیم نے تیر نکالا اور اس کی جان بچ گئی جس سے اس کی سپاہ نے بڑی خوشی کا اظہار کیا۔

پنج ندی کے مقام پر اس نے ایک شہر سکندریہ آباد کیا۔ جس کا اب کوئی نشان باقی نہیں ہے۔ آگے بڑھتے ہوئے بھکر کے راجا اور دوسرے کئی قبیلوں سے اطاعت قبول کروائی۔ آکسی اپنی قبیلے نے مقابلہ کیا۔ اور ان کا راجا قتل ہوا۔ دوسرے قبیلے سندھو مانا کا راجا بھاگ گیا۔ لوگوں نے دروازے کھول دیے اور اطاعت قبول کر لی علاقہ کے تمام برہمنوں نے ملک سکندر کے خلاف بڑی سازش کی۔ جس میں بھکر کا راجا بھی شامل ہو گیا۔ سکندر کو ایک بڑی لڑائی کر کے اس سازش کو توڑنا پڑا۔ اس کے بعد پٹالا (حیدرآباد دکن) کا راجا خود ہی اس کے پاس چلا آیا۔

موت سکندر فوج لیکر ایران کی طرف روانہ ہوا اور سوسا جا پہنچا اس نے اُنیس ہزار میل سفر طے کیا۔ بڑے راجے فتح کئے بڑے عالیشان قلعوں کو توڑا۔ اس کے ساتھ ساتھ بڑے بڑے شہر آباد کیے اور تجارت کو فروغ دینے کا انتظام کیا۔ بہت شراب پیکر دریا میں نہانے سے اسے بخار ہو گیا اور ۱۳ جون ۳۲۳ قبل مسیح میں بتیس سال کی عمر میں بیبے لونیا کے محل میں مر گیا۔ جب اس کی جانشینی کی بابت پوچھا گیا تو اس نے کہا جو سب سے لائق ہو اس کی موت کے چند ہی سال بعد اس کی ماں عورت اور بچہ قتل کر دیئے گئے

اور اسکا کوئی نشان باقی نہ رہا۔ اسکا ملک اس کے جرنیلوں نے بانٹ لیا۔ سلوکس نے دریائے فراط تک ملک فتح کر کے ۳۰۵ قبل مسیح میں دریائے سندھ عبور کیا تاکہ چندر گپت سے طاقت آزمائی کرے۔ جس نے پنجاب سے یونانیوں کو نکال کر اپنی حکومت قائم کر لی تھی۔ سکندر کے چلے جانے پر پنجابی اٹھ کھڑے ہوئے اور یونانی صوبہ داروں کو قتل کر ڈالا۔ یونانی سپاہی خود ہی تتر بتر ہو گئے سلوکس چندر گپت سے لڑ رہا تھا۔ کہ اسے بابل لونیا میں بغاوت ہو جانے کی خبر ملی۔ اس نے چندر گپت سے عہد نامہ دوستی کر کے پشاور تک سارا ملک اس کے حوالے کر دیا۔ پانچ سو ہاتھی اور ایک سو رتھ نذر لے کر اپنی لڑکی کی اس کے ساتھ شادی کر دی۔ کہا جاتا ہے کہ چندر گپت کے پوتے اشوک کے وقت سلوکس کے پوتے انیٹی اوکس نے پنجاب پر حملہ کیا۔ اشوک کے ستون اور کتبے اڑلیسہ سے لیکر کابل سے پرے تک پائے جاتے ہیں شاہباز گڑھی میں (ضلع پشاور) ایک بڑے چٹان پر ایک کتبہ ہے جس پر پانچ یونانی شہزادوں کے نام ہیں جن میں سے ایک انیٹی اکس کا نام ہے بکتریا کے بادشاہ اینیرے ڈائی لس سے ۱۶۵ قبل مسیح سندھ پر حملہ کر کے اسے حیدر آباد تک فتح کیا۔ کچھ اور گجرات پر بھی ایک مہم روانہ کی اس کے جانشین میناندر اور اپالوڈوٹس ۱۲۶ سے ۱۱۰ قبل مسیح تک پنجاب پر حکومت کرتے رہے۔

ٹکشِ شلا

راولپنڈی سے ۲۰ میل کے فاصلے پر ہیرو دریا اور اس کے نالوں سے سیراب ہوتی ہوئی ایک نہایت

بی خوشگوار وادی کا صدر مقام تھا جس کے کھنڈرات اس سے بھی نہایت دلچسپ اور سبق آموز ہیں۔ ٹکش شلا قدیم زمانہ سے ایک بڑی ریاست کا صدر مقام اور ایک بڑی مشہور یونیورسٹی تھی۔ ہندوستان اور وسط ایشیا کے تجارتی راستے پر قدرت سے محفوظ کیا ہوا یہ ایک بڑا شہر تھا ایرین کہتا ہے کہ "سکندر کے وقت میں ٹکش شلا سندھ اور جہلم کے درمیان سب سے بڑا اور خوشحال شہر تھا" سٹریبو لکھتا ہے کہ اس کے گردونواح کا علاقہ بہت آباد اور نہایت سرسبز تھا یہاں سے پہاڑوں کا ڈھلوان شروع ہوتا ہے۔ اس وادی کے اندر ایک دوسرے جس سے ساڑھے تین میل کی دوری پر تین بڑے شہروں کے کھنڈرات ہیں عین جنوب میں بھیر مونڈ ہے جو کہ ٹکش شلا کی سب سے پرانی جگہ ہے دوسری صدی قبل مسیح یونانیوں نے صدر مقام کو یہاں سے دوسری جگہ تبدیل کر لیا۔ جس جگہ اسوقت سرکپ کی دیواریں دکھائی دیتی ہیں۔ تیسرا شہر سرسکھ ہے جو غالباً کنشک کے عہد میں آباد کیا گیا تھا اس شہر کے اندر اسوقت تین گاؤں میرپور۔ ٹوفکیاں اور ینڈ گکھڑ پرانے شہر کے کھنڈرات کے اوپر آباد ہیں۔

ان تینوں شہروں کے علاوہ اس علاقے میں بہت سی یادگاریں ستوپ اور مٹھ پائے جاتے ہیں ٹکش شلا کا مطلب ”کٹے ہوئے پتھر کا شہر“ ہے۔ یہ شہر اتنا قدیم ہے کہ اسکا ذکر مہاراجہ جنمے جے کے سرپ یگیہ کے سمبندھ میں پایا جاتا ہے خیال کیا جاتا ہے کہ مسیح سے ایک سو برس پہلے یہ ایرانی سلطنت کا ایک حصہ تھا۔ کیونکہ پرسی پولیس میں دارا کے کتبوں اور نقش رستم میں اس کے

مقبرے پر کندوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ دارا نے ایک نیا ہندوستانی صوبہ قائم کیا تھا جو کہ اس کی سلطنت کا بہت دولتمند اور آباد حصہ گنا جاتا تھا۔ یہاں پر چوتھی یا پانچویں صدی قبل مسیح کا ایک آرمیک کندہ ملا ہے جو ایرانی اثر کی اکیلی یادگار ہے۔ اس کے بعد کئی صدیوں تک ٹکشا شلا ایک عظیم الشان یونیورسٹی کی شہرت رکھتا تھا اور اس زمانے میں علوم و فنون کے لئے مشہور تھا۔ بودھوں کے جاتکوں میں اتنا آتا ہے کہ ٹکشا شلا قندہار ریاست کا صدر مقام تھا اس کے علاوہ سکندر کے آنے سے پہلے ٹکشا شلا کا ہمیں بہت کم علم ہے سکندر یہاں پر کئی ہفتہ رہا ۔ اس کے ہاتھوں کی اور ہمعصروں کی تحریروں سے پتہ لگتا ہے کہ یہ شہر بڑی دولتمند آبادی اور عمدہ انتظام رکھتا تھا۔ اسکا علاقہ سندھ سے جہلم تک تھا۔ اس شہر میں بہت شادیوں اور ستی کا رواج پایا جاتا تھا۔ مُردوں کے جسم گدوں کے کھانے کے لئے پھینک دئے جاتے تھے۔ اور یہاں پر منڈی بھی تھی جہاں پر غریب لڑکیاں شادی کے لئے فروخت کی جاتی تھیں۔ سکندر کے وقت یہاں کے راجہ کا نام امبھی تھا جسے یونانیوں نے ٹیکس لکھا ہے۔ پورس اور ابھی سار کے ساتھ اُس کی لڑائی رہا کرتی تھی۔ اس لئے اس نے سکندر کی مدد حاصل کرنے کی اُمید میں اپنے قاصد او بھانڈ کو روانہ کئے اور خود بھی فوج لیکر ٹکشا شلا سے روانہ ہوا تاکہ اپنے آپکو سکندر کی خدمت میں پیش کرے۔ اپنے دار الخلافہ میں لاکر اس نے سکندر کی بڑی فیاضی کے ساتھ مہمان نوازی کی۔ اور پانچ ہزار کا ایک فوجی دستہ امداد میں دیا۔ ان دوستانہ کارروائیوں کے بدلے میں امبھی کو

اس کی حکومت میں مستقل کیا گیا۔ نیا علاقہ بھی دیا گیا۔ اور بعد میں پورس سے دوستی بھی کرادی گئی۔ شمالمغربی ہندوستان کی فتح سکندر کی ایک بڑی بھاری کامیابی تھی مگر اسکا عہد حکومت بہت تھوڑی دیر تک رہا۔ سکندر کا ارادہ شمالمغربی علاقے کو اپنے ساتھ شامل کر لینے کا تھا اس لئے اس نے اپنی کالونی یعنی فوج پیچھے چھوڑی تاکہ وہ اس کی حکومت کو مستحکم کریں لیکن اسکی موت کے چھ سال کے اندر یونانی گورنر اینڈیمس اپنی ساری فوج لیکر سندھ پار چلا گیا تاکہ وہ اینٹی اگس کے برخلاف یومی نیس کی امداد کرے اسی وقت یا اس سے پہلے ہی چندر گپت نے یونانی فوجوں کو سندھ پار بھگا دیا۔ ٹکشِ شلا اور پنجاب کی دوسری ریاستوں کو مگدھ میں شامل کر لیا۔ جب ۳۰۵ قبل مسیح میں سلوکس نکٹیار نے سکندر کے مقبوضات دوبارہ حاصل کرنے کے لئے حملہ کیا تو اسے چندر گپت سے ایک نہایت عاجزانہ صلح کرنی پڑی جس کی وجہ یہ تھی کہ اس کی سلطنت کو مغرب میں اینٹی گونس سے بڑا بھاری خطرہ ہو گیا تھا۔

پنجاب کی ریاستوں کے لئے چندر گپت کا سخت ہاتھ یونانیوں کے عہد حکومت سے بھی زیادہ ظالمانہ ثابت ہوا۔ جب اسکا بیٹا بندو سار مگدھ کی گدی پر بیٹھا تو ٹکشِ شلا موریا حکومت کو پرے پھینک کر آزاد ہو گیا۔ کچھ عرصے بعد اشوک نے بحیثیت ولیعہد کے اس پر حملہ کر کے اسے پھر اپنے ساتھ ملا لیا اور اپنے باپ کے وائسرائے کے طور پر یہاں پر حکومت کرتا رہا۔ اس کے بعد موریا حکومت تمام شمالمغرب میں بڑی مضبوط قائم ہو گئی۔ یہی وجہ تھی کہ بدھ دھرم کا زور اس علاقے

بن پڑھنا شروع ہوا۔ ہیون سانگ نے ایک جگہ لکھا ہے کہ خطن کا شہر تکشِ شلا کے جلاوطن لوگوں سے آباد کیا گیا۔ جنکو اشوک نے اپنے بیٹے کنال کو اندھا کرنے کے بعد جلاوطن کر دیا تھا۔ ۲۳۱ قبل مسیح اشوک کی موت کے بعد مگدھ کی سلطنت ٹوٹنے لگی۔ اور تکشِ شلا پھر آزاد ہو گیا۔ لیکن جلدی ہی بختریا سے یونانی حملہ آوروں نے اس پر حملہ کر یونانی حکومت قائم کر لی۔ یہ یونانی حملہ آور ان سپاہیوں کی اولاد تھے جنکو سکندر بکتریا میں چھوڑ گیا تھا۔ ایئی آکس اعظم کا داماد ڈی میٹری ائس بکتریا کا پہلا حملہ آور تھا جو کابل وادی میں سے فتح کرتا ہوا ۱۹۰ قبل مسیح میں تکشِ شلا پہنچا اور اسے فتح کر لیا بیس سال کے بعد یوکریٹی ڈیز نے پہلے بکتریا پر قبضہ کیا اور پھر ہندوستانی مقبوضات پر ہاتھ مارا۔ ان دو یونانی فاتحوں کی نسل میں سے دو خاندان جاری ہوئے۔ جو ایکدوسرے کے ساتھ لڑائی جھگڑا کرتے رہے۔ تکشِ شلا کے یونانی بادشاہوں میں سے اپالوڈوٹس اور مینانڈر ڈی میٹری اس کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور اینٹی ایلیہ ڈاس۔ یوکرے ٹی ڈیز کے خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔

تکشِ شلا میں یونانیوں کی حکومت ایک سو سال سے زیادہ رہی جبکہ مغرب کے وحشی گروہوں نے اسکا خاتمہ کر دیا یہ وحشی سیتھین یا شک تھے جو سیستان کے پارتھیں صوبے میں آباد ہو گئے تھے اور وہاں پر پارتھین لوگوں کیساتھ شادی بیاہ کر کے گھل مل گئے سیستان سے انہوں نے ابر کوسیا اور سائنہ کے علاقے کو فتح کر لیا۔ ان لوگوں کے ایک گروہ نے وینانس کی سرداری میں اراکوسیا میں حکومت قائم کر لی۔ ایک اور گروہ نے شک سردار مَیلیس کے ماتحت مشرق کیطرف بڑھکر تکشلا کو فتح کر لیا۔ اراکوسیا میں ۹۵ قبل مسیح میں میئیس حاکم بنا دس پندرہ سال کے بعد وہ تکشلا

آ پہونچا اور ۸۰ قبل مسیح کے قریب اسکا بیٹا اینز اولؔ گدی پر بیٹھا۔ اس کی رگوں میں پارتھین اور شک دونوں نسلوں کا خون تھا۔ اس کی حکومت لمبی اور خوشحال تھی۔ اور یہ اغلب خیال کیا گیا ہے کہ اس نے جمنا کے کنارے تک اپنی حکومت پھیلا لی تھی۔ اس نے صوبہ داروں کے ذریعے ایرانی طرز حکومت جاری کیا۔ اور یہی طریقہ اس کے جانشین اینز لے سس اپنیرس زدونمز کے وقت جاری رہا۔ پچھلے بادشاہوں کی موت پر ایراکوسیا اور تکشں شلا ایک پارتھین گونڈافرینس کے ماتحت ایک ہو گئیں جس کی شہرت مغربی دنیا تک جا پھیلی اور جس کے دربار میں کہا جاتا ہے کہ پہلا مشنری سینٹ تھامس آیا یہ الحاق ۳۰۔ ۴۰ سال مسیح کے بعد ہوا۔ گونڈافرینس نے کابل وادی پر حملہ کر کے یونانی حکومت کا وہاں پر خاتمہ کر دیا۔ لیکن گونڈا فرنیس کے بعد ہی اس کی سلطنت لوٹ گئی۔ مختلف صوبوں کے صوبہ داروں نے اپنے آپکو خود مختار بنا لیا۔ اس کا بھتیجا ایب ڈے گیس مغربی پنجاب پر قابض ہو گیا اور ارتھگ نیز نے گوسیا اور سندھ لے لیا۔ دوسرے صوبے دوسرے سرداروں کے ہاتھ میں چلے گئے۔ جب ٹے یالونی اس ۴۴ عیسوی میں تکشں شلا آیا یہاں کا بادشاہ فرے اوٹس تھا۔ جو کہ بیبی لونیا کے پارتھین بادشاہ سے خود مختار تھا۔ اس کی حکومت گندھار کے صوبے پر بھی تھی اگرچہ سرحد کے وحشی قبیلوں کو وہ روپیہ دیکر با امن رکھتا تھا۔ اے پالونی آس کہتا ہے کہ تکشں شلا کا شہر (سرکپ)، نینوا کے رقبہ کا تھا۔ یونانی شہروں کی طرح محفوظ تھا۔ ایتھنز کی طرح گلیاں اس کی تنگ اور بیقاعدہ تھیں مکانات ایک منزلہ معلوم ہوتے تھے زمین کے نیچے تہ خانے تھے شہر کے اندر بادشاہ

کا محل اور سورج کا مندر تھا۔ محل بہت سادہ تھا اور اس میں کوئی شان و شوکت نہ تھی۔

جب اہل چار بھانے یونانی بادشاہ ہیرے میئر کو نکال دیا تو وہ کوشان قبیلہ کے سردار کیڈ فائسس کے ساتھ جا ملا.........
اور اس کی مدد سے کابل واپس گیا۔ اور گندھارا اور تکش شلا کی فتح میں اس کی امداد کی۔ کوشان ایک قبیلہ تھا جسکو چینی مورخ یوئی (Yueh Chih) کہتے ہیں۔ جو کہ چین کے شمال مغرب میں سے نکلے۔ ۱۰۰ قبل مسیح مغرب کی طرف بڑھتے ہوئے۔ بکتریا یا وہاں سے وادی کابل ہوتے ہوئے ۵۰ یا ۶۰ عیسوی کے قریب شمالی ہند پر قابض ہو گئے۔ چند سال کے بعد پہلا کیڈ فائسس کی جگہ دوسرا کیڈ فائسس بادشاہ ہوا۔ اس خاندان سے دوسری صدی میں سب سے بڑا اور مشہور بادشاہ کنشک ہوا۔ کنشک نے پرس پور (پشاور) میں اپنا سردیوں کا صدر مقام بنایا اور اپنی حکومت وسط ایشیا سے لیکر بنگال تک پھیلائی۔ اس کے جانشینوں نے اس سلطنت کو قائم رکھا تیسری صدی کے پہلے نصف میں واسو دیو کی موت پر اس خاندان کو زوال آنا شروع ہو گیا۔ اگرچہ یہ پانچویں صدی تک قائم رہی۔ ان کے سکے مانکیالا کے مقام پر مہاراجہ رنجیت سنگھ کے جرنیل وینتورا اور کورٹ کو ملے تھے۔ پانچویں صدی میں سفید ہونوں نے اس خاندان کو تباہ کر دیا۔
سنہ میں چینی یاتری ٹاہیان نے تکش شلا کی یاترا کی۔ اگر اس نے کوئی لکھا ہوا حال نہیں چھوڑا ہے لیکن دوسری جگہ سے ہوئے اشاروں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شمال مغرب میں بدھوں کے بڑے

مشہور مندر تھے اور یہ بھی کہ اس صدی میں تکشِ شلا کی یادگاریں بڑی بے رحمی سے برباد کی گئیں تھیں یہ تباہی سفید ہونوں سے منسوب کی جاتی ہے۔ جنہوں نے ۵۰۰ء میں بڑی بھاری تعداد میں آکر تلوار اور آگ سے ہندوستان پر حملے شروع کر دیئے نہ صرف کوشان ریاست پر قبضہ کر لیا۔ بلکہ گپتوں کی بڑی سلطنت کو بھی برباد کر دیا۔ تکش شلا اس صدمے سے کبھی نہ سنبھلا۔ جب ہیون سانگ ساتویں صدی میں یہاں آیا تو اس نے دیکھا کہ یہ ایک صوبہ بن چکا تھا اور اس کے سردار ایک دوسرے کے ساتھ لڑائی جھگڑے میں مصروف تھے اور بہت سے مٹھ تباہ اور ویران تھے۔

موریا خاندان کی حکومت

موریا خاندان کا بانی چندر گپت تھا۔ جو لیاقت انتظام اور دلیری اور جنگ میں یکتائے زمانہ ہے اسکا باپ نند خاندان سے اور ماں (موراء) نیچ ذات کی کہی جاتی ہے۔ آخری بادشاہ نند نے چندر گپت کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا اور اس نے بھاگ کر تکش شلا کے راج میں جا پناہ لی۔ وہاں سے واپس آکر اپنے منتری چانکیہ کی مدد سے نند کو گدی سے اُتار دیا اور خود تخت کا مالک بن کر خلیج بنگال سے بحیرۂ عرب تک اور ہمالہ سے نربدا تک سارے آریہ ورت کو فتح کر لیا۔ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ سلوکس نے اپنی لڑکی کے ساتھ کابل قندھار کا ملک بھی جہیز میں دیدیا۔ اس کے زمانے کی بڑی کتاب کوٹلی ارتھ شاستر ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ چندر گپت کا انتظام سلطنت ایسا مکمل تھا کہ اس کی پُرانی دُنیا میں کوئی مثال

نہیں ملتی ۔ اسکا زمانہ یونانیوں اور اکبر کے انتظام سے بھی اعلیٰ تھا۔
کوٹلیہ کا اٹلی کے میکاولی سے مقابلہ کیا جاتا ہے۔ یوروپ کے مدبر اگرچہ میکیاولی کی تعلیم پر مضحکہ اڑاتے ہوں لیکن عملی زندگی میں یوروپ کی پولٹیکل فلاسفی میکیاولی کی تعلیم سے اوپر نہیں جا لی۔ میکاولی کی طرح کوٹلیہ کے وقت میں تمام شمالی ہند میں ڈیموکریٹک (جمہوری) ریاستیں تھیں۔ شمالی ہند کے مشرق میں وجی کا یچھو کا اور ملی کا۔ درمیان میں کورو اور پنچال۔ شمال مغرب میں مدرکا۔ جنوب مغرب میں کگرا۔ بہت طاقتور تھیں۔ کوٹلیہ ایک بادشاہ کی حکومت کا حامی تھا اور وہ ان سب کو تباہ کرکے بادشاہ کی حکومت کو بڑھانا چاہتا تھا۔ اسے ملک کی عظمت کو بڑھانے اور اسے غیر حملہ آوروں سے محفوظ رکھنے کا یہی بڑا ذریعہ معلوم ہوتا تھا۔ ملک کی اس طرح مختلف ریاستوں میں تقسیم اسے کمزوری کی بڑی وجہ معلوم ہوتی تھی وہ خود کہتا ہے "ان میں سے ایک کارپوریشن کو توڑ کر ساتھ لے لینا کئی فوجوں کی مدد سے بڑھ کر ہے"۔ اس کی ساری نیتی اور ذہانت ایسی نئی نئی تدابیر نکالنے میں خرچ ہوتی تھی جن کے ذریعے وہ ان کے اندر پھوٹ کا بیج بو سکے وہ ایسے ممبروں کا پتہ لگانے کی فکر میں تھا جو اسے کارپوریشن کے ممبروں کے باہمی حسد کی خبر دیں اور ایک کو دوسرے کے خلاف بہکا کر نفرت پیدا کریں وہ کوشش کرتا تھا کہ کھیل اور جوئے کے موقعوں پر بحث مباحثہ کرا کے ان میں دشمنی پھیلا دی جائے تماشہ گاہوں میں چھوٹے لیڈروں کی تعریف کرکے بڑوں کے خلاف بھڑکایا جائے۔ مختلف لیڈروں میں حسد پیدا کرنے کے لئے شراب اور عورت کو استعمال کیا جائے یہاں تک کہ مخبر عورت کو بھکاری بنا کر بڑے آدمی کے پاس روانہ کیا جائے جو کہ

اسے جھوٹ موٹ خبر دے کہ مجھے فلاں شخص نے تمہاری عورت
کو بہکانے کے لیے بھیجا ہے۔

اس قسم کی تدابیر نکالنے میں اس کا ایک مدعا تھا کہ ان سب
جمہوری حکومتوں کو تباہ کر کے اپنے آقا کو سارے ملک کا مالک
بنا دے۔ موریا خاندان کے وقت ان ریاستوں کا کوئی پتہ نہیں ملتا
. . . . لیکن جونہی موریا خاندان کو
زوال ہوا ایسی قسم کی ریاستیں ۔ یودھیہ ۔ مالوہ ۔ ورشنی ۔ ارجنیہ
آڈمبر ۔ کنندرس وغیرہ قبیلوں میں پیدا ہو گئیں ۔ مہابھارت
کے شانتی پرب میں بھیشم نے بھی گنوں کو پھوٹ سے بچانے کے
لیے بار بار اس بات پر زور دیا ہے کہ ہمارے اندر برداشت اور
شانتی کی عادت ہو ۲۰۔ چونکہ بھید کا رکھنا مشکل ہے اس لیے
خفیہ معاملات پر چھوٹی سے چھوٹی کیبنٹ بنائی جائے ۔
۲۱۔ قانون اور نیائے کا بغیر کسی کی رعایت کے نریکش پربندھ
ہو ۔ جس گن میں یہ اندرونی کمزوریاں نہ ہونگی وہ ہر طرح کے
بیرونی خطروں اور دشمن کا مقابلہ کر سکے گا ۔

میکیاولی کی طرح کوٹلیہ کی تعلیم کا اصول ایک فقرے میں
پایا جاتا ہے ۔ بادشاہوں کا اخلاق رعایا کے اخلاق سے مختلف
ہونا چاہیئے ۔ جو باتیں رعایا کے واحد ممبروں کے لیے ناجائز
اور جرم ہوتی ہیں وہ بادشاہوں کے لیے جائز اور قابل تعریف
ہوتی ہیں ۔ تمام انسانوں کے لیے چوری اور ڈاکہ مذموم ہیں
لیکن سلطنت کے لیے یہ سب جائز ہیں ۔ پرائیویٹ اشخاص کے

لئے عہد شکنی بری اور مکروہ ہے سلطنتوں کے لئے جائز اور ضروری ہے سلطنت کے لئے ہر قسم کا دھوکا۔ فریب۔ رشوت۔ دشمن کے دوستوں کو ورغلانا۔ اس کی رعایا میں بغاوت پھیلانا۔ اس کے افسروں کو باغی بنانا سب کچھ جائز سمجھا گیا ہے"۔ کوٹلیہ جاسوسی پر بڑا زور دیتا ہے اس لئے چندر گپت نے کوئی ایسا محکمہ نہیں چھوڑا جس میں جاسوس نہ ہوں۔ استادوں اور لڑکوں سے جاسوسی کا کام لیا جاتا تھا۔

چندر گپت کے دربار میں میگیستھنیز یونانی سفیر تھا۔ اس کی اصلی کتاب نہیں ملتی لیکن اس کی کتاب کے حوالجات دوسری جگہ پڑے ہوئے ملتے ہیں۔ میگستھنیز لکھتا ہے "ملک خوشحال تھا پیداوار بکثرت ہوتی تھی زمین کا زیادہ حصہ آبپاش تھا۔ اناج اور پھلوں کی اسقدر بہتات تھی۔ کہ اسوقت عام خیال تھا کہ آریہ ورت میں کبھی قحط نہیں پڑا اور نہ خوراک حاصل کرنے میں کبھی تنگی ہوئی۔ وجہ یہ تھی کہ ہندوؤں میں عام دستور تھا کہ وہ زراعت پیشہ لوگوں کی حفاظت کرنا اپنا خاص فرض سمجھتے تھے۔ لڑائی میں کھیتی اور کاشتکاروں کے ساتھ کوئی دست درازی نہ ہوتی تھی۔ دستکاری اور ہنر میں بھی ہندوستانی اسوقت یاہر تھے۔ اس وقت کے ہندوؤں کو اسنے سات جماعتوں میں تقسیم کیا ہے۔ اول فلاسفر دوم سفیر سوم سپاہی چہارم اور سیر پنجم کاشتکار ششم دستکار۔ اور ہفتم گڈریے۔ فلاسفر وہ برہمن تھے جو مذہبی فرائض پورے کرتے تھے۔ بادشاہ کی نوکری نہ کرتے تھے۔ مشیر وہ برہمن ہوتے تھے جو بادشاہ کے نوکر ہوتے تھے فلاسفروں کی دو قسمیں تھیں ایک وہ جو سینتیس برس علم حاصل کر کے

گرہستھی بنتے تھے اور دوسرے وہ جو ہمیشہ جنگلوں میں رہا کرتے تھے۔ اس زمانے کے ہندو عموماً راستباز اور نیک کردار تھے۔ جھوٹ کبھی نہ بولتے تھے۔ ایکدوسرے کی نیکی اور راستی پر بیحد شک بھروسہ تھا کہ تمام اقرار زبانی ہوتے تھے۔ تحریر کی ضرورت نہ ہوتی تھی۔ وہ مقدمہ باز نہ تھے دوہار کے درست اور معاملے کے صاف تھے۔ چوری بہت کم تھی عورتیں پاکدامن تھیں غلامی کا نشان بھی نہ تھا۔ شجاعت اور دلیری میں تمام ایشیائی قوموں سے بڑھ کر تھے۔ آزادی پسند تھے۔ اسوقت سوائے اہل ایران اور مقدونیہ کے خفیف حملوں کے ان پر کوئی حملہ نہ ہوا تھا اور نہ انھوں نے ہی کسی پر مہم اٹھائی تھی۔

میگیستھینز نے چندر گپت کی گورنمنٹ کا۔ اس کی فوج کا اور باقی مختلف محکموں کا۔ اس کے طریقے آبپاشی اور نہروں کا مفصل حال لکھا ہے۔ پاٹلی پتر کی بابت لکھا ہے کہ یہ شہر نو میل لمبا اور ڈیڑھ میل چوڑا تھا۔ اس کے گرد مضبوط لکڑی کی دیوار تھی جس کے چونسٹھ دروازے تھے اور ۵۷۰ برج بنے تھے شاہی محل لکڑی کا بنا ہوا تھا اور شاندار تھا بادشاہ کی سواری سونے کی پالکی میں نکلا کرتی تھی۔ بادشاہ جانوروں کی لڑائی دیکھا کرتا تھا۔ جن میں گاڑیوں کی دوڑ بھی ایک کھیل ہوا کرتی تھی۔ ان کی گارد میں جوان لڑکیاں ہوا کرتی تھیں۔

چندر گپت کے بعد اسکا بیٹا بندوسار جانشین ہوا اس کے وقت میں دکن موریا سلطنت میں شامل کیا گیا۔ مصر کے ملک سے بھی سفیر اس کے دربار میں آئے۔ بندوسار کے وقت میں اسکا بیٹا اشوک ٹکشلا کا صوبہ دار تھا۔ ٹکشلا کی حکومت میں کشمیر

پنچال - پنجاب اور افغانستان شامل تھے۔ ٹکش شلا کی یونیورسٹی آیوروید
کے لئے مشہور تھی۔ اُجین کی یونیورسٹی علم ریاضی کے لئے اور جوتش
کے لئے۔ ۲۷۳ قبل مسیح بندوسار کے مرجانے کے بعد اشوک گدی
نشین ہوا۔ اس نے کلنگ کے اوپر فوج کشی کی اور اس مہم میں ایک
لاکھ کے قریب آدمی مارا گیا۔ ڈیڑھ لاکھ پکڑے گئے اور ان سے
کہیں بڑھ کر قحط اور وبا کا شکار ہوئے ان نظاروں کا اثر اشوک
پر یہ ہوا کہ اس نے جنگ کے خلاف قسم کھائی اور اپنے وارثوں کو
تلوار کی فتح کرنے سے بند کر دیا اور بدھ دھرم اختیار کر کے ساری طاقت
اس کے پرچار میں لگا دی۔ اس لحاظ سے یہ شخص دنیا کے بادشاہوں
میں بے نظیر ہے۔ بدھ دھرم اختیار کرنے کے بعد ڈھائی سال تک
وہ بھکشو بنا اس عرصے میں اس نے بدھ تیرتھوں کی یاترا کی۔
جہاں جاتا تھا غریبوں اور برہمنوں کو بہت دولت بانٹتا تھا۔ پہلے
وہ گوشت کا ماننے والا تھا۔ اور اس کے باورچی خانے میں ہزاروں
جانور مارے جایا کرتے تھے۔ اس کے اپنے لئے دو مور اور ایک ہرن
مارا جاتا تھا۔ پہلے اس نے شکار کا محکمہ بند کر دیا اور حکم دیا کہ رسوئی کے
لئے کوئی جانور نہ مارا جائے۔ اس کے دھرم پرچار میں ملک گیری کی
ذرا بھی بو نہیں آتی۔ اس کے پرچارک مصر شام سیریا۔ مقدونیہ ایشیا
اور افریقہ کے علاقوں میں پرچار کرتے تھے۔ اس کی لڑکی چارو متی
بھکشونی بن کر نیپال میں گئی اور اسکا لڑکا بھکشو بن کر لنکا میں پرچار
کرتا رہا۔ جگہ جگہ پرچار کے لئے اس نے بدھ مندر اور وہار بنائے
راج گرہی میں سنچے کے پاس اڑھائی سو جلا رہا کرتے تھے۔ ان کو

ستون کھڑے کئے جو خلیج بنگالہ سے لیکر درہ خیبر تک پھیلے ہوئے ہیں ستونوں پراور چٹانوں پر براہمی لپی میں اور شمال مغربی سرحد پر کھروشٹی لپی میں کتبے نصب کرائے انکی تعلیم اہنسا اور اوا گون پر مبنی ہے۔ سب کے ساتھ محبت کرنا دوسروں کے مذہب میں دخل نہ دینا وغیرہ فرائض ہیں جن کی ان کتبوں میں تعلیم ہے ایک کتبہ پر یہ الفاظ ہیں " اصل فتح وہ ہے جو انسان اپنی ذات پر دہرم سے حاصل کرے "
اور کتبوں سے اس کی بردباری اور انسانی محبت کا بڑا ثبوت ملتا ہے " جو مذہب میں اس سے اختلاف رکھتے ہیں وہ بھی اس کے ساتھ نروان کو حاصل کریں "
" میرا تمام نہ ملنے والے ہر جگہہ رہیں کیونکہ وہ بھی اخلاقی ضبط اور پوترتا چاہتے ہیں۔ پرکرتی اور اچھیا کے لحاظ سے منش جدا جدا ہیں " انکی سلطنت افغانستان۔ بلوچستان۔ سندھ۔ سوات۔ باجوڑ۔ کشمیر اور نیپال تک پھیلی ہوئی تھی انہوں نے کشمیر میں نیا دارالخلافہ سرینگر بنایا۔ نیپال میں کھٹمنڈو کے پاس نیا دارالخلافہ للت پور بنایا۔ جنوب میں کلنگ اندھرا تک پھیلا ہوا تھا۔ دکن میں چول کیرلی اور پانڈیہ آزاد ریاستیں تھیں اس نے اپنے ملک کو چار علاقوں میں بانٹ کر چار وائسرائے مقرر کئے جن میں سے ایک کا صدر مقام ٹیکسلا تھا۔ اس کی ۴۱ سال کی حکومت میں ایک بھی بغاوت نہیں ہوئی۔

اشوک کے بعد اس خاندان سے چار اور جانشین ہوئے ۱۳۷ سال کی حکومت کے بعد ۱۸۵ قبل مسیح میں ختم ہو گیا۔ اس کے بعد کی چار صدیاں انقلاب کا زمانہ ہے جس میں کئی خاندان یکے بعد دیگرے راج کرتے رہے

ان میں کنشک بہت مشہور راجا ہوا۔

کنشک ششہ میں ٹکسلا کی گدی پر بیٹھکر اُسنے متھرا تک اپنی سلطنت کو پھیلا لیا۔ اس کے نام کے کتبے افغانستان۔ پنجاب اور سرحد میں ملتے ہیں۔ اسکا نام تبت چین اور منگولیا میں زبان زد خلائق ہے ملاسفے تا سقند یارقند اور ختن کو فتح کیا۔ پشاور میں بدھ کی یادگار میں ایک بوڑا مینار تعمیر کرایا۔ بدھ مذہب کی پہلی کونسل بُدھ کی موت پر جمع ہوئی تھی دوسری کونسل کنشک کے عہد میں ہوئی۔ اسوقت بدھ مذہب میں اختلافات شروع ہو چکے تھے۔ شروع میں بُدھ کی کوئی مورتی نہ تھی لوگ پوجا کے لئے کوئی نہ کوئی چیز چاہتے تھے۔ انہوں نے بدھ کی مورتیاں بناکر پوجا شروع کردیا ان میں بدھ کو دھیان کی حالت میں بتایا ہے آہستہ آہستہ بدھ کو پرماتما یعنی برہما کی جگہ مل گئی۔ شکھ کو وشنو کی اور دھرم کو شو کی۔ یہ فرقہ جس نے مورتیاں تھاپت کیں مہایان کہلاتا ہے۔ دوسرے فرقے کا نام ہین یان تھا۔ مہایان کا بانی کنشک سمجھا جاتا ہے اگرچہ اسکا بڑا پرچارک ناگا جن تھا جس نے بدھ مذہب میں بھگتی کو شامل کرکے اتنا ہر دلعزیز بنا دیا۔ اس کی دوسری مہاسبھا کنڈل بن مٹھ کشمیر میں ہوئی جس میں پانچ سو بھکشو شامل ہوئے۔ انہوں نے دھرم اور دوسری رسومات پر بہت سی تفسیریں لکھیں۔ سدھانتوں کے فیصلے سرینگر کے متصل ایک بڑے ستوپ کے نیچے دفن کئے گئے کنشک کے وقت میں ٹکشلا کو بڑی رونق نصیب ہوئی۔ ساری مہذب دنیا کے طالب علم چین۔ ایشیا کوچک تاتار وغیرہ سے تعلیم حاصل کرنے کے لئے یہاں آنے لگے کنشک کے بعد تین جانشین ہوئے اُ

ورش تک ۔ ہوشک اور واسدیو ۔ ہوشک نے درہ بارہ مولا میں ہوشکا پور نام سے ایک نیا دار الخلافہ قائم کیا جو چینی سیاح ھیون سانگ کے وقت قائم تھا
گپت خاندان ۔ ۲۲۰ء کے بعد سو سال تک کوئی بڑی حکومت نظر نہیں آتی ۔ ۳۲۰ء میں ایک پولیٹیکل طاقت ظاہر ہوئی جس کا بانی چندر گپت تھا ۔ پاٹلی پتر کے پاس لچھوی قبیلہ بڑا معزز گنا جاتا تھا ۔ چندر گپت نے اس کی ایک شہزادی سے شادی کر کے پاٹلی پتر پر قبضہ کر لیا ۔ اس نے سنہ ۳۲۰ء میں اپنا سمت چلایا ۔ پندرہ سال بعد اس کا بیٹا سمدر گپت تخت پر بیٹھا جو بڑا مشہور اور نامور راجا ہوا ہے ۔ یہ شخص بڑا مدبر ۔ بہادر ۔ شاعر اور علم دوست تھا ۔ پچاس سال کی حکومت کے بعد وہ مرا اور اسکا بیٹا چندر گپت ثانی تخت پر بیٹھا جسے وکرم ادتیہ کہا جاتا ہے ۔ ہندو روایات اسکو ۵۷ قبل مسیح ظاہر کرتی ہیں اور اسوقت سے اسکا سمت ظاہر کرتی ہیں ۔ انگریزی مورخ اس کو ۳۷۵ء میں تخت پر بٹھاتے ہیں ۔ اس نے اپنا دار الخلافہ پاٹلی پتر سے اجدھیا میں بدل لیا ۔ اس نے مالوہ ۔ گجرات ۔ کاٹھیاواڑ وغیرہ فتح کئے ۔ یہ علاقے ۱۲۶ء سے شک قوم کے ماتحت چلے آتے تھے ۔ اس نے اس کے آخری فرمانروا رودر سنگھ کو قتل کیا ۔ اس کے عہد کے نورتن بڑے مشہور ہوئے ہیں جن میں سے ایک کالیداس تھا ۔ جس کے ایک ڈرامے شکنتلا کو پڑھ کر جرمنی کا مشہور فلاسفر اور شاعر گیٹے وجد میں آگیا ۔

پنجاب مالوہ مشرقی راجپوتانہ جمہوری قوموں کے ماتحت تھے کماؤں گڑھوال کانگڑہ مل کر کیرتی پور کی ریاست تھی ۔ ۱۰۰ قبل مسیح کرتار کے ایک کندہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یودھیہ سب سے بہادر گنے

جلاتے تھے اور ان کی حکومت بھرت پور۔ سونا پت۔ بھات (سہارنپور کے نزدیک) دیپالپور۔ ست گرہ۔ اجودھن۔ گردر۔ ملتان۔ مشرق کی طرف بھٹنیر۔ ابوہر۔ سرسا۔ ہانسی۔ پانی پت۔ سونی پت۔ ستلج اور جمنا کے درمیانی علاقے میں پھیلی ہوئی تھی۔ کانگڑہ اور جگادہری میں بھی ان کے سکے ملے ہیں۔ چوتھی صدی میں بھی یہ گن موجود تھے۔ اس کے پیچھے کمار گپت ۵۵ء تک اور اس کے بعد سکند گپت نے راج کیا ان کے وقت شمالمغربی دروں سے ایک دشمن آنمودار ہوا۔ یہ سفید ہون تھے جو آکر لوٹ مار مچانے لگے۔ سکند گپت نے ایک بار انکو بڑی شکست دی مگر ۷۰ء میں وہ پھر آگئے۔ اب اس سے کچھ نہ بن سکا اس کے پیچھے چار اور راجے گدی پر بیٹھے۔ جن میں سے آخری بال آدتیہ تھا۔ یہ گپت راجے براہمنوں کے پیرو تھے۔ مگر بودھوں کے خلاف نہ تھے۔ غالباً براہمنوں نے بدھ کو وشنو کا اوتار بناکر اپنے دہرم کا ایک جزو بنا لیا تھا۔ جوں جوں بدھ مذہب کمزور ہوتا گیا توں توں پراکرت اور پالی کی جگہہ سنسکرت زبان کی ترقی ہوتی گئی۔ گپتوں کے عہد میں پھر سنسکرت ہی دھرم اور نظم ونسق کی زبان بن گئی۔ اس کے ساتھ دوسرے علوم نے بھی ترقی کرنی شروع کی۔ آریہ بھٹ۔ وراہ مہر۔ برہم گپت بڑے ریاضی دان تھے۔ اس زمانے کی تصویریں اور دیگر ہنروں کے نمونہ جات سارناتھ میں پائے جاتے ہیں۔ دہلی کا قطب مینار سمندر گپت کے زمانے میں بنایا گیا تھا۔ ایجنٹا کی مصوری اور نقاشی اس کمال کی ہے کہ دور دور سے آرٹسٹ لوگ اسے دیکھنے آتے ہیں۔

فاہیان بکرم آدتیہ کے عہد میں پہلا چینی سیاح فاہیان ہندوستان

میں آیا۔ ۵۰۵ھ سے ۱۱ھ تک ملک کے مختلف حصوں میں پھرتا رہا۔ اس کے سارے سفر میں ۱۵ سال خرچ ہوئے۔ اس کے وقت میں بائلی پتر بھی رونق پر تھا۔ جس کے قریب مہاماں اور ہین یان دونوں فرقوں کے مٹھ تھے جن میں بھکشو رہا کرتے تھے۔ اور سب طرف سے طالب علم وہاں آکر پڑھا کرتے تھے فاہیان نے بھی تین سال وہاں رہکر سنسکرت کا مطالعہ کیا۔

فاہیان مغربی چین سے ہوتا ہؤا گوبی جنگل کے جنوب سے گزر کر ختن کے راستے ہندوستان کو آیا۔ ختن کے لوگ مہاہیان فرقہ کے پیرو تھے پامیر کے علاقہ کو مشکل سے عبور کر کے سوات سے ہوتا ہوا پشاور اور ٹیکشلا پہنچا۔ اس کی یاترا مذہبی کتب کی تلاش میں تھی۔ دریائے سندھ سے متھرا تک جگہ جگہ مٹھوں کو دیکھتا تھا۔ ان مٹھوں میں ہزاروں کی تعداد میں بھکشو رہتے تھے۔ متھرا میں تین ہزار بھکشو تھے اور سارے ملک میں کوئی شخص کسی جیو کو نہیں مارتا نہ شراب پیتا ہے نہ پیاز یا لہسن کھاتا ہے نہ سور یا مرغ رکھتا ہے۔ ہندوستان کے لوگ جانور نہیں بیچتے اور نہ منڈی کے پاس قصابوں کی دوکانیں ہیں نہ شراب خانے ہیں چنڈال لوگ شہر سے باہر رہتے ہیں انکو شہر میں داخل ہوتے وقت ایک طرح نوٹس دینا پڑتا ہے تاکہ لوگ ان کو چھو کر ناپاک نہ ہو جائیں گورنمنٹ لوگوں کے معاملات میں بہت کم دخل دیتی ہے جسکا جی چاہے رہے یا چلا جائے کوئی مداخلت نہیں۔ اکثر جرموں کے عوض میں صرف جرمانہ ہی دینا پڑتا ہے۔ موت کی سزا کسی کو نہیں دیجاتی اور نہ کسی کو شہادت دینے کے لئے عذاب دیا جاتا ہے"۔ اگرچہ گپت خاندان ہندو تھا تاہم بودھوں اور جینیوں کی بڑی حفاظت کی جاتی تھی۔ بھکشوؤں کو ہر جگہ

چارپائیاں بستر ے اور خوراک ملجاتے تھے دوسرے ماہ کے آٹھویں دن مورتیوں کے بڑے بڑے جلوس نکالے جاتے تھے

توربان اور مہر گل | چوتھی صدی عیسوی میں ایک اور خونخوار قبیلہ وسط ایشیا کے مرغزاروں سے اُٹھ کر ایشیا اور یوروپ میں پھیل گیا۔ اس کی ایک مغربی شاخ نے والگا عبور کر کے یوروپ کو تہ وبالا کر ڈالا۔ انکا سب سے بڑا سردار اٹیلا تھا جس کی بے رحمی اور خونخواری کے قصے یورپی لٹریچر میں بہت پائے جاتے ہیں۔ اس کی مشرقی شاخ نے دریائے جیحوں سے اتر کر گندھارہ پشاور پنجاب اور گجرات کو لوٹا۔ اسکا پہلا حملہ سکند گپت کے وقت ہوا اسکے دس سال بعد انہوں نے گندھار پر قبضہ کر لیا اور ان کی لہر گنگا تک جا پہونچی۔ ان کے سردار کا نام توربان تھا۔ سنہ [illegible] میں وہ مالوہ کا حاکم بن بیٹھا اور راجہ مہاراجگان کا خطاب اختیار کیا۔ سنہ [illegible] میں اس کی موت پر اسکا بیٹا مہر گل تخت پر بیٹھا۔ اس نے سیالکوٹ کو اپنا دار الخلافہ بنایا۔ اس کے سکے گوجرانوالہ اور جھنگ کے ضلع میں ملے ہیں یہ بھی اٹیلا کی طرح بڑا ظالم اور بے رحم تھا۔ اسی کیطرح اس کی شکل بھی بڑی بھدی اور بد صورت تھی۔ لوگوں کو قتل کرتا تھا۔ گاؤں کو جلا دیتا تھا فصلوں کو اجاڑ دیتا تھا۔ سنہ ۵۲۸ء میں مگدھ کے راجہ بالادتیہ نے مہر گل کو ایک بڑی شکست دی اور اس کی حکومت کو تتر بتر کر دیا لیکن بیوقوفی کر کے اس کی جان بخشدی۔ مہر گل پھرتا پھراتا کشمیر جا پہونچا راجہ کشمیر نے اسے مہربانی کر کے ایک چھوٹی سی جاگیر دی یہاں پر اس نے اپنی طاقت بڑھانی شروع کی اور پہلے اپنے مربی کو ہی شکست

دیا۔ اس کی گدی پر قبضہ کر لیا۔ پھر گندھار پر چڑھائی کی اور وہاں پر قبضہ کر کے قتل کرتا ہوا دریائے سندھ تک آ پہونچا۔ اس نے بے شمار مٹھوں اور مندروں کو مسمار کیا۔ سنہ ۵۴۰ء میں وہ مر گیا۔ ہونوں کے بہت سے لوگ پنجاب میں ہی رہ کر آباد ہو گئے۔ انہوں نے ہندو رسوم اور مذہب اختیار کر لئے۔ مہرگل بھی شیو کا اپاسک تھا۔ ہندو دھرم نے ایسے خونخوار اور ملیچھ لوگوں کو بھی اپنے اندر جذب کر لیا۔

ہرش وردھن

ساتویں صدی کے شروع میں پنجاب کی تاریخ میں ایک اور بڑا راجہ پیدا ہوا۔ جس کا نام بلاشبہ ہندوستان کے بڑے راجاؤں کی فہرست میں آنا چاہیئے کوروکشیتر کے میدان میں تھانیسر ایک بڑا مقدس مقام ہے۔ اس کے پاس ہی دریائے سرسوتی بہا کرتا تھا۔ اور اس علاقہ کا نام برہمن رشی دیش قدیم سے چلا آتا ہے جب ہون لوگ پنجاب پر حملے کر رہے تھے تو یہاں کے راجہ پربھاکر وردھن نے انکا بڑی دلیری سے مقابلہ کیا اور اپنے بڑے بیٹے راجہ وردھن کو ان کو روکنے کے لئے شمال مغربی سرحد پر روانہ کیا اس کے ساتھ اسکا چھوٹا بھائی ہرش وردھن بھی تھا وہاں پر ہی اسے خبر ملی کہ راجہ بہت بیمار ہے۔ راجیہ وردھن واپس آ کر سنہ ۶۰۵ء میں گدی پر بیٹھا اس کی ایک بہن راجیشوری مالوہ میں بیاہی تھی مالوہ کے راجہ نے اس کے بہنوئی سے ناراض ہو کر اسے قتل کر ڈالا اور اس کی بہن کے پاؤں میں بیڑیاں ڈالکر اُسے جیل میں ڈالدیا۔ راجہ وردھن یہ خبر سنتے ہی دس ہزار سوار لیکر بہن کو چھڑانے کے لئے مالوہ کی طرف روانہ ہوا۔ راجہ کو اس نے بڑی بھاری شکست دی لیکن اس کی مدد میں بنگال کا راجہ سسانک بھی آیا ہوا

تھا اس نے دھوکے سے راجہ وردھن کو قتل کروا ڈالا۔ ہیون سانگ بتاتا ہے جب راجیہ وردھن مارا گیا تو وزیر لوگ اکٹھے ہوئے ایک بھانڈی، نے یہ کہا کہ "میں ہرش وردھن کو تجویز کرتا ہوں وہ اپنے کنبہ کا بڑا پیارا ہے۔ سب اس پر اعتبار کریں گے"۔ سب نے اپنی اپنی رائے دی تجویز مان لی گئی اور ہرش راجہ بنایا گیا۔ راجیشوری بھاگ کر بندھیا کے جنگلوں میں چلی گئی تھی۔ ہرش وردھن کی عمر اسوقت پندرہ سولہ برس کی تھی۔ جب اسے اپنے بھائی اور بہن کے اس دردناک انجام کی خبر ملی ساسنک سے بدلہ لینے کے لئے وہ فوراً روانہ ہوگیا اور کہا جاتا ہے کہ وہ عین اسوقت جا پہونچا جب اس کی بہن دوسری عورتوں کو ساتھ لئے ہوئے ستی ہونے پر تیار تھی۔ اسے بچا کر بعد ازاں اس نے ساسنک کو بڑی شکست دی اور اس کے بعد ملک کو فتح کرنے کے لئے تیار ہوگیا۔ اسوقت اس کی فوج میں پچاس ہزار پیادہ اور بیس ہزار سوار تھے۔ ساڑھے پانچ سال تک لڑائیاں کر کے اس نے تمام شمالی ہند فتح کر لیا اور پینتیس سال تک حکومت کرتا رہا۔ اس کی سزائیں بڑی سخت تھیں۔ سنگین جرائم کی سزا میں ناک کان ہاتھ پاؤں کاٹ دیے جاتے تھے۔ قیدیوں کے ساتھ بہت بُرا سلوک ہوتا تھا۔ تعلیم بہت پھیلی ہوئی تھی اور سرکاری دفتر بہت مکمل تھے۔ ہرش نے اپنا صدر حکومت قنوج میں قائم کیا۔

اس کے وقت ہیون سانگ مشہور چینی یاتری ہندوستان میں آیا۔ ہرش نے اس کی خبر پاکر اسکو اپنے پاس بلا بھیجا۔

اتفاق سے ہرش دورہ پر جا رہا تھا کہ اسے راستے میں ہیون سانگ مل گیا۔ ہیون سانگ نے اس پہلی ملاقات کو بہت دلچسپ بتلایا ہے۔

ہیون سانگ ہرش کی زندگی اور چالچلن کی بہت تعریف کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اسنے ہزاروں ستوپ اور مٹھ قائم کئے۔ وہ تمام فرقہ کے سادھوؤں کو فیاضی سے دان دیتا تھا۔ جہاں جہاں وہ ٹھیرتا تھا۔ ایک ہزار بھکشو اور پانچ سو برہمن کو کھانا دیتا تھا۔ راجہ ہرش ہین یان فرقہ کا ماننے والا تھا۔ ہر سال سنگھ کا اجلاس کرتا تھا۔ ہیون سانگ نے اسے مہایان فرقہ کی فضیلت کا قائل کرنا چاہا۔ راجہ نے دونوں کے مقابلہ کے لیے سنہ ۶۴۳ء میں بڑی سبھا بلائی۔ ایک بڑا بھاری کیمپ تیار کیا گیا۔ بیس راجے اس میں شامل ہوئے جن میں کامروپ اور ولبھی کے راجہ بھی تھے چار ہزار بھکشو آئے۔ تین ہزار براہمن اور جین پنڈت تھے۔ بڑے بڑے مٹھ دھاری ہاتھیوں اور پالکیوں پر سوار سبھا میں شامل ہوئے ایک شاندار پنڈال بنایا گیا۔ بیچ میں ایک اونچا مینار تھا جس پر بدھ کی تصویر رکھی گئی۔ اس تصویر کے جلوس میں راجہ نے اپنے ہاتھ میں چھتری پکڑی راجکمار چنور کرتے تھے۔ راستے میں موتی بکھیرتا ہوا گیا اور مورتی کو تخت پر جا رکھا۔ ہیون سانگ کو اس سبھا کا پردھان بنایا گیا۔ اس نے سبکو چیلنج دیا کہ اگر کوئی میری دلیل کو رد کر دے اسکو میرا سر کاٹنے کا اختیار ہوگا۔ کسی کو اس کے ساتھ شاسترارتھ کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ اٹھارہ روز ایسا ہی ہوتا رہا۔ لیکن انجام اچھا نہ ہوا۔ کسی نے سازش کر کے منڈپ کو آگ لگا دی اور راجہ پر بھی وار کیا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پانچسو برہمن جلاوطن کئے گئے۔ اسی سال پریاگ میں ایک میلہ ہوا جس میں پانچ لاکھ کے قریب سادھو سنیاسی اور دوسرے لوگ اکٹھے ہوئے۔ یہ میلہ اڑھائی ماہ تک رہا۔ پہلے دن بدھ کی دوسرے دن سورج کی تیسرے دن شیو کی

مورتی کی پوجا کی گئی۔ راجہ نے سروسبہ تیاگ کر کے اپنی ہر ایک چیز دان کر دی۔ ہر ایک بھکشو کو سونے کی ایک ایک سو مہر دان دی گئی جین پوجاریوں کو بھی دان دیا گیا۔ ایک ماہ تک یتیموں اور غریب لوگوں کو دان دیا جاتا رہا۔ دوسرے راجاؤں نے ہرش کا سب سامان خرید کر اسے واپس دے دیا۔ اس میلہ کے دس دن بعد ہیون سانگ اپنے وطن کو روانہ ہوا۔ راجہ نے بہت سا سونا چاندی اور قیمتی اشیا اس کی نذر کیں۔ اس نے صرف ایک سمور کا کوٹ رکھکر باقی سب واپس کر دیں۔ چھ ماہ کے سفر کے بعد ہیون سانگ جالندھر پہونچا وہ اپنے ساتھ بیشمار مورتیاں اور کتابیں لے گیا۔ نمک کی کانوں کے پاس ہوتا ہوا پامیر اور ختن کے راستے سے گذر کر ۶۴۵ء میں چین جا پہنچا۔

مہاراجہ ہرش ۶۴۸ء میں مرگیا وہ بڑا عالم تھا۔ اسکے لکھے ہوئے ڈرامے پائے جاتے ہیں ویاکرن پر بھی اس نے ایک کتاب لکھی ہے چین کے بادشاہ سے اس کے بڑے تعلقات تھے۔

بودھ مذہبی کارپوریشن ویدک سوسائٹی کی بنیاد ورن اور آشرم پر تھی۔ ورن کے فرائض پر غور کرنے سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ ویدک دھرم کا آدرش ساری سوسائٹی کو ایک سمجھنا تھا۔ سماج کا ہر ایک ممبر سب سے پہلے اپنی سماج کے بھلے کے لئے زندہ رہتا تھا۔ اس کی اپنی شخصی بھلائی اسی بات میں سمجھی جاتی تھی کہ اس کی ساری سوسائٹی بحیثیت مجموعی ترقی کرے اور وہ اسکا ہی ایک حصہ ہونے کی وجہ سے خود ہی ترقی کرتا جائیگا۔ ورنوں کے نقطہ خیال سے سماج ہی سب کچھ تھا۔ ویکتی (شخص) کی کوئی حقیقت نہ تھی۔ براہمن اپنی ساری بدھی اور دیا کو

سوسائٹی کے ارپن کر دیتے تھے۔ جس کے بدلے میں انکو نہایت ہی سادہ ضروریات مہیا کی جاتی تھیں کھشتری ہر وقت سماج کو خطرہ سے بچانے کے لیئے اپنے پران دینے پر تیار رہتے تھے۔ ویش اپنا دھن اور شودر اپنی جسمانی خدمت سوسائٹی کے ارپن کرتے تھے۔ لیکن ویدک دھرم میں ویکتی سے بالکل لاپرواہی نہیں کی گئی۔ چار آشرموں کے طریق اور فرائض کو دیکھنے پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جہاں ہر ویکتی کو سوسائٹی کے لیئے زندہ رہنا ہوتا تھا وہاں ہر ایک ویکتی کے لیئے اس کی زندگی بہتر اور بہت زیادہ کار آمد بنانے کے لیئے پورا موقعہ اور انتظام تھا۔ ہر ایک بچہ کو پیشتر اس کے کہ وہ کسی خاص ورن کے اندر شامل ہو کم از کم پچیس سال تک تعلیم حاصل کرنا ضروری تھا۔ یہ تعلیم راجہ کی طرف سے غریب اور امیر کو ایک سی دی جاتی تھی۔ گویا قوم کے سارے بچے قوم کی ہی جائداد سمجھے جاتے تھے۔

گرہستھ آشرم تھے بیچ کے حصہ میں ورنوں کے فرائض کو پورا کرنا ہوتا تھا گرہستھ آشرم کے چھوڑتے ہی بان پرستھ اور سنیاس پھر ویکتی کی اُنتی کے لیئے ہی مخصوص کیئے گئے تھے۔ اگرچہ سنیاس میں وہ تمام طاقت سماج کی رہنمائی کے لیئے خرچ کرنی پڑتی تھی جو بان پرستھ میں منش اکٹھی کرتا تھا۔

تیاگ اور تپ کی زندگی بسر کرنا ایک معمولی بات تھی اور اس کے لیئے خاص طرح کے قواعد اور ضوابط بنائے گئے تھے۔ اگرچہ ہر ایک شخص بان پرستھ میں نہیں جاتا تھا مگر اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ خاص عمر تک گرہستھ کے فرائض کو پورا کرنے کے بعد بہت سے لوگ اُسے تیاگ کر بان پرستھ میں چلے جاتے تھے۔ ان میں سے بہت سے آشرموں میں کہیں دو سو کہیں کہیں چار پانچ سو تک اکٹھے رہا کرتے تھے۔ اُس وقت اُن کو جٹلا کہتے تھے۔

نرگرنتھ یا اجیو کا بھی کہا جاتا تھا۔ مہاتما بدھ نے درنوں کے مطابق فرائض
کی تقسیم کے اصول کو حقارت سے دیکھنا شروع کیا۔ اس کی تعلیم کی ساری
غرض ویکتیوں (افراد) کو اونچا کرنا تھا۔ مہاتما بدھ نے قومی زندگی اور
قومی فرائض کی مطلق پرواہ نہیں کی اس کی نظر میں انسان کا کام صرف
اپنے فعلوں کو نیک بنانا ہے۔ کیونکہ ہر ایک انسان کو اس کے اچھے
فعل ہی ترقی کی طرف لیجا سکتے ہیں اور انسان کے لئے اس کی ترقی
کا معراج نروان یعنی اپنے آپکو ناش کر دینا ہے۔ یہ دونوں باتیں ویکتی
کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں لیکن ہر ایک ویکتی کو اپنے اس آدرش پر
پہنچانے کے لئے مہاتما بدھ کو خاص سوسائٹی قائم کرنی پڑی جسے
اس نے سنگھ کا نام دیا اور بان پرستھ آشرموں کے قواعد اور ضوابط کو
لیکر انکو اپنے سنگھ کے لئے رائج کیا۔ اپوستھ (ایک سبھا میں اکٹھے بیٹھنا)
کی رسم اور برسات میں آرام کرنے کا دستور پرانے سادھوؤں کا قاعدہ
تھا۔ بودھوں کے سنگھ کے مطالعہ کے لئے ہمارے پاس مصالحہ
موجود ہے۔ اس سے ہمکو پرانی حالت کا نقشہ بھی پتہ لگ سکتا ہے پرانے
آشرموں اور مہاتما بدھ کے آشرموں میں بڑا اصولی فرق یہ ہے کہ پرانے
طریقہ کے مطابق انسان کی ترقی سوسائٹی کو آگے لیجانے کی غرض
سے تھی۔ لیکن مہاتما بدھ کے آشرموں میں ویکتی کی اُنتی کے لئے
خاص طرز کی سوسائٹی کو پیدا کیا گیا۔ اس لئے جبکہ بان پرستھ آشرم
میں جانے کے لئے عمر کی خاص حد مقرر تھی۔ مہاتما بدھ کے سنگھ
میں کوئی پُرش واستری کسی عمر میں داخل ہو سکتا تھا۔ اِس ناکمل
دُنیا کے انسانوں کے لئے ایسی ایک سوسائٹی قائم کرنا جس میں سب

ممبر تیاگ کر کے نروان حاصل کرنے کے ایک ہی اویش میں لگ جائیں
دنیا میں ایک بے مثال تجربہ ہے جو کہ مہاتما بدھ نے اس ملک میں کیا
اور یہی ایک ملک تھا جو کہ ایک نہایت قدیمی روحانی اور اخلاقی تربیت کی وجہ
سے ہزاروں اور لاکھوں ایسے مرد اور عورتیں پیدا کر سکا جنہوں نے
دنیا کی تمام نفسانی خواہشوں کو دبا کر اپنی زندگیوں کو اس بڑے تجربے
کے ارپن کر دیا۔

بعد کی تاریخ ہمیں بتلاتی ہے کہ مہاتما بدھ کا یہ تجربہ کامیاب نہیں
ہوا۔ وجہ اس کی صاف تھی۔ ایک تو انسانی فطرت کی تمام کمزوریاں اس
کی کامیابی کے راستہ میں حائل ہوئیں لیکن اس سے بھی بڑھ کر وجہ یہ تھی کہ دنیا
اس عالیشان تجربہ کیلئے نہ اسوقت تیار تھی اور نہ اب بھی تیار معلوم ہوتی
ہے۔ مہاتما بدھ نے ہندوستان کے لوگوں کو تلوار پرے رکھکر مالا ہاتھ
میں لے لینے کا اپدیش دیا۔ ہندوستان نے تلوار میان میں ڈالدی لیکن
دنیا میں وحشی اقوام تھیں جو تلوار ہاتھ میں لئے ہوئے ہندوستان پر
چڑھ آئیں اور انکو اپنے وحشیانہ مظالم دکھا کر خبردار کیا کہ ابھی تک اس دنیا
میں جسمانی طاقت کا ہی راج ہے اور تم لوگ جسمانی طاقت کو اسوقت تک
حقارت سے نہیں دیکھ سکتے جبتک کہ باقی کی دنیا بھی تمہارے جیسی نہیں ہو جاتی
دوسرے الفاظ میں کسی خاص ملک کے لوگ اپنے آپکو دیوتا نہیں بنا
سکتے جبتک کہ باقی کے سارے انسان بھی دیوتا نہیں بنجاتے۔

سنگھ انسان مجموعی حالت میں ترقی کر سکتا ہے جیسے کہ ایک قوم قومی
راہ پر چلنے سے ہی ترقی کر سکتی ہے۔ اس سوسائٹی یعنی سنگھ کی تصویر
ہمارے لئے سبق سکھلانے والی ہوگی اور اگرچہ اسکا رواج مگدھ دیش

ہر ایک آدمی بلا لحاظ سنگھ کا ممبر بن سکتا تھا۔ شودر بھی۔ اس میں شامل ہو سکتے تھے جن کو پہلے کبھی اس قسم کا استحقاق نہ ملا تھا۔ شروع شروع میں جو کوئی چاہتا تھا بدھ کے پاس آتا تھا وہ اسے اتنا ہی کہکر داخل کر لیتا تھا" آؤ بھکشو اچھی طرح شکشا حاصل کرو اور دُکھ کا سروناش کرنے کے لئے پوتر جیون بسر کرو" جب سنگھ بڑھتا گیا دوسرے بھکشوؤں کو بھی اختیار دیا گیا کہ وہ اوروں کو اپنے اندر شامل کر لیں۔ شکل صورت میں بھی تھوڑی تبدیلی کرنا ضروری قرار دیا گیا۔ جو داخل ہونا چاہتا تھا اس کے بال اور داڑھی کاٹی جاتی تھی۔ وہ پیلے وستر پہن لیتا تھا اور کے وستر سے ایک کندھا ڈھانپ لیتا تھا۔ سب بھکشوؤں کے پاؤں چھوتا تھا زمین پر بیٹھ جاتا تھا اور تین بار یہ منتر پڑھتا تھا" میں بدھ کی شرن میں آتا ہوں۔ میں دھرم کی شرن میں آتا ہوں۔ میں سنگھ کی شرن میں آتا ہوں" مندرجہ ذیل اشخاص شامل نہ ہو سکتے تھے۔

۱۔ جو ان پانچ بیماریوں میں سے کوئی بیماری رکھتا ہو۔ کوڑھ۔ خشک کوڑھ۔ پھوڑے۔ تپ دق اور مرگی ۲۔ جو سرکاری نوکر ہو۔ ۳ جو جیل سے بھاگا ہوا ہو ۴۔ قرضدار ہو۔ ۵۔ داس ہو۔ ۶۔ پندرہ سال سے کم عمر کا ہو۔ ۷۔ ہیجڑہ ہو۔ ۸۔ جس کا کوئی اعضا بگڑا ہوا یا کٹا ہوا ہو۔ جوں جوں وقت گذرتا گیا طریقے میں تبدیلی ہو گئی داخلہ کے لئے پہلے قواعد اور خاص تعلیم کی ضرورت محسوس ہونے لگی۔ اس لئے امیدوار پہلے دس بھکشوؤں کے سنگھ کے پاس جاتا تھا وہ اس کی سفارش کرتے اور سنگھ میں لے آتے۔ سب کے چرن چھوکر وہ بیٹھ جاتا اور ہاتھ جوڑ کر پرارتھنا کرتا" میں پرارتھنا کرتا ہوں کہ کرپا کر کے مجھے دکھ جیون سے نکالا جائے"

پھر اس سے بیماریوں کے متعلق اور دوسری شرائط کے بارے میں سوال کیے جاتے تھے جنکا جواب وہ ہاں یا نہ میں دیتا تھا اس کے بعد ایک بھکشو کھڑا ہو کر کہتا تھا۔ کہ یہ نیا آدمی سب عیبوں سے بری ہے اور شرائط پوری کرتا ہے اگر کسیکو کوئی اعتراض ہو تو بیان کرے۔ یہ الفاظ دو بارہ سہ بارہ کہے جاتے تھے۔ سب کے خاموش رہنے پر اس شخص کو "اپ سمپدا" بنایا جاتا تھا۔ جو شخص پہلے تھیا فرقہ سے تعلق رکھتا تھا۔ اسے چار ماہ انتظار کرنا پڑتا تھا۔

اس میں اس کے ہر چیز کی جانچ کی جاتی تھی اور اسے بڑے تپ کا جیون رکھنا ہوتا تھا۔ یعنی کسی پرانی کو مارنے۔ چوری۔ اپترتا۔ جھوٹ۔ نشہ بے موقعہ کھانے۔ گانے ناچنے۔ اونچے بستر سے۔ پھولوں اور خوشبو سے۔ سونا چاندی لینے سے پرہیز کرنا ہوتا تھا۔ اگر وہ دہرم کے خلاف بولتا ہوا۔ یا کسی بھکشونی سے برا تعلق رکھتا ہوا یا اسلئے سدھانت رکھتا ہوا پایا جائے اسے سنگھ سے نکال دیا جاتا تھا۔

بھکشو کو چار آسرے بتائے جاتے تھے ۱۔ دہرم کی زندگی میں بھیک کے ٹکڑے کھانے کے لئے ہیں ۲۔ دھرم کی زندگی میں چیتھڑوں کے کپڑے ملتے تھے۔ ۳۔ دہرم کی زندگی میں درخت کا تنا رہنے کے لئے ملتا تھا۔ ۴۔ دھرم کی زندگی میں دوائی کی جگہہ پیشاب ملتا تھا۔ ان سے بہتر اگر اسے ملجائے تو وہ اسے اپنی خوش قسمتی سمجھے۔ اس کے لئے چار بری ہدایتیں یہ تھیں۔ ۱۔ اپ سمپدا حاصل کئے ہوئے بھکشو کو کسی قسم کا بھوگ نہ کرنا چاہیئے۔ اسے کسی چیز کو حتی کہ گھاس کے پتے تک کو ہاتھ نہ لگانا چاہیئے ۲۔ اسے

کسی جاندار کو یہاں تک کہ ایک چونٹی کو بھی مارنا نہ چاہیئے۔ ۴۔ اپنے آپ کو کوئی غیر معمولی درجہ نہ دینا چاہیئے۔ ان باتوں کو اچھی طرح سیکھنے کے لئے یہ ضروری تھا کہ ہر ایک نیا بھکشو دس سال تک اپنے آچاریہ کے پاس رہے دونوں کا باہمی رشتہ باپ اور بیٹے کا ہوگا۔ ششش کے فرائض یہ ہونگے :۔ سویرے اٹھ کر گورو کو داتن اور پانی دینا۔ بھیک کے وقت اس کے ساتھ جانا۔ پانی پلانا۔ نہانے کے لئے پانی رکھنا۔ اسکا جوغا گھمانا۔ اس کی جگہ صاف کرنا وغیرہ۔ اور کچھ ضرورت ہو تو اسے پورا کرنا۔ اگر گورو غصہ میں آکر کوئی برا کام کرنے لگے تو ششش کو چاہیئے کہ اسے روکدے۔ اگر گورو کو کوئی سخت سزا ملے تو ششش کو چاہیئے کہ وہ سزا وہ اپنے اوپر لینے کو تیار ہو۔ یا دوسری طرح سے کوشش کرے کہ سنگھ اس سے وہ سزا واپس لیوے۔

گورو کے فرائض

ششش کی جسمانی اور آتمک بہتری کا خیال رکھے سکشا دیکر پرشن پوچھ کر اور اسے اپدیش دیکر اگر اسکو پیالہ یا کرتہ یا کسی اور چیز کی ضرورت ہو تو آچاریہ کو مہیا کرنا چاہیئے اگر ششش بیمار ہو تو گورو کو سویرے اٹھکر اسے داتن وغیرہ دینا چاہیئے۔ گورو ششش کو نکال سکتا تھا اور اگر گورو سنگھ کو چھوڑ دے تو ششش کسی اور آچاریہ کے پاس جا سکتا تھا۔

دس سال گذر جانے پر وہ سنگھ کا پورا ممبر بنجاتا تھا۔ اسکا ہر ذرا ذرا سی بات تک قواعد سے بندھا تھا جنکو توڑنے سے اسکو سزا ملتی تھی۔ یہاں تک کہ یہ ہدایت کی جاتی تھی کہ بھکشو کو کونسا کرتہ پہننا چاہیئے۔ کون سا کمبل استعمال کرنا چاہیئے۔ کس چارپائی پر بیٹھنا چاہیئے۔ کونسا پیالہ لینا چاہیئے

اور کس طرح سے اشنان کرنا چاہیئے۔ ان تفصیلوں پر کتنا زور دیا جاتا تھا اس امر سے واضح ہوتا ہے کہ وہ کیا سوال تھے جن کی وجہ سے پہلی بار دھرم میں دو ٹکڑے ہو گئے۔ وہ سوال یہ تھے کہ آیا بھکشو کو سینگ میں نمک جمع رکھنا چاہیئے یا نہیں؟ کیا دوپہر کا کھانا اسیوقت کھانا چاہیئے جبکہ سورج کا سایہ دو انگلی بھر ہو؟ کیا کھانے کے بعد آدمی دہی کھا سکتا تھا یا نہیں؟ سایہ کیا کمبل کا ماپ جھالر کے ساتھ مقرر ہونا چاہیئے یا اس کے بغیر؟ غرضیکہ بھکشو کے جیون کا کوئی کام بھی بغیر اجازت اور قاعدے کے نہ ہوتا تھا۔ جس شخص نے ویدک کرم کانڈ کو اڑا دیا تعجب کا مقام ہے کہ ایک سو سال بعد اس کے پیروؤں میں ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں پر جھگڑے شروع ہو گئے۔

جبتک مہاتما بدھ زندہ تھا سارا قانون اسی سے نکلتا تھا۔ بدھ کے سوائے اور کوئی مرکزی طاقت نہ تھی۔ راج گریہ کونسل میں بدھ نے آنند سے کہا "جب میں چلا جاؤں تو سنگھ اگر چاہے تو چھوٹے چھوٹے قانون بنا سکتا ہے" لیکن چھوٹے چھوٹے لفظ کے معنوں پر بحث شروع ہو گئی۔ آخر مہا کشیپ کی تجویز پر یہ فیصلہ ہوا کہ قانون وہی رہے جو مہاتما بدھ کے جیتے ہوئے تھا۔ اس میں کچھ گھٹایا بڑھایا نہ جائے۔ مہاتما بدھ کی زندگی میں ہی ایک آشرم سے سنگھ نے ایک بھکشو کو نکالدیا۔ کچھ ممبر اس کے مددگار تھے۔ جب مہاتما بدھ کو یہ خبر ملی تو وہ چلا اٹھا کہ سنگھ ٹکڑے ہو گیا ہے۔ اس نے اس فساد کو مٹانے کی کوشش کی۔ لیکن اُسے مایوس ہو کر واپس ہونا پڑا۔ ایک مرکزی طاقت کا نہ ہونا جو انتظام قائم رکھ سکے سنگھ کی کمزوری کا بیج تھا۔ بدھ کی مرن پر جو کچھ طاقت تھی وہ بھی جاتی رہی بعد ازاں اگر سنگھ ٹکڑے ہونے

سے بچا رہا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ راجا لوگ بدھ دھرم میں داخل ہو جانے سے ان کے لیڈر اپنے جانے گئے

یہ سنگھ جگہ جگہ قائم ہو گئے۔ سب کے سب ڈیموکریٹک (جمہوری) اصول پر چلتے تھے۔ ہر ایک بھکشو رائے کا حق رکھتا تھا۔ اگر ایک بھی غیر حاضر ہو تو وہ سبھا ناجائز ہو جاتی تھی۔ مختلف کاموں کے لئے کورم کی تعداد جدا جدا تھی۔ کسی میں چار کی کسی میں بیس کی۔ پہلے ایک بھکشو تجویز پیش کرتا تھا۔ اسے نئی کہتے تھے۔ باقاعدہ رائے لی جاتی تھی۔ کثرت رائے سے یہ تجویز پاس ہوتی تھی۔ اگر معاملہ بہت سنجیدہ ہو تو ایک اور بڑے سنگھ کے پاس بھیجا جاتا تھا۔ پیچیدہ معاملوں پر چھوٹی کمیٹیاں مقرر کی جاتی تھیں جن کے ممبر مشہور بھکشو چُنے جایا کرتے تھے۔ اگر رائیں دھرم ورودھ ہوں تو رائے لینے والا انہیں ناجائز قرار دے سکتا تھا۔

ہر ایک مٹھ میں مختلف فرائض کے لئے مختلف افسر مقرر ہوتے تھے خوراک تقسیم کرنے والا۔ کام بانٹنے والا۔ سامان رکھنے والا۔ کپڑے رکھنے والا۔ کپڑے تقسیم کرنے والا۔ برساتی چوغے اور نہانے کے چوغے رکھنے والا۔ پیالے رکھنے والا۔ مالیوں کا نگہبان۔ یہ سب بھکشوؤں میں سے چُنے جاتے تھے۔ سنگھ کو ممبر پر بڑا اختیار تھا۔ قصوروں کے لئے تنبیہ کرنا۔ پرائشچت کرانا۔ معطل کرنا۔ خارج کر دینا سزائیں دی جاتی تھیں بھکشو کوئی ایسی چیز نہ رکھ سکتا تھا جو اسے نہ دی گئی ہو۔ صرف ایک ہی پیالہ رکھ سکتا تھا اور اس کے پانچ جگہ سے ٹوٹ جانے پر دوسرا لے سکتا تھا بغیر کسی وجہ کے آگ جلانا بھکشو کے لئے پاپ تھا۔ ریشم لگانا پاپ تھا دو یا تین پیالے سے زیادہ مٹھائی لینا پاپ تھا۔ بھکشو کی موت پر اس کی

سب چیز سنگھ کو جاتی تھی۔ بدھ نے حکم دیا کہ پانچ چیزیں ہمیشہ سنگھ کی رہینگی اونکا کوئی ایک شخص مالک نہ ہوگا۔ باغ کی زمین وہار کی زمین بستر اکرسی یا تکیہ۔ چاندی کا برتن یا آسترا یا کلہاڑا۔ گھاس یا لکڑی کی چیز۔ مٹی کی چیز ہر ماہ کے نصف میں آٹھویں دن یا چودھویں پندرھویں دن لوکل سبھا اکٹھی ہوتی تھی۔ آخری دن الپسٹھ کیا جاتا تھا جس میں پتی تکمہ پڑھا جاتا تھا۔ اور لوگوں سے پوچھا جاتا تھا کہ انہوں نے کوئی ایسا پاپ تو نہیں کیا۔ اُلپسٹھ کے لئے علاقہ مقرر کیا جاتا تھا جس کی حد دریا وغیرہ ہوتی تھی۔ ایک خاص جگہہ مقرر کی جاتی تھی جہاں سب لوگ اکٹھے ہوتے تھے۔ پتی تکمہ پڑھنے والا چنا جاتا تھا۔ اگر سنگھ میں نہ ہو تو دوسرے سنگھ میں جانا ہوتا تھا۔ اس میں ہر ایک بھکشو کی موجودگی ضروری تھی۔ کوئی بھی غیر حاضر نہ رہ سکتا تھا۔ بادشاہ اور ڈاکوؤں سے بھی بھکشو کو مانگ کر لایا جاتا تھا۔ تاکہ اس پرارتھنا میں شامل ہو سکے۔ کیونکہ اگر کوئی بھی غیر حاضر ہو تو وہ رسم بند کر دینی پڑتی تھی۔ برسات کے تین ماہ ایک مقام پر رہنا ہوتا تھا۔ بھیک مانگ کر جو پہلے آجاتا تھا وہ کھانے کی جگہہ پانی وغیرہ تیار کرتا تھا۔ جو آخیر میں آتا تھا وہ رہا سہا کھا لیتا تھا یا اسے باہر پھینک آتا تھا۔ پاؤں دھونے کے لئے پانی اور تولیا رکھتا تھا۔ بھکشونیوں کے لئے علیحدہ سنگھ اور علیحدہ مٹھ تھے انکے لئے بھی اسی قسم کے قواعد تیار کئے گئے تھے۔

بودھ پنڈت چین میں

ہماری تاریخ میں ان سپوتوں کے نام کا ذکر نہیں ملتا جنہوں نے اپنے گیان کی روشنی پھیلانے کے لئے ہزاروں میل سفر طے کر کے اور چینی جیسی مشکل زبان سیکھکر

چین میں دھرم پرچار کیا - اگر کچھ ان کے حالات کے متعلق یہاں موجود تھا
تو وہ سب اسلامی حملوں کے طوفان میں تباہ ہو گیا۔ ہماری خوش قسمتی
ہے کہ ان مہان آتماؤں کے جیون چرتر چینی زبان میں لکھے ہوئے چین کے
شاہی ریکارڈ میں پائے جاتے ہیں ان کے کام اور جیون کو ملک کی
تاریخ میں درج کرنا ایک بڑی کمی کو پورا کرنا ہوگا۔ چین میں روایت ہے
کہ مسیح سے کچھ برس بعد ہان خاندان کے بادشاہ منگ ٹی کو حکومت
کے چوتھے سال میں ایک خواب آیا۔ اس نے ایک فرشتہ صورت آدمی
دیکھا جسکا جسم سونے کا تھا۔ جسکا قد ۱۶ انچ تھا۔ اس کے سر کے گرد
سورج کی طرح روشنی تھی یہ ہستی دوڑتی ہوئی اس کے محل میں داخل ہو
گئی۔ بادشاہ نے سب سے بڑے جیوتشی فو ئی سے اس کی تعبیر پوچھی
جس نے بتایا کہ ہندوستان میں ایک شخص پیدا ہوا ہے جسے پورا گیان
حاصل ہوا ہے اور جسے فو یعنی بدھ کہتے ہیں یہ سنکر بادشاہ نے اپنے
بڑے جنگی افسر سائی ان اور ملکی افسر وانگ سنگ اور ٹی سن کنگ
کو ۱۸ اور آدمیوں کے ساتھ دیکر روانہ کیا تاکہ وہ وسط ایشیا کے راستے ہندوستان
میں جائیں اور محنت کے ساتھ بدھ دہرم کو سیکھ کر واپس آئیں

ان اور اس کے ساتھی گیارہ سال کے بعد ہندوستان سے
واپس آئے۔ بدھ کی تصویر اور اس کی سب کتابیں اپنے ساتھ لے آئے۔ انکے
ساتھ دو پنڈت ماتنگ اور فالان بھی گئے۔ بادشاہ نے ماتنگ سے سوال
کیا "بدھ نے ہمارے ملک میں جسمانی صورت کیوں نہ اختیار کی"؟ اسکا
پروہت نے جواب دیا۔ کاپی لو کا ملک بڑی تہذیب کا مرکز ہے۔ تین جگ
کے سب بدھ اور دیوتا لوگ وہاں ہی پیدا ہوئے ہیں اور وہاں ہی پیدا ہوتا

چاہتے ہیں تاکہ دھرم پر چلکر اس کے اثر سے انہیں پورا گیان حاصل ہو اور ان کی مکتی ہو۔ ان کے گیان کی روشنی سب اطراف میں پھیلتی ہے۔ بادشاہ کی تسلی ہو گئی۔ اس نے فوراً شہر کے مغربی دروازے کے باہر ایک مندر بنوایا جسکا نام سفید گھوڑے کا مندر رکھا۔ جس میں بدھ کی تصویر رکھی گئی۔ ایک اور تصویر شہر کے پھاٹک پر رکھی گئی تاکہ لوگ درشن کریں اور پوجا کریں کشیپ ماتنگ پنڈت اصل میں مگدھ کا ایک سرامن تھا۔ جب چینی قاصد آئے تو وہ گندھار میں رہا کرتا تھا۔ قاصدوں نے اسے ساتھ جانے کے لئے کہا۔ اس نے راستہ کے خطروں کی کوئی پرواہ نہ کی اور تیار ہو گیا راستہ بڑا لمبا اور مشکل تھا۔ چینی ترکستان اور صحرائے گوبی میں سے ہو کر بڑی اونچی اور جنگل گذارنے ہوتے تھے۔ کئی مقامات پر انہیں ایک ایک دو دو ماہ ٹھیرنا پڑا۔ دوسرے پنڈت فالان کا اصلی نام دھرم رکھش معلوم ہوتا ہے جسکو بادشاہ نے اپنے بنائے مٹھ میں رکھا۔ بادشاہ کے پرانے پروہت جو کہ تاؤ دکن فیوشی اس کے پیرو تھے اس کے برخلاف ہو گئے۔ بہت عرصے تک جدوجہد جاری رہی۔ بادشاہ نے دونوں کے درمیان مباحثہ کرایا۔ اور بدھ دھرم کی سچائی پر یقین کر کے اسکا چیلا بن گیا۔ ماتنگ نے چینی زبان اچھی طرح سیکھ لی۔ چینی لوگ اس کے گرد دھرم کی شکھشا کے لئے جمع رہتے تھے مگر وہ زیادہ موَن دھارن کئے رہتا تھا۔ ہندوستان سے ختن تک جو کہ چینی ترکستان میں واقع ہے سنسکرت بولی اور سمجھی جاتی تھی۔ ختن سے آگے کوئی آدمی سنسکرت نہ جانتا تھا۔ اس لئے راستے میں ہی اسکو چینی زبان کی ایک ڈائیلکٹ سیکھنی پڑی تھی۔ چین میں پہونچنے پر لوگوں نے اتنا تنگ کیا کہ اس نے

اپنے ساتھی کی مدد سے بدھ دھرم کی سکھشا پر ایک دھرم پستک لکھی۔ یہ کتاب ۲۴ ادھیاؤں میں ہے اور بدھ دھرم پر یہ ایک بڑی اچھی پستک سمجھی جاتی ہے تبت اور منگولیا کی زبانوں میں بھی پائی جاتی ہے اس طرح ماتنگ پہلا پنڈت تھا جس نے دو پرانی قوموں میں باہمی تعلق پیدا کیا اور بدھ دھرم کی مشعل کو قائم رکھا اسکا ساتھی دھرم رکھش بھی ایک شرامن تھا۔ وہ ونیا دھرم شاستروں اور سوتروں کو اچھی پرکار جانتا اور ایک بڑا گورو سمجھا جاتا تھا۔ اسکا اپنا راجا اسکو چین کو نہ جانے دیتا تھا لیکن وہ چھپ کر چوری نکل گیا اور ماتنگ کے ساتھ چین جا پہنچا۔ ماتنگ نے اس کی لیاقت کا پورا فائدہ اٹھایا اور اس سے سنسکرت کتابوں کو چینی زبان میں ترجمہ کرنیکا کام لیا۔ ان میں سے ایک بدھ چرت سوتر تھی۔ جسکا چینی لوگوں پر بڑا بھاری اثر ہوا۔ اس نے ماتنگ کے مرجانے کے بعد بھی کتابیں لکھنے کا کام جاری رکھا جن کی وجہ سے چینی زبان میں بدھ دھرم کا ساہتیہ۔ فلاسفی اور کہانیاں تمام پھیل گئیں۔ جب بدھ دھرم کا درخت چین میں لگ گیا تو بہتیرے ہندوستانی بھکشو دھرم پھیلانے کے لیئے چین میں جانے شروع ہوئے۔ چین کے بادشاہوں کو بھی ان کی مدد کی بڑی ضرورت تھی۔ پہلے گروہ میں آریہ کال۔ ستھادیر۔ چلو۔ کاکشا۔ صرافی لا۔ سودینا۔ اور دوسرے میں دھرم کال اور اس کے ساتھی مہابل اور دھرم پھل وغیرہ تھے۔ دوسری صدی کے آخیر میں ایک بھکشو جو خاسو آیا۔ اور لویانگ کے وہار میں رہکر سنسکرت سے دو سوتر چینی زبان میں ترجمہ کئے۔ مہابل بھی مٹھ میں رہا تھا۔ دھرم کال اور دھرم پھل کا ذکر ایک چینی کتاب میں پایا جاتا ہے۔

ان کے بعد کئی تبتی بھکشو چین میں پرچار کے لیئے آئے جو کہ ہندوستانی

میں جا بسے تھے۔ ان میں سے ایک تبت کے وزیر اعظم کا بیٹا تھا جو کہ ہندوستان میں بہت دیر تک رہا اور وہاں سے نان کن پہنچا۔ چین کا بادشاہ سن کھن اس پر بڑی مہربانی کرتا تھا اور اسے ایک علیحدہ مٹھ بنوا دیا۔ اس نے چودہ کتابیں چینی زبان میں ترجمہ کیں۔ اس زمانے میں کمار جیو اور اس کے ساتھیوں کی محنت سے چین کے بودھ ساہتیہ کو بڑی ترقی ہوئی۔ کمار جیو کی شخصیت اور علمیت سب سے اعلیٰ تھی اور اس نے سو کے قریب خود کتابیں لکھیں اور ایک چینی بھکشوؤں کا گروہ تیار کیا جنہوں نے چین میں بدھ دھرم کا پرچار کیا۔ اس کے بڑے بڑے ساتھی دھرم رکھش۔ گوتم سنگھ۔ بدھ بھدرا سنگھ بھگت۔ دھرم پریہ۔ پن ترا تا تھے۔ دھرم رکھش ۳۸۱ کے قریب چین میں آیا۔ تھوڑی دیر میں اس نے چینی زبان پر وہ کمال حاصل کیا کہ اس نے ۱۱۱ کے قریب کتابیں لکھیں۔ بدھ بھدر ۳۹۸ میں چین پہونچا یہ مشہور چینی سیاح فاہیان کا ہمعصر تھا۔ اور کمار جیو کا ہمنشین تھا۔ جب فاہیان ۴۱۶ میں ہندوستان سے واپس آیا تو کمار جیو مر چکا تھا۔ بدھ بھدر نے فاہیان کی مدد سے چینی زبان میں کئی کتابیں ترجمہ کیں اور ۲۱ سال چین میں کام کر کے ۷۱ سال کی عمر میں مرا۔

کمار جیو

بدھ بھدرا سے کچھ دیر پہلے سنگھ بھٹ کابل سے آیا چار سال کے اندر اس نے تین کتابیں ترجمہ کیں۔ لیکن ان سب میں سے بڑا جس نے ہندوستانی کلچر اور دماغ کو چینی زبان میں ترجمہ کیا۔ کمار جیو تھا جو کہ اس گریٹر انڈیا کی پیدائش تھا جو چوتھی صدی میں وسط ایشیا تک پھیل چکا تھا۔ اسکا باپ ہندوستانی تھا اور ختن کے نزدیک کوشاہ میں رہتا تھا۔ اسکا باپ موروثی وراثت کو چھوڑ

بھکشو بن چکا تھا۔ اور کوٹ شاہ کے بادشاہ نے اسے اپنا راج گورو بنا لیا۔ وہاں اس بادشاہ کی بہن اس پر فریفتہ ہو گئی اور اس سے شادی کر لی۔ اس شادی میں سے کمارجیو کا ایک بیٹا ۳۴۳ء میں پیدا ہوا سات برس کی عمر میں اس نے ایک مٹھ میں جانا شروع کیا اور سب سوتر یاد کر لئے۔ نو برس کی عمر میں وہ کشمیر آیا اور مشہور آچاریہ بندھ دت کے پاس تعلیم پائی تین سال کے بعد اس کی ماں اسے ساتھ لیکر واپس جا رہی تھی۔ راستہ میں ایک ارہت نے اسے بتایا کہ اس کا بیٹا بڑا آدمی ہو گا۔ کاشگر میں جا کر اسنے اور بھی دھرم کا مطالعہ کیا کاشگر کا بادشاہ اسے اپنے دربار میں رکھنا چاہتا تھا۔ کوٹ شاہ کا بادشاہ اُسے بلانے کے لئے قاصد پر قاصد بھیجنے لگا۔ آخر بیس برس کی عمر میں وہ بھکشو بن گیا۔ اس نے کشمیر سے گئے ہوئے ایک پنڈت وِمل اکس سے پاس ونیا کا مطالعہ کیا جس کے بعد وہ چین کو روانہ ہو گیا اور بارہ سال وہاں رہ کر سو سے زیادہ کتابیں ترجمہ کیں سنسکرت زبان پر اُسے پہلے ہی کمال حاصل تھا۔ چینی زبان میں اس نے ایسی لیاقت پیدا کی کہ اس کے ترجمے ہیون سانگ کے ترجموں سے اچھے سمجھے جاتے تھے اس کی مادری زبان نہ سنسکرت تھی نہ چینی۔ اس نے چینی ساہتیہ میں ایک انقلاب پیدا کر دیا اور لکھنے کے طریقے کو ایسا خوبصورت بنایا کہ ابھی تک اس کی کتابیں شوق سے پڑھی جاتی ہیں جاپانی سکولوں میں یہ سوال پوچھا جاتا ہے کہ کمارجیو اور ہیون سانگ میں سے کس کا طریقہ اچھا ہے؟ جواب یہی ہوتا ہے کہ کمارجیو کا اتری پتا کا کے موجودہ مجموعہ میں ۹۴ کتابیں اس کے نام پر ہیں جو کہ زیادہ وہیان

اور سمادھی کے متعلق ہیں اس کے ایک ہزار شش تھے جن میں کئی مشہور مصنف ہوئے۔ ان میں سے ایک فاہیان بڑا مشہور ہے۔ جب کمار جیوتر جمے کر رہا تھا۔ تو فاہیان پہاڑیوں اور گھاٹیوں میں سے گذر رہا تھا تاکہ ہندوستان سے مصالحہ اکٹھا کرے۔ سب جگہہ کی یاترا کر کے وہ سمندر کے راستے واپس آیا اور بدھ ریاستوں کا آکر حال لکھا کمار جیو کا گورو وِل آکش بھی چین میں جا پہنچا۔ اس نے دو کتابوں کا ترجمہ کیا اور ۴۱۳ میں ۷۷ سال کی عمر میں وہاں ہی مرا۔ کمار جیو کا ایک اور ساتھی پنجا ترانہ تھا۔ جو کہ اس کے اثر میں آکر کشمیر سے چین کو آیا تھا۔ اس کے علاوہ کشمیر سے کئی اور پنڈت چین میں پرچار کے لئے گئے جن میں سے بدھ یاساس۔ دھرم یاساس دھرمک سین۔ بدھ جیو اور دھرم مترہ بڑے مشہور ہیں۔ ان سب نے چینی زبان میں کئی کتابیں ترجمہ کیں دھرمک سین کو ۴۱۴ میں چین کے بادشاہ نے ترجموں کے لئے بلایا۔ سات سال وہ وہاں رہا جبکہ شمالی دیر خاندان کے بادشاہ نے اسے اپنے پاس بلا بھیجا پہلا بادشاہ اس کے چلے جانے سے اتنا ناراض ہوا کہ قاتل بھیجکر راستے میں ہی قتل کرا ڈالا۔

گن ورمن

سب سے بڑا پنڈت جو کہ کشمیر سے چین کو روانہ کیا گن ورمن تھا۔ جو کہ کشمیر کے شاہی خاندان میں پیدا ہوا۔ اسکا دادا سختی کی وجہ سے جنگل میں جلا وطن کیا گیا تھا اسکا باپ سنگھ نند جنگل میں ہی رہتا تھا۔ ایک دن اس کی ماں نے اسے ایک مُرغی مارنے کو کہا اس نے مذہبی وجہ دیکر انکار کر دیا۔ ماں غصے ہو گئی اور کہنے لگی اگر تم اسکو پاپ سمجھتے ہو تو میں تمہاری جگہہ اس کی سزا بھگت لونگی"

ایک اور دن گن ورمن کی انگلی جل گئی۔ وہ فوراً ماں کے پاس دوڑا ہوا آیا اور کہا " مائی تم اس دکھ کو اٹھالو " ماں نے جواب دیا " دکھ تمہارے جسم میں ہے میں اسے کیسے اٹھاؤں ؟ " گن ورمن نے یاد دلائی کہ میرے گناہوں کی سزا کیسے بھگت سکو گی۔ بیس برس کی عمر میں وہ سرامن بن گیا۔ سب بدھ پستکیں یاد کرلیں۔ اس کے ساتھی اس کو تری پٹاکا کا ماسٹر کہا کرتے تھے۔ جب اس کی عمر تیس برس کی تھی تو کشمیر کا بادشاہ لاولد مر گیا۔ وزیر اس کے پاس آئے تاکہ اسے بادشاہ بنا دیں اس نے انکار کر دیا اور کشمیر چھوڑ کر لنکا چلا گیا۔ وہاں پر دھرم پھیلانے کے بعد جاوا گیا۔ اس کے پہونچنے سے پہلے وہاں بادشاہ کی ماں کو خواب آیا تھا کہ ایک سادھو آرہا ہے۔ بادشاہ نے اس کا استقبال کیا اور اسکی تعلیم قبول کرلی اور حکم دیدیا کہ اس کی سلطنت میں سب لوگ اس کی عزت کریں۔ اسکا حکم مانیں۔ کوئی اہنسا نہ کرے۔ غریبوں کو خیرات دیجائے اسطرح اس بھکشو نے تمام ملک کو بدھ بنا لیا۔ اس کی شہرت تمام جگہہ پھیل گئی۔ چینی سرامن بادشاہ وین کے پاس گئے کہ گن ورمن کو دھرم سکھنا کے لئے یہاں بلایا جائے۔ اس پر کچھ سرامن اسے لانے کے لئے چین کو روانہ ہوئے۔ ان کے پہونچنے سے پہلے ہی وہ ایک ہندو جہاز نندی نامی پر ایک ٹاپو کو روانہ ہوچکا تھا ہوا موافق ہونے پر وہ کان ٹن میں اترا جب بادشاہ کو خبر ملی تو اس نے صوبہ کو حکم روانہ کیا تاکہ وہ پنڈت کو صدر مقام میں بھیجدے۔ چی انگ میں ایک سال تک رہا وہاں کے بڑے پروہت نے اس کے لئے بڑی عزت کا اظہار کیا۔ ۱۳۱ھ میں وہ نان کن گیا۔ بادشاہ خود اسے لینے کے لئے آیا اور ملنے پر یہ کہا۔ " میں مہاتما

بدھ کی تعلیم پر چلنا چاہتا ہوں۔ کسی کو دُکھ نہیں دیتا۔ لیکن کبھی کبھی میں اس پر چل نہیں سکتا۔ مجھے ان معاملات میں شکھشا دو" اس کے لئے رہنے کا خاص مقام مقرر کیا گیا۔ جہاں پر اس نے دہرم شکھشا شروع کر دی سب بڑے آدمی اس سے ملنے آتے تھے۔ ایک اور بھکشو الیشو نے ایک کتاب کا ترجمہ کرنا شروع کیا تھا مگر مشکل ہونے کی وجہ سے اسے بند کرنا پڑا تھا۔ گن ورمن نے اس ترجمے کو پورا کیا۔ لیکن گن ورمن کا سب سے بڑا کام چین میں بھکشونیوں کے لئے سنگھ قائم کرنا تھا۔ چین میں پانسو سال تک بدھ دہرم نے عورتوں پر کچھ اثر نہ کیا تھا۔ ینگ نو کے مندر کی بھکشونیاں گن ورمن کے پاس آئیں اور کہا" چھ سال ہوئے لنکا کی آٹھ بھکشونیاں یہاں آئی تھیں۔ ان سے پہلے یہاں کوئی بھکشونی نہ تھی تم ہمارے لئے بھی قواعد بناؤ"۔ گن ورمن نے اُن کے لئے قواعد بنائے مگر بھکشونیوں کی تعداد کافی نہ تھی اور عمر کم تھی۔ اس نے کہا تم دوسرے ملک کی بھکشونیاں اپنے ساتھ شامل کر لو۔ اس کے بعد انکو باقاعدہ بھکشونیاں بنایا گیا۔ اُسے لوگوں کی روحانی ضروریات کے لئے اتنا کچھ کرنا ہوتا تھا کہ صرف دس کتابیں ترجمہ کیں اور ٦٧ سال کی عمر میں مر گیا۔

پانچویں صدی کے آخیر میں چار اور پنڈت گن بھدر۔ جاؤ فاکیو دہرم جات یا ساس۔ کیونہ تی لی چین کو آئے اور کتابوں کے ترجمے کئے چھٹی صدی میں بھی بھکشو برابر آتے رہے۔ پہلے حصہ میں سات پنڈتوں کے نام لئے ہیں جن میں سے بودہی روسی شمالی ہند سے تھا۔ اس نے ٢٧ سال میں ٣٠ کتابوں کے ترجمے کئے۔ ایک بھکشو گتوتم

پرجا رشی بنارس شہر سے آیا تھا۔ اس نے تین سال کے اندر ۸ اکتابیں ترجمہ کیں۔ ایک اور آپ سونیہ اودیان کے راجہ کا بیٹا تھا۔

جن گپت

چھٹی صدی میں نریندر یاساس جن گپت اور اس کے دو آچاریہ جن یاساس اور گیان بھدر ہوئے جنکی لیاقت اور شخصیت کا چین پر بڑا اثر پڑا۔ چین کے بادشاہ اسوقت بدھ دہرم کے پیرو نہ رہے تھے اس لئے انکو بہت دُکھ سہنے پڑے وہ چین کی سلطنت سے بھاگ گئے اور بدھ دہرم بحال ہونے پر واپس آکر اپنا کام جاری رکھا۔ جن گپت گندھار کی ریاست میں پرس پور (پشاور) کا رہنے والا تھا۔ اس کے باپ کا نام وجہ سہ تھا۔ اپنے آپکو کھشتری کہتا تھا وہ اپنے باپ کا سب سے چھوٹا لڑکا تھا اور بچپن سے ہی بڑا اپا رسا تھا سات برس کی عمر میں وہ گھر بار چھوڑ کر بھکشو بننا چاہتا تھا ماں باپ نے اس کی مخالفت نہ کی اور اسے اپنی مرضی کے مطابق کام کرنے کی اجازت دیدی۔ وہ بھکشو بن گیا۔ جن یاساس اسکا اپا دھیائے تھا۔ اور گیان بھدر آچاریہ۔ انہوں نے اسے سب علوم میں تعلیم دی جس کی وجہ سے وہ پیچھے اتنا وردان بن گیا۔ جب وہ ۲۷ سال کا تھا اسنے اپنے آچاریوں کے ساتھ چین جانیکا خیال ظاہر کیا۔ دس آدمی اکٹھے چین کیطرف روانہ ہو گئے۔ ان کا راستہ بڑا لمبا اور مشکل تھا۔ راستہ میں کپی کا وہ ایک سال تک ٹھیرے رہے۔ برفانی علاقہ سے گذر کر ہپ تھے لالٹن کی ریاست میں پہونچے۔ ناقابل برداشت تکلیفیں اٹھا کر وہ چین پہنچے دس میں سے صرف چار زندہ بچے۔ جن گپت نے چینی بھاشا سیکھی بادشاہ نے اس کی بڑی عزت کی اور اس کے لئے ایک نیا مندر بنوا دیا۔ یہاں پر

انہوں نے ترجمے کرنے شروع کیے۔ جن گپت اتنا ہردلعزیز ہوگیا کہ اُسے
نئی ضلع کے تمام بھکشوؤں کا بڑا بنا دیا گیا۔ شاہی خاندان میں انقلاب
ہونے کی وجہ سے اُسے عرصہ تک جلاوطن رہنا پڑا۔ ۵۷۱ تا ۵۸۱ کے
عرصہ میں بہت سے چینی یاتری جو کہ ترکوں کے ملک میں تعلیم لے رہے تھے
۔ان کو واپس آئے اور سنسکرت کی بہت سی کتابیں لائے۔ ان سب
کتابوں کے ترجمے کا بوجھ جن گپت پر آپڑا۔ جن گپت اپنی جلاوطنی کے
وقت ترکوں کے ملک میں رہا تھا۔ اب ترجمے کے لئے وہاں سے بلایا
گیا۔ ترجمہ کرنے کے لئے ایک بورڈ مقرر کیا گیا۔ جس کا ہیڈ اُسے مقرر کیا گیا
جن گپت اور ایک ہندوستانی بھکشو دھرم گپت دو اور چینی سرامنوں کی
مدد سے ترجمہ کرتے تھے۔ دس اور شرامن مقرر کئے گئے کہ ترجمہ اصل
کے ساتھ درست ہو جن گپت نے ۳۰ کے قریب کتابیں ترجمہ کیں اور ۷۸
سال کی عمر میں ۶۰۰ء میں مرا۔ چھٹی صدی میں تین اور بھکشو چین میں آئے
ایک گوتم دھرم گیان بنارس کا رہنے والا تھا۔ اسے چین میں گورنر بنایا گیا
تھا۔ دوسرا دِنا رشی اور تیسرا دھرم گپت تھا۔ ساتویں صدی میں ہندوستان
سے پنڈتوں کے آنے میں کمی ہوگئی۔ اس زمانے میں ان پر نہ چین میں کوئی
سختی تھی اور نہ ہندوستان میں ناموافق حالات تھے یہاں پر ہرش وردھن
حکومت کرتا تھا۔ اس کے مقابلے میں تین بڑے چینی یاتری ہیون سانگ
ہیون ات سی اور ات سنگ ہندوستان میں آئے۔ پربھاکر متر ۶۲۷
میں چین میں پہونچا۔ ۶۹ سال کی عمر کا ہوکر وہاں پر مرا۔ اس کے جانے
کے دو سال بعد ہیون سانگ کو روانہ ہوا وہ تیرتھوں کی یاترا اور سنسکرت
زبان سیکھنے آیا تھا۔ نالندہ کی یونیورسٹی میں اسنے سنسکرت پڑھی

وہ اتنا لائق ہوا کہ واپس جانے پر اس نے ۷۵ کتابیں ترجمہ کیں۔ اس کے بعد ہیون ات سی ہندوستان میں آیا ۶۵۲ میں ایک بھکشو اٹی گت سار ہندوستان اور لنکا کا سفر کرکے چین کو گیا اس نے ہیں یان اور مہایان کی ۱۵ سو کتابیں اکٹھی کی تھیں۔ ایک اور پنڈت رتن سنگت کشمیر کی ریاست سے ۶۹۳ میں چین کو گیا سو سال کی عمر میں ۷۶۱ میں وہاں پر مرا۔ ۶۷۱ میں ات سنگ کچھ چینی بھکشوؤں کو ساتھ لیکر ہندوستان آیا اور یہاں سے سنسکرت پڑھ کر واپس جاکر اس نے ۵۹ کتابیں ترجمہ کیں۔ ہیون سانگ اور ات سنگ کی کتابوں نے چینی ساہتہ کو بڑھا دیا۔ ساتویں صدی میں ایک پنڈت دھرم رشی چین پہنچا بیس سال میں اس نے ۵۳ کتابیں ترجمہ کیں۔ کہا جاتا ہے کہ جب وہ ۷۲۷ میں وہاں پر مرا تو اس کی عمر ۱۵۶ سال کی تھی۔ نالندہ یونیورسٹی نے ایک پنڈت سوبھاکر کو چین میں بھیجا جس نے چار کتابیں ترجمہ کیں اور مرتے ہوئے جس کی عمر ۹۹ برس کی تھی

اموگھ وجر آٹھویں صدی کے شروع میں اموگھ وجر ایک بڑا بھکشو چین میں پہونچا جسے چھوڑ کر اس صدی میں بھی بہت کم بھکشو چین کو گئے۔ اموگھ وجر شمالی ہند کا ایک براہمن تھا اپنے گورو وجر بودھی کے ساتھ وہ ۷۱۹ میں چین پہنچا۔ وجر بودھی ۷۳۲ میں مر گیا اور مرتے ہوئے اس نے کہا کہ ہندوستان میں جاکر وہ اور پستکیں اکٹھی کرے۔ اموگھ وجر ۷۴۱ میں ہندوستان آیا اور پانچ سال ہندوستان اور لنکا پھرتا رہا اور بہت کتابیں اکٹھی کرکے واپس گیا۔ بادشاہ اس سے اتنا خوش ہوا کہ اسے پرجنا موکش

کا خطاب دیا اس وقت ہندوستان میں تنتروں کا زمانہ تھا اور اس کے بہت سے ترجمے تنتر گرنتھوں کے ہیں۔ وہ واپس ملک میں آنے کا بڑا خواہشمند تھا لیکن اسے واپس جانے کی اجازت نہ ملی اور وہ مرتے دم تک کتابوں کے ترجمے میں لگا رہا۔ تنتر بیماریوں کو دور کرنے اور دوسرے نامعلوم مطلبوں کے پورا کرنے کے لئے استعمال کئے جاتے تھے۔

اس کے بعد وجر کمار نے اس کام کو جاری رکھا۔ ڈیڑھ سو سال تک ہمیں یہ لہر بالکل بند نظر آتی ہے اور اس کے بعد دسویں صدی کے آخر میں بھکشوؤں کا ایک گروہ چین کو گیا۔ جن میں ایک دہرم دیو نائندہ یونیورسٹی کی طرف سے بھیجا گیا تھا اور بھکشو مشرقی اور مغربی ہندوستان میں دو راجوں کے بیٹے تھے۔ ۹۸۰ میں ایک بھکشو کشمیر سے آیا اور تین مگدھ سے۔

جب ہندوستانی بھکشوؤں کا باب ختم ہو رہا تھا ٹھیک اسی وقت ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمانی لہر ایک ملک کے بعد دوسرے کو اپنے قبضہ میں لا رہی تھی۔ اسی وقت پنجاب پر حملے شروع ہو گئے تھے۔ جب سرحد کے ممالک اور شمالی ہند فتح ہو گئے۔ تب ان پنڈتوں کی مہر بالکل بند ہو گئی فاتحوں کے ظلم نے بدھوں کے پرچارکی سپرٹ کو کچل ڈالا۔ اسقدر جوش استقلال۔ صبر اور محنت جو قریباً ایک ہزار سال تک ہندوستان کے ان پرچارکوں نے ظاہر کی۔ دنیا میں بہت کم دیکھی گئی ہے۔ مسلمانی حملوں نے جوش کے چشمہ کو ایسا بند کیا کہ ہمیں افسوس سے یہ دیکھنا پڑتا ہے کہ جب قابلہ خاں نے ہندوستان سے پنڈت منگوائے

تاکہ ساری ندی ٹیکہ کو منگولی زبان میں ترجمہ کر دیں اسلئے ہندوستان سے ایک بھکشو بھی نہ مل سکا

ہیون سانگ جب وہ چین سے چلا تو اس کی عمر ۲۹ برس کی تھی۔ مہایان کا بڑا فاضل اور فصیح پرچارک گنا جاتا تھا۔ دہرم کی کتابیں اکٹھی کرنے اور یوگ سیکھنے کی غرض سے ہندوستان آنے کا ارادہ کیا۔ جھیل استک کل۔ تاشقند۔ سمرقند ہوتا ہوا۔ گندھار پہونچا۔ ۱۴ سال ہندوستان میں گھومتا رہا۔ سفر میں کیسے بہت تکلیفیں ہوئیں۔ ایک دفعہ اسے ڈاکوؤں نے گرفتار کیا مگر جب وہ دھیان میں بیٹھا تھا تو ایک زور کی اندھی آئی اور وہ ڈاکو ڈر کر اس کے قدموں پر آگرے۔ اس نے دیکھا کہ ملک ۸۰ ریاستوں میں بٹا ہوا تھا جن میں چھوٹی ریاستیں بڑے راجاؤں کے ماتحت تھیں۔

۱۔ شمالی ہند میں کابل۔ جلال آباد۔ پشاور۔ غزنی اور بنوں سب مہاراجہ کپیسا کے باجگذار تھے۔ جسکا دار الخلافہ چری کار تھا

۲۔ پنجاب ٹیکسلا۔ شملا۔ سنگھاپور (کٹاس)۔ اُرسا۔ پونچھ۔ راجوری کشمیر کے ماتحت تھے

۳۔ تمام میدانی علاقہ ملتان اور سورکوٹ راجہ سنگلا کے ماتحت تھا جو لاہور کے نزدیک تھا۔

۴۔ مغربی ہند میں راجگان سندھ۔ ولبھی وغیرہ حکومت کرتے تھے

۵۔ وسط ہند میں تھانیسر سے گنگا کے دہانے تک۔ ہمالہ سے نربدا تک بمعہ ریاست جالندھر راجہ ہرش وردھن والئے قنوج کے ماتحت تھے

۶۔ جنوب مہاراشٹر۔ کوشل۔ کلنگ۔ اندھرا۔ گوکن۔ چوریا۔ دراوڑ یا

اور ہل کوٹ وغیرہ کی نو ریاستیں تھیں۔ ہیون سانگ نے کشمیر میں دو سال گزارے۔
کشمیر۔ پنجاب کے ساتھ آریوں کا پرانا وطن کشمیر بھی ابتدا سے چلا آتا ہے
کشمیر کی تاریخ ۳۰۰۵ قبل مسیح تک جاتی ہے جب راجہ رامدیو نے کشمیر
میں سب سے پرانا مندر مارتنڈ تعمیر کرایا۔ اس کے ساتھ اس نے ایک شہر
بابل آباد کیا۔ اور آبپاشی کے لئے نہر بنوائی۔ رامدیو نے ۳۰۰۵ سے
۲۹۳۶ قبل مسیح تک راج کیا۔ ۲۶۲۹ قبل مسیح میں راجہ سندی مان نے
شنکر آچاریہ کے مشہور مندر کو تعمیر کرایا۔ یہ راجہ ۲۵۶۴ قبل مسیح تک راج
کرتا رہا۔ اس مندر کو راجہ گوپ آدتیہ نے مرمت کرایا جس نے ۴۲۶ سے ۳۶۵
قبل مسیح تک حکومت کی۔ راجہ سندر سین کے وقت ۲۰۴۱ قبل مسیح میں
ایک بھاری بھونچال آیا جس سے سندی مت نگر شہر کے درمیان کی زمین
پھٹ گئی اور اتنا پانی نکلا کہ شہر ڈوب گیا۔ بارہ مولا کے نزدیک ایک
پہاڑ بھی گر کر جہلم دریا کو بند کر دیا۔ پانی اتنا چڑھا کہ ایک جھیل بن گئی
موجودہ سرینگر کو راجہ پرورسین نے آباد کیا جس نے ۷۹ء سے ۱۳۹ء
تک حکومت کی۔ اس سے پہلے سرینگر پوران ادھشٹان کے نام سے
۳۳ میل کے فاصلہ پر واقعہ تھا جو راجہ ابھی مینو ۹۵۱ء سے ۹۶۲ء تک
کے وقت سب آگ سے جل گیا۔ ہرش کے زمانے میں ورجہ وردھن نے
کرکوٹا خاندان قائم کیا۔ مہاراجہ للت ادتیہ ۶۹۹ء سے ۷۳۶ء تک
۳۶ برس تک حکمران رہا اس نے شنکر آچاریہ مندر کی مرمت کرائی اور اس نے اوریا
راجا جا واسے قنوج کو شکست دی۔ اس کے بیٹے دیہ ادتیہ نے بہت شہرت
حاصل کی ۸۵۰ء میں ادنتی ورما کشمیر کے تخت پر بیٹھا۔ اس کے وزیر سویا
نے آبپاشی سکیم جاری کی۔ ۸۸۳ میں شنکر ورما نے جو بہت لالچی تھا

مندروں کو لوٹا۔ ابتدا میں کشمیر کی سب آبادی برہمنوں کی تھی۔ جب ہندوستان میں بدھ دھرم پھیلا تو کشمیر میں بھی اس کا غلبہ ہو گیا۔ جب ہندوستان میں اسکا زوال ہوا تو یہ کشمیر سے بھی جاتا رہا۔ ۶۳۰ء کے قریب پھر ہندو دھرم جاری ہو گیا۔ بدھ دھرم کے غلبہ کے وقت اس کے پھیلانے میں کشمیر کسی سے پیچھے نہیں رہا۔ چین میں اسکے پرچارکوں کا حصہ کسی سے کم نہ تھا۔ محمود نے کشمیر پر حملہ کیا مگر اسکا بہت کم اثر ہوا۔ [ذوالقدر خاں نے ۱۳۲۱ء میں ساٹھ ہزار سپاہیوں کے ساتھ حملہ کر کے اسلام پھیلانے کی کوشش کی] اگلے سال راجہ سہدیو کے وقت میں رین چان شاہ کشمیر پر قابض ہو گیا۔ اسے اپنے مذہب کا کچھ پتہ نہ تھا وہ ہندو بننا چاہتا تھا۔ لیکن کشمیر کے برہمنوں نے جنکا لیڈر دیو سوامی تھا اسے ہندو بنانے سے انکار کر دیا۔ ایک رات اس نے یہ فیصلہ کیا کہ سویرے اٹھنے پر جو کوئی اسے ملیگا وہ اسکا مذہب قبول کرے گا صبح بازار میں جاتے ہی اس کی نظر ایک مسلمان فقیر بلبل شاہ پر پڑی اسے اُسنے سلام کی تعلیم دینی شروع کی مسلمان بنکر اس نے ان برہمنوں کو جنہوں نے ہندو بنانے سے انکار کیا تھا زبردستی مسلمان بنا کر بدلہ لیا۔

ہیونسانگ کا ہندوستان | لوگ تعلیمیافتہ مہمان نواز، تنگ خیالی اور تعصب سے پاک تھے۔ مذہبی فرقے بے شمار ہو گئے تھے۔ کچھ بدھ تھے دوسرے وشنو۔ شیو وغیرہ تھے برہمنوں اور کھشتریوں کی بابت وہ کہتا ہے "یہ لوگ ہاتھوں کے صاف سادہ اور پاکیزہ زندگی رکھتے تھے" بعض راجا بھی بدھ تھے۔ بعض ہندو م جنوبی ہند میں جینیوں کا بہت زور تھا۔ گیا اور پاٹلی پتر برباد ہو چکے تھے۔ برہمن کھشتری۔ ویش اور شودر سب طرح کے راجا تھے انہیں کھشتری

پر ملتجا تا تھا۔ فاضلوں اور مہاتماؤں کا درجہ سوسائٹی میں راجاؤں اور مہاراجاؤں سے بڑا گنا جاتا تھا۔ اور یہ عام طور پر مانا جاتا تھا کہ کوئی وِدوان دھرم آتما اپنی وِدیا یا دھرم کو دولت کے معاوضے میں فروخت کرتا تھا۔

(شمالی ہند میں قریباً دو لاکھ بھکشو تھے۔ یہ سب اور بے شمار برہمن تعلیم کا کام کرتے تھے۔ بڑے بڑے مٹھ اور وہار تعلیم کے مرکز تھے۔ کئی یونیورسٹیاں تھیں۔ مگدھ کی نالندہ یونیورسٹی ہمارا یا ان کا اکسفورڈ تھی۔ بنارس برہمنوں کے علم و ہنر کا مرکز تھا) نالندہ میں ۱۸ فرقوں کی درسگاہیں تھیں (وید شاستر ایورویدہ۔ ریاضی کی تعلیم بھی بہت اعلیٰ تھی۔ دس ہزار پڑھنے والے اس یونیورسٹی میں تھے) ایک ہزار دس قسم کے سوتروں کے وِدوان تھے۔ پانسو تیس قسم کے سوتروں کے اور شاستروں کے اور صرف ۱۰ پچاس سوتروں کے ماہر تھے۔ اسکا مہان آچاریہ سیل بھدر دھرم کی ہر ایک شاخ سے پوری واقفیت رکھتا تھا (بچوں کی تعلیم کی بابت وہ کہتا ہے۔ حروف اور سدھی اُستو کے پڑھنے کے بعد سات برس کی عمر میں پانچ شاستروں کا مطالعہ شروع ہو جاتا تھا۔ پہلا ویاکرن۔ دوسرا شلپا۔ تیسرا ایورویدہ۔ چوتھا نیائے پانچواں درشن۔ سب تعلیم زبانی دیجاتی تھی۔ نالندہ یونیورسٹی نے ہیون سانگ کا راجوں کا سا استقبال کیا۔ اور اسے یونیورسٹی کا مہمان بنایا۔ یہ یونیورسٹی بدھ کے وقت سے رونق پاتی گئی۔ اس کی اسوقت بڑی وسیع اور آراستہ عمارتیں تھیں۔ بڑے بڑے ہال تھے جن میں سنہری کام کیا ہوا تھا۔ اس کی زمین میں بیشمار بڑے درخت تالاب نہریں اور فوارے موجود تھے اس کے اخراجات کے لئے سو گاؤں معاف تھے تمام طالبعلم

اور بھکشوؤں کو ضروریات زندگی مفت ملتی تھیں۔ غیر ممالک کے طالب علم
وہاں پڑھنے آیا کرتے تھے ہیون سانگ خود وہاں پر یوگ شاستر پڑھتا رہا
جاتک کہانیوں میں پایا جاتا ہے کہ کس طرح گاؤں کے لوگ اپنے
خرچ سے ایک جھونپڑی اور گذارا دیکر استاد مقرر کیا کرتے تھے بنارس
میں بدھی سنو ایک بڑا مشہور آچاریہ تھا جو کہ پانچسو برہمن ودیارتھی پڑھاتا
تھا۔ بنارس کے لوگ ان ودیارتھیوں کو مفت خوراک دیتے تھے۔
ایک اور مثال پائی جاتی ہے جس میں ایک مشہور اچاریہ پانسو برہمنوں کو
پڑھایا کرتا تھا۔ ایکدن اسے خیال آیا جبتک میں یہاں رہونگا میرے دھرم
میں رکاوٹیں آئیں گی اور میرے شاگرد پوری طرح تعلیم نہ پا سکیں گے
میں ہمالیہ کے دامن میں چلا جاؤں اور وہاں جاکر اپنا کام جاری کردوں
اس نے اپنے شاگردوں سے کہا اپنے لئے چاول۔ تیل کپڑے لے لو
جنگل میں اسنے اپنے لئے ایک کٹیا بنائی۔ اس کے ششیوں نے بھی
ہر ایک نے اپنے لئے پتوں کی کٹیائیں بنالیں۔ نزدیک کے لوگ
انہیں چاول وغیرہ بھیجنے لگے۔ جنگل میں رہنے والے ان کی
ہر طرح سیوا کرنے لگے۔ کوئی گائے اور کوئی دودھ لا دیتا تھا وغیرہ
(ہیون سانگ کہتا ہے سڑکیں عمدہ تھیں دھرم شالائیں
بھی بہت اچھی تھیں۔ یہاں مسافروں کو خوراک اور دوا مفت دیجاتی
تھی۔ گورنمنٹ رعایا کے معاملات میں بہت کم دخل دیتی تھی کوئی
بیگار نہ تھی۔ کاشتکار پیداوار کا چھٹا لگان ادا کرتے تھے سرکاری آمدنی
چار حصوں میں بانٹی جاتی تھی۔ ایک شاہی خرچ اور پوجا پاٹ کے
لئے دوسرے عالموں کو انعام اکرام دینے کیلئے جاتے تیسرے سے سرکاری

ملازموں کی تنخواہیں اور چوتھا حصہ مختلف فرقوں کے مذہبی دان کے لئے رکھا جاتا تھا۔

ملک کے مختلف قبیلوں اور ذاتوں میں سے براہمن سب پوتر اور معزز ہیں اُن کی شہرت اور نام سے ملک کا نام برہم دیش پڑ گیا ہے۔ گرمیوں میں گرمی بڑی سخت ہوتی ہے۔ شہروں کی دیواریں اینٹ کی بنی ہوتی ہیں۔ گھروں کی لکڑی یا بانس کی۔ ان کے ہال چونہ سے اور چھتیں ان جلی کھپریل سے ڈھنپا ہوتا ہے۔ فرش پر گوبر کا چوکا دیا جاتا ہے۔ اس پر موسم کے پھول بچھائے جاتے ہیں بیٹھنے کے لئے سب لوگ مونڈھے استعمال کرتے ہیں۔ راجہ کی جگہ بہت اونچی فراخ اور موتیوں سے جڑی ہوتی ہے جسے سنگھاسن کہتے ہیں۔ وہ خوبصورت کپڑے سے ڈھنپا ہوا۔ ایک زری چوکی ہوتی ہے۔ شہروں کی چاروں طرف فصیل بڑی فراخ اور اونچی ہوتی ہے راستے تنگ اور پیچدار ہوتے ہیں۔ بوچڑ ماہی گیر تماشہ کرنے والے جلاد اور بھنگی شہر کے باہر رہتے ہیں اور گھروں کو جاتے ہوئے بائیں پہلو پر دب کر چلتے ہیں لوگوں کا اندرونی اور بیرونی لباس بالکل سیا ہوا نہیں ہوتا۔ تازہ سفید رنگ کی بہت قدر ہے۔ دوسرے رنگوں کی پروا نہیں کی جاتی مرد کمر کے گرد کپڑا لپیٹے ہیں جو کہ بغلوں تک آتا ہے اور دائیاں کندھا ننگا رہنے دیتے ہیں۔ عورتیں ایک لمبا جھگلا پہنتی ہیں جو دونوں کندھوں کو ڈھانپ لیتا ہے اور کھلا نیچے تک آ جاتا ہے چوٹی کے بالوں کا ایک گچھہ بنا لیا جاتا ہے باقی کے بال نیچے گرتے رہتے ہیں۔ کئی لوگ اپنی مونچھوں کو کاٹ لیتے ہیں اور سر پر ہار گلے

میں مالا ڈالتے ہیں۔ جس سے کپڑے بنائے جاتے ہیں اسے کوشیا یا ریشم۔ کو شیما یا السی۔ لمبالہ یا خوبصورت اون کہتے ہیں۔ راجوں اور امرا کا لباس اور زیور غیر معمولی ہوتا ہے۔ ان کے جسم پر چھلے بازو بند اور بالائیں ہوتی ہیں۔ امیر لوگ صرف بازو بند پہنتے ہیں بہت سے لوگ ننگے پاؤں رہتے ہیں۔ جوتوں کا بہت کم استعمال ہوتا ہے۔ دانتوں کو سرخ یا سیاہ رنگ دیتے ہیں۔ بالوں کو کھوا کر کاٹتے ہیں۔ کانوں میں سوراخ کرتے ہیں۔ انکی آنکھیں بڑی اور کان لمبا ہوتا ہے۔ ہر ایک کے لئے کھانے سے پہلے نہانا ضروری ہے۔ ٹکڑے اور بچا ہوا دوبارہ کھانے کیلئے نہیں لایا جاتا۔ کھانے کے برتن سامنے نہیں لائے جاتے۔ مٹی کے برتن پھینکدے جاتے ہیں سونے چاندی تانبے یا لوہے کے برتن پالش کئے جاتے ہیں اپنے جسم کو خوشبودار چندن یا کیسر سے معطر کرتے ہیں۔ پیشاب کرنے کے بعد وہ ہاتھ دھوتے ہیں۔ صفائی وغیرہ کرنے سے پہلے وہ ایکدوسرے سے نہیں ملتے۔ ان کے لکھنے کا طریقہ دیوبرہم نے ایجاد کیا تھا۔ زبان میں ان کے اندر ابتدا سے بہت کم تبدیلی ہوئی ہے۔ مدھیہ بھارت کے لوگ خاصکر واضح اور درست ہوتے ہیں۔ ان کے کلمات بہت معقول اور دوسروں کیلئے نمونہ ہوتے ہیں ان کے کتبجات اور ریکارڈ کے جدا محافظ ہوتے ہیں۔ برہمن لوگ چار وید کا مطالعہ کرتے ہیں پہلا یوروید درازی عمر کے لئے۔ دوسرا یجروید بلیہ اور پوجا کے لئے۔ تیسرا المبید ان جو جیوتش اور جنگی ہنر سکھاتا ہے۔ چوتھا۔ منتر تنتر جو مختلف ہنر اور جادو ٹونا بتاتا ہے۔ موروثی قبیلوں کی چار شہرینال ہیں۔ برہمن۔ کھشتری ویش اور شودر۔ کھیتی کرنیوالوں کو شودرا اور تجارت کرنیوالوں کو ویش

نایا گیا ہے) بڑے اور چھوٹے ایکدوسرے سے علیحدہ علیحدہ رہتے ہیں
ہر ایک شرینی کے ممبر اپنی شرینی کے اندر شادی کرسکتے ہیں۔
ماں کی طرف سے اور باپ کی طرف سے آپس میں شادی نہیں کرتے
کوئی عورت دوبارہ شادی نہیں کرتی۔ خلط ملت ذاتیں بھی ہیں
اپنی جنس کی وجہ سے بے شمار ذاتیں بن گئی ہیں جو بیان نہیں کی
جاسکتیں۔

فوج۔ پیدل۔ رسالہ۔ رتھ۔ اور ہاتھی میں منقسم ہے جنگی ہاتھی
پر زرہ بکتر لگایا جاتا ہے اور اس کے دانت تیز شاموں سے مڑھے
جاتے ہیں اسپر کمانڈر انچیف سوار ہوتا ہے دونوں طرف اسے حفاظت
میں رکھنے کے لئے سپاہی ہوتے ہیں۔ رتھ جس میں افسر ہوتا ہے چار
گھوڑوں والا ہوتا ہے اس کے گرد پیادہ فوج حفاظت کرتی ہے
پیادہ فوج بغیر زرہ بکتر کے لڑتی ہے اور بڑی بہادر ہوتی ہے۔ انکے
ہاتھ میں ڈھال اور لمبا بھالا ہوتا ہے۔ بعضوں کے پاس تلوار اور خنجر
ہوتا ہے وہ میدان کی پہلی قطار میں بڑے ہوتے ہیں اور جنگ
کے تمام اوزاروں میں کافی ماہر ہوتے ہیں۔ نسلوں تک انکا کام انکو سیکھنا چلا
آیا ہے۔ خاص بہادری رکھنے والے چنے ہوئے شخص قومی گارد میں ہوتے ہیں
چونکہ ان کا پیشہ موروثی ہے وہ جنگی ہنر میں ماہر ہوتے ہیں۔ امن کے وقت
وہ راجہ کے محلوں کی حفاظت کرتے ہیں اور جنگ کے وقت وہ مستقل وہیں گارڈ
بنتے ہیں۔

ان کے مزاج میں جلد بازی اور تبدیلی پائی جاتی ہے۔ لیکن انکا
اخلاق بہتر ہے۔ کوئی شے بری طرح سے نہیں لیتے اور نہ سب حد

سے زیادہ دب جاتے ہیں۔ ان کا خیال ہے پاپ کی سزا دوسری زندگیوں
میں ضرور ملتی ہے۔ خواہ اس زندگی میں برا اثر نہ بھی ہو۔ وہ کبھی دھوکہ
نہیں دیتے اور اپنے اقرار پر پورے رہتے ہیں۔ چونکہ گورنمنٹ اعلیٰ اور
لوگ اچھی حالت میں ہیں اس لئے مجرم بہت کم ہوتے ہیں۔ جب سٹیچیوٹ
قانون توڑ دیا جاتا ہے اور راجا کے خلاف سازش کی جاتی ہے
جرم معلوم ہونے پر مجرم کو عمر قید کر دیا جاتا ہے اور کوئی جسمانی
سزا نہیں دیجاتی۔ اخلاقی برائیوں کی سزا ناک۔ کان یا ہاتھ
کاٹ دینا یا مجرم کو جنگل میں جلا وطن کر دینا ہے۔ باقی قصوروں کے
لئے روپیہ دیکر سزا معاف کرائی جا سکتی ہے۔ جب کوئی بیمار ہو جاتا ہے
اسے ہفتہ بھر خوراک نہیں دیجاتی۔ اس عرصہ میں یا تو وہ راضی ہو
جاتا ہے ورنہ اسے دوا دیجاتی ہے۔ ان کی دوائیں اور علاج انکے
ڈاکٹر وکاہن اور پہچان مختلف طرح کی ہے۔ مرجانے پر رشتہ دار روتے
ہیں پیٹتے ہیں چھاتی کوٹتے ہیں۔ کپڑے پھاڑتے ہیں اور بال نوچتے
ہیں مردہ کو ضائع کرنے کے تین طریقے ہیں۔ جلانا۔ جل پرواہ اور جنگل
میں پھینک دینا تاکہ جانور کھالیں ماتم والے کنبہ میں کوئی کھانے نہیں جاتا
لیکن مرد کا فیصلہ کرنے بعد حسب معمول معاملہ جاتا ہے۔ جو لوگ
مردہ کے ساتھ جاتے ہیں وہ اشدھ سمجھے جاتے ہیں اور وہ سب شہر
کی دیوار کے باہر ہی نہا کر اور کپڑے دھو کر شہر میں داخل ہوتے
ہیں۔ وہ جو کہ بہت بوڑھے ہوتے ہیں اور لاعلاج مرض میں مبتلا ہو جاتے
ہیں یا محسوس کرتے ہیں کہ ان کے خاتمہ کا وقت اب نزدیک آرہا
ہے اور زندگی کی پرواہ نہ کرکے اسے کھو دینا چاہتے ہیں انکو ایک

بڑی ضیافت دیجاتی ہے اور تب ایک کشتی میں ڈالکر دریا کے بیچ میں لیجاتے ہیں تاکہ وہ اپنے آپکو ڈوبا دیں۔

چونکہ گورمنٹ فیاض ہے اور سرکاری ضروریات تھوڑی ہوتی ہیں کیونکہ انکا کوئی رجسٹر نہیں رکھا جاتا اور شخصوں پر کوئی ٹیکس یا بیگار نہیں لگائی جاتی۔ راجا کی آمدنی میں سے ہی سرکاری خرچ کے لئے پلازموں کے لیے مذہبی خرچ کے لئے اور عالموں کی قدر کے لئے خرچ کیا جاتا ہے۔ ٹیکس بھی کم ہونے سے اور بیگار نہایت کم ہونے سے ہرایک آدمی اپنا موروثی کام کرتا ہے اور اپنی وراثت کا خیال رکھتا ہے راجا کے مزارع زمین کا چھٹا حصہ لگان دیتے ہیں۔ سوداگر لوگ ادہر اُدہر اجناس کو فروخت اور تبدیل کرتے ہیں۔ انہیں کشتیوں پر یا پڑاؤں پر تھوڑا سا محصول دینا پڑتا ہے۔ سرکاری وزیر اور افسروں کو مقررہ زمین ملی ہوتی ہے شہر کے لوگوں کو اُنکا خرچ ادا کرنا پڑتا ہے۔ تجارت میں سونا چاندی کے سکے چھوٹے۔ موتی اور اور کوڑی تبادلے کے ذریعے ہیں۔

آم۔ املی۔ مدھوک۔ بدارا۔ کپتھا۔ موچہ (کیلا) پالنسا۔ کشمیر سے لیکر سب جگہہ ناشپاتی۔ الوچہ۔ آڑو۔ اپری کاٹ اور انگور بوئے جاتے ہیں۔ انار اور نارنگی سب جگہہ پیدا ہوتے ہیں۔ لہسن پیاز بہت کم استعمال ہوتا ہے۔ جو کوئی انہیں کھاتا ہے وہ برادری سے خارج کردیا جاتا ہے۔ دودھ۔ گھی۔ چینی۔ چینی کی مٹھائی۔ بھونا ہوا اناج میٹھا تیل۔ عام خوراک ہے۔ کبھی کبھی مچھلی اور گوشت بطور اعلیٰ خوراک کے استعمال کئے جاتے ہیں۔ بیل۔ گدھے ہاتھی گھوڑے

سکتے۔ لومڑ۔ بھیڑیے۔ شیر۔ بندر وغیرہ کا گوشت منع ہے۔ انکو کھانے والا نیچ سمجھا جاتا ہے۔

شراب میں بھی ایسی ہی تمیز سمجھی جاتی ہے۔ کھشتری لوگ انگور اور گنے کے رس کا بنا ہوا شراب پیتے ہیں۔ ویش تیز لگائے ہوئے سپرٹ پیتے ہیں۔ بودھ اور برہمن انگور کا شربت پیتے ہیں متفرق جماعتیں کسی خاص کو نہیں پینتیں۔

کھانے کے لئے اور برتن ہیں اور کھلانے کے لئے اور برتن۔ عام برتن مٹی کے ہوتے ہیں۔ کچھ پیتل کے۔ کھانا انگلیوں سے کھایا جاتا ہے۔ چمچہ اور کانٹے کا استعمال نہیں کیا جاتا۔

اتسنگ

ہیون سانگ کی تحریر سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اس وقت میں ہندو لفظ کا رواج جاری ہو چکا تھا اس نے ایک موقعہ پر بڑے فخر کے ساتھ یہ لکھا ہے کہ اس دیش کے لوگونکو ہندو کیوں کہتے ہیں؟ وہ لکھتا ہے کہ ہندو لفظ چینی زبان میں انتو ہے اور اس کے معنی چاند کے ہیں۔ جیسے رات اندھیری ہو کھول ستارے آسمان پر چمکتے ہوں۔ لیکن کسی کو کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ اچانک چاند نمودار ہو جاتا ہے۔ سب کچھ دکھائی دینے لگتا ہے اسی طرح اس زمین پر بالکل اندھیرا تھا۔ ستارے چمکتے تھے لیکن کسی کو کچھ راستہ نہ معلوم دیتا تھا۔ یہ دیش چاند کی مانند ظاہر ہوا اور اس کی روشنی نے سب زمین کو روشن کر دیا۔ اس وجہ سے اس دیش کا نام ہندو کہا جاتا ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہندو لفظ آٹھویں صدی میں بھی اتنا عام نہیں ہوا کہ آریہ لوگ خوشی سے اسکا استعمال کرنا شروع کر دیتے

غیر اقوام قدیم زمانے سے اس ملک میں اور اس کے لوگوں کے لئے یہ نام استعمال کرتے چلے آئے ہیں۔ اس معاملہ کے متعلق ہمارے پاس مشہور چینی یاتری ات سنگھ کی شہادت موجود ہے جو کہ ہیون سانگ سے ۳۰ سال بعد ہندوستان میں آیا وہ بودھوں کے رواج کی بابت ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے :۔

"ہر ایک آدمی کے لئے اپنے فعلوں کی بابت اپنے آچاریہ کے سلسلے ذکر کرنا ایک رسم ہے جو کہ آریہ دیش میں سکھائی جاتی ہے آریہ کے معنی شریشٹھ کے ہیں اور دیش کے معنی جگہہ کے۔ یعنی شریشٹھ زمین ۔ جو لفظ کہ مغرب کے لئے استعمال کیا جاتا ہے اور اسے ایسا اسلئے لکھتے ہیں کہ شریشٹھ کیرکٹر کے آدمی لگاتار اس زمین میں پیدا ہوئے ہیں۔ لوگ اسکو یہ لفظ کہکر اس کی تعریف کرتے ہیں اسکو مدھیہ دیش بھی کہا جاتا ہے۔ یعنی مرکزی زمین ۔ کیونکہ یہ کئی ہزاروں ملکوں کا مرکز ہے سب لوگ اس نام سے بخوبی واقف ہیں۔ صرف شمالی قبیلے ہیو یعنی مغل اور ترک اس شریشٹھ زمین کو ہندو کہتے ہیں۔ لیکن یہ نام بالکل عام نہیں ہے۔ یہ صرف انکا ورنیکلر لفظ ہے اور کچھ وقعت نہیں رکھتا بھارت کے لوگ اکثر کرکے اس لفظ کو جانتے بھی نہیں ہیں۔ اس لئے اس دیش کے واسطے سب سے مناسب نام آریہ دیش ہے بعض کی رائے ہے کہ اندو کے معنی چاند کے ہیں اور انڈیا کے لئے چینی نام انتو اسی سے نکلا ہے اگرچہ اس کے یہ معنی صحیح ہونگے تاہم یہ عام مستعمل نام نہیں ہے۔ یعنی جانا کیلئے ہندوستانی نام چینی یہ ایک روزمرہ لفظ ہے جس کے کوئی معنی تاہم نہیں ہے اس کیساتھ ہی ہمیں یہ جان لینا چاہیئے کہ تمام ملک جسمیں ہندوستان کے پانچ حصے شامل ہیں مہا راشٹر یعنی برہمنوں کا

اسلام کا دور

نے بدھ مذہب کو مٹانے کا کام کیا۔ آٹھویں صدی میں جب ہیونسانگ آیا تو اُس نے دیکھا کہ ہر گاؤں اور ہر شہر میں برہمن اور بدھ لوگ لوگوں کو اپنی اپنی طرف کھینچنے میں مشغول تھے اور اُس نے افسوس کے ساتھ یہ نوٹ کیا کہ جگہ جگہ برہمن لوگوں پر غلبہ پا رہے تھے اور بدھ مذہب کمزور ہو رہا تھا۔ راجہ ہرش وردھن نے جو کہ بودھ راجہ تھا اور ہیونسانگ کے مطابق برہمنوں کے غلبے کو تسلیم کرتا تھا اُسنے بدھ کیساتھ شو اور وشنو کی سواری نکالنا بھی ضروری سمجھا تھا۔ برہمنوں کی فتح کے کئی سبب تھے۔ ایک یہ تھا کہ بدھ مذہب کی فلاسفی اور گیان میں جو کچھ اعلےٰ باتیں تھیں وہ پُرانی کتابوں سے لی گئی تھیں۔ اگرچہ یہ تعلیم غیر ممالک کے لوگوں کو اپیل کر سکتی تھی۔ برہمنوں کے لئے اِس میں کوئی نئی بات نہ تھی۔ دوسرا بدھ دھرم میں یہ بڑا نقص تھا کہ اس نے صرف مہاتما بدھ کو آگے رکھکر آریہ ورت کی گذشتہ عظمت سے اپنے آپ کو علیحدہ کر لیا۔ لوگوں کے دلوں میں پُرانے بزرگوں اور آریہ ورت کی محبت ابھی باقی تھی۔ برہمنوں نے مہاتما بدھ کے مقابلے پر لوگوں کے دلوں میں رام کرشن آدی دیروں کو ایشور کے درجہ تک پہنچا دیا۔ اِس سے بھی بڑھ کر مہاتما بدھ کو ایک اوتار مان کر بدھ مذہب کو اپنے اندر جذب کر لیا۔ بدھ مذہب ہندو دھرم کی ایک جزو بن گیا لیکن سب سے بڑی بات جس سے کہ برہمن لوگ بودھوں کو شکست دے سکے وہ یہ تھی کہ برہمنوں نے اُن کے برخلاف مساوات کے مقابلہ پر ذات پات کا بڑا ہتھیار تیار کر لیا۔ بدھ دھرم نے اپنے مساوات سے اور ذات پات کو اور اُن کے فرائض کو کچل کر قومیت کی سپرٹ کو ہی مار دیا۔ انسانوں میں اپنے آپ کو ایک دوسرے سے تمیز کرنے میں ایک قدرتی خواہش پائی جاتی ہے۔ ہندوؤں کی مری

ہوئی تو بدھ مت کے زمانے میں یہ خواہش زور سے کام کرنے لگی اور چار ورنوں کی جگہ پر بے شمار ذاتیں جاری ہوئیں۔ جوں جوں گن کی جگہ جنم لیتا گیا جنم کے ساتھ علاقے کا خیال بھی پیدا ہونے لگا۔ قنوجی۔ گوڑ۔ کونکنستھ۔ تیلنگ برہمنوں کی ذاتیں بن گئیں۔ جیسے پہلے رگ ویدی یجر ویدی وغیرہ بنچ ہیں برہمنوں کے اندر بے شمار جدا جدا ذاتیں بن جانے سے کھشتریوں۔ ویشیوں اور شودروں میں بھی اسی طرح کی تقسیم شروع ہوگئی۔ مختلف پیشوں سے اپنے اپنے گلڈ ہونے تھے ان نے تھوڑی دیر میں مختلف ذاتوں کے نام بن گئے۔ کرم راہ یعنی لوہار۔ کولال یعنی کمہار۔ کیہ رتا یعنی مچھلی پکڑنے والا۔ گنک یعنی جیوتشی۔ گوپالی یعنی گوالہ۔ تکشن یعنی ترکھان۔ ناپت یعنی نائی۔ ملاگ یعنی دھوبی۔ دہتری یعنی جولاہا وغیرہ۔ نسلی تمیز نے بھی ذاتوں کا اختلاف پیدا کرنے میں بڑی مدد کی۔ نشاد۔ ربنا۔ چنڈال وغیرہ نام ابھی وہ ہے ہیں ان کی ذاتیں اتنی پختہ بن گئیں کہ جہاں کہیں ایک ذات کے مرد اور دوسری ذات کی استری میں تعلق ہو گیا ان کی اولاد سے ایک نئی ذات کا آغاز ہو گیا۔ نئے ہندو دھرم نے یہ نئی شکل اختیار کر کے بدھ مذہب کو اپنے اندر بالکل ہضم کر لیا۔ ہندو دہرم کی فتح تو ہو گئی لیکن اس کی نئی بناوٹ نے جس کی بنا محض علیحدگی پر تھی سوسائٹی کو نہایت کمزور کر دیا اور کوئی ایسی طاقت نظر نہ آتی تھی جو کہ کسی عام موقعہ پر بھی ان کے اندر ایک آرگینزیشن یا سنگٹھن پیدا کر سکے۔ ورن آشرم کے مطابق برہمن وہی ہوتے تھے جو قوم کے اندر گیان کے چراغ کو جلتا رکھیں۔ کھشتریوں کا یہ کام تھا کہ وہ خطرے کے وقت میں ملک کی حفاظت کریں۔ اب نئی شکل میں ورنوں کے فرائض کا اور سماج کو ایک سمجھکر اس کی بہتری

اور بچاؤ کا کسی کو خیال بھی نہ آسکتا تھا۔ ذاتوں کے غرور کے نشّے میں لوگ صرف اپنی ذات کا فائدہ ہی دیکھ سکتے تھے۔ اس سے آگے ان کی نگاہ جا ہی نہ سکتی تھی۔ ہندوؤں کی بدقسمتی سے تھوڑی دیر کے بعد ایسا خطرہ اِن کے سامنے آیا جس سے بچنے کے لئے اِن کے سامنے ایک ہی علاج تھا کہ وہ اپنے سب تفرقات اور اختلاف کو دور کرکے ایک ہو جائیں لیکن اِن کو ایک کرنے والی طاقت کہاں سے آتی۔ کھشتری جنہیں ملک کے لئے لڑنا اور مرنا تھا صرف چند ذاتوں تک محدود ہو چکے تھے۔ ان کی تھوڑی سی تعداد لڑ کر کروڑوں انسانوں کی کس طرح حفاظت کر سکتی تھی۔ کھشتری لوگ جب بھی انہیں موقعہ پڑا اپنے دیش اور دھرم کے لئے لڑے اور اپنی جانیں قربان کیں۔ لیکن ملک کے عام لوگ نہ اپنی ہستی ایک سمجھتے تھے اور نہ اُس ہستی کو کسی خطرے میں محسوس کر سکتے تھے۔ غرضیکہ ساری ہندو قوم صدیوں کی ایک بڑی جدّوجہد کے بعد تھکی ماندی حالت میں تھی جبکہ اسے اسلام کے حملوں کا مقابلہ کرنا پڑا۔

البیرونی کا نقشہ اگلی صدی میں ہند پر مسلمانوں کے حملے شروع ہو گئے یہ حملے پہلے پہل خلیج فارس کے راستے سندھ پر ہوئے سندھ کے مشہور برہمن راجہ داہر نے ابوالقاسم کا خوب مقابلہ کیا کئی مقامات پر عورتیں بھی تلواریں لیکر اپنے دہرم اور عزت کی حفاظت کے لئے میدان میں آئیں لیکن سندھ فتح ہو گیا۔ سندھ کے فتح ہو جانیکی بڑی وجہ یہ ہوئی کہ وہاں کی آبادی میں آدھے لوگ بودھ تھے اور یہ لوگ برہمن راجا کے خلاف حملہ آوروں کی مدد پر تیار تھے۔ اس کے مقابلہ پر براہمن آباد کے راجہ کے ہاں ایک جرنیل الیفی نام تھا اس کے ساتھ چار پانچ سو عربی سپاہی تھے ان سب نے اپنے ملک کی فوج کے برخلاف لڑنے سے انکار کر دیا اور الیفی اور اس کے ساتھی راجا کی نوکری چھوڑ کر کشمیر کو چلے گئے۔ اگرچہ اسلام کی حکومت سندھ میں برائے نام ہی رہی اور مدّت تک پھر سندھ پر کبھی حملہ نہیں ہوا۔ قریبًا دو صدیاں اور ایسی ہی گذر گئیں جن میں ملک کے اندر

نہ کوئی قابل انسان پیدا ہؤا جو کہ ملک کو آنے والے خطرے کے لیئے طیار کرتا اور نہ کوئی ایسا قابل راجہ ہؤا جو کہ ہندوؤں کی بکھری ہوئی طاقتوں کو ایک جگہ اکٹھا کر کے مقابلے کے لئے مضبوط بناتا۔ ہم ان صدیوں پر افسوس کی نظر سے دیکھتے ہوئے اُس زمانے تک آجاتے ہیں جبکہ سبکتگین اور محمود نے پنجاب پر حملے شروع کر دیئے۔ اُس وقت کے پنجاب اور ملک کی حالت کا نقشہ ہم کو ایلبرونی کی کتاب سے نہایت درست طور پر پتہ لگتا ہے۔

ایلبرونی بخارا کے شاہی حکمران خاندان سے تھا۔ محمود غزنوی نے بخارا فتح کر کے اِسے بھی گرفتار کر لیا تھا اور اُس پر نگرانی رکھنے کے لئے ہمیشہ اُسے اپنے ساتھ رکھتا تھا اور حملوں کے وقت میں بھی اُسے اپنے ساتھ ہی پنجاب کو لایا۔ ایلبرونی اگرچہ مسلمان تھا لیکن اُس کا فلاسفی اور علم کا شوق مذہب سے بہت بڑھا ہؤا تھا۔ وہ اپنے زمانے کا سب علوم کو جاننے والا ایک بڑا عالم تھا۔ اُس نے پنجاب میں آ کر بڑی مشکلات کے بعد سنسکرت زبان کا مطالعہ کیا اور گیان آدمی شاستروں کو خود پڑھ کر ہندوؤں کی فلاسفی اور گیان کو سمجھنے کے قابل بنا۔ اُس نے عربی زبان میں ہندوستان کی سوشل اور پولیٹیکل حالت اور علوم کی ترقی پر ایک ضخیم کتاب لکھی۔ چونکہ اِس کا لکھنے والا بڑا سمجھدار اور غیر منعصب شخص تھا۔ اِس لیئے ایلبرونی کا بھارت اُس زمانے کے ہندوستان کی سچی تصویر ہے۔ پچھلی صدی میں اس کتاب کا ایک جرمن عالم نے جرمن اور انگریزی میں ترجمہ کیا۔ اِس کتاب کا مطالعہ بذات ہی ہمیں سے ایک عجیب کار ...ہو گا۔ ہماں ...۔ اُس کے چند مختصر سے نتائج درج کر سکتے ہیں

وہ گیارہویں صدی کے ٹھیک شروع میں پنجاب میں آیا۔ اُس وقت ہم ایک بات صاف طور پر پاتے ہیں کہ پنجاب اور ہندوستان میں کہیں بدھ دھرم کا کچھ اثر باقی نہ رہا تھا۔ البیرونی نے جس ہندوستان کا ذکر کیا ہے وہ ایک خالص ہندو قوم کا ملک معلوم ہوتا ہے۔ البیرونی ہندو فلاسفی کو دل سے محبت کرتا تھا۔ اُس کا خیال ہے کہ ہندوستان اور یونان کے فلاسفر ایک ہی قسم کے خیالوں کی تعلیم دیتے تھے۔ وہ بھگوت گیتا کی تعلیم میں جرمن فلاسفروں کی مانند وجد محسوس کرتا تھا۔ اُس نے دوبارہ واس کی اس بات کو دُہرایا ہے "پہلے پچیس تتوؤں کو اچھی طرح سے پہچان لو پھر چاہے کوئی مت اختیار کر لو، تمہارا انجام مکتی ہوگا"۔ ایک جگہ پر اُس نے یہاں تک لکھ دیا ہے کہ "ہندو عالم جو لکھتے تھے اُس میں خدا کا ہاتھ پایا جاتا ہے"۔ ایک مسلمان کے لیے ایسی بات لکھنا غیر معمولی قدرشناسی ہے۔ اُس وقت میں یعنی دسویں صدی کے درمیان تک کابل کے گرد نواح میں غزنی اور افغانستان کے دوسرے حصوں میں بھی ہندو آبادی تھی۔ مسلمانوں کی حکومت آجانے سے پہلے افغانستان میں بھی ہندو راجا راج کرتے تھے۔ جب وہ ہندوستان میں داخل ہوا تو ہندوستانی دودانوں کے ساتھ اچھا تعلق پیدا کرنا ناممکن ہو چکا تھا۔ ہندوستان کے لوگ ملیچھ کی چھوت سے ہی گھبرانے لگ پڑے تھے۔ پال خاندان جو کہ ہندوستان اور افغانستان پر حکومت کرتا تھا ختم ہو گیا اور اُن کا ملک محمود کے ہاتھوں میں مضبوطی سے آگیا۔ شمال مغرب کے باقی حکمران ایسے تنگدل اور اپنی خودغرضی میں ایسے اندھے تھے کہ وہ غزنی سے آنے والے خطرے کی ماہیت کو سمجھ ہی نہ سکے اور اُن میں اتنا بھی

تدبر نہیں تھا کہ وہ ایک مشترکہ خطرے کے وقت دشمن کو ہٹانے کے لئے اکٹھے ہو سکیں۔ آنند پال نے اکیلے اس کا مقابلہ کیا اور وہ ہار گیا۔ باقی کے بھی ایک ایک کرکے گرنے والے تھے۔ کشمیر ابھی تک آزاد تھا اور کوئی اجنبی اُس میں دخل نہ دے سکتا تھا۔ آنند پال وہاں بھاگ گیا۔ محمود نے اُسے فتح کرنے کی کوشش کی لیکن ناکامیاب رہا۔ البیرونی کے وقت سنگرام دیو (۱۰۰۵ سے ۱۰۳۰ تک) اور اُس کی جگہ آننت دیو (۱۰۳۰ سے ۱۰۶۰ تک) راجہ بنا۔ مرکزی اور جنوبی سندھ پر محمود نے کوئی حملہ نہیں کیا۔ وہاں پر چھوٹی چھوٹی مسلمان ریاستیں بن چکی تھیں۔ مغرب میں گجرارہ کی سلطنت تھی جس کا دارالخلافہ انہلواڑہ یا پٹن تھا۔ اس طرف محمود نے سومناتھ مندر پر بھی حملہ کیا۔ گجرارہ (گجرات) میں پہلے پہل کلوکیہ خاندان راج کرتا تھا۔ ۹۰۰ میں سولانکی خاندان راج کرنے لگا۔ اس کا بادشاہ کا مونڈھ محمود کے آنے پر بھاگ گیا۔ محمود نے اس خاندان کے شہزادے ادیوسارمان کو تخت پر بیٹھا دیا۔ ۱۰۳۷ میں رسی کا مونڈھ کا بیٹا درِبھ حکومت کرتا تھا۔

مالوہ میں پرمار خاندان راج کرتا تھا۔ البیرونی کے وقت یہاں کا راجہ بھوج دیو (۹۹۷ سے ۱۰۵۳) راج کرتا تھا۔ اس نے کابل کے پال خاندان کے راجوں کو اپنے ہاں پناہ دی۔ اُس کا دارالخلافہ دھار میں تھا جو کہ علموں کے لئے ایک بڑا بھاری مرکز تھا۔ قنوج اس وقت گوڑ یا بنگال کے پال بادشاہ کی حکومت میں تھا جنکا صدر مقام مُنگیر تھا۔ راجپال کے وقت محمود نے قنوج کو لوٹا۔ راجا مہی پال نے ۱۰۲۶ میں اپنی سلطنت بنانے کی کوشش کی۔ یہ دونو راجا بدھ مذہب کے ماننے والے تھے۔ البیرونی کے ہندوستان آنے سے پہلے اُس نے ہندوستانی جیوتش۔ حساب۔ فلاسفی اور یوگ وغیرہ مضامین

پر عربی زبان میں کتابیں اچھی طرح مطالعہ کی ہوئی تھیں وہ کہتا ہے۔
"بھارت کی دریا کے مرکز بنارس اور کشمیر تھے جہاں پر ملیچھوں کی تباہی کا ہاتھ نہیں پہنچا تھا"۔ ہندوستان کے علوم کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "ہندوستان نے بغداد پر دو راستوں سے اثر کیا۔ ایک حصہ ترجموں کا ایرانی زبان کے ذریعے سے ہوا اور دوسرا براہ راست۔ فارس سے کلیلہ دمنہ اور چرک پہلے فارسی میں ترجمہ کئے گئے تھے اور فارسی سے عربی میں۔ خلیفہ منصور (۷۵۴ء سے ۷۷۵ء تک) کے وقت میں سندھ خلیفہ کے نیچے تھا۔ سندھ سے کئی پنڈت بغداد کو بلائے گئے اور وہ سنسکرت کی کتابیں اپنے ساتھ لے گئے۔ برہم سدھانت، کھنڈ کھادیک کا ان پنڈتوں کی مدد سے یعقوب ابن تارک نے عربی میں ترجمہ کیا تھا۔ دوسری لہر خلیفہ (۷۸۶ء سے ۸۰۸ء تک) کے وقت میں آئی۔ اُس کے وزیر بارمک کا خاندان بلخ سے آیا تھا جہاں اُن کے بڑے بوڑھوں کے مندروں کے افسر تھے۔ بارمک سنسکرت میں پارمک سے ہے جس کے معنی وہار یعنی مندر کے افسر کے ہیں۔ اگرچہ بارمک (خاندان) مسلمان ہوگئے تھے لیکن وہ اسلام کی کچھ پرواہ نہ کرتے تھے انہوں نے علم طب اور دوائیاں بنانا سیکھنے کے لئے وید ونگائے۔ اور ان ہندو ویدوں کو اپنے بڑے بڑے ہسپتالوں میں چیف فزیشن مقرر کیا اور ان پنڈتوں سے طب، فلاسفی جیوتش وغیرہ تمام مضامین کی کتب کا عربی زبان میں ترجمہ کرائیں۔ ہندو ویدوں میں ایک شخص ابن دھن کا ذکر آتا ہے جو کہ بغداد کے بڑے ہسپتال کا بڑا ڈاکٹر تھا۔ دھن کا تعلق دھنونتری خاندان سے ہے۔ اس طرح وید یا براہمن کا نام وید ویاس لفظ سے کیا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ ایک نام

سدبرم سرت ورسن نام کا مخفف ہے۔ عربی کی ایک کتاب کا نام باجر ہے جو کہ غالباً سنسکرت کا مصنف وہیا گر تھا۔

البیرونی کا ہندوستان برہمن ہندوستان تھا نہ کہ بودھ۔ گیارھویں صدی کے پہلے نصف میں بدھ مذہب تمام وسط ایشیا۔ خراسان۔ افغانستان اور شمال مغربی ہند سے بالکل خارج ہو چکا تھا۔ اور یہ ایک عجیب بات ہے کہ البیرونی جیسا تحقیقات اور جستجو کا مادہ رکھنے والا شخص بدھ مذہب کی بابت کچھ بھی نہ جانتا تھا اور نہ اُسے اس مضمون کے متعلق کسی سے واقفیت ملی۔ بدھ مذہب کے متعلق اُس کی تمام واقفیت ایران شہری کی ایک کتاب سے تھی۔ بودھوں کی رسوم کی بابت وہ اتنا ہی کہتا ہے کہ بودھ لوگ اپنے مُردوں کو پانی میں پھینک دیتے تھے اور اُس نے پشاور میں اُن کا ایک مکان دیکھا جسے راجا کنشک نے بنوایا تھا۔

حروف پیبیوں / کا ذکر کرتے ہوئے وہ ایک ایسی بھکشو کی کا ذکر کرتا ہے جو کہ پورب میں اُدان پوریں بولی جاتی تھی۔ غالباً اُس کا اشارہ مگدھ کے اُدان پور کے مٹھ کی طرف ہے۔ جسے ۱۲۰۰ء میں مسلمانوں نے تباہ کر دیا۔ وہ کہتا ہے۔ مجھے کوئی بودھ نہیں ملا جس سے میں بودھ مذہب کے سدھانتوں کی بابت دریافت کرتا۔ برہمن لوگ بودھ مذہب کی بابت سب کچھ جانتے ہیں لیکن بتانا نہیں چاہتے۔" البیرونی کے وقت ہندوستان میں دشنو مت کا زور تھا وہ شیو کا یونہی ذکر کرتا ہے حالانکہ محمود سے پہلے کابلستان اور پنجاب پر حکومت کرنے والا خاندان شیو کا پجاری تھا۔ اُن کے سکوں پر شو کے بیل کی مورتی پائی جاتی ہے۔ ہندو مسلمانوں کا مقابلہ کرتے ہوئے وہ کہتا ہے کہ مسلمانوں کی ہر ایک بات ہندوؤں کی ہر ایک بات کے

ٹھیک برعکس ہے اگر کوئی رسم ظاہرہ طور پر ایک سی دکھائی دیتی ہو تو ضروری طور پر اُس کا مطلب ایک دوسرے کے خلاف ہی ہوتا ہے۔ ہندوؤں کی ذاتوں کی بابت وہ لکھتا ہے۔ "ہندو اپنی ذاتوں کو ورن کہتے ہیں۔ قدیم زمانے سے ہر ایک بڑے بادشاہ کی یہ کوشش رہی کہ اپنے لوگوں کو مختلف درجوں اور جماعتوں میں تقسیم کرے اور اُن کو ایک دوسرے کے ساتھ مل جانے سے روکے۔ پُرانے ایرانیوں کے درمیان چار بڑی ذاتیں تھیں پہلے سادھو، پروہت اور وکیل۔ دوسرے راجا اور کھشتری تیسرے جیوتشی وید اور سائنسدان۔ چوتھے کھیتی کرنے والے اور پیشہ ور۔ ہندوؤں میں شروع سے چار ورن چلے آتے ہیں۔ سب سے بڑے برہمن جو برہما کے مکھ سے پیدا ہوئے ہیں۔ دوسرے کھشتری جو بازوؤں سے۔ تیسرے ویش جو پیٹ سے چوتھے شودر جو پاؤں سے۔ یہ سب جماعتیں اگرچہ اختلاف رکھتی ہیں قصبوں میں ملے جلے اکٹھے رہتے ہیں۔ ان کے نیچے انتیج اور ہیں جو ادنےٰ سمجھے جاتے ہیں اُن کی آٹھ قسمیں ہیں جو کہ ایک دوسرے کے ساتھ شادی کرتے ہیں دھوبی۔ موچی۔ مداری۔ ڈھس اور ٹوکری بنانے والے۔ ماہی گیر شکاری جولاہے یہ سب لوگ چاروں ورنوں کے ساتھ نہیں رہتے۔ لیکن ہادی ڈوم۔ چنڈال کسی پیشہ میں شمار نہیں ہوتے۔ وہ ایک ورن سنکر جماعت ہے جو کہ صفائی کا کام کرتی ہے۔ اُن کا سوسائٹی میں کوئی درجہ نہیں"۔

زبانوں کے متعلق لکھتے ہوئے وہ کہتا ہے کہ "یونانی لوگ جانوروں کی کھالوں پر لکھا کرتے تھے۔ عرب کے لوگ بھی ہرن وغیرہ کی کھال پر اور مصری لوگ پیپرس درخت کی چھال کو لکھنے کے لئے استعمال کرتے تھے۔ جنوب کے ہندوستان تاڑی کے پتوں پر اور شمال کے

ہندو بھوج پتروں پر لکھا کرتے تھے۔ کہتے ہیں کہ ہندو پہلے کی سب ورن مالا بھول گئے اور ویاس نے ایشور کی کرپا سے اُن کے لئے یہ نئی ورن مالا بنائی۔ اِس وقت ہندوستان میں کئی قسم کے حروف (لپیاں) مروّج ہیں۔ سِدھ ماتر کا ہے جو کشمیر اور وارانسی (بنارس) میں استعمال ہوتی ہے۔ یہ دونو ستھان ہندوؤں کے علوم کی جگہ ہیں۔ مگدھ میں بھی یہی استعمال کی جاتی ہے۔ مالوہ میں ناگرا استعمال ہوتی ہیں۔ بھاٹیہ اور سندھ میں اودھ ناگری۔ مالوہ شو اور جنوبی سندھ میں مارواڑی۔ کرناٹک میں کرناٹی۔ اندھرہ میں اندھری۔ اروڑ میں اروڑی۔ پورب دیش میں گوڑی مت دیش میں لاری۔ اوُن پور میں بھکشوکی۔ جو کہ بودھوں کے حروف ہیں۔

اِسلام کی پیدائش و ترّقی

ہندوستان میں بُدھ مذہب کو زوال آگیا مغربی دنیا میں یونان اور روم کی سلطنتیں ختم ہوگئیں۔ ایران کی پُرانی سلطنت گرنے کو تھی۔ جبکہ عرب کے متبرک مقام مکّہ میں قریش کنبے سے حضرت محمدؐ پیدا ہوا۔ عرب میں اپنی پُرانی تہذیب کا زمانہ گذر چکا تھا۔ عربی میں پُرانا لیٹریچر بھی موجود تھا۔ لیکن اِس وقت عرب کی حالت بہت گری ہوئی تھی۔ اِس کے مختلف بدّو قبیلے ہمیشہ خانہ جنگی میں مشغول رہتے تھے۔ محمدؐ نے اپنے لوگوں کی اِس حالت کو دیکھا۔ اُس کے دل میں اُن کے لئے پیار تھا۔ اُس نے ایک ایسی تحریک جلانے کا ارادہ کیا جس میں اُن کی دشمنیوں کو مٹا کر ایک نئی مضبوط قوم پیدا کرے۔ عرب کے لوگ دیوتاؤں کی پوجا کیا کرتے تھے۔ کعبہ میں ایک سیاہ پتھر رکھا تھا۔ لوگ آتے تھے دور سے ہی کپڑے اُتار کر سات دفعہ اُس کے گرد پھرتے تھے۔ سات دفعہ اُسے بوسہ دیتے اور سات ہی دفعہ ساتھ کے پہاڑ کی پوجا کیا

کرتے تھے۔ اسکے بعد اونٹ یا بھیڑ کی قربانی کیا کرتے تھے۔ نہیں تو بال یا ناخن لٹکا کر وہاں پر گاڑ دیتے تھے
قریش کا کنبہ مکہ کا حکمران خاندان تھا۔ اس خاندان میں ہاشم فیاضی میں بڑا مشہور
ہوا۔ اس کے بیٹا عبدالمطلب کے تیرہ بیٹوں میں سے ایک عبداللہ تھا جس کے
گھر ۵۷۰ء میں محمدؐ پیدا ہوا۔ بچپن میں اُس کے ماں باپ اور دادا مر گئے۔
وہ اپنے چچا ابو طالب کے پاس رہا۔ بچپن میں اُسے عبادت اور روزہ
کا شوق تھا۔ مکے کے پاس اکیلا جنگل میں پھرا کرتا تھا۔ [redacted] آتے
تھے جبکہ [redacted] تھا۔ ایک موقعہ پر اُس نے جبرائیل کو
دیکھا جس نے بتایا کہ تم خدا کے پیغمبر ہو۔ پچیس سال کی عمر میں اُس نے ایک
دولتمند بیوہ خدیجہ کی نوکری کر لی تھی جس نے بعد میں اُن کے ساتھ شادی کر
لی۔ چالیس سال کی عمر میں اُس نے پیغمبری کا دعوےٰ کیا۔ اُس نے کہا خدا
نے اپنی ہستی کو قدرت کے تمام کاموں پر اپنا قانون انسان کے دل پر لکھ
دیا ہے۔ پہلے کا علم دینا اور دوسروں پر عمل کرانا پیغمبروں کا کام ہے۔ آدم،
نوح۔ ابراہیم۔ موسےٰ۔ عیسےٰ اور محمدؐ چھٹا پیغمبر ہے۔ جو کسی کو نہ مانے وہ کافر
ہے۔ خدا اور پیغمبر کے پیغام کو مریدوں نے کھجور کے پتوں اور بکرے کی کندھے
کی ہڈی پر لکھا۔ اور حضرت کی عورت کے حوالہ کر دیا۔ اُس کے مرنے
کے دو سال بعد ابو بکر نے شائع کیا۔ اُس نے اپنے پیروؤں کے لئے چار
بڑے فرائض قرار دیئے۔ حج۔ نماز۔ روزہ اور زکواۃ۔ ہاتھ۔ منہ اور جسم کا
وضو۔ عربوں کی ایک پرانی رسم تھی۔ پہلے اُس کی عورت اُس کی مرید بنی۔ اُس
کے غلام زید کو رہائی دے کر پیرو بنا لیا گیا۔ حضرت کا دوست ابو بکر تھا۔
جانشین بننے کی اُمید میں وہ بھی مرید بنا۔ اپنے چچا کے بیٹے علی سے اُن کی
بہت محبت تھی وہ بھی مرید ہو گیا۔ تین سال کے بعد حضرت نے ہاشم کے

قبیلے کے چالیس مہمانوں کو بُلا کر ضیافت دی اور کہا۔ "خدا نے مجھے کہا ہے
کہ تمہیں بلاؤں اور تم سے دریافت کروں کہ تم میں سے کون میرا مددگار بنیگا
میں ہی تمہیں اس دُنیا کی اور دوسری دُنیا کی بادشاہت دے سکتا ہوں"
علی جس کی عمر چودہ برس کی تھی کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا "میں تمہارا وزیر
بنونگا۔ اور جو تمہارے ساتھ دشمنی کریگا اُس کے دانت اُکھاڑ ڈالونگا۔
اور آنکھیں نکال دُونگا"۔ دس سال تک حضرت کو کعبہ میں کچھ کامیابی نہ
ہوئی۔ ابو طالب نے سمجھایا کہ ایسا مت کرو۔ جس پر محمدؐ نے جواب دیا۔ اگر
میرے دائیں ہاتھ پر سورج رکھدیں اور بائیں پر چاند تب بھی میں اپنے
ارادہ سے نہ ٹلوں گا"۔ آخر کار کعبہ کے لوگوں نے اُنہیں قتل کر دینے کا
ارادہ کیا۔ جس پر پیغمبر ابوبکر کو ساتھ لے کر ۱۹ اپریل ۶۲۲ء کو مدینہ کی طرف
بھاگ گئے۔ مدینہ کے لوگوں کی مکّہ سے مخالفت چلی آتی تھی۔ وہ حضرت
کے پیرو بن گئے اور اُن کی مدد پر طیار ہو گئے۔ یہاں پر حضرت نے ایک
قطعہ زمین لے کر مسجد بنائی اور بادشاہ اور امام کا خطاب اختیار کر کے
یہ فیصلہ کیا کہ چونکہ ترغیب سے کام نہیں نکلا اس لئے تلوار ہاتھ میں لینی
چاہئیے اور یہ مسئلہ نکالا۔ "تلوار بہشت اور دوزخ کی کنجی ہے۔ خدا کے
کام میں ایک قطرہ خون دینا یا ایک رات ہتھیار کے ساتھ گذارنا دو ماہ
کے روزہ۔ زکواۃ اور نماز سے بہتر ہے۔ جو میدان میں مرتا ہے اُس
کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ قیامت کے روز اُس کے زخم ہیرے
کی طرح چمکینگے اور مُشک کی خوشبو دینگے۔ کسی اعضا کے کٹ جانے پر
اُس کی جگہ فرشتوں کے پر لگ جائیں گے جو مذہبی جنگ میں مرتا ہے۔
سیدھا بہشت کو جاتا ہے جہاں حوریں اُس کا استقبال کرتی ہیں۔ وہ ہمیشہ

خوشی اور موج میں رہتا ہے۔ ہزاروں غلام مکانات اور باغات آراستہ ملتے ہیں۔ پنجاب کا مؤرخ سید لطیف لکھتا ہے کہ "ایسے فیاض وعدوں نے عرب کے جنگلی لوگوں میں جوش کی آگ پیدا کر دی۔ اُن کی نفسانی خواہشیں بھڑک اُٹھیں اور اُن میں جنگی روح پیدا ہو گئی"۔ اس مسئلہ نے سچ مچ عرب کے لوگوں میں جان ڈال دی۔ حضرت نے کعبہ کے سردار ابوسفیان سے تین بار لڑائی کی۔ آخر اُس کے بڑے سردار خلیبہ اور عمرو حضرت کی طرف ہو گئے اور ابوسفیان نے بھی اسلام قبول کر کے اطاعت مان لی۔ حضرت اب مکے کا بادشاہ بن گئے اور ۳۶۰ بتوں کو توڑنے کا حکم دیا۔ نو لڑائیوں اور ۵۰ مہموں میں حصہ لینے کے بعد ۴ ماہ میں بخار سے بیمار رہ کر ۶۳ سال کی عمر میں رحلت کی۔ حضرت کی پرائیوٹ زندگی بہت سادہ تھی۔ وہ خود جھاڑو دیتے تھے۔ اپنے کپڑے اور جوتا خود سیتے تھے۔ خود آگ جلاتے تھے۔ کھجور اور پانی اُن کی خوراک تھی۔

محمد کی فوج نے رومن بادشاہوں کی پالیسی کہ ایک وقت ایک طرف جنگ کرنا چاہیئے ترک کر دیا۔ اُسی وقت ہی آگسٹس اور اردشیر کے سلطنتوں پر حملہ بول دیا۔ ایران پر خسرو کی اولاد میں سے یزدی گرد بادشاہ تھا۔ ایک ہی لڑائی میں ایران کی قسمت کا فیصلہ ہو گیا۔ اصفہان شہر کو اجاڑ کر دارالسلطنت کوفہ میں تبدیل کر لیگئی۔ یزدی گرد جو کہ بھاگ گیا تھا فوج لیکر پھر آیا۔ اُس کے اپنے ساتھی اُس کے برخلاف ہو گئے۔ اُس کے نوکروں نے اُسے مارنا شروع کر دیا اور اُس کے ترک سپاہیوں نے اُسے قتل کر ڈالا۔ اس طرح اُس ایرانی ایمپائر کا جو کہ سب سے پرانی تھی ۶۵۱ میں خاتمہ ہو گیا۔ ایک سو سال کے اندر ایک طرف ایران اور سندھ

تک دوسری طرف سیریا، مصر، افریقہ اور سپین پر اسلام کا جھنڈا لہرانے لگا
۶۸۹ء میں خلیفہ عثمان کا ایک جرنیل عبداللہ خراسان پر قابض
ہو گیا۔ تیرہ سال بعد اُس نے کابل فتح کر لیا۔ خلیفہ عمر نے بصرہ شہر آباد
کیا۔ یہاں سے سندھ اور بلوچستان کی طرف مہمیں روانہ کی گئیں۔ ۷۰۵ء
میں بخارا اور سمرقند فتح کئے گئے۔ راجہ داہر والئے سندھ نے عربوں
کا ایک جہاز روک لیا تھا۔ جس کو واپس لینے کے لئے ۷۱۱ء میں حجاز کے
گورنر نے قاسم کے ماتحت سندھ کو ایک مہم روانہ کی۔ راجا نے مقابلہ کے
لئے بڑی فوج جمع کی۔ مگر راجا میدان جنگ میں کام آیا اور اُس کی فوج
پیچھے ہٹ گئی۔ قاسم دارالخلافہ برہمن آباد کی طرف بڑھا۔ جہاں رانی نے
اپنی راجپوت عورتوں کو ساتھ لے کر بڑی بہادری سے مقابلہ کیا اور میدان میں
کام آئی۔ قاسم نے ملتان پر چڑھائی کر کے اسے فتح کر لیا اور ایک دو اور
لڑائیں جیت کر سارے سندھ پر قبضہ کر لیا۔ اُس نے اپنی توجہ اب لوگوں
کے راضی کرنے اور اپنی حکومت کو مستحکم کرنے کی طرف مبذول کی۔ ایک
واقعہ نے معاملے کی صورت کو بدل دیا۔ قاسم نے راجا کی دو خوبصورت لڑکیوں
کو خلیفہ کے حرم کیلئے روانہ کیا۔ جب وہ خلیفہ کے پیش کی گئیں تو اُن میں سے
ایک زار زار رو پڑی اور کہنے لگی کہ وہ اس اُونچے درجے کے لائق نہیں ہے
کیونکہ روانہ کرنے سے پہلے اُسے بے عزت کر دیا گیا تھا۔ خلیفہ کو اس سے
آگ لگ گئی اور حکم بھیجا کہ قاسم کو ایک تازہ اُترے ہوئے چمڑے کے اندر
بند کر کے اُسے سی کر واپس بھیج دیا جائے۔ جب مُردہ جسم وہاں پہنچا تو
شہزادی نے اقرار کیا کہ اُس نے یہ سب اپنے باپ کا بدلہ اُتارنے کے
لئے کیا در اصل ایسی کوئی بات نہ تھی۔ خلیفہ نے دونو لڑکیوں کے قتل کا

حکم دیدیا۔ قاسم کی موت کے بعد اُس کے جانشین چالیس سال تک سندھ میں حکومت کرتے رہے لیکن سومیرا راجپوتوں نے اُن کو نکال دیا اور سندھ پر قبضہ کرلیا۔

عباس خاندان کے خلیفہ المنصور نے اپنا دارالخلافہ بغداد بنایا تھا۔ اُس کے چالیس سال بعد خلیفہ ہارون الرشید کے وقت میں بغداد دُنیا کی تجارت اور علوم کا مرکز بن گیا۔ اِس کے بعد جلدی ہی خلافت میں ایسا تنزل آیا کہ باقی صوبوں نے اِس کی اطاعت چھوڑ دی اور اُس سے آزاد ہو گئے۔ صرف مذہبی معاملات میں خلیفہ بڑا سمجھا جانے لگا۔ اِن میں سے ایک طاہر کا خاندان خراسان میں حکمران ہو گیا۔ ۸۷۲ء میں اِس کی جگہ سوفرادی خاندان حکمران ہوا۔ ۹۰۳ء میں ایک شخص اسمعیل نے عثمانی خاندان کی بنیاد ڈالی۔ یہ خاندان ۱۲۰ سال تک حکمران رہا۔ اِن کا پانچواں بادشاہ عبدالملک بخارا میں مرا۔ اِس کا بچہ منصور رہ گیا۔ بادشاہ کا ایک غلام الپتگین تھا جو خراسان کا حاکم تھا۔ اُس کے چچا کا طرفدار بن گیا۔ منصور نے تخت پر بیٹھ کر الپتگین کو بخارا جانے کا حکم دیا۔ الپتگین خراسان کے دارالخلافہ غزنی کو چلا گیا اور وہاں ہی کچھ فتوحات حاصل کرکے اپنے آپ کو بادشاہ مشتہر کیا۔ اُس نے اپنے جرنیل سبکتگین کو کئی بار مُلتان اور لمغان کے صوبوں پر چڑھائی کے لیئے روانہ کیا۔ وہ ہزاروں غلام پکڑ کر لے جاتا تھا۔ پنجاب میں اِس وقت راجا جیپال راج کرتا تھا۔ وہ بھٹنڈے کے قلعے میں رہا کرتا تھا۔ پنجاب کی حکومت سندھ سے لمغان اور کشمیر سے مُلتان تک پھیلی ہوئی تھی۔ راجا جےپال نے بھٹنیر کے راجا کے ساتھ مل کر اِن حملوں کو روکنے کی کوشش کی۔ الپتگین ۹۷۶ء میں مر گیا۔ اُس کا بیٹا بھی فوراً ہی چل بسا۔ اس لیئے فوج نے سبکتگین کو جو پہلے اُس کا غلام تھا اور پھر جرنیل

بنکر اُس کی لڑکی سے شادی کر لی تھی۔ غزنی کے تخت پر بٹھا دیا۔ سبکتگین نے بیٹھتے ہی پنجاب پر حملہ کیا۔ جے پال نے تنگ آکر بہت سی فوج جمع کی، اور سندھ عبور کر کے لمغان پہنچا تاکہ وہاں ہی دشمن کا مقابلہ کرے۔ ایک رات میں اولے اور آندھی کا ایسا طوفان آیا کہ اُس سے راجہ کی فوج کو بہت نقصان ہؤا۔ اپنی فوج کی تباہی کو دیکھ کر راجہ نے صلح کی خواہش کی۔ سبکتگین صلح پر راضی تھا لیکن اُس کا بیٹا محمُود صلح نہیں ہونے دیتا تھا۔ آخر جے پال نے اُسے کہلا بھیجا "کھشتریوں کا یہ رواج ہے کہ جب وہ مایوس اور تنگ ہو جاتے ہیں تو اپنے بچوں اور عورتوں کو قتل کر دیتے ہیں۔ اپنے مکان اور جائداد کو آگ لگا کر دشمن پر جا پڑتے ہیں۔ اور خون کے سُرخ دریا میں اپنے آپ کو ڈبا دیتے ہیں" سبکتگین نے یہ سُنا تو پچاس ہاتھی اور دس لاکھ درم لے کر صلح پر راضی ہو گیا۔ چونکہ ساری رقم راجہ نہ دے سکتا تھا۔ اسلئے معتبر آدمی اُس کے ساتھ روانہ کئے گئے تاکہ بقایا وصول کر کے لے آئیں، لاہور پہنچکر راجہ نے وزیروں سے صلاح کی اور اُن آدمیوں کو جیل میں ڈالدیا سبکتگین غزنی پہنچ چکا تھا۔ یہ سُنکر گھبرا گیا۔ کینہ کی آگ میں جلتا ہؤا واپس ہؤا جیپال نے بھی دوسرے راجوں کی مدد مانگی اور بہت سی فوج اور دس ہزار سوار لے کر سندھ عبور کر لمغان پہنچا۔ لڑائی میں جیپال کو شکست ہوئی اور سندھ کے پار کا علاقہ سبکتگین کے ہاتھ چلا گیا۔

۹۹۷ء میں سبکتگین مر گیا۔ اُس کے دو بیٹوں محمُود اور اسمعیل کے درمیان تخت کے لئے کشمکش ہوئی جس میں اسمعیل کو شکست نصیب ہوئی اور محمُود تخت کا مالک بن گیا۔ محمُود کو ہندوستان پر حملہ کر کے مذہب پھیلانے اور دولت لُوٹنے کا بڑا شوق تھا۔ مذہبی جوش ایک بڑی طاقت ہے

اور کئی کرشمے کر دکھاتی ہے۔ اس کے ساتھ جب لوٹ مار کی زبردست خواہش مل جائے تو دونو کے ملنے سے ایک بڑا زبردست انجن پیدا ہوتا ہے جو غائت درجہ کی تباہی پیدا کرسکتا ہے۔

محمود کے حملے

اگست سنہ۱۰۰۱ء میں دس ہزار سوار لیکر غزنی سے پشاور چڑھ آیا۔ یہاں پر جے پال نے بارہ ہزار سوار اور تیس ہزار سپاہ لے کر اُس کا مقابلہ کیا۔ ہندو بڑی جوانمردی سے لڑے مگر راجہ پندرہ سردار دن کے ساتھ پکڑا گیا۔ محمود کو موتیوں کی سولہ مالائیں ملیں جن کی قیمت بیاسی ہزار پونڈ تھی۔ راجہ نے محمود کو سالانہ اخراج دینے کا اقرار کیا مگر اُس کے لئے یہ شکست ایسی بے عزتی تھی کہ اسے وہ برداشت نہ کر سکا اور واپس آکر اپنے آپ کو چتا پر جلا دیا۔ ۱۰۰۶ء میں محمود ملتان کے راستے پاٹیر پر چڑھ آیا۔ اس شہر کے گرد بڑی اونچی فصیل تھی جس کے گرد گہری خندق تھی۔ راجپوتوں نے ایسی بہادری سے حملے کیئے کہ تین دن تک مسلمانوں کو پسپا ہونا پڑا اور میدان چھوڑنے کو طیار ہو گئے۔ محمود کو اس وقت ایک بڑی چالاکی سوجھی جس سے اُس نے اپنے آپ کو تباہی سے بچا ہی لیا۔ کعبہ کی طرف مُنہ کرکے وہ نیچے جھکا اور بلند آواز میں یہ کہنا شروع کر دیا کہ پیغمبر نے مجھ کو فتح دی ہے۔ سپاہیوں میں اس سے وشواش پیدا ہو گیا۔ جب اُس نے آگے بڑھ کر دھاوا کیا تو اُس کے سپاہی اس جوش سے بڑھے کہ ہندوؤں کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ محاصرہ شروع کرکے کئی دنوں کے بعد خندق کو بھر دیا گیا۔ راجہ وج راؤ اس سے گھبرا کر جنگل کو بھاگ گیا۔ اُس کا تعاقب کیا گیا۔ گرفتاری سے بچنے کے لئے اُس نے خنجر

سے اپنا کام تمام کر دیا۔ قلعہ سر ہو گیا۔ محمود کو ۲۸۰ ہاتھی اور بہت سا
سامان ملا۔ اگلے سال محمود نے ملتان پر حملہ کیا۔ ملتان سبکتگین کے وقت
سے غزنی کی حکومت کے نیچے تھا۔ شیخ حمید سوری سبکتگین کو خراج دیا
کرتا تھا اس کے بعد ابو الفتح بھی محمود کو خراج دیتا رہا لیکن ۱۰۰۵ء میں
اُس نے جیپال کے بیٹے راجہ اننگ پال سے مل کر اطاعت سے انکار کر
دیا۔ اس لئے محمود نے ملتان کو فتح کرنے کا ارادہ کیا۔ اننگ پال پشاور
میں موجود تھا لیکن اُسے شکست ہوئی اور وہ علاقہ چھوڑ کر کشمیر بھاگ
گیا۔ محمود بھٹنڈہ ہوتا ہوا ملتان پہنچا اور قلعے کا محاصرہ ڈال دیا۔ ساتویں
دن داؤد مطیع ہو گیا اور بیس ہزار سنہری درہم سالانہ خراج دینے کا اقرار
کیا۔ محمود نے پشاور کا علاقہ فتح کر کے سکھ پال کے سپرد کر دیا تھا۔ اگرچہ
وہ مسلمان ہو گیا تھا لیکن بعد میں محمود کے چلے جاتے پر وہ باغی ہو گیا اور
سب مسلمان افسروں کو نکال دیا۔ [illegible] میں محمود پشاور آیا اور اُسے
ساری عمر کیلئے بند کر دیا۔ محمود اننگ پال سے ابھی جلتا تھا۔ اس لئے
۱۰۰۸ء میں لاہور پر پھر چڑھائی کی۔ اننگ پال نے ہندو راجاؤں
کو مذہب کے نام پر اپیل کی۔ اُجین۔ قنوج۔ دہلی۔ گوالیار۔ اجمیر۔
کالنجر کے راجاؤں نے امداد میں فوجیں روانہ کیں۔ ہندو عورتوں نے
زیور گلا کر سونا اور چاندی قومی امداد کے لئے روانہ کر دیئے۔ تیس ہزار
گکھڑ بھی لڑنے کے لئے طیار ہو گئے۔ اتنی بڑی فوج سندھ پار ہو کر
پشاور جا پہنچی۔ مسلمان فوج سب طرف سے گھر گئی جا کر خندقوں میں
چلی گئی۔ چالیس روز تک دونوں فوجیں پڑی رہیں۔ جبکہ مسلمانوں کے
چھ ہزار تیر انداز خندقوں سے باہر نکلے۔ گکھڑوں نے ان پر ایسے

زور سے حملہ کیا کہ وہ محمود کی موجودگی کے باوجود بھاگ نکلے اور تھوڑی دیر میں سب کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ ہندوؤں کی امیدیں اس وقت بہت اونچی چڑھ گئیں۔ ایک چھوٹا سا واقعہ ہوا جس نے اُن سب امیدوں کو خاک میں ملا دیا۔ جس ہاتھی پر راجہ اننگ پال سوار تھا۔ نیپھتا Naphtha کے گولوں کی آواز سے ڈر کر بھاگ نکلا۔ ساری فوج میں ہل چل مچ گئی اور تتر بتر ہونے لگی۔ مسلمان فوج نے خندقوں سے نکل کر اُن کا مقابلہ شروع کر دیا۔ بہت سی لوٹ مار اور تیس ہاتھی محمود کے ہاتھ آئے۔ اس کے بعد محمود نے نگر کوٹ پر حملہ کر کے پہلی بار مورتیوں کو توڑا اور بھیم کے مشہور قلعے کا محاصرہ ڈال دیا۔ اس قلعے میں وید، شاستر کے مطالعہ کے لیے ایک بڑا مشہور کالج تھا۔ اس میں کچھ فوج نہ تھی۔ برہمنوں نے دروازے کھول دیئے اور رحم کی درخواست کی۔ بہت سا سونا، چاندی، جواہرات، موتی، ہیرے محمود کے ہاتھ لگے اور وہ سب لے کر غزنی چلا گیا۔ ۱۰۱۱ء میں محمود نے تھانیسر کی فتح کا ارادہ کیا۔ یہ مقام ہندوؤں کا کعبہ سمجھا جاتا تھا۔ اس میں ایک بڑی مورتی جگ سوم کی تھی جو کہ سرشٹی کے شروع سے وہاں پر موجود تھا۔ اننگ پال پچاس ہاتھی اور بہت سا روپیہ دینے پر تلا ہوا تھا لیکن محمود نے مندر پر قبضہ کر کے لوگوں کو لوٹا اور اس مورتی کو توڑ کر اس کے ٹکڑے بغداد، مکہ اور غزنی کو روانہ کیئے تاکہ گلیوں کے فرش میں لگائے جائیں۔ بے شمار غلام بنا کر اپنے ساتھ لے گیا۔ ۱۰۱۳ء میں جیپال دوسرا جو اننگ پال کی جگہ راجہ بنا تھا کشمیر بھاگ آیا۔ اس لئے محمود نے ۱۰۱۵ء میں کشمیر پر حملہ کیا۔ لوگوں کو لوٹ کر اور کچھ مسلمان بنا کر واپس چلا گیا۔

اگلے سال پھر کچھ باغی سرداروں کو سزا دینے کے لئے چڑھائی کی۔ وہ کوٹ کا قلعہ لینے کی بہت کوشش کی مگر ناکام رہا اور سردی آنے پر واپس ہوگیا۔ ۱۰۱۸ء میں ایک لاکھ سوار اور بیس ہزار پیادہ فوج لے کر قنوج پر چڑھائی کی۔ راجہ کمار رائے مقابلہ کے لئے طیار نہ تھا۔ وہ اطاعت کے لئے راضی ہوگیا۔ میرٹھ کے راجہ ہردت نے بھی اطاعت مان لی لیکن جمنا کے کنارے مہاون کے راجا نے موت کو اطاعت پر ترجیح دی۔ اپنی عورت اور بچوں کو قتل کر کے خود تلوار پر کھیل گیا۔ اس کے بعد محمود متھرا کو گیا۔ شہر کو لوٹا۔ مندر اور مورتیاں توڑیں۔ بہت سا مال۔ متاع۔ سونا۔ چاندی لے واپس ہوا۔ متھرا کے مکانات دیکھ کر محمود حیران ہوگیا۔ اُس نے واپس آ کر ان کے نمونہ پر ایک بڑی عالیشان مسجد تیار کرائی۔ اُس کے ساتھ ایک بڑی درسگاہ اور کتب خانہ طیار کیا۔ اس کے ساتھ ایک عجائب گھر تھا جس میں آرٹ کے خوبصورت نمونے تھے۔ اُس کے اُمرا بھی جو بہت سا روپیہ لوٹ لائے تھے بڑے بڑے مکانات اور مسجدیں بنانے لگے جس سے محمود کا دارالخلافہ ایک پُر فزا اور خوبصورت شہر بن گیا۔ کچھ ہندو راجاؤں نے مل کر قنوج کے راجہ پر چڑھائی کر دی اور کالنجر (بندیل کھنڈ) کے راجہ نند رائے نے قنوج کے راجہ اور اُس کے سرداروں کو قتل کر ڈالا۔ اس کا بدلہ لینے کے لئے محمود کالنجر پہنچا اور راجہ کو وہاں سے بھگا دیا۔ واپس آتے ہوئے اپنے دوست ملک عیاض کو لاہور کا گورنر مقرر کیا اور لاہور کا نام محمود پور رکھ کر اپنے نام کا سکہ جاری کیا کیونکہ لاہور کا راجہ اُس کے آنے کی خبر پا

کر اجمیر کو بھاگ گیا تھا۔ ملک عیاض نے لاہور کی فصیل اور قلعہ بنوایا۔
اس کے وقت میں مخدوم علی شیخ گنج بخش غزنی سے یہاں آیا جس کا مقبرہ
داتا گنج بخش کے نام سے مشہور ہے۔ ۱۰۲۳ء میں گیارھویں دفعہ محمود
نے نند رائے کو سزا دینے کے لیئے پھر چڑھائی کی۔ راجہ نے معافی
مانگ لی۔ ۱۰۲۴ء میں سومناتھ پر بارھواں حملہ کیا۔ سومناتھ میں سوم
دیوتا کا مندر تھا۔ مندر کے ساتھ دو ہزار گاؤں جاگیر تھے۔ گرہن کے
موقعہ پر دو تین لاکھ پجاری جمع ہوتے تھے۔ دن میں دو دفعہ بارہ سو
میل سے لاکر گنگا جل سے اس کا اشنان کرایا جاتا تھا۔ اس کی دو سو
من کی گھنٹی تھی جو کہ پوجا کے وقت بجائی جاتی تھی۔ دو ہزار برہمن پوجا
کے لیئے۔ پانچ سو لڑکیاں ناچنے کے لیئے۔ تین سو راگی اور تین سو نائی
اس کے ساتھ رہتے تھے۔ راجہ لوگ اپنی لڑکیاں دیوتا کے ارپن کر
دیتے تھے۔ محمود تیس ہزار ترکی جوان لے کر غزنی سے روانہ ہوا۔
ملتان کا صحرا عبور کر کے اجمیر پہنچا اور اجمیر سے تیز کوچ کرتا ہوا سومناتھ
کو جا گھیرا۔ تین دن تک حملہ آوروں کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ محمود گھوڑے سے اترا
اور خدا سے مدد مانگی۔ اپنے سواروں سے یہ کہا۔ تمہارا ملک ہزاروں
میل دور ہے۔ بھاگو گے تو دشمن تمہارے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالینگے
بہتر یہی ہے کہ میدان میں جان دو اور اس دنیا کا اور اگلی دنیا کا ثواب
حاصل کرو۔ سپاہیوں نے اتنے جوش سے حملہ کیا کہ پانچ ہزار محاصرین
قتل کر ڈالے جو باقی بچے وہ کشتیوں میں سوار ہو کر سمندر میں نکل گئے۔
محمود نے دیوتا کو توڑا۔ اس کے ٹکڑے غزنی اور مکہ کو روانہ کیئے۔
کچھ گجرات، سندھ ہوتا ہوا اڑھائی سال کے بعد غزنی گیا۔ اس کا آخری

حملہ سندھ کے کنارے جاٹ قبیلوں کے برخلاف تھا جنھوں نے محمود کی فوج کو واپسی پر بہت تنگ کیا تھا۔ وہ پتھری کی بیماری میں مبتلا ہو گیا اور سنہ ۱۰۳۰ء میں اُس نے جان دیدی۔ مرنے سے دو روز پہلے اُس نے حکم دیا کہ اُس کی ساری لوٹ۔ جواہرات وغیرہ دکھائے جائیں۔ اُن کو دیکھتا تھا اور زار زار روتا تھا۔ دوسرے روز فوج۔ ہاتھی۔ گھوڑوں۔ اونٹوں اور رتھوں کی پلٹنیں ہوئی۔ ایک چلتے تخت پر بیٹھکر سب کا لحاظ کیا۔ جب سب کچھ دیکھ چکا تو اُس کی آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا پھوٹ پڑا اور جگر غم و اندوہ سے بھر گیا۔

غزنی اور لاہور

محمود کے دو بیٹے اکٹھے پیدا ہوئے تھے۔ محمد تخت پر بیٹھا۔ ابھی پانچ ماہ ہی گذرے تھے کہ اُس کا بھائی مسعود اصفہان سے آیا اور اُس کی آنکھیں نکال کر تخت سے اُتار دیا۔ سنہ ۱۰۳۷ء میں اُس نے پنجاب پر چڑھائی کر کے ہانسی کا قلعہ لیا۔ سونی پت کا گورنر دیپال بھاگ گیا۔ واپس لاہور آکر اُس نے اپنے بیٹے مودود کو گورنر مقرر کیا۔ غزنی پہنچنے پر سلجکیاں ترکوں نے اُسے ایسا تنگ کیا کہ اُسنے غزنی کی جگہ لاہور کو دارالحکومت بنانے کا ارادہ کیا۔ خود لاہور کی طرف روانہ ہؤا۔ مودود کو بلخ کا گورنر مقرر کیا۔ جہلم کے کنارے پر اُس کی فوج اُس کے برخلاف ہو گئی اور اُنہوں نے اُسے مقید کر کے اُس کے اندھے بھائی محمد کو بادشاہ تسلیم کر لیا۔ اِس خبر کے سنتے ہی مودود غزنی پہنچا اور سلطان بنکر لاہور کی طرف روانہ ہؤا۔ محمد اُس کے مقابلے کے لیئے گیا لیکن اُسے شکست ہوئی اور وہ خود اور اُس کے بیٹے پکڑے گئے۔ مودود سب مخالفوں کو کچل کر لاہور کا گورنر بن گیا۔ اُس کی غیر حاضری

سے فائدہ اُٹھا کر شمال کے ہندو راجاؤں نے ایک سازش کر کے پنجاب میں غزنی کی حکومت کو نکال دینے کا ارادہ کیا۔ تھانیسر اور ہانسی اُن کے قبضے میں آ گئے۔ نگرکوٹ کا مندر از سرِ نو قائم کیا اور دس ہزار سوار اور بہت سی پیادہ فوج لے کر لاہور کا گھیرا ڈال دیا۔ سات ماہ تک مسلمان لوگ اپنی حفاظت کرتے رہے۔ گلی گلی میں اپنی جان و مال اور بچوں کے لئے جانبازی سے لڑتے تھے۔ آخر اُنہوں نے مرنے مارنے کا ارادہ کر لیا اور ایسی دلیری سے لڑے کہ دُشمن کو لاہور چھوڑ کر بھاگنا پڑا۔ ۱۰۴۹ء میں مودود مر گیا اور اُس کے بعد یکے بعد دیگرے کئی شہزادے غزنی کے تخت پر بٹھائے گئے اور قتل کئے گئے۔ ۱۰۹۸ء میں مسعود سوئم تخت پر بیٹھا۔ جس نے طغتگین کو لاہور کا گورنر مقرر کیا۔ تھوڑی دیر بعد بادشاہ خود ایران وغیرہ کا علاقہ کھو کر لاہور میں آ کر رہنے لگا۔ اِس طرح لاہور غزنوی خاندان کا دار الخلافہ بن گیا۔ مسعود ۱۱۱۸ء میں مر گیا۔ اُس کا بیٹا ارسلان غزنی کے تخت پر بیٹھا اور اُس نے دوسرے بھائیوں کو قید کر لیا۔ سلجوک سلطان سنجار نے دوسرے بھائیوں کی مدد کرنی چاہی۔ ارسلان لاہور بھاگ آیا اور یہاں سے فوج اکٹھی کر کے واپس گیا۔ لاہور کے گورنر محمد بھائی لم نے بہرام کی اطاعت سے انکار کیا۔ ۱۱۱۸ء کے آخیر میں بہرام لاہور پر آیا اور ایک لڑائی میں بھائی لم کو شکست دی۔ بھائی لم نے اطاعت تو مان لی مگر شِوالگ میں ایک قلعہ بنا کر اپنے دس بیٹوں کو پنجاب کے مختلف حصوں کا حاکم مقرر کر دیا۔ بہرام کو پھر آنا پڑا۔ ایک سخت لڑائی ہوئی جس میں بھائی لم اور اُس کے سارے بیٹے مارے گئے۔ بہرام سالار حسن کو وائسرائے بنا کر واپس چلا گیا۔ واپسی پر اپنے ایک داماد قطب الدین کو جو غور کا افغان تھا پھانسی دے کر غور کے سردار

سیف الدین سے جھگڑا ڈال لیا۔ غزنی کی فوج ظاہرا طور پر سیف الدین سے مل گئی اور اُسے گرفتار کر کے بیرام کے پاس لے آئی۔ بیرام نے اُسے قتل کرا ڈالا۔ اس پر اُس کا بھائی علاؤالدین بدلہ لینے کے لیئے روانہ ہوا۔ ایک لڑائی کر کے غزنی پر قابض ہو گیا۔ شہر میں لوٹ اور قتل عام کر دیا۔ بیرام بھاگ کر پنجاب آیا۔ راستے میں ۱۱۵۲ء میں مرگیا۔ اُس کا بیٹا خسرو لاہور پہنچا اور فوج لیکر غزنی کی طرف روانہ ہوا۔ راستہ میں اُس نے سُنا کہ غزنی پر ترکوں نے قبضہ کر لیا ہے وہ واپس لاہور آگیا اور ۱۱۶۰ء میں مر گیا۔ اس کا بیٹا خسرو ملک تخت پر بیٹھا۔ اس کے وقت میں شہاب الدین نے غزنی پر حملہ کر کے قبضہ کر لیا۔ یہ غیاث الدین کا بھائی تھا جو سیف الدین کے قتل کے بعد غور کے تخت پر بیٹھا تھا۔ شہاب الدین نے پشاور، افغانستان، ملتان، سندھ پر حملے کیئے۔ ۱۱۸۰ء میں لاہور آگھیرا لیکن لاہور کا قلعہ نہ لے سکا۔ آخر خسرو ملک کے ساتھ اُس کی صلح ہو گئی اور اُس کا چار برس کا بیٹا یرغمال کے طور پر ساتھ لے گیا۔ چار برس کے بعد پھر اُس نے لاہور پر حملہ کیا۔ پھر بھی ناکام رہا۔ مگر سیالکوٹ میں اپنی فوج رکھدی۔ خسرو ملک نے گکھڑوں کی مدد سے اس فوج کو نکالنا چاہا مگر اُسے کامیابی نہ ہوئی۔ ۱۱۸۶ء میں محمد غوری پھر آیا اور مشہور کیا کہ وہ سلجک ترکوں کے خلاف جا رہا ہے۔ اس کے ساتھ ہی بھروسہ دلانے کے لیئے اُس لڑکے کو لاہور روانہ کر دیا۔ خسرو ملک اپنے بیٹے کو دیکھنے کے شوق میں آگے بڑھا۔ یہ خبر سنتے ہی غوری نے بیس ہزار سوار اُس کے پیچھے ڈالدیئے۔ خسرو ملک نے صبح کے وقت اپنے آپ کو قیدی پایا اور لاہور غوری کے قبضے میں چلا گیا۔ محمد غوری نے ۱۱۷۶ء میں ملتان اور اُچ پر حملہ کیا تھا۔ اُچ کا راجہ قلعے میں محفوظ ہو گیا

مگر اُس کی رانی نے اُس کے ساتھ بڑی دغابازی کی۔ غوری کو سندیسہ بھیجا کہ اگر اُسے مالک بنا دیا جائے تو وہ راجہ کو قتل کرا دیگی اور اپنی خوبصورت لڑکی شادی کے لئے دیگی۔ رانی نے اپنے خاوند کو قتل کرا دیا۔ غوری قلعے پر قابض ہوگیا اور لڑکی سے شادی کرلی اور رانی کو قید کر کے غزنی بھیجدیا۔ لڑکی بھی جلدی ہی دُکھ سے مرگئی۔ ۱۱۹۳ء میں سرسوتی کے کنارے وہ بدقسمت لڑائی ہوئی جس نے ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ کر دیا۔ اس میں اجمیر کا راجہ پرتھی راج قید ہو کر قتل کیا گیا۔ دہلی کا راجہ چاوند رائے اور بہت سے راجہ مارے گئے۔ اسی سال قطب الدین ایبک نے میرٹھ اور دہلی فتح کئے۔ دہلی مسلمانوں کی حکومت کا دارالخلافہ بنگیا۔ اسی اثنار میں جہلم اور چیناب کے درمیان گکھڑ قوم نے بڑی آفت مچادی اور غوری گورنر کو نکال کر لاہور پر قبضہ کرلیا۔ ملتان اِس سے پہلے ہی باغی ہوگیا تھا۔ غوری پہلے ملتان آیا۔ بعد ازاں قطب الدین ایبک کی مدد سے گکھڑوں پر حملہ کیا۔ وہ بہت سے قتل ہوگئے اور باقیوں کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا گیا۔ واپس جاتے ہوئے غوری سندھ کے کنارے رہتک مقام پر ٹھیرا تھا۔ خیمہ میں دو غلام پنکھا کر رہے تھے۔ دروازہ ہوا آنے کے لئے کھُلا تھا۔ کچھ گکھڑ اپنی قوم کے دشمن کو قتل کرنے کے ارادے سے خیمے میں گھُس آئے اور خنجروں سے اُس کا کام تمام کر دیا۔ اُس کے جسم پر بیس زخم آئے تھے۔ اُس کا بھتیجا محمود جانشین ہوا۔ محمود نے دیکھا کہ وہ قطب الدین کو ماتحت نہ رکھ سکیگا فوراً بادشاہی ساز و سامان قطب الدین کو روانہ کر دیا۔ ۲۴ جولائی ۱۲۰۶ء کو اُس نے لاہور میں اپنے آپ کو پہلا مسلمان بادشاہ مشہور کیا۔

لاہور اور دہلی :۔ قطب الدین ایک ترکی غلام تھا۔ بچپن میں ایک سوداگر

اُسے نیشاپور لے آیا اور ایک قاضی کے پاس بھیجدیا۔ وہاں پر وہ علم حاصل کرتا رہا۔ قاضی کے مرجانے پر ایک اور سوداگر نے اُسے خرید لیا اور محمد غوری کے پاس لاکر فروخت کر دیا۔ اُس کی چھوٹی انگلی ٹوٹی ہونے کی وجہ سے غوری نے اُس کا نام ایبک رکھا۔ لیاقت کی وجہ سے ترقی کرتے کرتے وہ فوج کا جرنیل بن گیا۔ وہ دہلی میں تھا جب اُس کے خسر تاج الدین نے لاہور پر چڑھائی کرکے قبضہ کر لیا۔ قطب الدین نے اُسے شکست دی اور وہاں سے کرمان واپس گیا جہاں ۱۲۱۰ء میں چوگان کھیلتے ہوئے گھوڑے سے گر کر مر گیا اُس کا بیٹا آرام تخت پر بیٹھا مگر وہ ایسا کمزور تھا کہ سب صوبے باغی ہونے لگے سب اُمرا نے اکٹھے ہو کر شمس الدین التمش سے درخواست کی کہ وہ تخت کو سنبھالے اُس نے آرام کو ایک لڑائی میں شکست دے کر تخت پر قبضہ کر لیا۔ التمش بھی ایک غلام تھا جسے بچپن میں ایک سوداگر خرید کر بخارا لے آیا تھا۔ اُس نے دہلی کے پاس بھیجدیا۔ اور قطب الدین نے اُسے پچاس ہزار چاندی کا سکّہ دیکر خرید کیا اور اپنی لڑکی کے ساتھ شادی کر دی۔ چار سال کے بعد خوارزم کے بادشاہ خوارزم شاہ نے تاج الدین کو غزنی سے بھگا دیا جس نے آکر لاہور اور تھانیسر پر قبضہ کر لیا۔ التمش نے اُسے شکست دی اور قید کر لیا۔ ۱۲۲۱ء میں چنگیز خاں کے تاتاریوں نے خوارزم کو لوٹا۔ جلال الدین وہاں سے لاہور آپہنچا۔ التمش اُس کے برخلاف ہو گیا۔ اُسے شکست دی اور ۱۲۲۸ء میں اپنے بیٹے رُکن الدین کو پنجاب کا گورنر مقرر کر دیا۔ سندھ کے صوبہ دار ناصرالدین کو بھی سر کیا۔ ۱۲۳۶ء میں ملتان جاتے ہوئے بیمار ہو کر واپس آیا اور مر گیا۔ رُکن الدین دہلی کے تخت پر بیٹھا اور اپنے آپ کو عیاشی میں ڈال دیا۔ اُس کی ماں نے حرم کی سب عورتوں کو قتل کروا ڈالا۔ لاہور کے صوبہ علاؤالدین اور

ملتان کے صوبہ قبر خاں سے بل کر اُسے تخت سے اُتارنا چاہا۔ اُمرا بھی اُس پر ناراض تھے اِس لیئے اُنھوں نے اُسے اُتار کر اُس کی بہن رضیہ بیگم کو تخت پر بٹھا دیا۔

رضیہ بیگم عجیب و غریب عورت تھی۔ بڑی دلیر عقلی اور قابل تھی۔ مردوں کا سا دل اور دماغ رکھتی تھی۔ وہ خود دربار اور شاہی کام کرتی۔ بعد میں ایک حبشی غلام سے بہت مہربانی کرنے لگی یہانتک کہ وہ اُسے اُٹھا کر گھوڑے پر چڑھایا کرتا تھا۔ سب اُمرا اُس سے جلنے لگے۔ ملک قبر خاں جو کہ لاہور کا گورنر بنایا گیا تھا ناراض ہو کر باغی ہو گیا ۱۲۳۹ء میں ملک التونیا بٹھنڈہ کا گورنر بھی باغی ہو گیا۔ رضیہ بیگم اُس کے برخلاف فوج لے کر گئی۔ امیروں نے اُسے گرفتار کر لیا۔ اُس کے دوست کو قتل کر دیا اُس کے بھائی بیرام کو تخت پر بٹھلا دیا بیرام نے ملک کاراغوس کو لاہور کا وائسرائے مقرر کیا۔ اس کے عہد میں چنگیز خاں کے مغل پنجاب پر ٹوٹ پڑے اور ۲۲ نومبر ۱۲۴۱ء میں ملک کو بھگا کر لاہور پر قابض ہو گئے۔ شہر میں لوٹ ملدی کی اور کئی ہزار قیدی پکڑ کر لے گئے وزیر اختیار الدین جو اُن کے برخلاف بھیجا گیا تھا باغی ہو گیا اور بادشاہ کو اُتار کر قتل کر دیا۔ رکن الدین کا بیٹا علاؤ الدین تخت پر بیٹھا۔ وہ بھی بڑا عیاش اور ظالم نکلا۔ اُمرا نے اُس کے چچا نصیر الدین کو تخت پر بٹھا کر اُسے قید کر ڈالدیا۔ نصیر الدین نے غیاث الدین بلبن کو اپنا وزیر مقرر کیا اور اُس کا بھتیجا شیر خاں لاہور بھٹنیر اور سرہند کا صوبہ مقرر کیا گیا۔

مغلوں نے اِس وقت غزنی۔ کابل اور قندھار پر قبضہ کر لیا تھا۔ گکھڑوں نے مغلوں کی امداد کی تھی۔ بادشاہ فوج لیکر سندھ تک آیا اور ہزاروں گکھڑوں کو قید کر کے لے گیا۔ ۱۲۴۸ء میں بادشاہ ملتان آیا اور

فیض الدین بلبن کو ملتان اور اُچ کا گورنر مقرر کیا۔ پنجاب کا گورنر شیر خاں فوج لے کر غزنی پہنچا۔ اور مغلوں کو وہاں سے نکال کر غزنی کو پھر دہلی میں شامل کیا۔ ۱۲۵۷ء میں مغل فوج پنجاب پر چڑھ آئی لیکن بادشاہ کے آنے کی خبر سُنکر واپس چلی گئی۔ اگلے سال چنگیز کے پوتے ہلاکو خاں نے اپنے قاصد پنجاب کو روانہ کئے ۱۲۶۶ء میں نصیر الدین بیمار ہو کر مر گیا۔ یہ شخص بڑا نیک اور سادہ مزاج تھا۔ خود ہاتھ سے قرآن لکھ کر روٹی کماتا تھا۔ اپنی بیوی کے سوائے کوئی عورت اپنے پاس نہیں رکھی۔ گھر کا سب کام اپنی بیوی سے لیتا تھا۔ ایک دن روٹی سینکتے ہوئے اُس کی اُنگلیاں جل گئیں اور اُس نے ایک لونڈی کے لئے درخواست کی۔ اس پر بادشاہ نے کہا یہ پبلک کا روپیہ لوگوں کے بھلے کے لئے ہے۔ اُسے نوکر رکھنے میں ضائع نہیں کیا جاسکتا۔ بلبن بھی ایک ترکی غلام تھا جسے بصرہ کا ایک شخص دہلی لایا تھا۔ التمش نے اُسے خرید کیا۔ آہستہ آہستہ وہ شاہی بازخانہ کا سپرنٹنڈنٹ مقرر ہو گیا۔ رکن الدین نے اُسے پنجاب کا حاکم مقرر کیا۔ تخت پر بیٹھنے کے بعد اُس نے اپنے بیٹے محمدؐ کو لاہور کا صوبہ دار مقرر کیا۔ محمدؐ کو شعروں کو بہت شوق تھا۔ عالموں کی قدر کرتا تھا۔ شاہی شاعر امیر خسرو اور خواجہ حسن کو اپنے ساتھ لاہور لایا اور سعدی کو لاہور آنے کی درخواست کی ۱۲۷۹ء میں مغلوں نے ملتان پر حملہ کیا۔ محمدؐ نے جاکر اُن کو شکست دی اور بہت نقصان پہنچا کر پیچھے ہٹا دیا۔ اگلے سال تیمور خاں جو کہ چنگیز خاں کی اولاد میں سے مشرقی ایران کا حاکم تھا۔ بیس ہزار سوار لیکر لاہور آیا۔ اور لاہور اور دیپالپور کے علاقے میں لوٹ مار مچادی۔ محمدؐ اس وقت ملتان میں تھا۔ خبر پاتے ہی وہ لاہور پہنچا۔ تیمور خاں کی فوج راوی کے دوسرے کنارے پر تھی۔

محمد نے اُن کو برابر موقعہ دینے کے لیے پار اُتر نے دیا۔ دونوں میں لڑائی شروع ہوئی مُغل گھبرا گئے اور بھاگ نکلے۔ ہندوستانی سپاہ نے مُغلوں کا پیچھا کیا۔ محمد تھک کر پانچ سو سپاہیوں کے ساتھ ایک جگہ ٹھیر گیا کہ اتنے میں پیچھے سے ایک مُغل گروہ آپہنچا۔ لڑائی ہوئی اس میں محمد مارا گیا اور امیر خسرو بھی گرفتار کر لیا گیا۔ بوڑھے بادشاہ کو ایسا صدمہ ہوا کہ وہ تھوڑے دن بعد مر گیا۔ اُس کا پوتا کیقباد دہلی کا بادشاہ بنا۔ وہ عیاشی میں پڑ گیا اور ساری طاقت جلال الدین خلجی کے ہاتھ میں چلی گئی۔ اُس نے ۱۲۹۰ء میں بادشاہ کو قتل کر کے خود تخت پر قبضہ کر لیا۔

خلجی حکومت

یہ خلجی لوگ خاص قبیلے (ترک ہزارگی) تھے۔ جو خلج خاں (چنگیز خاں کا داماد) کی سرداری میں پنجاب کے مغربی پہاڑوں میں آباد ہو گئے تھے اور غزنی اور دہلی کے بادشاہوں کی فوج میں بھرتی ہوتے رہے۔

۱۲۹۱ء میں ہلاکو خاں کا پوتا عبداللہ ایک لاکھ سوار لے کر پنجاب پر چڑھ آیا۔ جلال الدین خود اُس کے مقابلے پر گیا۔ اُن کے بہت سے افسر گرفتار ہوئے۔ چنگیز کے پوتے اگلو خاں کو بادشاہ نے اپنی لڑکی دیدی اور وہ اور اُس کے تین ہزار سپاہی مسلمان ہو گئے۔ اپنے بیٹے ارکلی خاں کو لاہور کا صوبہ بنا کر واپس چلا آیا۔ ۱۹ر جولائی ۱۲۹۵ء کو اُس کے بھتیجے علاؤ الدین نے اُسے قتل کر ڈالا اور خود بادشاہ بن بیٹھا۔ ماں اپنے بیٹوں اور چند امیروں کو ساتھ لے کر ملتان بھاگ گئی۔ علاؤ الدین نے ملتان کے خلاف فوج روانہ کی۔ دو ماہ تک محاصرے کے بعد فوج نے اس شرط پر کہ شہزادوں کو نقصان نہ پہنچایا جائے

شاہی فوج کے حوالے کر دیا لیکن علاؤ الدین کے حکم سے شہزادوں کو ہانسی میں بند کر کے پہلے اُن کی آنکھیں نکالی گئیں پھر اُنہیں قتل کر دیا گیا۔ اگلے سال بادشاہ کو خبر ملی کہ ماوراُلنہر کا بادشاہ امیر داؤد ایک لاکھ مُغل لئے پنجاب پر آ رہا تھا۔ بادشاہ نے اپنے بھائی الف خاں کو لاہور روانہ کیا۔ یہاں پر مُغلوں کو بڑی بھاری شکست ہوئی۔ اُن کے بارہ ہزار آدمی مارے گئے۔ بہت سے عورتیں، مرد اور بچے گرفتار ہوئے جو قتل کر دیئے گئے۔ ۱۲۹۹ء میں مُغل دو لاکھ سوار لئے جمنا کے کنارے تک آ پہنچے۔ بادشاہ خود لڑنے کے لئے گیا اور اُن کو پیچھے ہٹا دیا۔ جب علاؤ الدین چتوڑ کی طرف گیا ہوا تھا ۱۳۰۳ء میں بارہ ہزار مغل سوار آئے اور دہلی تک لوٹ کر واپس چلے گئے۔ اگلے سال ۱۳۰۴ء میں پھر آئے۔ لاہور کے صوبہ دار تغلق خان نے اُن کو ایک شکست دی۔ سات ہزار تو لڑائی میں مارے گئے نو ہزار گرفتار ہو کر دہلی آئے وہاں سب قتل کر دیئے گئے۔ ۱۳۰۵ء میں پھر پنجاب پر آئے اور مُلتان لُوٹ لیا۔ غازی بیگ نے سندھ میں اُن کو شکست دی کہ تین ہزار قیدی دہلی روانہ کئے۔ اُن کو قتل کر دیا گیا اور اُن کی عورتیں اور بچے غلامی میں بیچ دیئے گئے۔ اگلے سال پھر انہوں نے حملہ کیا اور سات ہزار قیدی پکڑے۔ تغلق نے ان حملوں کو روکنے کے لئے غزنی۔ کابل۔ قندھار کو فوجیں روانہ کیں تاکہ اُن کو لوٹ کھسوٹ کا خیال ہو۔ ۱۳۱۶ء میں وہ مر گیا۔ خواجہ سرائے ملک کافور نے چھوٹے بیٹے عمر کو تخت پر بٹھا دیا اور اُس کی ماں سے خود شادی کر لی۔ دو شہزادوں کی اُس نے آنکھیں نکلوا ڈالیں اور تیسرے مبارک کو قتل کرنے کے لئے قاتلوں کو روانہ کیا۔ مبارک نے اُن کے

آگے جواہرات پھینک دیئے جس سے وہ لوٹنے لگ گئے ہاتنے میں گارد کو خبر لگ گئی۔ وہ آگئی اور انہوں نے خواجہ سرا سے کو قتل کر کے مبارک کو تخت پر بٹھا دیا۔ یہ شخص ۱۳۲۰ء تک راج کرتا رہا لیکن ایسا بدمعاش اور عیاش تھا کہ فوج بھی سب عیاشی میں پڑ گئی۔ ایک ہندو ملک خسرو نے رات کو اُسے قتل کر دیا اور خضر خاں کی عورت دیول دیوی سے شادی کر کے تخت پر بیٹھ گیا۔ اُس نے شاہی خاندان کے سب ممبروں کو قتل کروا ڈالا۔ یہ خبر سُنکر غازی بیگ تغلق پنجاب سے فوج لے کر روانہ ہوا اور سیدھا دہلی میں داخل ہو گیا۔ ہزار مینار کے پاس پہنچکر اس طرح تقریر کی۔ "میں بادشاہ بننے کے لئے نہیں آیا۔ تم کو صرف اس ظالم سے چھڑانے کے لئے آیا ہوں۔ تم جس کو چاہو بادشاہ بنالو۔ میں فرمانبرداری کرونگا"۔ سب نے نعرے لگائے۔ "تم ہی بادشاہ ہو"۔ اٹھا کر لے گئے اور تخت پر بٹھا دیا۔

تُغلق حکومت

غازی بیگ کا باپ تغلق تھا جو کہ بلبن بادشاہ کا ایک ترکی غلام تھا۔ اُس نے لاہور کے پاس ایک جاٹ کی لڑکی سے شادی کی تھی جس سے یہ پیدا ہوا۔ جب وہ لاہور کا صوبہ دار تھا اُس نے مغلوں کو کئی بار شکست دی۔ کابل کی حدود پر اُس نے قلعے بنوائے اور اُس میں فوجیں رکھیں تاکہ مغلوں کے حملے بند ہو جائیں۔ چار سال کے بعد چھت سے گر کر وہ مر گیا۔ اُس کا بیٹا محمد تغلق تخت پر بیٹھا وہ بڑا فیاض اور صلح کُن پالیسی کا تھا۔ بڑا فصیح بولتا تھا۔ تاریخ منطق۔ ریاضی میں دسترس رکھتا تھا۔ اُس نے ہسپتال اور یتیم خانے بنوائے اُس کے عہد میں ۱۳۲۷ء میں مغلوں نے ہندوستان پر چڑھائی کی

ملتان لمغان فتح کرکے دہلی تک آپہنچے۔ بادشاہ لڑائی کے لئے طیار نہ تھا۔ ایک بڑی رقم نذرانہ میں دے کر انہیں واپس کر دیا۔ لیکن اس کے بعد ہی اُس کو چین فتح کرنے کا خبط سمایا۔ اور ایک لاکھ سوار ہیپال کے ذریعے روانہ کئے۔ چین فوج نے سرحد پر مقابلہ کیا۔ راستے میں ایسا طوفان اور برسات آئی کہ کوئی آدمی بچکر واپس نہ آیا۔ اُس نے دولت آباد بسا کر اُسے صدر بنایا اور امیروں کو وہاں رہنے کا حکم دیا۔ اس کے عہد میں ایک پہاڑی پٹھان شاہو نے ملتان پر حملہ کرکے گورنر کو شکست دی اور سارا ملک ویران کر دیا۔ بادشاہ خود اس کے برخلاف گیا مگر وہ پہاڑوں کو بھاگ گیا۔ گکھڑوں نے لاہور پر حملہ کرکے کمار تھا لاہور کے گورنر کو قتل کر دیا۔ ۱۳۵۱ء میں بادشاہ سندھ کو گیا اور محرم میں زیادہ مچھلی کھانے سے بیمار ہو گیا اور جان دیدی۔ اُس کی جگہ فیروز تغلق تخت پر بیٹھا۔ اسے نہریں بنوانے کا شوق تھا۔ ۱۳۵۶ء میں ۴۸ کوس کی نہر بنوانے کے لئے دیپال پور آیا۔ اس نے ایک اور نہر کے ذریعے جمنا کا پانی ہانسی اور حصار کے علاقے میں پہنچایا اور ایک نہر سرستی اور گھاگرا کے درمیان بنوائی۔ اُس نے سرائیں، کالج، مسجدیں، پلیں، ہسپتال اور کوئیں بھی بنوائے ۱۳۸۹ء میں اُس کی موت پر اُس کا پوتا غیاث الدین تخت پر بیٹھا۔ پانچ ماہ بعد اُسے قتل کر دیا گیا۔ دوسرا ابوبکر جلدی ہی اُتار دیا گیا اور فیروز کے بیٹے محمد کو لوگوں نے تخت پر بٹھایا وہ ۱۳۹۴ء میں مر گیا۔ محمد کا بیٹا محمود تخت پر قابض ہو گیا۔ پنجاب میں گکھڑوں نے بغاوت مچا دی۔ دیپالپور کے حاکم سارنگ خان نے لاہور اور ملتان سے فوج اکٹھی کرکے اجودھان میں گکھڑوں کو ایک بڑی شکست دی۔ گکھڑوں کا سردار شیخا بھاگ گیا۔ سارنگ خاں اور ملتان کے صوبہ خضر خاں میں جھگڑا ہو کر لڑائی شروع ہو گئی۔ سارنگ خاں نے ملتان لیلیا۔ اُسے اتنی

دلیری ہوئی کہ دہلی پر چڑھ آیا لیکن راستے میں پانی پت کے گورنر تاتار خاں نے اُسے شکست دے کر واپس بھگا دیا۔ اتنے میں تیمور کا پوتا پیر محمد کشتیوں کا پُل باندھ کر سندھ پار ہوا اور اُس نے اُچ کا محاصرہ کیا۔ سارنگ خاں اس کے برخلاف روانہ ہوا۔ پیر محمد پہلے ہی بیاس جا پہنچا اور اُس کے سپاہیوں پر جا پڑا۔ سارنگ خان ملتان میں آکر بند ہو گیا۔ پیر محمد نے چھ ماہ تک محاصرہ رکھا۔ جب سارنگ خان کو اطاعت ماننی پڑی۔ ۱۲ ستمبر ۱۳۹۸ء کو تیمور خود سندھ پار ہو کر لاہور کی طرف بڑھا اور کچھ فوج کو آگے روانہ کیا۔ اِدھر سے لاہور کا صوبہ دار مبارک خاں بھی مقابلے کے لئے چناب تک آیا۔ تیمور کے آجانے پر مبارک خاں تو کنبہ کو لے واپس آیا اور فوج نے ہتھیار ڈال دیئے۔

تیمور چناب کے کنارے کنارے روانہ ہوا۔ تالمبا کے مقام پر کشتیوں کا پُل باندھ راوی پار ہوا۔ بیاس پہنچ کر بیس ہزار کمک اپنے پوتے کو روانہ کی۔ بھٹنیر میں بہت سے لوگ مقابلے کے لئے جمع ہو گئے تھے۔ تیمور نے قصبے پر قبضہ کر لیا اور گلی گلی میں لوگوں کو قتل کرنا شروع کیا۔ لوگ اس سے گھبرا گئے اور خود ہی اپنے بچوں کو قتل کر کے مغلوں پر ٹوٹ پڑے اور ہزاروں کو تہ تیغ کیا۔ تیمور کو اتنا غصہ آیا کہ اُس نے بھٹنیر کا ایک آدمی زندہ نہ چھوڑا۔ اور شہر کو خاک میں ملا دیا۔ اس کے بعد سرسوتی، راجپور، آہوری، ٹوہانہ کی لُوٹ مار کی۔ اُدھر اُس کی فوج لاہور اور ملتان کے قلعوں کو لُوٹ رہی تھی۔ پانی پت کے راستے جمنا سے گذر کر لُونی کا قلعہ جا لیا۔ محمود پانچ ہزار سوار لے کر شہر سے باہر آیا اور ایک لڑائی میں شکست کھا کر واپس چلا گیا۔ تیمور کے پاس اُس وقت ایک لاکھ قیدی تھے۔ جس دن دہلی کا بادشاہ حملہ آور ہوا وہ خوشی کا اظہار کرنے لگے کہ اب چھُوٹ جائیں گے۔ تیمور نے سب کو قتل کا حکم دیدیا۔

۱۵ جنوری ۱۳۹۹ء کو تیمور کی فوج نے بادشاہی فوج کو بڑی بھاری شکست دی اور دہلی میں داخل ہو کر جمعہ کے دن اپنے آپکو ہندوستان کا بادشاہ مشتہر کیا۔ اور لوگوں سے روپیہ وصول کرنے کے لئے اپنے افسر مقرر کئے۔ کچھ امیروں نے روپیہ دینے سے انکار کیا۔ تیمور نے اُن کی امداد میں سپاہی روانہ کئے۔ ان سپاہیوں نے لُوٹنا اور عورتوں کو بے عزت کرنا شروع کیا۔ مسلمان بھی اپنے ساتھ ہندوؤں کا سا سلوک ہوتا دیکھ کر اُن کے ساتھ مل گئے۔ سب نے اپنی عورتیں قتل کر کے مغلوں پر حملہ بول دیا مگر بیچارے کیا کر سکتے تھے۔ اتنا کُشت و خُون ہُوا کہ شہر کی گلیوں میں مُردوں کے ڈھیر لگ گئے۔ ۱۸ دن دہلی رہنے کے بعد مُلتان ہوتا ہُوا جموں پہنچا۔ اس ہلچل میں شیخا گکھڑ نے لاہور پر قبضہ کر لیا تھا۔ تیمور نے جموں سے فوج روانہ کی جو اُسے گرفتار کر کے لے آئی۔ تیمور نے اُسے قتل کرا دیا اور ملتان کے صوبہ خضر خاں کو لاہور کا حاکم مقرر کر کے خود سمرقند کو چلا گیا۔ محمُود دہلی واپس آکر مر گیا لوگوں نے دولت خاں لودھی کو بادشاہ بنایا مگر خضر خاں نے دہلی کا محاصرہ کر کے تخت پر قبضہ کر لیا اور سید خاندان کی بُنیاد رکھدی۔

گکھڑوں کا لیڈر جسرت

خضر خاں نے تیمور کے نام کا سکّہ جاری کیا تاکہ سب امیر اس سے ڈرتے رہیں۔ سات سال حکومت کر کے وہ مر گیا۔ ۱۴۲۱ء میں اس کا بیٹا مبارک تخت نشین ہُوا۔ اس وقت پنجاب میں گکھڑوں نے پھر سر اُٹھایا اور اپنے سردار جسرت کے ماتحت کشمیر کے بادشاہ ولی شاہ کو شکست دے کر قید کر لیا۔ جسرت نے لاہور اور جالندھر

پر قبضہ کرکے دہلی لینے کی ٹھان لی۔ جب جسرت نے سرہند لے لیا تو مبارک فوج لے کر وہاں پہنچا۔ جسرت نے دریائے ستلج سے ادھر ہٹ کر وہاں سے کشتیاں ہٹالیں۔ برسات گذر جانے پر بادشاہ دریا پار ہوا۔ لڑائی میں گکھڑوں کو شکست ہوئی۔ اور جسرت چناب عبور کرکے پہاڑوں کو بھاگ گیا۔ بادشاہ لاہور آکر کچھ دیر وہاں رہا اور محمود حسن کو گورنر مقرر کرکے واپس ہوگیا۔ جونہی بادشاہ گیا۔ جسرت پہاڑوں سے اُترا۔ لاہور کا محاصرہ ڈالدیا۔ چونکہ اس میں چھ ماہ سے زیادہ عرصہ ہوگیا اس لئے محاصرے کو ہٹا کر کلانور پہنچا۔ اور وہاں سے جموں پر چڑھائی کردی۔ جب اُدھر بھی بہت کامیابی نہ ہوئی تب بیاس کی طرف فوج بھرتی کرنے کے لئے روانہ ہوگیا۔ دہلی سے سکندر فوج لے کر آیا جس سے جسرت کو چناب پار بھاگنا پڑا۔ بادشاہ نے سکندر کو لاہور کا وائیسرائے مقرر کردیا۔ اتنے میں جسرت نے بارہ ہزار گکھڑ اکٹھے کئے۔ لاہور اور دیپال پور کو لوٹا۔ ملک سکندر کے آنے پر پہاڑوں کو بھاگ گیا اور پھر ۱۴۲۸ء میں نکل کر کلانور کا محاصرہ شروع کر دیا۔ ملک سکندر کو شکست دے کر واپس بھگادیا۔ بادشاہ کو سمانا اور سرہند کے صوبوں کے لئے فوج روانہ کرنی پڑی۔ ۱۴۲۹ء میں کابل کے حاکم شیخ علی نے پنجاب پر حملہ کیا۔ گکھڑ اس کی مدد میں جمع ہوگئے اور پنجاب میں لوٹ مار شروع کردی۔ شیخ علی نے لاہور پہنچ کر ملک سکندر سے ایک سال کی آمدنی بطور تاوان وصول کی۔ دریائے راوی کے کنارے خیرآباد پہنچا اور وہاں سے ۲۹ مئی ۱۴۳۱ء کو ملتان پر چڑھائی کی۔ ملتان لینے میں کامیابی نہ ہوئی اسلئے

اُس نے محاصرہ ڈال دیا لیکن دہلی سے شاہی فوج امداد کو آپہنچی۔ ہندوستانیوں نے مغلوں کو ایسی شکست دی کہ وہ بھاگ پڑے اور اِن کا تعاقب کر کے بہتوں کو قتل کر دیا۔ جو بچے وہ جہلم میں ڈوب گئے۔ شیخ علی صرف چند ہمراہیوں کے ساتھ کابل پہنچا۔ اگلے سال ۱۴۳۲ء میں جسرت اور شیخ علی نے مل کر لاہور پر حملہ شروع کیا لیکن اُن کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ جنوری ۱۴۳۵ء میں مبارک شاہ نماز پڑھتا ہوا قتل کر دیا گیا۔ اور اُس کا بیٹا سید محمود تخت پر بیٹھا۔ اگلے سال سرہند کا گورنر اسلام خاں مر گیا اور اُس کے بھتیجے بہلول لودھی نے اُس کی جگہ بیٹھ کر لاہور پر بھی قبضہ کر لیا۔ دیپال پور بھی اُس کے قبضے میں آگیا۔ بہلول کی طرح جون پور اور مالوہ کے صوبہ دار بھی خود مختار ہونے لگے۔ بادشاہ نے بہلول کو راضی کر لیا اور بیس ہزار سوار دے کر مالوہ کی طرف روانہ کیا۔ بادشاہ گھبرایا ہوا تھا۔ لیکن بہلول نے اپنی طرف سے مالوہ کے سلطان محمد کو شکست دے کر بھگا دیا جس پر بادشاہ ایسا خوش ہوا کہ اُسے خان جہان کا خطاب دیکر اپنا بیٹا بنا لیا اور ۱۴۴۱ء میں پنجاب کا گورنر مقرر کر کے جسرت پر حملہ کرنے کی اجازت دے دی لیکن بہلول نے جسرت کے ساتھ دوستی پیدا کر لی اور اپنی طاقت مضبوط بنا لی۔ سید محمود کے مر جانے پر ۱۴۴۵ء میں اُس کا بیٹا علاؤالدین تخت پر بیٹھا۔ اُس نے دہلی کی بجائے بدایوں اپنا صدر مقام بنا کر وہاں ہی باغ اور عیش گاہ بنا دیئے اور وہیں رہنا شروع کر دیا۔ امیروں نے بادشاہ اور وزیر کے درمیان جھگڑے شروع کرا دیئے۔ اِس حالت میں بہلول دہلی آیا اور تخت پر قابض ہو گیا۔ علاؤالدین آپ ہی بدایوں چلا گیا۔ بہلول ۱۴۸۸ء میں مر گیا اور اس کے

بعد اُس کا بیٹا سکندر لودھی تخت پر بیٹھا۔ ۲۱ دسمبر ۱۵۰۶ء کو اُس کی موت واقعہ ہوئی۔ یہ شخص بڑا شاعر اور نیک سمجھا جاتا تھا مگر ہندوؤں کے بہت برخلاف تھا اُس نے متھرا میں مندر گرا کر مسجد بنوائی اور یاترا کے موقعہ پر ڈاڑھی اور بال کٹوانا بند کر دیا۔ اِن دونو کے عہد میں پنجاب میں کوئی خاص واقعہ نہیں ہوا جو ذکر کے قابل ہو۔ اُس کے بعد اِس کا بیٹا ابراہیم لودھی تخت پر بیٹھا۔ وہ ایسا ظالم تھا کہ اُس نے اپنے بھائی کو قتل کر دیا۔ امیر لوگ اِس سے ناراض ہو گئے۔ دولت خاں لودھی پنجاب میں خود مختار ہو بیٹھا اور اُس کے چچا علاؤ الدین نے کابل سے چالیس ہزار سوار لے کر دہلی پر حملہ کیا۔ پہلے دن تو اُسے کامیابی ہوئی لیکن اُس کے سپاہی لوٹ مار میں لگ گئے۔ بادشاہ نے فوج اکٹھی کر کے علاؤ الدین کو شکست دی۔ وہ بھاگ کر پنجاب چلا آیا۔ اِس پر دولت خاں نے تیمور کے پوتے بابر کے پاس کابل میں قاصد روانہ کئے۔

مُغل حکومت

بابر نے ۱۵۲۶ء میں حملہ کیا۔ ۲۱ اپریل کو پانی پت کے مشہور میدان میں لڑائی ہوئی۔ جس میں بابر کو فتح نصیب ہوئی۔ ابراہیم میدان میں مارا گیا اور ایک نیا خاندان تخت پر آیا۔ بابر تیمور کی چھٹی پیڑھی میں تھا جب وہ بارہ برس کا تھا۔ تب اُس کے باپ نے اُسے جودھی جان کا علاقہ دیا تھا۔ باپ کے مر جانے پر تخت پر بیٹھا۔ پندرہ برس کی عمر میں اُس نے سمرقند فتح کیا۔ اُس کے بعد اپنی سلطنت کھو دی۔ اور اُس کی زندگی میں ایسے انقلاب آئے کہ وہ کبھی جنگلوں میں اکیلا بھاگا پھرتا تھا۔ کہیں سر لگانے کو جگہ نہ ملتی تھی اور کئی دن بھوکوں

گذارنے پڑتے تھے۔ دولت خان کے بُلانے سے پہلے ہی اُس نے پنجاب فتح کرنے کا ارادہ کیا ہُوا تھا۔ ۱۵۱۹ء میں اُس نے بھیرہ پر پہلا حملہ کیا۔ وہاں سے چار لاکھ شاہ رُخی تاوان وصول کیا اور مولانا مُرشد کو ابراہیم لودھی کے پاس روانہ کیا کہ پنجاب ہمیشہ سے غزنی کے ساتھ رہا ہے۔ لڑائی کو روکنے کے لیئے وہ پنجاب کو چھوڑ دے۔ اِس کے بعد چناب پہنچ کر اُس نے گکھڑوں کے قلعہ پرہالا کو گھیرا۔ اور بہت سامان لے کر واپس ہُوا۔ دوسری بار یوسف زئی لوگوں کو شکست دی۔ تیسری بار سیالکوٹ فتح کیا۔ سیدپور نے مخالفت کی۔ سب قلعے والے قتل کرائے گئے۔ اور لوگ غلام بنائے گئے۔ ۱۵۲۴ء میں دولت خاں کے بُلانے پر وہ لاہور آیا۔ شاہی فوج کو شکست دے کر شہر میں داخل ہُوا۔ گھروں کو آگ لگا دی۔ چار دن کے بعد دیپال پور فتح کر کے سب قلعہ والوں کو تہ تیغ کیا۔ یہاں پر دولت خاں جسے لاہور سے نکلوا دیا گیا تھا۔ اُسے آکر مِلا۔ بابر نے اُسے جالندھر کا صوبہ دار مقرر کیا۔ لیکن دولت خاں گھبرا کر پہاڑوں کو بھاگ گیا۔ اِس سے بابر کو مایوسی ہوئی۔ اور وہ واپس چلا گیا۔ پانچویں بار اُس نے دہلی پر چڑھائی کی۔ اُس کے پاس تیرہ ہزار سوار تھے۔ ابراہیم لودھی کے پاس ایک لاکھ سوار اور ایک سو ہاتھی تھے۔ پانی پت کے میدان پر ابراہیم لودھی کو شکست ہوئی۔ بابر دہلی میں داخل ہُوا۔

خزانہ کھول کر لاکھوں روپے اپنے سرداروں کو دیئے۔ بڑی بڑی رقمیں مکہ۔ مدینہ وغیرہ مقامات کو بھیجیں۔ چار سال راجپوتانہ۔ بنگال۔ وغیرہ میں لڑائیاں کرتا رہا اور ۲۶ دسمبر ۱۵۳۰ء میں آگرہ آکر اس دُنیا سے چل دیا۔ اُس کا بیٹا ہمایوں تخت پر بیٹھا۔ دوسرا بیٹا کامران غزنی سے فوج لے کر پنجاب روانہ ہوا۔ ہمایوں نے خود ہی اُسے پنجاب۔ پشاور۔ لمغان کا علاقہ دے دیا۔ ہمایوں بُندھیل کھنڈ۔ گجرات میں لڑ رہا تھا جب شیر خان پٹھان نے بنگال میں خود مختار حکومت قائم کر لی۔ ہمایوں کو اُس کے خلاف کئی لڑائیاں لڑنی پڑیں۔ آخر ۱۵۳۹ء میں شیر خان نے ہمایوں کو ایسی شکست دی کہ وہ بھاگ کر لاہور آیا۔ شیر خان پیچھا کر رہا تھا۔ ہمایوں بھکر کو چلا گیا اور آگے صحرا میں سخت تکلیفات کا سامنا کرنا پڑا۔ نہ پانی نہ سایہ۔ کوئیں اتنے گہرے تھے کہ بیل کھینچنے والے کو نقارہ سے آواز دینی پڑتی تھی۔ چار دِن کے سفر کے بعد وہ اور اُس کے ساتھی ایک کوئیں پہ پہنچے۔ لیکن جب وہ ڈول نکلا تو سب کے سب اُس پر ٹوٹ پڑے۔ رسّی ٹوٹ گئی اور ڈول کوئیں میں جا پڑا۔ اُس کے ساتھ کئی آدمی بھی مر گئے۔ اِن حالات کے اندر اکبر پیدا ہوا۔ ہمایوں اپنے کنبہ کو امر کوٹ کے رانا کے پاس چھوڑ خود سیستان کو چلا گیا۔

شیر خان

پشاور کے ضلع میں رُد کے سُور قبیلے میں سے تھا۔ اُس کا دادا بہلول کے وقت دہلی آیا۔ اس کا اصلی نام فرید تھا۔ باپ کے سلوک سے تنگ آکر وہ جون پور کے صوبہ دار کے پاس جا نوکر ہوا۔ اُسے نظم و تاریخ کے مطالعہ کا بہت شوق تھا۔ وہاں

سے بہار کے گورنر کے پاس چلا گیا۔ ایک شکار کے موقعہ پر خنجر کی ایک ہی چوٹ سے اُس نے شیر کو مار ڈالا اور شیر خان نام حاصل کیا۔ محمد شاہ کے مر جانے پر اُس کی بیگم نے اُسے وزیر مقرر کیا۔ تھوڑی دیر بعد چنار کے حاکم کی بیوہ سے شادی کر کے اُس قلعے کا مالک بن گیا۔ جب ہمایوں گجرات میں تھا تو اُس نے بہار اور بنگال پر قبضہ کر لیا۔ ہمایوں کو شکست دینے کے بعد اپنے آپ کو بنگال کا بادشاہ مشہور کیا۔ آگرہ پر قبضہ کر ہمایوں کو ایک اور شکست دی اور اُسے پنجاب سے بھگا دینے کے بعد خواص خاں کو اپنا جرنیل مقرر کیا۔ ہمایوں کے چلے جانے کے بعد، چتوڑ، کالنجر وغیرہ کی ہندو ریاستوں سے لڑائی کرتا رہا اور کالنجر کے قلعے میں ۱۵۴۵ء میں مر گیا۔ اُس نے گنگا سے سندھ تک دو ہزار میل سڑک بنوائی جس کے کنارے پر درخت لگوائے اور چوکیاں اور ہرکارے مقرر کئے۔ فوج کے افسروں نے اُس کے چھوٹے بیٹے سلیم کو اُس کی جگہ مقرر کیا۔ لیکن لاہور کے گورنر ہیبت خان نے اُسے منظور نہ کیا۔ جرنیل خواص خان بھی اُس کے ساتھ شامل ہو گیا۔ سلیم شاہ فوج لے کر لاہور روانہ ہوا۔ انبالہ میں سازشی فوج کے ساتھ اُس کا مقابلہ ہوا۔ بادشاہ کی خوش قسمتی سے اُن کے درمیان تفرقات پیدا ہو گئے۔ خواص خان عادل شاہ کے حق میں تھا۔ اور ہیبت خان اپنے ارادہ رکھتا تھا اور کہتا تھا۔ "بادشاہت کسی کی نہیں ہے۔ صرف اُسی کی ہے جس کی تلوار زیادہ تیز ہو"۔ خواص خان ہٹ گیا اور بادشاہ کو آسانی سے فتح حاصل ہو گئی لیکن وہ ۱۵۵۳ء میں مر گیا اور اُس کا بارہ برس

کا بیٹا تخت پر بٹھایا گیا۔ اُس کے ماموں محمد شاہ عادل نے محلوں میں داخل ہو کر بچے کو قتل کر ڈالا۔ اور خود تخت پر قبضہ کر لیا۔ اس نے ایک ہندو ہیموں کو اپنا وزیر مقرر کیا۔ ہیموں بڑا قابل آدمی ثابت ہوا۔

جب ابراہیم خان نے تخت پر قبضہ کرنے کی کوشش کی۔ عادل چنار کی طرف بھاگ گیا۔ اور احمد خان سُور نے سکندر شاہ کا خطاب لے کر پنجاب پر بادشاہی شروع کر دی اور دہلی پر حملہ آور ہوا۔ ابراہیم مقابلے پر آیا۔ اُس کے ساتھ دو سو سردار اور افسر مخملوں کے خیمے میں تھے۔ ہر ایک کے ساتھ اپنا اپنا نوبت نقارہ تھا۔ لڑائی میں ابراہیم کو شکست ہوئی اور سکندر شاہ دہلی اور آگرہ کا مالک بن گیا۔

ہمایوں ایران کے بادشاہ کے پاس مہمان تھا۔ بادشاہ نے اُسے شیعہ بنانے کے خیال سے دس ہزار سوار امداد میں دیئے۔ قندھار میں اُس کے پُرانے افسر اُسے جا ملے اور لڑائی کے بعد ہمایوں افغانستان کا مالک بن گیا۔ اُس کے بھائی جو اُس کے مخالف تھے ان لڑائیوں میں کام آ گئے۔ جب سُور خاندان کے لوگ آپس میں لڑنے لگ گئے تو لوگ اُن سے تنگ آ گئے۔ لوگوں نے آگرہ اور دہلی سے واپس بُلانے کے لئے ہمایوں کو چٹھیاں لکھیں اور ہمایوں نے بیرام خاں کو فوج کا افسر مقرر کیا۔ رہتاس میں لاہور کے گورنر تاتار خاں سے مقابلہ ہُوا۔ تاتار خاں بھاگ گیا اور ہمایوں لاہور میں آ داخل ہُوا۔ آگے بڑھ کر بیرام خاں نے سکندر شاہ کی

تیس ہزار فوج کو ماچھی واڑے کے مقام پر شکست دی لیکن اُس کے پیچھے ہی سکندر خود اسی ہزار فوج لیے آ رہا تھا۔ سرہند کے مقام پر ۱۸ جون ۱۵۵۵ء کو لڑائی ہوئی جس میں سکندر شکست کھا کر بھاگ گیا۔ اکبر نے بڑی بہادری دکھائی اور ہمایوں پندرہ سال کی جلاوطنی کے بعد شاہی مسند پر بیٹھا۔ نماز سے مکان کے نیچے آ رہا تھا۔ بانگ کی آواز آنے سے زینے پر ہی ٹھیر گیا۔ عصا کے سہارے اُٹھا۔ اُس کا پیر اپھسل گیا اور بادشاہ زمین پر گرا اور جاں بحق ہوا۔

اکبر اکبر اس وقت بیرام کے ساتھ تھا۔ ۱۳ سال ۹ ماہ کی عمر میں اُسے کلانور کے قلعے میں مسند نشین کیا گیا۔ اکبر کے سامنے کئی خطرے تھے۔ سُور بادشاہ ابھی میدان میں تھا۔ ہندو راجاؤں میں سے کوئی ساتھ نہ تھا۔ پنجاب کا حاکم ابوالمعالی باغی ہو گیا تھا۔ اُسے گرفتار کر کے پہلوان گلزار کوتوال کی حراست میں رکھا گیا۔ اُس کے بھاگ جانے پر پہلوان نے بے عزتی کے ڈر سے خودکشی کر لی۔ اکبر نے پہلے انبالہ کے نزدیک سکندر کو شکست دی اور اُسے پہاڑوں کو بھگا دیا۔ خضر خان کو لاہور کا گورنر مقرر کیا۔ اِدھر ہیموں نے آگرے پر قبضہ کر لیا تھا اور دہلی پر چڑھائی کر کے مُغل گورنر قادری بیگ خان کو نکال دیا اور وکرماجیت کا خطاب رکھ کر پنجاب کی طرف بڑھا۔ اکبر کی فوج بہت تھوڑی تھی اُس کو نصیحت کی گئی کہ وہ کابل کو چلا جائے۔ اُس سے ایک بڑی ٹڈی دل کا مقابلہ مشکل سے ہوگا لیکن بیرم خان اس کے برخلاف

تھا۔ پانی پت کے مقام پر ۵ نومبر ۱۵۵۶ء کو لڑائی ہوئی۔ یہ مقام فیصلہ کن لڑائیوں کے لئے ہمیشہ سے مشہور ہے۔ ہیموں بہت سے ہاتھی لایا تھا۔ یہ سب ڈر کر بے قابو ہو گئے۔ اور پٹھانوں میں ہل چل پڑ گئی۔ ہیموں بڑی دلیری سے ہاتھی کو ادہر اُدہر لئے جاتا تھا کہ ایک تیر اُس کی آنکھ میں لگا اور وہ ہٹ گیا۔ اُس کے ساتھی یہ سمجھ کر کہ وہ مر گیا ہے بھاگنے لگے۔ باوجود سخت درد کے بہادر ہندو اُٹھا اور اپنے ہاتھ سے آنکھ سے تیر نکالا۔ اور سر پر رومال باندھ کر لڑائی کے لئے تیار ہو گیا۔ لیکن اُس کا ہاتھی گر گیا اور وہ گرفتار ہو گیا۔ بیرم چاہتا تھا کہ اکبر اُسے اپنے ہاتھ سے مار کر غزا حاصل کرے۔ لیکن اکبر نے اُس کا سر تلوار سے چھوا دیا اور بیرم نے اُسے قتل کر ڈالا۔ یہ پہلا ہندو تھا جو اتنی چھوٹی سی پوزیشن سے ترقی کر کے اس رتبہ پر پہنچا تھا۔ اُس کی لیاقت اور انتظام کی وجہ سے پٹھان بادشاہ مغلوں کا مقابلہ کر سکے۔ اتنے میں سکندر نے خضر خان کو شکست دے دی۔ اکبر یہ سُنکر پنجاب آیا اور سکندر کو کلانور سے نکال دیا۔ وہ یہیں تھا جب اُس کی ماں اور دوسری عورتیں کابل سے اُسے آکر ملیں۔

اپریل ۱۵۵۸ء میں بیرم خان نے ہمایوں کی بھتیجی سے شادی کی اور اس کے بعد اُس کی گستاخی یہاں تک بڑھ گئی کہ بادشاہ کو اُسے حکم دینا پڑا کہ وہ مکہ چلا جائے اور بقیہ دن نماز روزہ میں گذارے۔ بیرم خان مکہ جانے کے ارادہ سے ناگور تک گیا۔

یہاں پر آ اُس نے اپنا ارادہ بدل لیا اور پنجاب میں آکر بغاوت کا جھنڈا کھڑا کیا۔ پیر محمدؐ نے اُس کا پیچھا کر کے اُسے بھٹنڈہ تک بھگا دیا۔ دیپال پور ہو کر۔ وہاں سے جالندھر ما چھی واڑہ پھرتا تھا۔ اکبر خود پنجاب کو روانہ ہوا۔ اُس نے لُودھیانہ میں آکر سُنا کہ بیرم کو بڑی شکست ہوئی ہے۔ بیرم خاں نے معافی مانگی۔ اکبر نے اُسے معاف کر کے پچاس ہزار پنشن لگا دی۔ وہ مکہ کو روانہ ہوا مگر راستے ہی میں ایک پٹھان نے اُسے قتل کر دیا۔

۱۵۶۱ء میں اکبر نے راجہ پُورن مل کی لڑکی سے شادی کی اور دس سال بعد راجہ کلیان مل کی لڑکی سے۔ ۱۵۶۶ء میں اکبر کے سوتیلے بھائی حاکم مرزا نے کابل سے لاہور آکر لاہور لینے کی کوشش کی لیکن اکبر کے آنے پر وہ واپس بھاگ گیا۔ ۱۵۷۹ء میں راجہ مان سنگھ لاہور کا گورنر تھا جس سال پھر حاکم مرزا نے لاہور پر ایک اور کوشش کی اور اُس کا محاصرہ ڈال دیا۔ راجہ مان سنگھ نے شہر کی بڑی بہادری سے حفاظت کی۔ بادشاہ خود پنجاب کو آیا۔ حاکم مرزا پشاور کی طرف واپس چلا گیا اور راجہ مان سنگھ نے آگے بڑھ کر اُسے ایک شکست دی۔ اکبر نے کابل میں داخل ہو کر حاکم مرزا کو معافی دی اور وہاں کی حکومت اُس کے ہی سپُرد کر دی۔ واپسی پر اٹک کا قلعہ تعمیر کرانے کا حکم دیا اور راجہ بھگوان داس کو پنجاب کا گورنر مقرر کیا اور جب ۱۵۸۶ء میں حاکم مرزا مر گیا تو اُسکی جگہ مان سنگھ گورنر مقرر کیا گیا۔ اسی سال اکبر خود لاہور آیا اور وہاں سے کشمیر۔ سوات اور باجور کی طرف

مہمیں روانہ کیں۔ سوات اور باجور کے پٹھان، بڑی دلیری سے لڑے۔
اور شاہی فوج کو شکست دی۔ اس لڑائی میں راجہ بیربل مارا گیا۔ اگرچہ
مان سنگھ نے درۂ خیبر میں روشنائی پٹھانوں کو شکست دیکر بھگا دیا۔
۱۵۸۶ء میں کشمیر مطیع ہو گیا۔ ۲۷ اپریل ۱۵۸۹ء کو اکبر لاہور سے جمبر کے
راستے سری نگر پہنچا۔ کئی دن قیام کے بعد کابل کو گیا۔ وہ یہاں ہی تھا۔
جب اُسے لاہور میں راجہ ٹوڈرمل کی موت کی خبر ملی۔ واپس آکر ۱۵۹۸ء
تک حملوں کے ڈر کی وجہ سے لاہور میں ہی دربار کرتا رہا۔ ۱۵۹۰ء
میں کشمیر کا گورنر یوسف خاں مشہدی اپنے بھائی یادگار مرزا کو پیچھے
چھوڑ لاہور کو گیا۔ اس نے ایک امیر زمیندار کی لڑکی سے شادی کر لی اور
خود بادشاہ بن بیٹھا۔ جن سرداروں نے اس کی مخالفت کی انکو قتل کروا دیا
اکبر نے یہ خبر سنکر شاہی فوج روانہ کر دی۔ یادگار مرزا مقابلے کے لئے آیا
لیکن دھوکے سے گرفتار ہو گیا۔ بادشاہ کشمیر گیا اور چالیس روز وہاں رہا
اگلے سال سندھ پر مہم روانہ کر کے اسے مطیع کیا۔ روشنائی فرقہ کے سردار
جلالا نے بغاوت کی وہ اور اس کے بھائی گرفتار کر کے دربار میں بھیجے
گئے۔ اکبر کے دو اور کارنامے چتوڑ کی فتح اور احمد نگر کا محاصرہ تھے چتوڑ
مدت سے ایک ناقابل تسخیر قلعہ سمجھا جاتا تھا۔ اکبر کے مقابلے پر تیس ہزار
راجپوتوں نے اپنی جانیں دیں۔ اسیطرح احمد نگر کے محاصرے میں
حسین نظام شاہ کی لڑکی چاند بی بی کی بہادری کا قصہ ہے جو کہ اس عورت
کو غیر معمولی لیاقت راج نیتی جاننے والی ظاہر کرتا ہے۔ اکبر نے ایک نیا
مذہب جاری کیا جو کہ سورج کی پوجا اور وحدت پر مبنی تھا جس کی رسوم زیادہ
تر زرداشت کے مذہب سے لی ہوئی تھیں جب ۱۵۸۳ء میں اکبر اپنا دربار

فتح پور سیکری سے لاہور سے آیا تو اُس کے ساتھ تین عیسائی پادری بھی آئے۔ اُن کو بڑی اُمید تھی کہ بادشاہ کو عیسائی بنا لینگے۔ پرتگیز پادری لاہور کو ایک بڑا خوبصورت شہر بیان کرتا ہے۔ ایک اور مشن ۱۵۹۵ء میں لاہور آیا جس میں زیویر اور کئی پادری تھے۔ وہ کئی سال تک ٹھیرے بادشاہ کے ساتھ کشمیر گئے۔ زیویر نے مسیح کا جیون چرتر لاہور کے مولوی ابو خیارس کی مدد سے فارسی میں لکھا۔ اکبر نے مذہبی بُردباری کے اصول بھی یہیں جاری کئے۔ جن کی وجہ سے اُسے بہت شہرت حاصل ہوئی۔ سینچر شام کو عبادت خانہ میں مذہبی بحث مباحثہ ہُوا کرتا تھا۔ بادشاہ اِدہر دربار میں موجود ہوتے تھے۔ ابوالفضل بحث شروع کرتا اور اپنے ماسٹر کے خیالات کی تشریح کرتا تھا۔ ہر مذہب کے عالم بادشاہ کے دربار میں جاتے تھے اور تاریخ کے عجوبات اور الہام کے بھیدوں وغیرہ مذہبی مضامین پر بحث کی جاتی تھی۔ بادشاہ بڑے غور اور سنجیدگی کے ساتھ سب کچھ سُنا کرتا تھا۔ اسی مطلب کے لئے دو مکانات شہر کے باہر بنوائے گئے۔ ایک خیر پورا۔ میاں میر کو جاتے ہوئے دارانگر کے پاس مسلمانوں۔ عیسایوں اور یہودیوں کے لئے تھا اور دوسرا دھرم پورہ ہندوؤں کے لئے۔ ان مباحثوں کے نتائج کبھی بہت مُہلک ہوتے تھے۔ ایک موقعہ پر ایک شیعہ مُلا۔ احمد کو مرزا فلا نے قتل کر ڈالا۔ قاتل کو ہاتھی کی ٹانگ کے ساتھ زندہ باندھ دیا گیا۔ اکبر نے ہندوؤں سے جزیہ ہٹا دیا۔ مُسلمانوں میں زیادہ شادیاں بند کرانے کی کوشش کی۔ گائے کا گوشت کھانا منع کر دیا۔ اسے چھوٹا گناہ قرار دیا۔ ہندوؤں میں

ستی کو بند کرنے کے لئے افسر مقرر کئے۔ ڈاڑھی منڈوانا دوستی کا ذریعہ سمجھا جاتا تھا۔ جسمانی طاقت کے لئے شراب کا استعمال جائز تھا مگر نشہ کے لئے ناجائز۔ اس کا مذہب دین الٰہی قدرتی طاقتوں کی پوجا تھی۔ اُس نے پانچ پانچ کوس پر گھوڑ سوار مقرر کر کے ڈاک کا طریقہ نکالا۔ اُسے بولیوں کا بھی شوق تھا۔ پہلی زبان دریافت کرنے کے لئے بارہ بچوں کو گونگی دائیوں کے پاس پرورش دلائی۔ سب لڑکے بھی گونگے ہو گئے۔ سنسکرت لٹریچر میں سے فارسی زبان میں ترجمے کرائے۔ ترجمہ کرنے والا فیضی تھا۔ اُس کے وقت میں راجہ ٹوڈرمل نے مالگزاری کا طریقہ نکالا۔ بہت سے ٹیکس جو صنعت پر بوجھ ڈالتے تھے دُور کر دیئے گئے۔ اس سے پہلے طریقہ یہ تھا۔ صوبہ کا صوبہ دار ساہوکار کو ہر گاؤں میں ٹھیکہ دیتا تھا۔ ٹھیکہ دار زمینداروں کو اچھی طرح نچوڑ لیتا تھا۔ روپیہ سے وہ فوج کو تنخواہ دیتا تھا اور جو کچھ بچ جاتا سرکاری خزانہ میں بھیج دیتا تھا۔ اکبر نے یہ سب بدل کر صوبہ داروں کے نام حکم لکھا کہ سارا لگان سرکاری خزانہ میں بھیج دیا جائے۔ اور وہاں سے سپاہیوں کو تنخواہ دی جائے۔ ساری مزروعہ اور غیر مزروعہ زمین کی پیمائش کرائی گئی۔ خالصہ زمین اور جاگیروں کے ٹیکس وصول کرنے والے دستور العمل کے مطابق لگان اور جہات وصول کرتے تھے یہ لوگ عامل کہلاتے تھے۔ ان کے ماتحت ایک کارکُن (مینیجر) اور ایک خاص نویس (پٹواری) ہوتا تھا۔ عامل کو پٹیل بھی کہتے تھے۔ پٹواری زمین کی تقسیم کر دیتا اور عامل نقد روپیہ وصول کر کے روانہ کرتا تھا۔ چوکیدار بھی ہوتا تھا۔ وہ تمام زمین جو ایک کروڑ روپیہ سالانہ لگان ادا کرتی تھی ایک افسر کے نیچے ہوتی تھی۔ جسے کروڑی کہتے تھے۔ ہر گاؤں میں ایک مُلّا یا اُستاد ہوتا۔

جس کو کام تعلیم دینا ہوتا تھا۔

اکبر کا دربار بڑا عالیشان اور شاہانہ تھا۔ اُس کے دربار میں بارہ ہزار گھوڑے۔ پانچ ہزار ہاتھی شکاری جانوروں کے علاوہ تھے۔ اُس کا ڈیرہ چلتا ہؤا بڑا شہر تھا۔ جس سے جنگل میں بھی اُسے سب سامان اور شان و شوکت حاصل تھی۔ دربار کے لیئے۔ آرام کے لیئے۔ نوکر چاکروں کے لیئے۔ مجلسوں کے لیئے خیمے شامیانے سب پانچ میل کی جگہ گھیر لیتے تھے۔ بادشاہ کے جنم دن بڑی رونق ہوتی تھی۔ بادشاہ اُمرا سے سجدہ حاصل کرتا تھا اور انعام اکرام بانٹتا تھا۔ سنہری ترازو پر سونے چاندی اور عطر کے ساتھ علیحدہ علیحدہ تولا جاتا تھا۔ اور یہ سب بانٹ دیئے جاتے تھے۔ بادشاہ اپنے ہاتھ سے سونے اور چاندی کے بادام پھینکتا تھا۔ جن کو امیر تک لینے کے لیئے دوڑتے تھے۔ ہندو شہروں اور مندروں کو لوٹ کر اور مسلمان حکمرانوں سے بادشاہ نے بیشمار دولت جمع کر لی تھی۔ سلیم کہتا ہے کہ تیمور کے پاس اس کا دسواں حصہ بھی نہ تھا۔ آگرہ میں چار سو ترازو سونے اور جواہرات کو تولنے ہی میں لگے رہے۔ پانچ ماہ تک یہ کام ختم نہ ہو سکا۔ تاج کی قیمت بیس لاکھ پونڈ کے قریب ہوگی اور تخت کی تیکس کروڑ پونڈ۔ اگرچہ آخیر وقت میں اکبر کو اپنے بیٹے سلیم کی عیاشی سے بہت دکھ ہؤا۔ مرتے وقت سب اُمرا کو بلا کر اُسنے نصیحت کی۔ اپنے قصوروں کے لیئے معافی مانگی۔ سلیم کی طرف اشارہ کر کے تخت پر بٹھانے کے لیئے کہا۔ ۱۲ اکتوبر ۱۶۰۵ء کو اس جہان فانی سے کوچ کیا۔ سلیم جہانگیر کا خطاب لے کر تخت پر بیٹھا۔ باپ کے وزیروں کو قائم رکھا۔

مگر مذہبی تبدیلیاں کرنے والوں کو ہٹا دیا اور مسلمانی مذہب کا خیال رکھنے لگا۔ شراب کا استعمال قانوناً منع کر دیا۔ اگرچہ وہ خود پیا کرتا تھا۔ بچپن میں پادریوں نے اُسے یہ عادت ڈال دی تھی۔ صبح جھروکھا میں بیٹھ کر سجدہ حاصل کیا کرتا تھا۔ ایک انصاف کی زنجیر محلوں میں لٹکا دی گئی جسے کھینچ کر کوئی مظلوم اپنی فریاد بادشاہ تک پہنچا سکتا تھا۔

جہانگیر نے سعید خاں مُغل کو پنجاب کا گورنر مقرر کیا۔ ابھی اُسے تخت پر بیٹھے چار ماہ ہی ہوئے تھے کہ شاہزادہ خسرو نے بغاوت کی اور پنجاب میں آکر دس ہزار سپاہ اکٹھی کر لی اور لاہور کا محاصرہ کرکے ایک دروازے کو آگ لگا دی۔ شاہی افسروں نے شہر کی حفاظت کرنے میں کوئی کسر باقی نہ رکھی۔ بادشاہ خود بھی آ پہنچا۔ باقاعدہ ایک لڑائی ہوئی۔ جس میں خسرو کو شکست ہوئی۔ شہزادہ چناب سے گذر رہا تھا جب وہ ریت پر چڑھ گیا اور وہ پکڑا گیا۔ شاہزادہ کانپتا تھا اور روتا تھا۔ اُس کے دو ساتھیوں حسین بیگ اور عبدالعزیز کو گائے کی کھال اور گدھے کی کھال میں سی دیا گیا۔ پہلا چوتھے اور دوسرا پانچویں دن مر گیا۔ گورو ارجن کو بھی اسی قصور کے بدلے جان قربان کرنی پڑی۔ بادشاہ قلعے میں داخل ہوا۔ مرزا کامران کے باغ کے دروازے تک لکڑیاں جمع کی گئیں اور سات سو باغیوں کو زندہ جلا دیا گیا۔ لاہور میں بادشاہ کو خبر لگی کہ قزلباشیوں نے بغاوت کر دی ہے۔

کچھ سرداروں کو لاہور چھوڑ کر خود کابل روانہ ہوا۔ راوی پار دل آمیز باغ میں وہاں سے ہری پور۔ چاندوالہ۔ حافظ آباد، گجرات۔ رہتاس حسن ابدال اور وہاں سے پشاور خیبر ہوتا ہوا کابل پہونچا۔ سال بھر کابل ٹھیر کر کشمیر کی سیر کرتا ہوا ۱۶۰۷ میں لاہور پہونچا ۱۶۱۶ میں دو سال تک برسات نہ ہوئی اس سے ایک ایسی وبا پھوٹ پڑی جو آٹھ سال تک جاری رہی پنجاب سے سرہند اور دہلی تک پھیلی۔ لاہور میں اس نے ایسی تباہی کی کہ مکانات مردوں سے بھر گئے۔ تالے لگ گئے کوئی ڈر کے مارے انہیں کھولتا نہ تھا۔ اس سال شہزادہ خورم (شاہجہان) نے دکن پر فوج کشی کی۔ ملک امبر کو شکست دی اور بیجاپور سے اطاعت منظور کروائی ۱۶۲۲ میں خسرو قید میں مر گیا شاہجہان کی تخت نشینی یقینی ہو گئی

نورجہان

اکبر سلطنت بنانے والا ایک معمار تھا اسکا بیٹا سلیم یا جہانگیر عاشق مزاج شخص تھا۔ جس نے بادشاہی کو عشق میں تبدیل کر کے اس پر مستی کا رنگ چڑھا دیا۔ جہانگیر کے بعد شاہجہان کے زمانہ کو امن میں سلطنت پر جشنوں کی موج کا رنگ چڑھا۔ دربار اور فوج سب اسی میں رنگے گئے۔ جہانگیر کہتا تھا کہ اس نے ایک پیالے کے بدلے سلطنت نورجہان کے ہاتھ بیچ دی ہے۔ جہانگیر نام کا بادشاہ تھا۔ حکومت اصل میں نورجہان کے ہاتھ میں تھی۔ نورجہان کا باپ غیاث مرزا۔ ایران کا ایک امیر زمانے کے انقلاب کے نیچے آ کر اپنے ملک سے نہایت غریبی کی حالت میں روانہ ہوا راستے میں اس کی عورت کو ایک لڑکی پیدا ہوئی جسے وہ جنگل میں ہی چھوڑ کر آگے روانہ ہو گئے پیچھے ایک قافلہ آتا تھا۔ ایک سوداگر نے لڑکی کو اٹھا لیا اور اس کی

ماں کو ہی پرورش کے لیئے سپرد کر دیا۔ اکبر کے دربار میں مرزا غیاث کی عزت بڑھنے لگی نور جہاں بھی شروع سے ہی خوبصورتی میں مشہور ہو گئی۔ جہانگیر اس پر فریفتہ ہو گیا۔ اکبر کو جب اس کی خبر لگی اسنے نور جہان کی ایک پٹھان سردار سے شادی کر کے اسے بنگالے کا حاکم مقرر کر دیا۔ تخت پر بیٹھنے کے بعد جہانگیر کو نور جہان کا خیال نہ بھولا تھا اس لیئے ایک ایسا انتظام کیا کہ ایک مقابلے میں نور جہان کا خاوند شیر افگن خاں قتل ہو گیا اور نور جہاں کو بادشاہ نے محلوں میں داخل کر لیا۔ نور جہان اپنے باپ کے صلاح مشورہ سے سلطنت کا کاروبار کرتی تھی لیکن جب ۱۶۲۲ میں وہ مر گیا تو نور جہاں ایسی سازشوں میں لگ گئی جس سے بادشاہ کی آخری زندگی تلخ ہو گئی۔ نور جہان چاہتی تھی کہ اسکا بیٹا شہریار بادشاہ کے بعد تخت پر بیٹھے شاہجہان کو یہ خبر لگ گئی اس نے بغاوت کی بادشاہ کو اس کے برخلاف جانا پڑا اور وہ تلنگانہ کو بھاگ گیا۔ نور جہاں کی دوسری سازش بڑے سردار مہابت خاں کے برخلاف تھی۔ مہابت خاں بادشاہ کی ناراضگی کو معلوم کر کے جب وہ کابل جاتے ہوئے جہلم سے گذر رہا تھا اپنا دستہ لے کر بادشاہ کے خیمہ پر جا پڑا اور اسے گرفتار کر لیا۔ نور جہان نے بادشاہ کو چھڑانے کی کوشش کی مہابت خاں کے راجپوت بہادری سے لڑے جب نور جہان کو کوئی امید نظر نہ آئی تو وہ بھی بادشاہ کے ساتھ گرفتاری میں رہنے کو تیار ہو گئی۔ مہابت خاں دونوں کو کابل لے گیا۔ نور جہان کی ان تھک منت اور خوشامد سے اس نے بادشاہ کو رہائی دیدی واپس آتے ہوئے بادشاہ نے آصف خاں کو لاہور کا گورنر مقرر کیا

اور لاہور سے کشمیر کی سیر کو روانہ ہوا۔ راستہ میں دمہ کی بیماری نے آ دبایا۔ اور ہرنوں کا شکار کرتے ہوئے شکاری کے گر جانے سے ایسا صدمہ ہوا کہ بادشاہ کی طبیعت بگڑ گئی اور ۲۸۔ اکتوبر ۱۶۲۷ء کو جان بحق ہوا۔ لاش لاہور میں لائی گئی اور اس کے مقبرے پر ایک عالیشان عمارت بنائی گئی نور جہان نے لاہور میں ۱۶ سال باقی زندگی کے گذارے جہاں پر اسے پچیس لاکھ سالانہ پنشن ملا کرتی تھی ۷۲ سال کی عمر میں لاہور میں اس کی موت ہوئی اور یہاں ہی اسکا مقبرہ پایا جاتا ہے۔ ویرانے میں یہ ایک مکان اس بڑی عورت کی یاد دلاتا ہے جو کسی زمانہ میں سلطنت کو انگلی پر نچایا کرتی تھی۔

شاہ جہان

شہریار نے لاہور میں اپنے آپکو بادشاہ مشتہر کیا لیکن اس کے ساتھیوں کو شکست ہو جانے پر اس نے اپنے آپکو قلعہ میں بند کر لیا آخر قلعے میں سے نکالکر اسے اندھا کر دیا گیا۔ شاہجہان تخت پر بیٹھا اور اس کے خاندان کے کئی شہزادوں کے سر کاٹ کر اس کے پاس بھیجدیئے گئے۔ اگرچہ اس کی ماں مارواڑ کی شہزادی تھی لیکن اس میں اسلام کی طرفداری پائی جاتی تھی۔ ہگلی لے کر چھ سو پرتگیزوں کو قید کر لیا اور ان کو مسلمان بنا کر ان کی عورتیں کچھ حرم میں ڈال لیں اور کچھ مسلمان امیروں کو بانٹ دیں شاہ جہان نے شاہجہان آباد نام سے نئی دہلی آباد کی اور اس میں عالیشان مسجد اور عمارتیں بنوائیں۔ جمنا کے پانی میں بہت شورہ کی وجہ سے دور سے دو نہریں لاکر پانی مہیا کیا گیا۔ شاہجہان کو تماشوں اور عمارتوں کا بہت شوق تھا۔ اس کی بڑی عمارت تاج محل دنیا کا ایک عجوبہ ہے جس کی

تعمیر کے لیے ٹرلور نیر کہتا ہے "۔ ۔گ ہزار آدمی روزانہ بائیس سال تک کام
کرتے رہے" بادشاہ گرمیوں کشمیر اور سردی میں لاہور رہتا تھا ۔ ۱۶۳۷ء
میں علی مردان خاں ایران کے بادشاہ کا گورنر لاہور میں شاہجہان سے
اور قندہار جسپر کہ مغلوں کا قبضہ برائے نام تھا بادشاہ کے حوالے
کیا ۔ شاہجہان نے اسے امیر الامرا کا خطاب دیکر پنجاب کا گورنر مقرر کیا
۱۶۴۴ء میں علی مردانخاں نے مغل فوج لیکر بخارا پر حملہ کیا سردی کی
وجہ سے اسے پیچھے ہٹنا پڑا ۔ راجا مان سنگھ کا بیٹا جگت سنگھ راجپوتوں کی
فوج لیکر اس کی مدد کو پہنچا ۔ ان راجپوتوں نے مذہبی توہمات پرے
رکھدیے اور بڑی بہادری سے پہاڑوں میں راستے بنائے ۔ برفوں
میں سے گذر کر قلعے بنائے جاتے تھے ۔ انہوں نے ازبکوں پر کئی فتوحات
حاصل کیں بادشاہ خود کابل گیا مگر یہ دیکھکر کہ ان پہاڑوں میں
جانیں ضائع کرنے سے کچھ فائدہ نہ ہوگا وہ صوبہ نظر محمد کو دیکر واپس
چلا آیا ۔ ۱۶۴۹ء ایرانیوں نے قندھار پر قبضہ کر لیا ۔ اسپر بادشاہ نے
اورنگ زیب کو فوج دیکر روانہ کیا مگر کوئی فائدہ نہ ہوا ۔ خود ساٹھ ہزار
سوار لیکر کابل گیا ۔ کئی ماہ تک قندھار کا محاصرہ جاری رکھا مگر ناکام
لاہور واپس آنا پڑا ۔ اگلے سال بادشاہ نے لاہور سے تبت پر
ایک مہم روانہ کی اور اسکردو فتح کیا ۔ اورنگ زیب نے پھر قندہار
کا محاصرہ کیا لیکن پھر بھی کامیابی نہ ہوئی دارا شکوہ کو فوج دیکر
مدد کے لیے بھیجا گیا مگر کچھ نہ بنا ۔ اسوقت ایک اطالین ڈاکٹر منوچی
بادشاہ کے دربار میں آیا جس نے بادشاہ اور اس کے چار بیٹوں
اور لڑکیوں کا حال لکھا ہے وہ کہتا ہے کہ بادشاہ کو کشمیر کا اور لاہور

کا بہت شوق تھا۔ کشمیر سے واپس آکر لاہور میں دربار کیا کرتا تھا۔ اُسنے
قلعے میں سمن برج بنایا جہاں پر ہر روز کھڑکی سے صبح درشن دیتا تھا۔ امیر
لوگ احکام کو سنا کرتے تھے" ۱۶۵۰ء میں دہلی میں اچانک بیمار ہو گیا
کئی دن تک بے ہوش رہا دارا شکوہ نے سب انتظام اپنے ہاتھ میں
لے لیا۔ شاہجہان نے لاہور اور کشمیر کے شالامار باغ بنائے۔ ٹریورنیر
کہتا ہے کہ اسکی حکومت زیادہ تر اپنے کنبے پر باپ کی حکومت کے ساتھ ملتی
تھی۔ اس کی سول گورنمنٹ ایسی باقاعدہ اور اچھی تھی کہ کبھی کسیکو ڈاکہ
زنی میں پھانسی کی سزا نہیں دی گئی اس کے وقت میں ملک میں امن اور
خوشحالی تھی۔ برنیر نے ۱۶۵۵ء سے ۱۶۶۷ تک ملک میں سفر کیا و
شہروں کی خوبصورتی اور دولت کا ذکر کرتا ہے اور ملک کی خوشحالی
کی تعریف کرتا ہے۔

اورنگ زیب

ایک بھائی شجاع بنگال سے فوج لیکر روانہ ہوا
مراد نے اپنے آپکو گجرات میں بادشاہ مشتہر کیا
اورنگ زیب نے جو کہ مکاری کے ہنر کا پکا استاد تھا۔ مراد کو لکھ بھیجا
"میں خود تو اس ناپائدار اور ناہنجار دنیا میں کچھ حصہ نہیں لینا چاہتا۔ میں نے تو
حج کو جانے کا پکا ارادہ کر لیا ہے" مراد نے اپنی فوج اس کے ساتھ
شامل کر دی۔ اس فوج کی مدد سے اس نے پہلے دارا کو پھر شاہ شجاع
کو شکست دیکر بھگا دیا اور ایک بہانہ سے مراد کو پکڑ کر گوالیار کے قلعے
میں بند کر دیا۔ شاہجہان اچھا تو ہو گیا مگر اس بغاوت کے شعلوں کو روک
نہ سکا۔ دارا چنبل کے مقام پر شکست کھا کر دہلی بھاگتا آیا اور اورنگ زیب
نے آگرہ پر قبضہ کر کے شاہجہان کو قید کر لیا۔ دارا لاہور پہونچا اور فوج جمع

کرنے لگا اور نگ زیب بھی ادہر روانہ ہو گیا۔ دارا وہاں سے بھاگ کر ملتان۔ ملتان سے سندھ اور بھکر ہوتا ہوا۔ گجرات جا پہونچا۔ اورنگ زیب نے اسے ایک شکست دی اور اسے سندھ کو واپس بھگا دیا۔ ایک افغان نے جسکا نام بختیار خاں تھا۔ دھوکے سے دارا کو پکڑوا دیا۔ دارا کی عورت جلا وطنی میں ہی مرگئی۔ ہتکڑی اور بیڑی پہنے ہوئے دارا کو شاہجہان آباد لایا گیا۔ قاضیوں نے دارا پر شرع کا فتویٰ لگا کر قتل کا حکم دیا۔ لیکن کوئی شخص اس کو قتل کرنے کے لئے تیار نہ تھا۔ مدت بعد انہیں ایک شخص ملا اور جب وہ مکان میں گیا تو دارا اور اسکا بیٹا مسور کی دال پکا رہے تھے۔ چھری لیکر اُٹھ کھڑے ہوئے۔ لیکن زخموں سے مارے گئے۔ شاہجہان نے آٹھ سال اور قید میں گذارے ایکدفعہ اورنگ زیب نے ایک یورپین ڈاکٹر کو علاج کے لئے بھیجا۔ دوسرے دن شاہجہان کی موت مشہور ہو گئی۔ یہ ڈاکٹر کئی بار زہر دینے کے لئے استعمال کیا جا چکا تھا۔

merely wrong

۱۶۵۸ء میں اورنگ زیب تخت پر بیٹھ گیا۔ بیٹھتے ہی اس نے نوروز کی رسم۔ شراب۔ جواخانے بند کر دئے۔ گانا۔ ناچنا۔ تماشا موقوف کر دئے اس نے گانے بجانے کے سب ساز جلا دینے کے لئے افسر مقرر کئے گئے شاہی شاعر۔ شاہی نجومی۔ اور شاہی راگی سب موقوف کر دئے گئے۔ لیکن اسکا مخبروں کا طریقہ ایسا اعلیٰ تھا کہ اسے ہر ایک بات کی خبر رہتی تھی وہ شیعہ مسلمانوں سے بھی نفرت کیا کرتا تھا۔ اس نے ہندووں کی تعلیم بند کر دی۔ بنارس میں وشوا ناتھ کا مندر اور متھرا میں ڈیرا کیشو رائے کا گرا دئے گئے۔ متھرا کے مندر پر ۳۳ لاکھ روپیہ خرچ ہوا تھا۔ اس کے

گنبد اگرے سے بنکر آیا کرتے تھے۔ اس لئے مندروں کی جگہ پر مسجدیں بنوائیں۔ مورتیوں کو لیجاکر آگرہ کی نواب بیگم کی مسجد کی سیڑھیوں کے نیچے رکھدیا۔ متھرا کا نام سرکاری کاغذات میں اسلام آباد رکھنے کا حکم دیا۔ اس نے حکم دیا کہ سب مندر گرا دیئے جائیں۔ ہندو میلے بند کرا دیئے۔ یہ حکم لکھ بھیجا کہ کسی ہندو کو سرکاری عہدہ نہ دیا جائے تمام نوکر مسلمان ہونے چاہئیں ورنہ وہ موقوف کئے جائیں وہ اسلام کو ہندوستان کا ایک مذہب بنانا چاہتا تھا۔ سنہ ۱۶۹۰ء میں اسنے اعلان کیا کہ کوئی ہندو پالکی پر یا عربی گھوڑے پر نہ سوار ہو۔ جوگی سنیاسی سلطنت سے باہر نکالدئے جائیں۔ تجارتی مال پر ہندوؤں سے مسلمانوں کی نسبت دوگنا ٹیکس لیا جائے۔ ۲۲ ویں سال میں اسنے جزیہ پھر ہندوؤں پر جاری کیا۔ دہلی کے تمام ہندو جھروکے کے نیچے اکٹھے ہوئے اور بادشاہ سے جزیہ دور کرنے کی درخواست کی مگر وہ کب سنتا تھا۔ ہندوؤں نے ہڑتال کردی اور تمام کاروبار بند ہوگیا ایک جمعہ کو وہ محل سے مسجد تک۔ بازاروں میں جمع ہوگئے بادشاہ کا راستہ مجمع سے رکنے لگا اس نے کچھ ان کی بات نہ سنی اور جنگی ہاتھیوں کو آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ بیشمار آدمی ہاتھیوں اور گھوڑوں تلے کچلے گئے۔ اس کے بعد دہلی کے ہندو تو خاموش ہوگئے لیکن مہاراشٹر اور پنجاب کے ہندو جاگ اٹھے۔ اسکا قصہ ہم آگے چلکر لکھیں گے یہی متقی بادشاہ جب گرمیوں میں کشمیر جاتا تھا۔ دہلی سے بالکل مختلف ہوتا تھا۔ یہاں عورتوں کی [illegible] رہتا تھا اور ہر طرح سے طبیعت خوش کرتا تھا۔

۱۶۶۲ میں خیبر کے افغان باغی ہو گئے۔ میر جملہ کا بیٹا امین خاں جو کابل کا گورنر تھا پشاور میں رہا کرتا تھا۔ پشاور سے فوج لیکر چڑھا اس کی ساری فوج کٹ گئی اور ماں بہن اور لڑکیاں غلام بنائی گئیں بادشاہ خود فوج لیکر ادھر گیا مگر دہلی کے پاس ست نامیوں کی بغاوت کی وجہ سے اسے واپس آنا پڑا۔ شاہی فوج نے بڑی بے رحمی سے یہ بغاوت فرد کی۔ عورتوں اور بچوں کو بڑی سختی سے قتل کیا۔ بادشاہ نے امید خاں کی جگہ قاسم خاں کو اپنی چالاکی سمجھا کر بھیجا۔ اس نے جاتے ہی دوستی کی باتیں کر کے افغانوں کے دل نرم کر لئے اور اپنے بیٹے کی سُنت کے موقعہ پر سب کو ضیافت میں بلایا۔ شہر کے میدان میں گھوڑ دوڑ ہاتھیوں کی لڑائی اور دوسرے تماشے ہوئے۔ قاسم خاں آہستہ سے اُٹھ کر چلا آیا مسلح فوج نے افغانوں کو گھیر لیا اور ان سب کو گولیوں کا شکار بنا دیا۔ اس قتل سے ایسا رعب بیٹھا۔ کہ پٹھانوں نے پھر کبھی کوئی تکلیف نہ دی۔

بادشاہ کا کیمپ ایک سفری شہر تھا۔ بادشاہ زیادہ تر سفر میں رہتا تھا۔ بیگمات ہاتھیوں پر سوار ہوا کرتی تھیں ان کے ساتھ بیشمار نوکرانیاں ہوا کرتی تھیں۔ خوراک کا سب سامان ساتھ ہوتا تھا پینے کے لئے گنگا کا پانی اونٹوں پر پہونچایا جاتا تھا۔ رسالے۔ پلٹنیں۔ ہاتھی۔ شکاری کتے سب ساتھ ہوتے تھے۔ اورنگ زیب کی پالیسی ہندوؤں کے برخلاف تو سمجھ میں آسکتی ہے کہ اس سے وہ ہندوستان میں ایک مذہب کرنا چاہتا تھا۔ لیکن اس سے بھی بڑھ کر اس کی ملکی پالیسی تھی جس سے وہ دکن کی مسلمان سلطنتوں

کو مٹا کر سارے ملک میں ایک حکومت قائم کرنا چاہتا تھا۔ اس کی عمر کے پچھلے بیس پچیس سال بیجاپور اور گولکنڈہ کی مسلمان ریاستوں کے برخلاف اور دکن میں مرہٹوں کی ہندو طاقت کو دبانے میں گذرے۔ اورنگ زیب نے مسلمان ریاستوں کو کچلنے سے مرہٹوں کو طاقتور بننے کا موقعہ دیا۔ جب اورنگ زیب کی حکومت دکن میں بھی ایسی ہی قائم ہو گئی جیسی شمال میں تھی تو یہ عمارت اپنے بوجھ سے ہی گرنے لگی۔ دکن کے سب مرہٹے شیواجی کے آزاد راج ؟ کی حفاظت کرنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے اور اورنگ زیب اور اسکی ساری فوج کا ناک میں دم کر دیا۔ جب وہ مرہٹوں کے ساتھ جنگ کر رہا تھا۔ دکن میں ہی اس کی موت ہوئی اور اس کی آخری چٹھیاں اس کی زندگی کی پشیمانی کو ظاہر کرتی ہیں۔ ایک چٹھی میں اس نے لکھا ہے "میں اکیلا دنیا میں آیا۔ اکیلا جاتا ہوں۔ لیکن اپنی بابت کچھ نہیں جانتا۔ کہ میں کیا ہوں اور میرا کیا بنے گا۔" ایک اور میں کہتا ہے جو کچھ اچھا یا برا میں نے کیا ہے وہ تمہارے لئے کیا ہے۔

"ہرچہ باد اباد ما کشتی در آب انداختیم الوداع۔ الوداع۔ الوداع۔"

اپنی وصیت میں اس نے اپنی سلطنت کو تین حصوں میں بانٹا لیکن اس کی وصیت کی کسی نے پرواہ نہ کی مارچ ۱۷۰۷ء میں وہ مر گیا

پچھلے بادشاہ

اسکا بڑا بیٹا معظم کابل سے لاہور آیا۔ موت کی خبر سنکر لاہور میں ہی اس کے نام کا خطبہ پڑھا گیا اور فوج جمع کر کے آگے کو بڑھا۔ دوسرا بیٹا اعظم جنوب نے فوج

لئے آیا۔ تاجو کے مقام پر لڑائی ہوئی۔ جس میں اعظم اور اس کے دو بیٹے مارے گئے اور معظم بہادر شاہ کا خطاب لیکر تخت پر بیٹھا اس خبر کو پاکر کام بخش نے بھی لڑائی کی تیاری شروع کی۔ بادشاہ نے اُسے بہتیرا سمجھایا مگر وہ راضی نہ ہوا۔ حیدرآباد کے پاس لڑائی ہوئی جس میں کام بخش زخمی ہو گیا۔ اسکو لاکر ایک یوروپین سرجن کے علاج میں رکھا گیا۔ شام کے وقت بادشاہ اس کے پاس گیا اور کہا۔

"افسوس! میں اپنے بھائی کو ایسی حالت میں نہ دیکھنا چاہتا تھا!" مغرور مرتے ہوئے جوان نے جوابدیا "اور نہ میں کبھی تم کو ایسی حالت میں دیکھنا چاہتا ہوں" اس نے کھانا کھانے سے انکار کر دیا اور اسی رات مر گیا۔

بہادر شاہ لاہور میں

اِس وقت پنجاب میں سکھوں نے اپنی حالت بدل لی۔ سرہند، سہارنپور اور مظفر نگر میں حملے شروع کئے انکی فوج سترہ ہزار تک پہونچ گئی۔ ان کی طاقت دیکھکر بہادر شاہ کو اپنا صدر مقام لاہور لانا پڑا۔ اور یہاں سے سکھوں کے برخلاف فوجیں بھیجنی شروع کیں سکھوں کے لئے لاہور میں آنا بند کر دیا گیا لیکن وہ رات کو راوی سے تیر کر آتے تھے۔ اور پار چلے جاتے تھے۔

بہادر شاہ کا خیال شیعہ تھا۔ اس نے علما کو اکٹھا کیا اور بحث کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ خطبہ میں علی کے ساتھ لفظ وصی ایزاد کیا جائے۔ اسپر لاہور میں بڑی ہل چل ہوئی۔ بادشاہ کے اپنے دونوں بیٹے سنی تھے جب شیعہ ملا مسجد میں خطبہ پڑھنے گئے تو لوگوں نے وہ لفظ بولنے سے پہلے اُسے کھینچکر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ شورش اتنی بڑھی کہ بادشاہ کو حکم دینا پڑا کہ

یہ لفظ نہ پڑھا جائے ۱۲، ۱۷ ایں اسے خبط ہو گیا اور بیہوشی طاری ہونے لگی۔ اس نے یہ حکم دیا کہ شہر کے سارے کتے مارے جائیں۔ ۱۹ فروری کو اس کی موت واقع ہوئی۔ شاہ عالمی دروازہ اس کے نام پر ہے اس کی موت پر اس کے چار بیٹوں میں جدوجہد شروع ہو گئی۔ عظیم الشان نے اپنے آپکو لاہور کا بادشاہ مشتہر کیا۔ امیر الامرا ذوالفقار خاں دوسرے بیٹے معز الدین کے ساتھ ہو گیا۔ رفیع الشان خجستہ اختر دونوں معز الدین کے ساتھ مل گئے اس خیال سے کہ فتح ہو جانے پر وہ تین برابر حصوں میں بانٹ لیں گے انہوں نے قلعے سے سب توپخانہ نکال لیا۔ عظیم الشان نے دریا کی طرف پیٹھ کر کے میدان میں ڈیرہ لگا دیا۔ چاروں فوجیں اسیطرح پڑی رہیں پانچویں دن عظیم الشان نے لڑائی شروع کی اس کے دو مددگار محکم چند کھتری اور راج سنگھ جاٹ بہادری سے لڑکر مارے گئے لیکن عظیم الشان کو شکست ہوئی۔ دوسرے دن وہ پھر تیار ہوا۔ لیکن ہاتھی نے بیٹھنے سے انکار کر دیا۔ دوسرا ہاتھی لایا گیا اتنے میں اس کی فوج بہت کم ہو گئی۔ شہزادہ تیروں کے زخم سے گر پڑا۔ ہاتھی کو ایک ایسا گولا لگا کہ وہ دریا میں گھس گیا اور شہزادہ دریا میں ڈوب گیا۔ خجستہ اختر سب مال و دولت کے تین حصے کرنا چاہتا تھا۔ ذوالفقار خاں چالاکی سے دو بھائیوں کو چھوڑ دیگر سب معز الدین کے لئے رکھنا چاہتا تھا خجستہ اختر اس کے برخلاف ہو گیا مگر لڑائی میں مارا گیا۔ رفیع الشان کا امیر الامرا پر بڑا بھروسا تھا اور وہ سمجھتا تھا کہ وہ اسکا درد کرے گا۔ اُسے مایوسی ہوئی اور شکست کھا کر قتل کیا گیا۔ اس کے تین بیٹے زخمی ہو گئے

نگران کی جان بچ گئی۔ معزالدین دہلی جاکر جہاندار شاہ کا خطاب لے کر تخت پر بیٹھا۔ بیٹھتے ہی تیمور خاندان کے سب شہزادے اس نے قتل کرادیئے۔ وہ ایک کمزور طبیعت کا شخص تھا۔ دہلی میں ایک عورت لال کور کے ہاتھ پڑ گیا اور اپنی عزت اور رتبے کا خیال ہی چھوڑ دیا۔ یہانتک کہ ایک رات بادشاہ نے شرابخانہ میں گذاری۔ گاڑی والا واپس آگیا۔ صبح لال کور محلوں میں موجود تھی۔ لیکن بادشاہ کا پتہ ہی نہ تھا۔ تلاش شروع ہوئی معلوم ہوا کہ بادشاہ دو میل کے فاصلے پر لال کور کی ایک سبزی بیچنے والی دوست زہرا کی گود میں سوئے پڑے ہیں۔ ذوالفقار خاں کو معلوم ہوا کہ عظیم الشان کا بیٹا فرخ سیر بہار کے صوبہ دار عبداللہ اور الہ آباد کے صوبہ دار حسن علی دو سید بھائیوں کی مدد سے تخت لینے کی تیاری کر رہا ہے اُنکی فوج آگرہ پر آپہنچی۔ ۳۰ دسمبر سنہ ۱۷۱۲ء کو ایک لڑائی ہوئی جس میں بادشاہ پکڑا گیا اور قید کر دیا گیا۔ فرخ سیر نے تخت پر بیٹھتے ہی اپنے خاندان کے سب شہزادوں کو قتل کر ڈالا۔ اس کے عہد میں سکھ بہت طاقتور ہو گئے تھے۔ بعد میں دونوں سید بھائی اس کے دشمن ہو گئے سنہ ۱۷۱۸ء میں اسے اندھا کر دیا گیا اور اگلے سال اسے کھینچ کھینچ کر مار دیا گیا جبکہ وہ اپنے ہاتھوں اور پاؤں سے جدوجہد کرتا رہا۔ رفیع الدرجات کو تخت پر بٹھایا گیا۔ تین ماہ کے اندر وہ تپ دق سے مر گیا۔ اس کا بھائی رفیع الدولہ بھی اتنے ہی عرصہ میں پیچش سے مر گیا سنہ ۱۷۱۹ء میں محمد شاہ کو تخت پر بٹھایا گیا۔ سنہ ۱۷۲۳ء میں اسے اپنے آپکو سید بھائیوں کی غلامی سے آزاد کیا اس کے عہد میں نادر شاہ

نے ۱۷۳۹ء میں دہلی پر حملہ کیا۔ اس حملے نے مغل بادشاہی کی ٹمٹاتی روشنی کو بجھا دیا۔

نادر شاہ

نادر شاہ ۱۶۸۸ء میں پیدا ہوا۔ مشہد کے حاکم کے پاس رسالے کا ایک افسر تھا۔ اسے اُزبک تاتاریوں نے گرفتار کر لیا۔ چار سال بعد ان سے بھاگ کر لوٹ مار کی زندگی شروع کر دی ۱۷۲۲ء میں ترکوں اور روسیوں نے ایران کے بادشاہ تہماشپ کے برخلاف سازش کر کے اسکا علاقہ لینا چاہا۔ بادشاہ وہاں سے بھاگ پڑا اور نادر سے ملا۔ نادر نے اسکی امداد کر کے اس کی طاقت کو قائم کیا ۱۷۳۱ء میں بادشاہ سے ناراض ہو گیا کہ اس نے ترکوں سے نامناسب صلح کی ہے اسے اندھا کر کے اس کے بیٹے کے سر پہ تاج رکھدیا وہ بیٹا ۱۷۳۶ء میں مرگیا۔ نادر نے سب افسروں کو اکٹھا کر کے ظاہرا طور پر انکار کرتے ہوئے تاج کو منظور کر لیا اور اپنے بڑے بیٹے کی بادشاہ کی لڑکی سے شادی کر دی۔ ترکوں سے علاقہ واپس لے لیا۔ قندھار۔ بلخ اور بخارا کو فتح کیا۔ اس نے محمد شاہ کو دوبارہ قاصد روانہ کیا کہ وہ افغانوں کو اپنے ہاں پناہ نہ دے۔ پہلی بار بادشاہ نے اقرار کیا مگر اس کی پروانہ کی دوسری بار قاصد کو سال بھر ٹھہرائے رکھا۔ اس سے نادر کو آگ لگ گئی۔ ادھر سے نظام الملک اور سعادت خاں نے نادر کو چٹھیاں لکھیں کہ وہ آکر مغل حکومت کا خاتمہ کر دے وہ ۱۷۳۸ء میں قندھار سے روانہ ہوا۔ غزنی کے صوبہ نے اسکی اطاعت مان لی۔ کابل بھی فتح ہو گیا۔ جہاں سے اسے بہت سامان

اور روپیہ ملا۔ جلال آباد کو فتح کر کے پشاور پہنچا۔ پشاور کے صوبہ نے دہلی بہتیرا لکھا مگر کچھ جواب نہ ملا اسے اطاعت ماننی پڑی اٹک پہنچکر نادر نے محمدؐ شاہ کو ایک چٹھی لکھی کہ اسے امید نہ تھی کہ اگر دکن کے ہندو دہلی پر حملہ کریں تو وہ اس کی مدد نہ کرے۔ اٹک میں اس نے ہندوستانی لباس پہن لیا اور ہندوستانی طریقہ پر تخت پر بیٹھنا شروع کر دیا۔ پنجاب میں داخل ہوتے ہی فوج کو حکم دیا کہ لوٹ مار کرتی ہوئی بڑھتی چلی جائے۔ جہلم۔ چناب ہوتا ہوا۔ امین آباد لیتا لاہور جا پہنچا۔ ذکریا خاں صوبہ دار نے لاہور میں لڑائی کی جہاں پر نادر کو فتح حاصل ہوئی اس نے شالامار میں خیمے لگائے۔ صوبہ دار نے بیس لاکھ روپے نظر کئے اور لاہور کو لوٹ مار سے بچا لیا۔ نادر لاہور میں اپنا سکہ چلا کر دہلی کو روانہ ہوا۔ ۱۳ فروری کو کرنال کے میدان میں دونوں فوجیں جمع ہوئیں۔ ہندوستانی فوج میں ڈیڑھ لاکھ سوار تھے۔ لیکن انہیں شکست ہوئی نادر نے بادشاہ کے ڈیرے کا محاصرہ کرلیا۔ بادشاہ تاج چھوڑنے پر تیار ہو گیا۔ نادر سے ملاقات کی۔ نادر شاہ بڑے اخلاق سے پیش آیا اور مرہٹوں کی چوتھ لگانے پر بڑا افسوس کیا۔ اس پر محمدؐ شاہ نے کہا "اگر میں حضور کی رائے پر چلنے میں دیر نہ کرتا تو مجھے آج آپ کی ملاقات نصیب نہ ہوتی" نادر اس پر مسکرا پڑا۔ بادشاہ نے دہلی کے خزانے اور اسلحہ خانے کی چابیاں نادر کے حوالے کر دیں نادر دہلی میں داخل ہوا سب جگہ اپنے سپاہی کھڑے کئے اور پچیس کروڑ روپیہ تاوان طلب کیا اور خزانے سے سب قیمتی اشیا لے لیں۔ اتنے میں ایک حادثہ ہو گیا۔ ایک سپاہی نے کچھ کبوتر پکڑے جس

شخص سے کبوتر چھینے گئے وہ چلا اٹھا کہ نادر نے قتل کا حکم دیا ہے۔ نادر
نے قتل کا حکم دیا۔ اس سے مجمع کی آگ بھڑک اٹھی وہ سب ایرانی
سپاہیوں پر ٹوٹ پڑے۔ کہیں سے آواز آگئی کہ نادر مارا گیا ہے
پھر کیا تھا سارے لوگ ایرانیوں کے پیچھے پڑ گئے۔ نادر نے بہیترا
سمجھانے کی کوشش کی مگر کچھ نہ بنا۔ ایک گولی نادر کے پاس سے
جا نکلی اسپر اسنے قتل عام کا حکم دیا۔ دوپہر تک گلیوں میں
خون کی ندیاں بہنے لگیں۔ سب مکانات جل گئے۔ نادر مسجد میں
بیٹھا تھا وہ یہ بازار میں ساہوکار اور سوداگروں کا خون بہہ رہا تھا۔
نہ عورت کا لحاظ تھا نہ عمر کا بادشاہ اور امرا نادر کے پاس گئے اور
کہا کہ شہر پر رحم کرو۔ نادر نے درخواست مان لی اور جونہی اسنے
تلوار میان میں کی قتل بند ہو گیا۔ شاہجہان کا تخت طاؤس لے
لیا۔ اپنے بیٹے کی شادی تیموری خاندان کی لڑکی سے کر دی
اور محمد شاہ کو بحال کر کے واپس چلا گیا۔ دریائے چناب پہنچکر اس نے
سب سپاہیوں کی تلاشی لی اور ان سے سب قیمتی جواہرات لے لئے
تمام ہندوستانی قیدیوں کو چھوڑ دیا تاکہ وہ اپنے گھروں کو واپس
چلے جائیں۔ حسن ابدال کے راستے واپس ہو گیا واپس جاکر پاگل
ہو گیا اور اپنے بیٹے کو اندھا کر دیا ۱۷۴۷ء میں اسے قتل کر دیا
گیا۔

ہندو بیداری

پچھلا ایک ہزار سال

پچھلے باب میں ہماری نظر ایک ہزار سال کی تاریخ کے اوپر گذر گئی ہے ان صدیوں کے واقعات پر غور کرتے ہوئے ہماری توجہ دو مختلف امور کی طرف کھنچ جاتی ہے ان میں سے پہلا تو ان صدیوں کے واقعات کا اس سے پچھلے ہزار سال کے واقعات کے ساتھ عجیب مقابلہ ہے۔ پچھلے ہزار سال وہ ہیں جب بدھ دھرم ہندوستان میں اور پنجاب میں بھی زور پر تھا جگہ جگہ پر بدھ بھکشووں کے مٹھ تھے وہ لوگ جنہوں نے اس دنیا کو تیاگ کر اس زمین پر ایک نئی قسم کی دنیا قائم کرنیکا ارادہ کیا تھا وہ لوگ تھے جن کے گروہ کے گروہ صدیوں تک غیر ممالک کو جاتے رہے تاکہ اپنے دھرم اور گیان کے امرت سے غیر ممالک کے لوگوں کی پیاس کو بجھائیں قوم کے اندر کس قسم کے جوش اور فخر کا وہ زمانہ ہوگا جب اس میں سے بڑے بڑے امیر اور شاہی خاندانوں کے لڑکے لڑکیاں اپنی دنیاوی خواہشات کو لات مار کر اس گیان کے پھیلانے میں زندگی کو صرف کر دیتی تھیں جس نے ان کی زندگیوں کو اتنا اونچا بنا دیا تھا اس کے مقابلے پر دوسرے زمانہ میں تصویر کا دوسرا پہلو دکھلائی دیتا ہے لوگوں میں نہ ہمت ہے نہ استقلال ہے۔ نہ ملک اور قوم کے لئے ہمدردی ہے اور نہ انہیں اپنے دھرم کا پریم قربانی کرنے پر آمادہ کر سکتا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ چشمہ جو کہ پہلی سوسائٹی کو اپنی بے مقدار پانی سے سوسائٹی کے دلوں کو سیراب کرتا تھا بالکل بند ہو گیا اور ساری

زمین خشک ہو گئی۔ اس خشکی کی حالت میں ان خوبیوں کا جو کسی سوسائٹی میں پائی جاتی ہیں اور جو اس سوسائٹی کو زندہ رکھتی ہیں نام و نشان بھی نظر نہیں آتا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایکدفعہ وہ پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ کر ایسے گرے کہ انکا اس زمین پر بھی کوئی ٹھکانا نہ رہا۔ مہاتما بدھ کی دھارمک تعلیم بڑی اعلیٰ درجہ کی تھی۔ اس نے انسانوں کو دیوتا بنانے کا یتن کیا۔ لیکن نہ معلوم اس تعلیم میں ہی کوئی نقص تھا جس کی وجہ سے وہ انسانوں کے موزوں نہ تھی یا انسانی سوسائٹی کی فطرت میں ہی کوئی ایسا نقص تھا کہ اس تعلیم کا اثر الٹا ہونے لگ گیا۔ ہم اتنا ضرور جانتے ہیں کہ وہ انسان دیوتا بنتے بنتے معمولی انسانی فرائض کو بھی بھول گئے۔

ان صدیوں پر نظر ڈالنے سے دوسری بات دو متضاد قسم کی سوسائٹیوں کا مقابلہ نظر آتا ہے۔ ایک تو حملہ آور ہیں جو کہ پہلے زمانے میں بدھ دھرم کے پیرو تھے اور اسوقت ان کی حالت ایسی ہو گئی تھی جسے یہ چھوٹا سا شعر اچھی طرح واضح کرتا ہے۔

تھے تو پوت پٹھان کے دیتے دلکو موڑ
شرن پڑے سے رگھوناتھ کی سکیں نہ تنکا توڑ

لیکن جونہی اسلام کی تلوار نے ان سے بدھ دھرم کو چھڑا کر اپنے اندر جذب کیا تو پھر وہ ویسے کے ویسے ہی خوفناک اور خونخوار دشمن بن گئے۔ اسلام مذہب کو اختیار کرنے پر روحانی یا اخلاقی لحاظ سے ان میں کوئی اعلیٰ تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔ پہلے جہاں وہ شانت اور اپنے کرموں کے پھل پر صابر تھے اب انہیں ۔۔۔

پر حملہ کرتے اور لوٹ مار کرنے میں خوشی معلوم ہونے لگے۔ ان کے مقابلے پر وہ لوگ ہیں جو ہر سال حملوں کی لہر کو آتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ لیکن نہ اس لہر کو روکنے کی طاقت رکھتے ہیں اور نہ اس طاقت کو پیدا کرنے کا انتظام کرتے ہیں۔ ان کی نظروں میں طاقت کا استعمال اور طاقت کا ہونا ہی ایک گناہ ہو گیا ہے اخلاقی لحاظ سے انکی حالت اپنے حملہ آوروں کی نسبت بدرجہا اونچی ہے۔ یہ سنتوش کے ساتھ اپنے ملک میں بیٹھے ہیں انکو دوسرے کو دکھ دینا اور اس پر حملہ کرنا غضب کا پاپ معلوم ہوتا ہے وہ دنیا کو ایک جھوٹا کھیل سمجھتے ہیں۔ جس میں دل لگانا بچوں کا کام ہے۔ انہیں اپنے سر پر آنے والی مصیبتیں بھی مایا کا کھیل اور جھوٹی معلوم ہوتی ہیں جیسی یہ آتی ہیں ویسے ہی گذر جائیں گی۔ انکو ان کا دھیان ہی نہ کرنا چاہیئے۔ ممکن ہے یہ اعلیٰ روحانی تعلیم ہو لیکن اس میں حیوانی اندھکار کا بھی بڑا بھاری ثبوت دکھائی دیتا ہے۔ کئی ایسے حیوانوں اور پرندوں کی مثالیں پائی جاتی ہیں کہ جب ان کو کھانے والا دشمن سامنے آتا ہے تب وہ اپنی آنکھیں بند کر لیتے ہیں اور سمجھ لیتے ہیں کہ انکا دشمن اب نہیں رہا۔ روحانی فلاسفی کی یہ وہ انتہا ہے جہاں پر ستاگن اکو نہایت گہرے تموگن کو پیدا کر دیتا ہے یہ وہ لوگ تھے جو کہ اہنسا کا پرم دھرم پالن کرتے ہوئے کسی پرانی کو دکھ دینا پاپ سمجھتے تھے جن کی نظروں میں دکھ دینے والے جانوروں کا شکار کرنا بھی برا ہو گیا تھا۔ اور جو دریاؤں کی مچھلیوں کو آٹا ڈالکر اور لوٹے کتوں کو روٹیاں دیکر اپنی آتماؤں کو پرسن کرتے تھے وہ سمجھتے تھے کہ انکو

فعلوں سے غرض ہے وہ کسی کا برا نہیں کرنا چاہتے اور اگر کوئی دوسرا
اگر ان کا برا کرے گا تو اسے کرن کے قانون کے مطابق آپ ہی
سزا مل جائے گی اور اگر یہ سزا اس دنیا میں نہ ملے گی تو برا کرنے والے
اگلی دنیا میں تو ضرور دکھ اٹھائیں گے۔ اس لئے انہیں نہ اپنا
جان و مال بچانے کے لئے نہ عورتوں اور بچوں کے بچانے کے
لئے اور نہ اپنی عزت کو بچانے کے لئے دشمنوں کے مقابلہ پر ہاتھ
اٹھانا چاہیے۔ بلکہ ہاتھ پر ہاتھ رکھکر رام بھروسے بیٹھے رہنا
چاہئے۔ نہ یہ ساری اخلاقی خوبیاں اور نہ کرموں کا اونچا مسئلہ ان
لوگوں کو بیعزتی اور تباہی سے بچا سکا ان کے حملہ آوروں میں یہ
خوبیاں نہیں تھیں۔ ان کی نظروں میں وہ سب سے اونچے تھے۔
اور باقی سب دنیا کافر تھی۔ دوسرے کے مذہب کو تباہ کرنا ان کے
لئے سب سے بڑا ثواب تھا۔ دوسروں کا مال اور دوسروں کی
عورتوں کو کسی طرح سے جانا ان کے لئے جائز تھا۔ ان میں اہنسا
اہنسا تھی نہ ستو گنانہ راستبازی تھی اور نہ وہ عقلوں کے مسئلوں کو
مانتے تھے۔ دونوں میں جدو جہد ہوئی اچنبہ یہ ہے کہ اس جدو جہد
میں جو لوگ ظالم اور لٹیرے تھے وہ تو فتحیاب ہوتے رہے اور جو نیک
اور پارسا تھے وہ رسوا ہوتے رہے۔

کیا اس سے یہ سمجھ لیا جائے کہ دنیا میں نیکی دھکے کھاتی ہے
اور بدی غالب رہتی ہے؟ یا یہ سمجھا جائے کہ یہ اخلاقی خوبیں اصل
میں نیکیاں نہیں بلکہ بدیاں ہیں۔ ایسا نہیں ہے! بلکہ بات یہ ہے
کہ یہ سب اخلاقی خوبیاں اچھی اور ان کا موجود ہونا بڑی بڑائی ہے

لیکن یہ سب خوبیاں ایک ہی ساماجک حالت میں اچھی ہو سکتی ہیں جب ان پر عمل کرنے والے لوگوں کے اندر ساماجک زندگی موجود ہو جس کے معنی طاقت کے ہیں۔ کمزوری بُرائیوں میں سے وہ ایک برائی ہے جس کے آجانے پر یہ ساری خوبیوں کو بُرا بنا دیتی ہے۔ چلنا۔ پھرنا سیر کرنا۔ اچھا کھانا۔ ورزش کرنا۔ جسمانی طاقت بڑھانے کے لئے بہت اچھے ہیں۔ لیکن جب جسم میں بہت کمزوری آجاتی ہے تو یہ ساری باتیں اس جسم کے لئے نقصان دہ اور مہلک ہو جاتی ہیں۔

جسمانی طاقت ہونے پر اگر آدمی ان میں سے کسی پر عمل نہ کرے تو اسکا گذارہ ہو سکتا ہے۔ اسی طرح جن لوگوں کے اندر ساماجک طاقت پائی جاتی ہے ان میں اخلاقی خوبیاں نہ بھی ہوں تو بھی کم از کم کچھ عرصہ کے لئے خوشحال اور سرسبز ہو سکتے ہیں۔ لیکن کمزور کے لئے تو اس دنیا میں کوئی جگہہ نہیں ہے۔ ہندوؤں میں ساماجک جیون غائب ہو چکا تھا اور بدھ اور جین دہرم کے اہنسا اور تیاگ نے ان کے اندر اعلیٰ شخصی خوبیاں پیدا کر دی تھیں لیکن قومیت کی سپرٹ کو بھی کچل دیا تھا۔ ویدک زمانے کے ہندو اپنے ایشور سے تمام دنیاوی نعمتوں کے لئے پرارتھنا کیا کرتے تھے۔ ویدک پرارتھنائیں صرف سوسائٹی کی مجموعی خواہشوں کا اظہار تھیں اور انکی اصلی غرض لوگوں کے سامنے اس معراج کو ہمیشہ کے لئے قائم رکھنا تھا جس کے لئے کہ لوگوں کو کوشش کرنی چاہیئے۔ ان پرارتھناؤں میں ایشور۔ دولت۔ آزادی۔ الہدشاہت۔ وجے۔ گھوڑے۔ ہاتھی گوئیں۔ بچے مانگے گئے ہیں اور ان سے بھی بڑھ کر دشمنوں کی

تباہی کے لیے بل مانگا گیا ہے۔ اس زمانے کے آریوں کو ان باتوں کو ایشور سے مانگنے میں شرم نہ آتی تھی۔ لیکن وقت آیا جب بدھ کے اثر سے یا بدھ مت کے مقابلے پر ویدانت کی تعلیم کا غلبہ ہو گیا تو ہندو اس دُنیا سے اتنی نفرت کرنے لگے کہ انہیں ان دنیاوی چیزوں کے لئے ایشور سے مانگنے اور ان کے لئے کوشش کرنے میں شرم محسوس ہونے لگی۔ نئی مذہبی تعلیم کا اثر یہ تھا کہ اب بجائے بہادری دلیری اور پُر شارتھ کے محض تیاگ۔ صبر اور اہنسا کا ہی ہر وقت دھیان رہنے لگا۔ پہلی خوبیاں سنگھٹن بل پیدا کرنے والی تھیں اگر ہندوؤں میں ایک آرگنیزیشن یا سنگھٹن ہوتا تو وہ بچ جاتے۔ اور اپنے دھرم اور خوبیوں کو بھی بچا لیتے۔ ایک آرگنیزیشن کی عدم موجودگی میں یہ سب خوبیاں اُنکو نہ بچا سکیں اُنکے حملہ آوروں میں خوبیاں نہ تھیں لیکن مذہب پر اندھے وشواش نے ان میں ایسا سنگھٹن پیدا کر دیا تھا کہ ایک اکیلی طاقت کی وجہ سے انہوں نے سارے ملک کو تہ و بالا کر ڈالا اور ہندوؤں کی سماجک دھارمک اور پولیٹیکل زندگی میں عجیب و غریب انقلاب پیدا کر دیئے

بر عکس عمل

لوہار کی بھٹی میں آہرن گڑا ہوتا ہے تمام دن اس پر ہتھوڑے کی چوٹیں پڑتی ہیں ان چوٹوں کو سہتے ہوئے اسے دن مہینے اور سال گذر جاتے ہیں۔ ایک سبق تو ہمیں ملتا ہے کہ آہرن وہاں موجود رہتا ہے اور اس پر چوٹیں کرنے والے کئی ہتھوڑے ٹوٹ جاتے ہیں۔ ہندو آہرن کی طرح ہتھوڑوں کو سہتے رہے۔ ہتھوڑوں کی چوٹیں صدیوں تک پڑتی رہیں۔ کئی ہتھوڑے اس آہرن پر ٹوٹ گئے اور آہرن برابر اپنی جگہ پر قائم رہا

یہ اسطرح ہوتا ہے کہ ہر بار جب ہتھوڑے کی چوٹ آہرن پر پڑتی ہے تو آہرن کیطرف سے بھی ایک قسم کا برعکس عمل ہوتا ہے جو ہتھوڑے کو پیچھے ہٹا دیتا ہے۔ قوموں کی تاریخ میں جب کبھی ایک قوم کی دوسری قوم سے رگڑ ہوتی ہے تو انکا ایک دوسری پر اثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اگرچہ ایک نظر سے دیکھنے پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ مسلمان حکومت کا قصہ ہندو قوم کی تاریخ پر ایسا ہے جیسا سمندر کے پانی کی سطح پر تیل تیرتا ہو۔ اس کے باوجود بھی ہمیں یہ ماننا پڑتا ہے کہ حملوں کی آندھی اور طوفان کا ہندوؤں پر بڑا اثر ہوا انھو جملہ آوروں میں مذہبی سنگھٹن تھا اسلئے جب پہلے حملوں کا زور گذر چکا اور اچانک گھبرائے ہوئے لوگ ان حملوں سے عادی ہو گئے۔ تو ہندوؤں میں نئی مذہبی لہر پیدا ہو گئی۔ جسے ہم اس رگڑ کا نتیجہ یعنی برعکس عمل کہہ سکتے ہیں اس مذہبی زندگی کے پیدا کرنیوالی کئی تحریکیں تھیں۔ ایک تو گورکھناتھ نے کن پھٹے جوگیوں کا ایک فرقہ نکالا جسکا مدعا اپنے اندر یوگ بل پیدا کر کے سوسائٹی میں دھرم کی طاقت کو قائم رکھنا تھا۔ بنارس میں رامانند نے بیراگی سادھوؤں کا فرقہ نکالا جسکا اور لیش یہ تھا کہ وہ دنیا سے درکت ہو کر ایک رام کی اپاسنا میں زندگی خرچ کردیں۔ رامانند کے بعد بنارس میں ہی کبیر پیدا ہوا جس نے مورتی پوجا کے خلاف پرچار کرتے ہوئے ہندوؤں اور مسلمانوں کے توہمات پر حملے کئے اور انسانی برابری پر زور دیا بنگال میں چیتنیہ نے اسی اورش کو لیکر کرشن کی بھگتی میں لوگوں کے اندر خاص قسم کا وجد پیدا کر دیا۔ گوسوامی تلسی داس نے ہندی بھاشا

میں اپنی وہ کمال کی نظم لکھی جس کے ہر شبد سے رام کی اگادھ بھگتی کی خوشبو آتی ہے اور جس نے گو سوامی کا نام غیر فانی کر کے ہندی زبان کا درجہ بہت ہی اونچا کر دیا۔ گجرات میں ولبھ آچاریہ نے اس دنیا سے بھوگوں کو پوتر ظاہر کرتے ہوئے کرشن کی زندگی کی پوجا کو سب سے اونچا آدرش بنایا۔ مہاراشٹر میں سوامی رام داس نے اس بڑے راشٹریہ اور مذہبی اصلاح کو شروع کیا جسکا نتیجہ ہم شواجی کے کارناموں اور مرہٹہ امپایئر کے عروج میں دیکھتے ہیں۔ سوامی رامداس نے سارے دیش میں دورہ کیا اور دیش پریم کی اگنی سے بھرے دل سے ان خیالات کا پرچار کیا جنہوں نے شواجی کو مہاراشٹر کا اور ہندو قوم کا رکھشک بنا دیا۔ ہندو قومیت اور دھرم کا پریم شواجی کے اتالیق داداجی میں اور شواجی کی ماں میں ایسا تھا کہ انہوں نے شروع سے ہی شواجی کو بڑے کام کے لئے تیار کر دیا شواجی کی ماں نے تو اسے یہ بتایا کہ دیوی نے سوپن میں اسے خبر دی ہے کہ شواجی ایک بڑے راج کا مالک اور ہندو دھرم کا رکھشک ہو گا۔ داداجی نے مرتے ہوئے اسے یہ نصیحت کی "گائے برہمن کی رکھشا کرو اور ہندو دھرم کی عزت کو قائم کرو"

پنجاب میں گورونانک پیدا ہوئے جن کی تحریک اس بڑی مذہبی تحریک کا ایک حصہ ہے جو کہ کچھ عرصہ سے ہندو قوم میں نئی بیداری پیدا کر رہی ہے۔ گورونانک کی مذہبی اصلاح میں سکھ مذہب کی بنیاد ہے سکھ مذہب کی تعلیم کو دیکھکر کئی اصحاب نے یہ رائے قائم کی ہے کہ گورونانک ہندو اور مسلمان مذاہب کو ملا کر نیا مذہب بنانا چاہتے تھے

یہ رائے ایک بڑی بھاری غلط فہمی پر مبنی ہے۔ جیسا ہم نے اوپر کہا ہے اسلام کا اثر ہندوؤں پر بہت ہوا۔ بلکہ یہ کہنا درست ہوگا کہ اگر ہندوستان پر اسلامی حملے نہ ہوتے تو گورونانک کی تحریک کے پیدا ہونیکا شاید کوئی موقع نہ ہوتا۔ دُنیا کی ساری تاریخ ایسے سلسلے میں بندھی ہوئی ہے کہ ایک واقع کا دوسرے کے ساتھ گہرا تعلق پایا جاتا ہے لیکن اس کے ہرگز یہ معنی نہیں ہیں کہ گورونانک اسلام سے کچھ بھی لینا چاہتے تھے۔ گورونانک کی تحریک کا اسلام کے ساتھ جو تعلق ہے وہ گورونانک کے جانشینوں میں خود ہی اچھی طرح ظاہر ہو جاتا ہے۔ گورونانک کوئی نیا مذہب نہیں بنانا چاہتے تھے انکے دلمیں ہندو قوم اور ہندو دھرم کو بچانیکا ہی خیال کام کرتا تھا۔ اس لئے انہوں نے ہندو دھرم کو بیچ کے زمانے کے توہمات سے صاف کر کے اسے بچانا چاہا اور اسی غرض سے اپنی اصلاح کو جاری کیا۔ انہیں اپنے کام کو جاری رکھنا بہت ضروری معلوم ہوتا تھا اور اس کے لئے انہوں نے اپنی جگہہ ایسا جانشین مقرر کرنا ضروری سمجھا جو ان کے کام کو جاری رکھ سکے۔

گورونانک کی تحریک

پنجاب کی تاریخ میں گورونانک صدیوں کے بعد جبکہ ہر طرف کوئی ڈرا رہا دکھائی دیتا ہے اور نہ کوئی چھاپرش دکھائی دیتا ہے پہلا آدمی ہوا جس کی طرف سارے پنجاب کی آنکھیں لگ گئیں۔ پنجاب کے مستقبل کی ساری تاریخ گورونانک کی تحریک سے شروع ہو جاتی ہے یہ سرایک ہی تہی جس نے پنجاب کے ہندوؤں کی زندگی میں ایک پلٹا دیدیا۔ اگرچہ یہ سچ ہے کہ یہ تحریک ملک کی مذہبی بیداری کا نتیجہ تھی لیکن ہمیں سمجھہ میں نہیں آتا کہ اگر گورونانک پنجاب میں اس تحریک کی بنیاد نہ رکھتے تو ہم پنجاب کی تاریخ کے صفحوں پر کیا لکھتے۔ کوئی کہہ نہیں سکتا کہ گورونانک نے

بغیر پنجاب کا مستقبل کیا ہوتا؟ لیکن جیسا کہ ہوا ہے۔ یہ ہے کہ ہمیں ایک ہزار سال کی آندھی کے بعد اس تحریک میں وہ شعاع دکھائی دیتی ہے جس سے ہماری اس زمانے کی تاریخ بنتی ہے۔ اسی کا نتیجہ گورو ہر گوبند ہوئے۔ اسیکا نتیجہ گورو گوبند سنگھ ہوئے۔ اسی کا نتیجہ بیراگی بیر ہوا اسی کا نتیجہ خالصہ کا عروج اور مہاراجہ رنجیت سنگھ کی سلطنت ہوئی جس نے پنجاب کو پھر انہی حدود تک پہونچا دیا جہانتک یہ ویدک زمانے میں پھیلا ہوا تھا۔

سکھوں کا عروج نہ صرف پنجاب کی تاریخ میں بلکہ دُنیا کی تاریخ میں ایک بڑا بھاری معجزہ ہے جسکا ثانی دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتا۔ اور اگر ہم اس معجزے کو اچھی طرح سمجھ لیں تو ہمیں خود ہی معلوم ہو جائیگا کہ گورو نانک اور اُن کے جانشینوں کے کام کی اصلی غرض کیا تھی ہمنے دیکھا ہے کہ برابر آٹھ نو سو سال تک شمالمغرب سے پنجاب پر حملے ہوتے رہے۔ ان حملوں کی لہریں اسطرح معلوم ہوتی ہے جیسا کہ ایک بڑا بھاری دریا ایک طرف سے بہتا ہوا برابر چلا آتا ہے۔ ایسے دریا کو کسی قسم کا بند باندھ کر روکدینا ہی معجزہ سے کم نہیں ہے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اتنی صدیوں تک بہتا ہوا دریا صرف رک ہی نہیں جاتا بلکہ پنجاب میں ایک ایسی طاقت پیدا ہوئی جس نے اس دریا کو روک کر اس کے رُخ کو اُلٹا کر دیا۔ جو دریا شمالمغرب سے بہتا تھا وہ پنجاب سے شمالمغرب کی طرف بہنے لگا۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے جرنیلوں کے حملے اس طاقت کو ظاہر کرتے ہیں جس نے اس دریا کا رُخ پلٹا دیا۔

ہمارے سامنے سوال یہ ہے کہ اس معجزے کو پیدا کرنیوالی غیبی طاقت کہاں سے آئی ؟ اسکا جواب ہمیں دسویں گورو گوبند سنگھ کے ایک شبد میں ملتا ہے جس میں انہوں نے کہا ہے

"سوا لاکھ سے ایک لڑاؤں چڑیوں سے میں باز مراؤں
تب ہی نام گوبند سنگھ پاؤں" وغیرہ

حملہ آور پنجاب کے لوگوں کو چڑیوں سے تشبیہہ دیا کرتے تھے۔ اور اپنے آپکو بازوں سے۔ وہ سمجھتے تھے کہ جیسے باز چڑیوں کو کاٹتا اور کھاتا جاتا ہے ایسے ہی وہ ہندوؤں کو کاٹ کر کھا سکتے ہیں۔ گورو گوبند سنگھ نے اس کو محسوس کیا اور اسکا جواب دیا کہ میں تب گوبند سنگھ کہلاؤں گا جب انہیں چڑیوں میں وہ طاقت پیدا کر دونگا جو بازونکو مار کر کھانے لگ جائیں گی اور جس کے ایک آدمی میں وہ طاقت ہو گی کہ وہ سوا لاکھ کا مقابلہ کر سکے۔ گورو گوبند سنگھ نے اپنی زندگی میں اپنے بچن کو پورا کر دکھایا ان کے بچن کی پوری تکمیل ویراگی بیرا اور مہاراجہ رنجیت سنگھ کے عہد میں ہوئی۔ گورو گوبند سنگھ نے کھشتریوں کی ایک نئی جماعت پیدا کی جسکو اس نے سکھوں سے سنگھ بنا دیا۔ گورو گوبند سنگھ کے خالصہ پنتھ میں اسوقت بھی وہ مذہبی سنگھٹن پایا جاتا ہے جو ان بازوں کے سنگھٹن کو توڑنے کی طاقت رکھتا ہے۔ گورو گوبند سنگھ کی اس طاقت کی جڑ میں قربانی کا وہ سپرٹ تھا جسکا ثبوت اس نے اپنے سکھوں سے درگا کی پوجا کے وقت اسے پرسن کرنے کے لئے مانگا۔ گورو جی کے وقت میں پنجاب میں آہستہ آہستہ درگا کی پوجا ہونے لگ گئی تھی عالم لوگ درگا

کو کوئی خاص دیوی سمجھتے تھے لیکن سمجھدار اور عقلمند لوگ دُرگا کو اس شکتی سے تشبیہ دیتے تھے جو ہاتھ میں ننگی تلوار لئے ہوئے شیر پر سوار ہوتی ہے اور اسے اپنے قابو میں رکھتی ہے۔ یہ دُرگا جنگ کی دیوی ہے۔ جب کبھی کسی مرتی ہوئی قوم میں زندگی ڈالنے کی ضرورت ہو تو اسکا علاج یہی ہے کہ اس قوم کو دُرگا کی پوجا سکھائی جائے اس دُرگا کی پوجا محض منتر جاپنے سے نہیں ہو سکتی اسنے پرسن کرنے کے لئے یگیہ کرنا ضروری ہے وہ یگیہ بھی ایسا جس میں انسان اپنے سر کو بلیدان کر سکے۔ اغلب ہے کہ اس خیال کو لیکر یگیوں میں جانوروں کا بلیدان کا رواج پھیل گیا۔ پیشتر اس کے کہ لوگ دوسرے جانوروں کو بلیدان کریں درگا کا یگیہ تبھی سپھل ہو سکتا ہے جب انسان اس کی پوجا کے لئے اپنے آپکو بلیدان کرنے پر تیار ہو * گورو گوبند سنگھ نے وہ یگیہ بھی کیا اور سچے معنوں میں بلیدان کا رواج ڈالکر سچے کھشتری پیدا کئے

مذہبی آزادی

کسی بڑے آدمی کا قول ہے کہ "تمام مذہبی تحریکیں اصل میں پولیٹیکل تحریکیں ہوتی ہیں" یوں بھی اگر دیکھا جائے تو مذہب اور پولیٹکس کو ایک دوسرے سے علیحدہ کرنا بڑا مشکل ہے اسلام مذہب تو شروع سے ہی پولیٹیکل تحریک ہے خلیفہ ہی اسلامی دُنیا کا بادشاہ تھا اور وہی مذہبی دنیا کا ہیڈ تھا لیکن مذہبی تحریکوں کا پولیٹیکل شکل اختیار کر لینا تو تاریخ میں ایک معمولی بات ہے۔ یوروپ کی ریفارمیشن (مذہبی اصلاح) کی تحریک تھی جس نے یوروپ کے ممالک میں پولیٹیکل آزادی کا بیج پھیلایا انگلینڈ کی پیوریٹن تحریک غایت درجہ کی مذہبی تحریک تھی جس کا

۴۔ پہلے پانچ پیاروں میں سے چار اچھوت جاتی کے تھے کھشتری بننے پر جب جنیؤ دینے کی ضرورت ہوئی تو گورو نے انکو تلوار کا جنیؤ پہننے کا حکم دیا۔

نتیجہ امریکہ کے براعظم میں ایک آزاد جمہوری حکومت کا قائم ہونا تھا۔ جہاں کہیں بڑے زور کا پولیٹیکل دباؤ موجود ہوتا ہے اس دباؤ کو اٹھانے کے لئے بڑی بھاری قوت ارادہ اور بلوان آتما کی ضرورت ہوتی ہے یہ دونوں اوصاف اعلیٰ روحانی تعلیم کے ذریعے حاصل ہوتے ہیں اور یہ تعلیم مذہب کے بدولت ہی دیجا سکتی ہے۔ یہ روحانی طاقت رکھنے والے لوگ بھی پولیٹیکل آزادی کی جدوجہد میں قدم رکھ سکتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں جس مذہبی تحریک کے اندر ایسے آدمی موجود ہوں وہ موقعہ آنے پر پولیٹیکل شکل اختیار کر لیتی ہے اور جو مذہبی تحریک ایسے آدمی نہیں پیدا کر سکتی وہ مذہبی طور پر بھی زندہ نہیں رہتی۔ ہندوستان میں مذہب اور پالٹیکس شروع سے ہی ایک چلے آتے ہیں۔ پالٹیکس کھشتریوں کے راج دھرم کا ہی نام ہے۔ ویدک دھرم کے مطابق کھشتری نہ ہوں تو کوئی دھرم نہیں اور جہاں راج دھرم نہیں وہاں کھشتری کیسے ہو سکتے ہیں۔ ہندوؤں کی بڑی پستک بھگوت گیتا میں گیان اور پالٹیکس ایک کر کے دکھایا گیا ہے۔ بھگوت گیتا کو پڑھ کر اگر کوئی ہندو یہ نہیں سمجھتا کہ پالٹیکس میں ہی روحانی گیان کی جڑھ پائی جاتی ہے تو اس نے گیتا کو یا تو پڑھا ہی نہیں اور اگر پڑھا ہے تو اسکا پڑھنا اکارتھ ہوا ہے اور ہندوؤں کی جو مذہبی سوسائٹی پالٹیکس سے علیحدہ رکھنا چاہتی ہے اس نے ہندو دھرم کے سار کو سمجھا ہی نہیں۔ پنجاب میں اسلامی حکومت کے نیچے ہندو ایسے دب گئے تھے کہ ان میں پرتی رودھ (ریزسٹینس) کا مادہ ہی گم ہو چکا تھا۔ اس پرتی رودھ کے مادہ میں ہی زندگی

پائی جاتی ہے۔ پنجاب کی محنت اور کمیتی کرنیوالی جماعت تعدی کے
اثر سے زیادہ تر مسلمان ہوچکی تھی ہندو مندر مٹی میں ملا دیئے
گئے تھے۔ ہندو پاٹھ شالاؤں اور ودیا پیٹھوں کی جگہہ مسجدیں
اور مکتب بن گئے تھے اور جو لوگ ہندو دھرم میں موجود تھے
ان میں اصلی دہرم تو گم ہوچکا تھا اور اس کی جگہہ توہمات اور
بکاری نے لے لی تھی۔ لوٹ کھانے کے مختلف طریقوں اور خاص
طرح کے چوکوں اور ماتھے پر خاص طرح کے نشان لگانے کو ہی
مذہب سمجھتے تھے۔ تعلیم دینی کم ہوگئی کہ براہمنوں کو بھی سوائے
ان باتوں کے کچھ نہیں آتا تھا۔ ہندوؤں کو اپنی ہستی بچانے کا صرف
ایک ہی طریقہ سوجھا اور وہ یہ تھا کہ برہمنوں نے ذات پات کو ایک
متبرک اور محفوظ قلعہ سا بنالیا۔ اور اپنے آپکو اس کے اندر بند کرکے
برادریوں میں ایسے قواعد اور پابندیاں رائج کیں کہ لوگوں کے دلوں پر
ہر وقت انکا خوف طاری رہنے لگا۔ ذرا سا کوئی قصور کرتا کہ اُسے
برادری سے خارج کرنے کی دہمکی دیجاتی تھی اس خوف سے
بلاشبہ ہندوؤں کو بچانے میں بڑی مدد ملی۔ لیکن اس نے اس سچی
قومیت کے جذبے کو کچل کر سچا قومی سپرٹ پیدا ہونے سے روکدیا
ان صدیوں میں وہ ذات پات جو کہ آہستہ آہستہ ہندو سوسائٹی
میں خاص شکل اختیار کر رہی تھی ہندو دہرم کا ایک لازمی خواص بنگئی

نانک

پنجاب میں اس جہالت اور اندھکار کا زمانہ تھا جبکہ ۱۴۶۹ء میں لاہور کے
نزدیک تلونڈی نام کے ایک گاؤں میں ایک کھتری کنبے
میں گورو نانک نے جنم لیا۔ ان کے باپ کا نام کالو تھا جو اس گا

گاؤں کا پٹواری تھا نانک کو پاٹھ شالا میں پڑھنے کے لئے بھیجا لیکن انہوں نے پڑھائی کی طرف بہت توجہ نہ کی۔ نانک پیدائش سے ہی مہا پُرش پیدا ہوا اسے کسی قسم کے علم کی ضرورت نہ تھی اس کے سامنے سب سے بڑا کام ہندوؤں کو اٹھانا دکھائی دیتا تھا۔ گورو نانک نے اسکا راستہ ایک ہی دیکھا کہ ہندوؤں کو جھوٹے مذہبی توہمات کی غلامی سے آزاد کرے اور انہیں سچے ایشور کی بھگتی کا اپدیش کرے۔ اس مذہبی آزادی میں ہی اسے ہندوؤں کی نجات دکھائی دیتی تھی۔ جہاں پر گورو نانک کو اسبات کی ضرورت محسوس ہو لی تھی کہ وہ ملک کے اندر پولیٹیکل ظلم اور تعدی کے بر خلاف آواز اُٹھائے اس نے اس سے پہلے یہ ضروری سمجھا کہ پنڈتوں اور ملاؤں کی جماعت کے بر خلاف آواز اٹھائے جنہوں نے ہندوؤں اور مسلمانوں کو اپنے پنجے میں پھنسا رکھا تھا ان کی ابتدائی زندگی میں ہی ایسی کئی کہانیاں پائی جاتی ہیں جو کہ یہ ظاہر کرتی ہیں کہ کسطرح نانک نے خاص قسم کے عمل سے لوگوں کو ان پھندوں سے چھڑانا چاہا تھا۔ گورو نانک نے جو کچھ تعلیم دی اس کے لئے اسکا اپنا سامانیہ بدھی دسمجھ، محض ایک رہنما تھی اس نے کسی دوسری کتاب کا بھروسا نہیں رکھا اور نہ کسی دوسرے بڑے آدمی کے حوالے سے اپنی تعلیم کو شروع کیا۔ لوگوں کو سمجھانے کے لئے اس کی دلیلیں بھی ایسی تھیں جو کہ عام لوگوں کی سمجھ میں آسکتی تھیں۔ اس کی تعلیم بھی ایسی تھی جو کہ عام لوگوں کی سمجھ میں آسکتی تھی اور اسے سمجھ کر ہی وہ مذہبی آزادی کے راستے پر چلنے کے قابل بن سکتے تھے۔ نانک ستر برس کی عمر تک زندہ رہا اس نے سارے ملک کا اور ملک سے

باہر بھی عرب وغیرہ میں جاکر اپنے خیالات کا پرچار کیا اور اپنی زندگی کے
آخری حصے میں کرتارپور میں آکر رہنے لگ گیا۔ اس گاؤں کی اس نے
خود ہی بنیاد رکھی تھی۔ جہاں پر پرچار کرنے کے لئے ایک دہرم شالا بنوائی
یہاں پر پنجاب کے سب حصوں سے لوگ جمع ہوا کرتے تھے ۱۵۳۹ء میں
اس نے اس دنیا سے کوچ کیا اپنی [illegible] سے پہلے ہزاروں آدمیوں
کی زندگیوں میں تبدیلی پیدا کر دی اور پنجاب میں خیالات کا ایک نیا کرۂ
ہوائی پیدا کیا۔ جس کے اندر رہ کر پنجاب کے ہندو اپنے آپکو اونچا اور بہتر
محسوس کئے بغیر نہ رہ سکتے تھے۔ نانک نے بیج بو دیا۔ بیج ایک اچھی زمین
میں بویا گیا تھا۔ ہم دیکھیں گے کہ کسطرح یہ بیج گورو نانک کے جانشینوں
کے وقت میں ایک بڑا بھاری درخت بن گیا

تین پہلے جانشین

ہمنے دیکھا ہے کہ سرشٹی کے شروع سے پنجاب
آریہ نسل کی بھومی چلی آتی ہے۔ ہم نے ساتھ
ہی یہ بھی دیکھا ہے کہ پنجاب کے ہندوؤں میں باوجود اتنے بیرونی
حملوں کے جس کی مثال کسی اور تاریخی ملک میں نہیں پائی جاتی۔
آریہ نسل کا خون خالص چلا آتا ہے۔ جب دنیا اندھیرے میں تھی
تو پنجاب کے آریہ برہمنوں نے تہذیب کی روشنی کو پرانی دنیا میں پھیلایا
بودھ کال کے اندر کشمیر اور پنجاب نے غیر ملکوں کے اندر پرچار کرنے میں
اپنا برابر حصہ لیا۔ اب جبکہ ہزاروں سالوں کی تبدیلی کے بعد ہندو قوم
اور ہندو دہرم ایک مردہ اوستھا میں تھا پنجاب کے کھتریوں میں سے
ایک بڑے لیڈر پیدا ہوئے جن کے کام کی عزت کو دیکھکر ہمیں حیرت
ہوتی ہے کہ کس طرح اس جہالت اور گراوٹ کے زمانے میں معمولی

ان پڑھ لوگوں میں سے اتنے اونچے دماغ رکھنے والے آدمی پیدا ہو سکے تھے گورو نانک کی خاص بزرگی اس میں پائی جاتی ہے کہ اس نے اپنی زندگی میں گرہستھ اور تیاگ کو ملا دیا۔ گورو نانک باقاعدہ گرہستی تھا گرہستھ میں رہتے ہوئے اس کے سامنے مہاراج جنک کا وہ پرانا آدرش تھا کہ آدمی کسطرح کنول کے پتے کی طرح گرہستھ میں رہتا ہوا دُنیا کو دل سے تیاگ سکتا ہے گورو نانک نے دنیا داروں کی زندگی کو اپنی مثال سامنے رکھکر اونچا بنانے کی کوشش کی۔ اُن کی مثال کا اس سے بڑھ کر اور کیا اثر ہو سکتا ہے کہ ان کے جانشین بھی گرہستھ میں رہتے ہوئے اتنی اعلیٰ روحانی طاقت رکھنے والے انسان تھے۔ گورو نانک کے دو بیٹے تھے ایک کا نام شری چند تھا دوسرے کا نام لکھمی چند۔ ان دونوں میں گورو نانک کے ملائے ہوئے گن پھر جُدا جُدا ہو گئے۔ لکھمی چند نے دو شادی کر کے دنیا داری اپنے حصے میں لے لی اور سری چند نے دُنیا کو تیاگ دیا اور سادھو بن گیا اور اس نے سادھوؤں کے ایک فرقے کی بنیاد رکھی۔ جنکو اُداسی کہتے ہیں اور سری چند کا تپ اور تیاگ اتنا زبردست تھا کہ اسکی اپنی لمبی زندگی میں ہی اداسی پنتھ کو خاصہ عروج حاصل ہو گیا۔ گورو نانک نے اپنے کام کو جاری رکھنے کے لئے اپنے ایک چیلے اور سچے بھگت لہنا کھتری کو پسند کیا۔ اس کی یوگیتا کا سب سے بڑا ثبوت اس کی زندگی کی پاکیزگی اور شردھا میں پایا جاتا تھا۔ لہنا نے اپنا نام انگد رکھا گویا کہ وہ گورو نانک کے جسم کا ایک انگ تھا۔ گورو انگد نے اس بات کو محسوس کیا کہ ان کا پرچار صرف اسی حالت میں دیرپا ہو سکتا تھا۔ جبکہ ان کے پیچھے چلنے والوں کی ایک خاص جماعت پیدا کی جائے۔

بغیر ایک مضبوط جماعت کے یہ اغلب تھا کہ گورو نانک کی تحریک اور کام ایسے ہی ہوا میں اڑ کر ضائع ہو جاتے۔ ایک جماعت کے پیدا کرنے کے لئے گورو انگد نے اپنے سکھوں کے لئے تین بڑی خصوصیتیں پیدا کیں ان میں سے ایک تو گورمکھی لی پی (حروف) کی ایجاد تھی۔ اسوقت کئی صاحب ایسے ہونگے جو کہ قومی نقطہ خیال سے پنجاب میں نئے حرفوں کو ایجاد کرنا غیر ضروری بلکہ نقصان دہ سمجھتے ہوں۔ لیکن ہم اتنے زمانے کے بعد بالکل مختلف حالات میں بیٹھے ہوئے اس زمانے کی مشکلات کو بالکل نہیں سمجھ سکتے۔ پنجاب میں عام ہندو اسوقت ان پڑھ تھے جو کوئی سرکار کی چھوٹی موٹی نوکری کرنا چاہتا تھا اسے مکتب میں فارسی پڑھنی ہوتی تھی جو برہمن ودیا حاصل کرنا چاہتے تھے وہ شروع سے ہی سنسکرت دیاکرن (گرامر) کو پڑھتے تھے۔ عام لوگوں کی زبان میں کوئی کتب نہ تھیں۔ اور نہ لوگوں میں پڑھنے کا کچھ خیال تھا۔ خیالات کو قلمبند کرنے کے لئے ایک زبان کا ہونا ضروری ہے ہندی زبان ابھی اس درجہ تک نہ پہونچی تھی کہ سارے ملک کی ایک زبان بن سکے مختلف صوبوں میں مختلف پراکرتیں بولی جاتی تھیں اور پنجاب کے لوگ اگرچہ ہندی سے زیادہ ملتی ہوئی زبان بولتے تھے لیکن پھر بھی پنجابی ایک قسم کی پراکرت بولی بن چکی تھی۔ براہمن لوگ دیوناگری اکھشروں کو پڑھنا متبرک سمجھتے تھے اور عام لوگوں کو سنسکرت پڑھنے کی اجازت ہی نہ تھی ان حالات میں اپنی تحریک کے لئے ایک مستقل لٹریچر بنانے کی ضرورت کو محسوس کر کے گورو انگد نے دیوناگری حروف کی شکلوں میں چھوٹی چھوٹی نہایت معمولی تبدیلی پیدا کر کے گورمکھی حروف بنا لئے

تاکہ وہ پنجاب کے عام لوگوں کی زبان کے لئے خاص لی پی بن جاوے دوسرے صوبوں کی حالت میں بھی گورو انگد نے یہ دیکھا ہوگا کہ یہی طریقہ برتا گیا ہے اس لئے اسے ایسا کرنے میں کوئی خاص ہمج نہ معلوم ہوتا تھا۔ اسکا نام گورکمھی اس لئے رکھا گیا کہ یہ ان لوگوں کے لکھنے کی لی پی تھی جو گورو کے شش بن چکے تھے۔ جو دوسرے لوگ گورمکھی استعمال کرتے تھے وہ گورو کے شردھالو بنجاتے تھے۔ ممکن ہے اس ایجاد سے برہمنوں کے غلبے کو کم کرنا بھی مقصود ہو۔ لکھوں کا زور تھا تو سنسکرت کی جگہ پالی مقدس زبان بن گئی اور پڑھے لکھوں کی تعداد بھی بڑھ گئی۔ گورو انگد بھی اپنے پنتھ کی خاص زبان بنا کر پنجاب کی عوام کو پڑھنے لکھنے کا سادھن مہیا کرنا چاہتا تھا۔ زبان کے بنجانے کے بعد دوسرا قدم قدرتی طور پر سکھوں کے لئے خاص لٹریچر پیدا کرنا تھا۔ اس لئے گورو انگد نے بالا سے جو کہ گورو نانک کے تمام سفروں میں ہر وقت کا ساتھی تھا۔ گورو نانک کی ساری باتیں اور کتھائیں سنیں اور انکو قلم بند کرلیا۔

گورو نانک شاعر تھے اور ان کے وچن زیادہ شعروں میں تھے یہ کتاب پنجابی زبان میں سب سے پہلی کتاب تھی اور فوراً ہی یہ سکھوں کی ایک مذہبی کتاب بن گئی۔ گورو انگد نے تیسری بات یہ کی کہ اپنے ڈیرے کے ساتھ ایک کھلے لنگر کا انتظام کرلیا۔ اس میں جو کوئی ہندو آتا تھا کھانا کھا سکتا تھا۔ یہ لنگر اول تو پرچار کا بڑا ذریعہ تھا۔ اس لنگر کی وجہ سے سکھوں نے دان دینا بھی اپنا فرض سمجھا اور اس لنگر کی وجہ سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ عملی طور پر کھانے پینے کی بندشیں دور ہو گئیں

کیونکہ اس میں امیر وغریب برہمن اور شودر بغیر کسی تمیز کے کھا سکتے تھے یہ تین بڑی خصوصیتیں تھیں جن کی وجہ سے پنتھ میں سکھ ایک نئی جماعت بننے لگی اور ان میں آپس کے سنگھٹن کا بیج مضبوط کیا گیا۔ گورو انگد نے اپنی جگہہ اپنے ایک سکھ امرداس کو گدی کے لئے مقرر کیا۔ گورو انگد بہت بوڑھے تھے گورو امرداس کی عمر بھی بہت بڑی تھی۔ لیکن یہ روایت ہے کہ وہ ہر روز علی الصبح پانی کا گھڑا لایا کرتا تھا۔ ایک دن گھڑا اُٹھائے آرہا تھا کہ ایک جولاہے کے مکان میں سے گذرا۔ کھڈی کے پاس اسکا پاؤں پھسل گیا اور وہ گر پڑا۔ جس سے جولاہا چونک اُٹھا اور کہنے لگا کون ہے؟ اس کی عورت بولی اور کون ہوگا وہی نکھسیا امرو ہوگا! یہ بات گورو انگد کے کانوں تک پہونچی اور انہوں نے اس نکھسیے امرو کو ہی اپنا جانشین مقرر کیا۔

گورو امرداس کو گدی پر بیٹھتے ہی بڑی مشکل پیش آئی کہ اسوقت کئی لوگوں کا یہ خیال ہوا کہ سری چند کو گدی پر بٹھایا جائے سری چند کے تیاگ اور تپ کی وجہ سے ان کے چیلے دن بدن بڑھ رہے تھے اور وہ سب سادھو ہونے کی وجہ سے اس بات پر زور دینے لگے کہ گدی کا مالک بھی کوئی ایسا ہی تیاگی ہونا چاہیئے۔ سکھ جماعت کے لئے یہ پہلا امتحان کا موقعہ تھا۔ گورو امرداس اس موقع پر بڑے مدبر اور سچے نیتا ثابت ہوئے انہوں نے لوگوں کو سمجھایا کہ گورونانک کا راستہ اس قسم کے تیاگ کا نہیں تھا۔ بلکہ گورونانک نے ایک ایسا بیچ کا خوبصورت راستہ چنا تھا جس سے آدمی دنیا میں رہتا ہوا بھی دنیا کا غلام نہ بنتا تھا۔ گورونانک کے دل میں نفرت نہ تھی۔ وہ لوگوں کی اس دنیاوی زندگی کو مکمل کرنا چاہتے تھے۔ تاکہ لوگوں کا پرلوک سدھر سکے۔ گورو امرداس نے اپنی دانائی سے

سکھ جماعت کو ایک سادھوؤں کا فرقہ ہونے سے بچا لیا۔ ان کی اس کامیابی کی وجہ ایک یہ بھی تھی کہ سری چند ایک سچا تیاگی تھا اور وہ خود دنیاوی جھگڑوں میں پڑنا چاہتا ہی نہ تھا۔ اسوقت سے اُداسی سکھوں سے علیحدہ ہو گئے۔ گورو امرداس کے وقت سکھوں کی تعداد بہت بڑھ گئی تھی اس لئے ذکر آتا ہے کہ گورو امرداس نے انکو باقاعدہ سنگھٹن میں لانے کے لئے سارے علاقوں کو بائیس حصوں یعنی منجوں (پنجابی میں منجا چارپائی کو کہتے ہیں) میں تقسیم کیا۔ اور ہر ایک حصہ کو منجا کہنے کا مطلب یہ تھا کہ ہر ایک حصہ میں ایک علیحدہ پرچارک تھا جو چارپائی کو بطور گدی کے استعمال کیا کرتا تھا۔ گورو امرداس نے بیاس کے کنارے پر ایک گاؤں گوندوال کی بنیاد رکھی اور یہاں پر چوراسی سیڑھیوں والی ایک باولی بنوائی یہ مقام سکھوں کے لئے پہلا تیرتھ قرار دیا۔ کہا جاتا ہے کہ جب گورو امرداس اس باولی کی سیڑھیاں بنوا رہے تھے تو اسوقت اکبر نے چتوڑ پر حملہ کیا۔ لاہور کے صوبہ دار مرزا جعفر بیگ کا بیٹا فوج لیکر وہاں پہنچا ہوا تھا اس نے اکبر سے گورو کی اولیائی کی بڑی تعریف کی۔ اکبر نے سرہند کے ایک کھتری بھگوانداس کو گورو کے پاس بھیجا تاکہ چتوڑ میں اسکی کامیابی کے لئے ایشور سے دعا کرے۔ گورو امرداس کی شہرت پہاڑی راجاؤں میں بھی پھیل چکی تھی۔ لیکن ان کی عزت بہت زیادہ بڑھ گئی جبکہ اکبر خود گورو امرداس کے پاس آیا اور اس کے ساتھ دوستی کا اظہار کیا۔ گورو امرداس کی موت کے بعد اکبر گورو رامداس سے بھی ملنے آیا اور ان کی بھی ویسی ہی عزت کرتا رہا۔ اکبر کی ملاقات کا گورو کو دو طرح سے فائدہ ہوا۔ ایک تو ہندوستان کے بادشاہ کا گورو

کے پاس آنا ہی لوگوں کی نظروں میں گورو کے رُتبے کو بہت بڑھاتا تھا اس سے جماعت کے اندر بھی گوروؤں کے پیرو بننے شروع ہوئے۔ دوسرے گورو نے اس دوستی کا فائدہ اٹھا کر لوگوں پر ظلم کم کرانے کی کوشش کی۔ ایک موقعہ پر جب گورو بہت سے یاتریوں کے ہمراہ ہردوار جا رہے تھے تو ان سب کو ٹھہرایا گیا کہ وہ ہر ایک شخص کے واسطے سوا روپیہ ٹیکس ادا کریں۔ گورو نے اس کے ادا کرنے سے انکار کر دیا جب اس معاملے کی خبر اعلیٰ افسروں کو ملی تو اُنہوں نے یاتریوں پر ہمیشہ کے لئے یہ ٹیکس معاف کر دیا۔ ایک اور بات جس کو کر کے گورو امرداس نے اپنی جماعت کو زیادہ سنگھٹ کر دیا وہ گوریائی کو اپنے خاندان میں موروثی بنا کر اِسے جانشینی کے تفرقوں سے ہمیشہ کے لئے بچانا تھا۔ اس کے موروثی ہو جانے کا قصہ بھی بڑا دلچسپ ہے۔

گوندوال میں ہر سال سکھوں کی سنگت آیا کرتی تھی۔ ایک بار سنگت کے کچھ آدمی لاہور سے گذر رہے تھے۔ کہ انہیں ایک لڑکا گھنگنیاں بیچنے والا ملا۔ وہ بھی ان کے ساتھ جانے کے لئے تیار ہو گیا۔ گورو امرداس کی لڑکی شادی کے قابل ہو چکی تھی اور انہیں لڑکی کے لئے ور کی تلاش تھی۔ لڑکی کی ماتا کی نظر اس لڑکے پر پڑی اس نے گورو سے کہا کہ "ہمیں اگر کوئی ایسا لڑکا مل جائے تو اچھا ہو" گورو نے کہا "اچھا یہی سہی" اور رامداس کے ساتھ اپنی لڑکی کی شادی کر دی یہ رامداس گورو کا ایسا بھگت اور دھرم کا ایسا پریمی ہوا کہ گورو نے اپنے پیچھے اسکو گدی کے لئے تجویز کیا۔ ان کا اپنا بیٹا موہن دنرات تنہائی میں اور یوگ سادھن میں ہی لگا رہتا تھا۔ گورو کی بوڑھی عمر میں سیوا کرنے

والی ان کی لڑکی ہی تھی۔ ایک دن چوکی پر بیٹھے گورو اشنان کر رہے تھے کہ چوکی کا ایک پایا ٹوٹ گیا۔ اور اس لڑکی نے اپنا ہاتھ اُسکے نیچے رکھدیا اور گورو کو اشنان کراتی رہی۔ چوکی کی میخ لڑکی کے ہاتھ میں گھس گئی اور اس سے خون کی دھارا بہ نکلی۔ جب گورو نے پانی کو خون سے ملا ہوا دیکھا تو انھوں نے پوچھا کیا بات ہے؟ لڑکی نے شانتی سے جوابدیا۔ "کچھ نہیں"۔ جب گورو کو یہ بات معلوم ہوئی تو محبت سے متاثر ہوکر انہوں نے کہا۔ "مانگو کیا مانگنا چاہتے ہو۔؟"

لڑکی نے کہا "گدی کو میری اولاد کے لئے موروثی کردیا جائے" گورو نے وچن دیدیا تھا اب وہ پیچھے نہ ہٹ سکتے تھے گدی گورو رامداس اور اس کی اولاد کے لئے مخصوص ہوگئی اس سے گورو کا رتبہ دنیاوی طور پر بھی زیادہ بڑھ گیا۔ گورو رامداس نے گدی پر بیٹھتے ہی امرتسر شہر کی بنیاد رکھی۔ جہاں پر اسوقت امرتسر شہر ہے وہاں پر پانی کا ایک قدرتی چھپڑ تھا۔ یہ جگہہ کہا جاتا ہے۔ گورونانک کو بہت پسند تھی اس چھپڑ کے کنارے گورو رامداس نے اپنے لئے ایک جھونپڑی بنالی اور ۱۵۷۷ء میں تنگ کے زمینداروں کو ۷۰۰ اکبری روپے دیکر ۵۰۰ بیگھہ زمین خرید لی۔ آہستہ آہستہ اس چھپڑ کی شہرت ہونے لگی اور کئی سکھوں نے وہاں پر آکر رہنا شروع کردیا اور گورو نے اسکا نام رامداس پور یا گورو کا چک رکھدیا اور چھپڑ کو بہتر بناکر ایک تالاب کی شکل دیدی یہ جگہہ ہندو زمیندار آبادی کی مرکزی جگہہ تھی۔ اس وجہ سے زمیندار لوگ وہاں پر آنے لگ گئے اور گورو کے مریدوں میں داخل ہونے لگے جس سے سکھوں کی ایک مضبوط اور طاقتور جماعت بننے لگی۔

گورو امرداس کی اکبر سے دوستی تھی۔ اکبر بڑی فوج لیکر لاہور میں ایک سال تک ٹھیرا رہا۔ اس سے اشیاء کی قیمتیں بہت بڑھ گئیں اور بیچارے زمینداروں کو اناج کے نہ ملنے سے بہت تکلیف اُٹھانی پڑی۔ گورو نے اسباب کو دیکھ لیا کہ بادشاہ کے چلے جانے پر قیمتیں گر جائیں گی اور مقروض زمیندار اور بھی تباہ ہو جائیں گے۔ اکبر گورو سے ملنے کے لیئے آیا اور جانے وقت جب اس نے پوچھا کہ وہ گورو کی کیا خدمت کر سکتا ہے تو گورو نے غریبوں کی مصیبت کو بادشاہ کے سامنے رکھا اور کہا کہ وہ ایک سال کا لگان لوگوں پر معاف کر دے۔ لوگ آنیوالی مصیبت سے بچ گئے اور اس سے ماجھا اور مالوہ کے زمینداروں میں گورو کا اتنا زور بڑھا کہ وہ سب کے سب گورو کے پیروں میں داخل ہوتے گئے یہی لوگ تھے جنھوں نے گورو گوبند سنگھ کے زمانے میں سکھوں کو ایک جنگی طاقت بنا دیا۔

مذہبی جماعت پولیٹیکل شکل میں

گورو امرداس کے بعد اسکا بیٹا گورو ارجن گدی پر بیٹھا جو کہ اونچے درجے کا گیانی اور بہادر ہونے کے ساتھ ساتھ بڑا منتظم اور مدبر تھا۔ گورو ارجن کو سب سے پہلی ضرورت یہ محسوس ہوئی کہ اسے اپنی جماعت کے لیئے ایک ایسی کتاب تیار کرنی چاہیئے جو کہ ان کی مذہبی کتاب کا درجہ رکھ سکے۔ اسوقت تک بالا کی بتائی ہوئی گورو نانک کی زندگی کے حالات ہی ایک کتاب تھی۔ گورو ارجن نے موہن سے پہلے تین گوروں کی بانیوں کو حاصل کیا جو کہ گورو امرداس کے بیٹے موہن اس کے اپنے پاس موجود تھے۔ ان کے ساتھ گورو ارجن نے اپنی تصنیفات اور مشہور بھگتوں

کی تحریروں کو اور گوروں کی تعریف میں جو دوسرے شاعروں نے بیان کیا تھا۔ اکٹھا کیا۔ ان سب کو جمع کرنے میں گورو ارجن کے کئی سال خرچ ہوئے لیکن تیار ہو جانے پر ایک وید یا قرآن کی مانند سکھوں کے لئے ایک مذہبی کتاب بن گئی۔ مذہبی کتاب کے ساتھ ساتھ گورو ارجن کو سکھوں کے لئے ایک تیرتھ بنانا تھا۔ گورو رامداس پور کو اس مطلب کے لئے نہایت موزون مقام سمجھا۔ اس نے اپنا ہیڈ کوارٹر یہاں تبدیل کر لیا۔ یہاں پر تالاب کے اندر ایک بڑا مندر تیار کروایا جسکا نام ہر مندر رکھا اور اپنے بڑے بڑے سکھوں کو ترغیب دی کہ وہ وہاں پر آکر آباد ہو جائیں۔ جس وقت گورو نے دیکھا کہ سکھی خیال ماجھے اور مالوہ کے اندر زور سے پھیل رہے ہیں تو اسے ایک اور ایسا مقدس مقام قائم کرنیکی ضرورت ہوئی۔ اس مطلب کے لئے اس نے ترنتارن کا قصبہ آباد کر کے وہاں پر ایک تالاب بنوایا۔ امرتسر حقیقت میں سکھ جمہوریت کا صدر مقام بن گیا۔

گورو ارجن کو خزانے کے لئے روپیہ کی ضرورت محسوس ہوئی۔ روپیہ کے بغیر کوئی کام نہ ہو سکتا تھا۔ اور سال کی بجیٹ کا پورا اندازہ بھی نہ لگایا جا سکتا تھا۔ گورو نے دینے والوں کی رضامندی سے ہر ایک کے لئے رقم مقرر کر دی اور اس کے لئے انہوں نے بائیس علاقوں میں بائیس مسند مقرر کئے جنکا کام یہ تھا کہ وہ روپیہ وصول کر کے بیساکھی کے دن امرتسر میں حاضر کر دیا کریں۔ بیساکھی کا دن سالانہ دربار کے لئے مقرر کر دیا۔ اس کے ساتھ گورو نے اپنے سکھوں کو ترغیب دی کہ وہ ترکستان وغیرہ میں جاکر گھوڑے لانے اور بیچنے کی تجارت میں لگ

جائیں۔ اس سے ہندوؤں کی پرانی تنہائی کی مرض دور ہو گئی اور ان لوگوں نے دوسری قوموں سے تعلقات پیدا کر کے دیکھا کہ باہر والوں کے اطوار کیا ہیں۔ اور ان سے ملنے پر ان کا خوف بھی جاتا رہا اور ساتھ ساتھ گھوڑوں کی تجارت سے انہیں گھوڑوں پر چڑھنے کا شوق بھی ہوتا گیا۔

اسطرح ہم دیکھتے ہیں کہ گورو ارجن کے وقت میں سکھوں کی مذہبی جماعت باقاعدہ ایک ہیڈ کے نیچے آنے اور باقاعدہ ایک خزانہ ہونے اور باقاعدہ آرگنیزیشن ہونے سے ایک پولیٹیکل طاقت بن گئی اگرچہ گورو ارجن خود پہلے گوروؤں کی طرح سادہ لباس میں رہا کرتا تھا۔ لیکن اُنہوں نے اپنے دربار کو بڑی شان و شوکت اور جاہ و جلال سے لگانا شروع کیا۔ شاہی مکانات۔ خیمے اور گھوڑے یہ سب اس کے دربار کو راجا کا دربار ظاہر کرنے لگے۔ جب یہ تبدیلی ہو رہی تھی ایک دو واقعات ایسے ہوئے جن کی وجہ سے گورو کو شاہی حکومت کے ساتھ ٹکر میں آنا پڑا۔ ایک بات تو یہ تھی کہ جب شہزادہ خسرو اپنے باپ کے برخلاف باغی ہو کر پنجاب میں آیا تو گورو ارجن نے نہ صرف اسے پناہ دی بلکہ بہت سے روپے سے بھی امداد کی۔ جہانگیر کو یہ بات بھولی نہ تھی لیکن اس کے ساتھ ہی دوسری ایک اتفاقیہ بات اسطرح ہوئی کہ لاہور کے دیوان چندو نے اپنا پروہت اپنی لڑکی کا ور تلاش کرنے کے لئے بھیجا۔ اس پروہت نے گورو ارجن کے جاہ و جلال کو دیکھکر اور ان کے بیٹے گورو ہرگوبند کی خوبصورتی اور قابلیت دیکھکر اسے لڑکی کیلئے پسند کیا۔ دیوان یہ ناطہ کرنے پر راضی تو ہو گیا

لیکن ساتھ یہ بات بھی کہہ دی کہ اگر وہ یہ ایسا کرنا محلوں کی اینٹ کو موری میں لگانا ہوگا"۔ گورو کو اس بات کی خبر لگ گئی اور اس نے ناطہ لینے سے انکار کر دیا۔ چندو نے اسے اپنی ہتک سمجھا اور ہندو خیال کے زیر اثر بار بار ناطہ پیش کیا لیکن گورو راضی نہ ہوئے چندو نے اس سے ناراض ہو کر گورو کے برخلاف ایک شکایت کی کہ گورو ارجن نے جو کتاب تیار کی ہے اس میں مذہب اسلام پر حملے کئے گئے ہیں۔ کہتے ہیں کہ بادشاہ نے گورو کو بلا کر پوچھا جس پر گورو نے کہا کہ گرنتھ کو کسی جگہ سے نکالکر دیکھا جا سکتا ہے۔ چنانچہ جونہی ایک جگہ نکالکر دیکھی گئی تو اس میں ایشور کی تعریف میں بھجن نکلا۔ لیکن بادشاہ نے اب یہ کہا "اگر گورو اسلام کے مذہب کو بُرا نہ سمجھتا تھا تو وہ ایسا ہی ایک بھجن حضرت محمدؐ کی تعریف میں درج کر دے"۔ گورو کے لئے یہ ایک بڑے کڑے امتحان کا موقعہ تھا۔ اس امتحان میں یہ فیصلہ ہونا تھا کہ سکھی تاریخ کا مستقبل کیا ہوگا۔ گورو ارجن اس بات کو خوب سمجھتے تھے انہوں نے دنیاوی طاقت کے سامنے اس بے خوفی کا اظہار کیا جو کہ ان کی پوزیشن کے شایاں تھا۔ انکا جواب یہ تھا کہ گرنتھ میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ واہگورو کی پریرنا سے لکھا گیا ہے۔ کسی کے کہنے پر اس میں کوئی ایزادی نہیں کیجا سکتی۔ اب چندو کو موقعہ ملا۔ اس نے گورو پر سرکار کے برخلاف اس بنا پر مخالف ہونے کا الزام لگایا کہ گورو اپنے آپ کو سچا بادشاہ کہتا ہے اور اُس نے اپنے ماتحت ایک بڑی جماعت کی تنظیم کر لی ہے۔ اس کی سزا میں گورو پر دو لاکھ روپیہ جرمانہ کیا گیا۔ سکھوں نے فوراً چندہ اکٹھا کرنا شروع کر دیا۔ لیکن گورو نے ان کو

جرمانہ ادا کرنے سے بند کر دیا اور حوالات میں رہنے کو ترجیح دی۔ چندو نے پھر انکو ناطہ لینے کی درخواست کی لیکن گورو ارجن اسطرح سے دب جانیوالا شخص نہ تھا۔ کہا جاتا ہے کہ انکو پہلے ابلتے ہوئے پانی میں بٹھایا گیا۔ پھر ان کا جسم گرم ریت میں جلایا گیا۔ اور آخر میں حکم ہوا کہ ان کو گائے کے چمڑے میں سی دیا جائے۔ گورو نے نہانے کی اجازت مانگی اور دریائے راوی میں وہ غوطہ لگایا کہ پھر باہر نہ نکلے اس طرح گورو ارجن پہلا شخص تھا۔ جس نے اپنے دھرم کو رکھکر جان کو دیدیا۔ اب سکھ تاریخ میں قربانی کا آغاز شروع ہوتا ہے۔

کوئی گورمنٹ کسی آرگنیزیشن کو وہ خواہ کیسی ہی نہی اور بے ضرر ہو پسند نہیں کرتی۔ آرگنیزیشن کا ہونا ہی گورمنٹ کے لئے خطرناک ہوتا ہے۔ گورو ارجن نے اس ارگنیزیشن کو قائم کر دیا۔ سنہ ۱۶۰۶ء میں اس کی موت کے بعد اسکا بیٹا ہرگوبند گدی پر بیٹھا۔ اس کی عمر ابھی گیارہ برس کی تھی کہ اسنے اپنی کمر کے گرد دو تلواریں باندھنی شروع کر دیں ایک اپنے باپ کا بدلہ لینے کے لئے اور دوسری محمدؐ کے معجزے تباہ کرنے کے لئے۔ ٹوپی اور سیلی کے ساتھ جو کہ فقیری کی علامتیں تھیں۔ اس نے تلوار۔ چھتر۔ کلغی وغیرہ بادشاہی کی علامتیں رکھنی شروع کر دیں اور اپنا وقت کشتی۔ سواری اور شکار میں خرچ کرنا شروع کر دیا۔ یہانتک کہ گورو ہرگوبند کی طرف سے کوئی بھجن یا پرارتھنا لکھی ہوئی نہیں پائی جاتی۔ جہاں پر پہلے بھگتی اور شردھا کو پسند کیا جاتا تھا۔ گورو ہرگوبند نے جسمانی طاقت اور مضبوط جسم کو پسند کرنا شروع کیا۔ اس کے ساتھ خوراک میں بھی تبدیلی آگئی۔ گوشت کھانے کی نہ صرف اجازت دی

گئی بلکہ اسے اچھا کام سمجہا جاتا تھا۔ اُسنے اپنے تمام سکھوں کو ہتھیار رکھنے کا حکم دیا اور ہدایت کر دی کہ موقعہ پڑنے پر دہرم سے دشمنوں کے ساتھ لڑنے مرنے پر تیار رہیں جب ایسی ضرورت ہوگی انہیں جھنڈے تلے آنے کے لئے بلایا جائیگا۔ اس نے اب ڈاکوؤں اور لٹیروں کو گورو منتر دیکر اپنے سکھوں میں شامل کرنا شروع کیا تاکہ وہ اس کی فوج کی طاقت اور تعداد کو بڑہا سکیں اس نے گھوڑوں کا اصطبل رکھنا رکھنا شروع کیا جس میں آٹھ سو سے زیادہ گھوڑے تھے اور وہ تین سو سوار اور ساٹھ توپچی بطور باڈی گارڈ کے اپنے ساتھ رکھتا تھا۔
یہ سب باتیں ظاہر کرتی تھیں کہ گورو ہرگو بند نے گوروؤں کے آدرش کو اپنے لئے بالکل بدل لیا ہے اور وہ اب اپنے آپکو ہر طرح سے کسی کے مقابلے کے لئے تیار کر رہا تھا۔ اب جو کار بھینٹ بھی اُسے آتی تھی وہ گھوڑے اوزار اور دوسرے جنگی سامان کی شکل میں دیجانے لگی گورو اپنا وقت دورے یا شکار میں گذارتا تھا۔ امرتسر میں رہ کر وہ باقاعدہ طور پر دربار لگاتا تھا جس میں لوگوں کے مقدموں کو سنکر سزا دیا کرتا تھا۔ بہتیرے ڈاکو اس کے اثر میں ایسے آگئے جو اپنی لوٹ کا مال لاکر بھی اس کے آگے بھینٹ کر دیتے تھے۔ ان میں سے بدھی چند ایک بڑا مشہور ڈاکو تھا۔ جہاں پر وہ بیٹھ کر دربار لگایا کرتا تھا اُسے تخت اکال بنگہ کہلوانا شروع کیا اور سب کو حکم دیا کہ اُسے سچا بادشاہ کہا کریں۔ جس کے یہ معنی تھے کہ لوگوں کو دوسرے بادشاہ کو جھوٹا بادشاہ سمجھنا چاہیئے ان سب باتوں کی شکایت ہو سے جب بھی جہانگیر نے اسے نالہ گڈھ کے باغی راجا تارا چند کو سر کرنے کے لئے

بھیجا۔ جس میں گورو ہر گوبند کو پوری کامیابی ہوئی اس کے بعد بادشاہ نے گورو کو ایک ہزار پیادہ سات سو سوار اور سات سو توپوں کا چارج دیکر پنجاب میں سرکاری افسران کے اوپر نگہبان مقرر کیا۔ اس عرصہ میں گورو نے دیوان چندو سے اپنے باپ کا بدلہ اسطرح لیا کہ اس کی ٹانگوں کے ساتھ رسی باندھ کر شہر کی گلیوں میں اسے گھسیٹ کر بڑے عذاب سے مروا ڈالا۔
۱۶۲۰ء میں جہانگیر گورو کو اپنے ساتھ لیکر کشمیر کی سیر کو گیا۔ راستے میں اسکے طریقے اور بادشاہ کے حکم کی لاپروائی سے بادشاہ ایسا خفا ہوا کہ اسے گوالیار کے قلعے میں قید کر دیا۔ اس قید کی میعاد بارہ سال تک بتائی جاتی ہے مشہور مسلمان ولی میاں میر کی سفارش پر جہانگیر نے اسے رہا کر دیا اس قید کے دوران میں گورو کی عزت اور شہرت بہت زیادہ بڑھ گئی اور سکھوں کے دلوں میں ان کے درشن کرنے کی پیاس اتنی زبردست تھی کہ کہا جاتا ہے کہ سینکڑوں سکھ ہر سال گوالیار جاتے تھے اور اس قلعے کی دیواروں کے ساتھ جس میں ان کا گورو قید تھا ماتھا رگڑ رگڑ کر واپس چلے آتے تھے۔
رہائی کے بعد گورو ہر گوبند کا تیسرا حصہ شروع ہوتا ہے جبکہ ان کو بادشاہی فوج سے لڑائیاں لڑنی پڑیں کچھ سال تک تو گورو بالکل چپ چاپ رہے۔ لیکن ایک ایسا واقعہ ہوا جبکہ انہیں اپنے بچاؤ کے لئے ہتھیار اٹھانے پڑے۔ ۱۶۲۸ء کا ذکر ہے کہ ایک سکھ ترکستان سے گورو کے لئے خاص قسم کے گھوڑے لے آیا۔ لاہور کے ناظم نے لاہور سے گذرتے ہوئے ان گھوڑوں پر قبضہ کر لیا اور بادشاہ کے لئے رکھ لئے۔ بادشاہ نے انہیں سے ایک گھوڑا لاہور کے قاضی رستم خاں

کو دیدیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس قاضی کی ایک لڑکی تھی جس کے دلمیں گورو ہرگوبند کے لئے بہت شردھا اور محبت ہو گئی وہ گھر سے نکل کر پناہ کے لئے فقیر میاں میر کے پاس جا پہونچی اور یہ خبر پاکر گورو ہرگوبند اسکو اپنے پاس لے گئے۔ اور اس کے نام پر امرتسر میں کنول سر بنوایا۔ لاہور کے قاضی نے اسے بڑی بے عزتی سمجھی اور فوج روانہ کی جسکا افسر لاہور کا نائب ناظم مخلص خاں تھا۔ قاضی کے اپنے دو بیٹے بھی ساتھ تھے گورو نے پانچہزار سپاہی اکٹھے کر کے امرتسر سے چار میل وڈالی کے مقام پر ایک لڑائی کی جس میں مغل فوج کو شکست ہوئی اس شکست کے دو ہفتے بعد پہلے سے دوگنی فوج پندرہ ہزار سپاہی آ پہونچے اور امرتسر پر حملہ کر دیا۔ گورو کچھ دیر تک لڑائی کرتا رہا۔ لیکن یہ بہتر سمجھا کہ وہ اپنے بچاؤ کے لئے پہاڑی قلعے میں چلا جائے۔ سال بھر اور گذر گیا جب گورو ہرگوبند اپنے بسائے ہوئے قصبے سری ہرگوبند پور میں ٹھیرے ہوئے تھے۔ کہ جالندھر کے ناظم نے علی بخش اور امام بخش کو پانچہزار مغل سپاہی دیکر گورو کے برخلاف روانہ کیا۔ لڑائی میں گورو اور اسکے ساتھیوں نے مغلوں پر فتح پائی اور ناظم خود جو کہ بعد میں آگیا تھا اس لڑائی میں مارا گیا۔ اس کے ساتھ پہلی جنگ ختم ہو گئی۔ دوسری جنگ کا آغاز گورو کیطرف سے اسطرح ہوا۔ گورو کو دل کے گھوڑے ابھی نہیں بھولے تھے جو کہ ناظم نے بادشاہ کے لئے رکھ لئے تھے۔ انہوں نے اپنے ایک مشہور اور دلیر سکھ بدھی چند کو روانہ کیا تاکہ وہ کسی طرح سے گھوڑے اڑا لائے۔ بدھی چند نے ایک گھسیارے کا روپ بنالیا اور شاہی اصطبل میں نوکر ہو گیا۔ ایک اندھیری رات کو گھوڑے پر سوار ہو کر دریا میں کود پڑا

اور گھوڑا لے کر گورو کے پاس آ پہونچا۔ گورو کے دلمیں یہ خواہش باقی تھی کہ اسکا ساتھی دوسرا گھوڑا بھی لایا جائے۔ بدھی چند نے پھر جانے کا ارادہ کیا اور اس دفعہ ایک کھوجی کا روپ بنا لیا۔ دربار میں جاکر یہ ظاہر کیا کہ وہ چوری گئے گھوڑے کا کھوج نکال لائے گا۔ اس بہانے سے وہ قلعے میں داخل ہوا۔ اور وہاں اکیلا چھوڑے جانے کی اجازت مانگی۔ موقعہ پاکر وہ دوسرے گھوڑے کی پیٹھ پر سوار ہوا اور دریا میں کود پڑا۔ لیکن کودنے سے پہلے انکو بلند آواز سے یہ بتلا دیا کہ "پہلا گھوڑا بھی اسی طرح سے چوری گیا تھا۔ اگر کسی کے اندر ہمت ہو تو آکر لے لیوے" اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ لاہور سے ایک بڑی مہم عبداللہ خاں۔ سلیم خاں اور ہیلول خاں کے ماتحت بھیجی گئی اور دسمبر ۱۶۳۱ء میں مالوہ میں لاڈا کے مقام پر ایک لڑائی ہوئی جس میں گورو کو فتح نصیب ہوئی اس کے بعد گورو بھٹنڈے کے جنگلوں میں چلا گیا اور وہاں پر اپنے دہرم کا پرچار اور سکھوں کی تعداد کو بڑھانا شروع کیا۔ ان لڑائیوں کی وجہ سے گورو نے امرتسر کو چھوڑ کر کرتار پور اپنی جلائے رہائش بنالی تھی۔ کبھی کبھی سال دو سال بعد امرتسر کو دیکھ جاتا تھا۔ اسنے میں گورو کا سوتیلے بھائی پیندے خاں سے جھگڑا ہو گیا۔ پیندے خاں نے بڑی بہادری سے ان فتوحات میں گورو کا ساتھ دیا تھا اور اسے اس بہادری کا گھمنڈ بھی بہت ہو گیا۔ اس کے داماد نے گورو کے گھر سے کچھ قیمتی چیزیں چرالیں اس سے گورو اور پیندے خاں میں بگاڑ ہو گیا اس کے علاوہ دو اور پارٹیاں گورو کے خلاف کام کرتی تھیں ایک تو دیوان چند کا بیٹا تھا اور دوسرا اس کے اپنے چچازاد بھائی

دھیر مل کی اولاد جو گورو ارجن کے بھائی پرتھی چند کا بیٹا تھا اور جن کی گورو ارجن کو گدی ملجانے کی وجہ سے ان کے ساتھ سخت دشمنی چلی آتی تھی۔ ان دونوں نے پیندے خاں کو اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ سب ملکر بادشاہ کے پاس گئے کہ اگر انکو کافی فوجی امداد ملجائے تو وہ گورو کو تباہ کردیں گے۔ اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ اپریل ۱۶۳۴ء میں گورو کو کرتارپور میں اپنے دشمنوں کے ساتھ لڑائی لڑنی پڑی جس میں اس نے پیندے خاں کو اپنے ہاتھ سے قتل کیا۔ مغل فوج کو شکست دی اور چندو کا بیٹا بھی وہیں مارا گیا۔ اگرچہ گورو کو فتح حاصل ہوئی تھی۔ لیکن انہوں نے اب ادہر رہنا مناسب نہ سمجھا اور پہاڑوں میں کیرت پور کو چلے گئے جہاں ۱۶۴۴ء تک امن کے ساتھ جیتے رہے۔

گورو ہرگوبند نے سکھوں کی زندگی میں انقلاب پیدا کر دیا اس نے انہیں بتایا کہ دہرم کے لئے لڑنا اور جان دینا محض بھجن پاٹھ اور جاپ کرنے کی نسبت بدرجہا اچھا ہے سکھوں کا اس زمانے میں سب سے بڑا دہرم یہ تھا کہ وہ اپنے بال بچوں اور گھروں کی حفاظت کے لئے ہتھیار باندھ لیں۔ گورو ہرگوبند کی کامیابیوں نے سکھوں میں حوصلہ اور دلیری پیدا کردی۔ اس حوصلہ نے سکھوں کی آنیوالی بڑائی کے لئے بیج کا کام کیا۔ سکھی روایات میں گورو ہرگوبند کو ایسا خوبصورت جوان اور بہادر بتلایا ہے کہ جو کوئی انکے تعلق میں آتا تھا ان سے محبت کرنے لگ جاتا تھا۔ ان کے چیلے تو انپر ہر وقت جان سے فدا رہتے تھے۔ ان کی خوبصورتی تو ایسی شہرہ آفاق تھی کہ کہا جاتا ہے کہ جہانگیر کی بیگموں نے صرف درشن

کرنے کے لئے گوروکو اپنے محل میں بلوایا تھا وہ شکار کے ایسے بہادر تھے کہ اکیلے ہی اپنے ہاتھ سے چیتے اور شیروں کو مارا کرتے تھے۔ ان کی تیر اندازی اس کمال کی تھی کہ انکا تیر کبھی نشانے سے اِدھر اُدھر نہیں ہوتا تھا۔ اس جسمانی طاقت اور ہنر کے کمال کے ساتھ ساتھ ان کی گفتگو میں بھی جادو پایا جاتا تھا۔ ان کے چرچے اور باتیں ایسی معلوم ہوتی ہیں کہ وہ بھگوان کرشن کے اوتار ہو کر گیتا کے گیان کا اُپدیش کر رہے ہیں۔

جو لوگ ان کے پاس رہتے تھے ان کے ساتھ محبت کا جذبہ اتنے زور کار کھتے تھے کہ ان کے لئے جان قربان کرنے کو تیار تھے۔ اسکی بڑی مثال ان کی وفات کے وقت میں ہیں دکھائی دیتی ہے۔ عورتوں کے لئے مرے ہوئے پتی کے ساتھ چتا پر جل کر مر جانا ہندوستان میں کوئی غیر معمولی بات نہیں لیکن جب گورو ہر گوند کا شریر چتا پر رکھا گیا تو ان کے کئی چیلے ایسے تھے جو چتا کی طرف دوڑ دوڑ کر جاتے تھے کہ اپنے آپکو ان کے ساتھ ہی جلادیں۔ لیکن ان میں سے دو شخص ایک جیسلمیر کا بھاگا ہوا راجا پرتاب سنگھ لودا سکا بیٹا رام سنگھ جنہوں نے گورو کے پاس آکر پناہ لی تھی اس کے ساتھ جلکر مر گئے مردوں میں اس قسم کی جاں نثاری کی مثال کہیں اور نہیں پائی جاتی۔

پولیٹیکل جماعت جنگی شکل میں

گورو ہر گوند کا بڑا بیٹا گورا ندتا ان کے جیتے جی ہی مر چکا تھا انہوں نے اسکے بیٹے گُرو ھر رائے کو چودہ برس کی عمر میں گدی کے لئے تجویز کیا گورو ہر رائے ۱۶۴۵ء سے سنہ ۱۶۶۱ء تک گدی پر بیٹھے گورو ہر رائے بہت ہی

نرم طبیعت کے تھے اُنکی نسبت ایک کہانی ہے کہ باغ میں سیر کرتے ہوئے انکا چوغا پھولوں کے ساتھ لگا اور کچھ پھول زمین پر گر پڑے ان کے دل پر پھولوں کے گرنے کا ایسا صدمہ ہوا کہ جب کبھی وہ باغ میں جایا کرتے تھے ؛ ہمیشہ اپنا چوغا ہاتھ سے سنبھال کر ٹہلا کرتے تھے جو شخص پھولوں کو دُکھ نہیں دے سکتا وہ انسانوں کے دُکھ کی برداشت نہیں کر سکتا۔ گورو ہررائے نے صرف ایک ہی بار لڑائی میں تھوڑا بہت حصہ لیا اور وہ ۱۶۵۸ء میں تھا۔ جب دارا شکوہ نے بھاگتے ہوئے گورو سے امداد مانگی۔ دارا شکوہ نام کو چھوڑ کر پورا ہندو تھا اور گورو پر بھی اس کی بہت شردھا تھی۔ ۱۶۴۸ء میں گورو کی دوائی سے اس کی جان بچ گئی تھی اور اسوقت سے وہ گورو کا بھگت ہو گیا تھا۔ اب جبکہ اورنگ زیب کی فوج اسکا تعاقب کر رہی تھی اس نے گورو سے مدد چاہی۔ گورو کے آدمیوں نے اورنگ زیب کی فوج کو دریائے بیاس عبور کرنے سے روکے رکھا۔ جبتک کہ دارا ایک پناہ کی جگہہ میں نہ پہنچ گیا۔ اورنگ زیب ایسے واقع کو بھولنے والا شخص نہ تھا جب وہ اپنے تخت پر مستحکم ہو گیا تو اس نے گورو ہررائے کو دہلی بلا بھیجا گورو ہررائے نے خود جانا مناسب نہ سمجھکر اپنے بڑے بیٹے رام رائے کو دہلی روانہ کیا۔ اورنگ زیب نے اس کے ساتھ سلوک تو اچھا کیا لیکن اُسے بطور یرغمال اپنے پاس رکھ لیا۔ گورو ہررائے کا دوسرا بڑا کام یہ تھا کہ اس کے وقت میں کیتھل کا بھائی بھگتو۔ بگھریاں کا بھائی دہرم سنگھ پٹیالہ۔ جیند۔ نابھہ وغیرہ کا بزرگ پھول سنگھ پنتھ میں شامل ہوئے اورنگ زیب نے رام رائے سے کہا کہ گرنتھ میں ایک جگہہ لکھا ہے

مٹی مسلمان کی پیڑے پئی گھمار
گھڑ بھانڈے اِٹاں کیاں جلدی کرے پکار

یعنی مسلمان کی مٹی کو لیجا کر کمہار رنتے اس سے برتن بنلئے دعموماً کمہار لوگ قبرستان کی مٹی سے ہی زیادہ چکنی ہونے کی وجہ سے برتن بناتے ہیں) اور پھر اُسے آوے کی آگ میں ڈالکر پکایا۔ اس وقت مسلمان سے جلتے ہوئے چیخ پکار کی آواز آئی۔ اس شبد سے گورو کا مطلب مسلمانوں کے مشہور مسئلے کو رد کرنا تھا۔ میں سے وہ کہتے ہیں کہ ہندو لوگ مردوں کو جلاتے ہیں اس سے وہ ہمیشہ کی آگ میں جلتے رہیں گے۔ شبد کا مطلب یہ تھا کہ مسلمانوں کے جسم بھی مٹی کے ساتھ ملکر آخر آگ میں پڑتے ہیں اورنگ نے یہ کہا کہ تمہاری مذہبی کتاب میں مسلمانوں کو کیوں گالی دیگئی ہے۔ رام رائے نے جھٹ پٹ چالاکی سے جواب دیا وہاں پر لفظ مسلمان نہیں ہے بلکہ بے ایمان ہے اور اورنگزیب اس سے خوش ہوگیا۔ لیکن رام رائے کی چالاکی اس کےلئے بڑی مہلک ثابت ہوئی۔ جب گورو کو اس بات کی خبر لگی کہ ان کے بیٹے نے بادشاہ کے خوف سے گورو کے شبد میں تبدیلی کی ہے تو وہ اس کی بزدلی سے ایسے ناراض ہوئے کہ اسے گدی کے حق سے محروم کر دیا اور دیکھنے سے بھی انکار کر دیا۔ گورو ہر رائے سالہ۱۶۶۱ء میں پرلوک سدھارے گدی پر اپنے چھوٹے بیٹے ہرکشن کو مقرر کیا جس کی عمر اسوقت پانچ برس کی تھی۔ رام رائے نے اورنگزیب سے اپیل کی کہ کس طرح اسکے بزرگوں کا بنا بنایا کھیل ایک بچے کی گدی نشینی سے بگڑ جائیگا۔ اور اسکے ساتھ گدی سے محروم کرنے میں بڑی بے انصافی کی گئی ہے۔ اورنگزیب

نے گورو ہر کشن کو دہلی بلا بھیجا۔ گورو ہر کشن چھوٹی عمر کے باوجود بہت ذہین اور سمجھدار تھے۔ گورو ہر کشن دہلی میں چیچک سے بیمار ہو گئے اور وہیں ۱۶۶۴ء میں پرلوک کو سدھار گئے۔

مرتے ہوئے اس نے اپنے دادا کے چھوٹے بھائی تیگ بہادر کو گورتائی کا نشان بھیج دیا۔ تیگ بہادر بکلا کے گاؤں میں تپ کی زندگی بسر کرتے تھے۔ ان کی طبیعت میں ایسی نرمی اور مہمان نوازی پائی جاتی تھی کہ وہ اپنے آپکو دیگ بہادر کہلانا پسند کرتے تھے لیکن رام رائے دہلی میں اورنگ زیب سے ان کے برخلاف شکایتیں کرتا تھا۔ اورنگ زیب گورو کو اپنے قابو میں رکھنا چاہتا تھا تاکہ انکی طاقت بڑھنے نہ پائے اورنگ زیب نے اس مطلب کے لئے گورو کو دہلی بلا بھیجا وہاں پہونچنے پر جے پور کا راجا اورنگ زیب سے سفارش کر کے گورو کو بنگال آسام کی طرف لے گیا۔ ادہر سے واپس آنے پر گورو پنجاب کو چلے آئے اور کلور کے راجا سے زمین خرید کر مکھووال گاؤں آباد کیا۔ اور وہاں رہنے لگے۔ کننگھم کہتا ہے کہ گورو تیگ بہادر بھی اپنے باپ کے پیچھے چلکر سکھوں کو لوٹ مار کی ترغیب دیتے تھے اور ایک مسلمان حافظ آدم کے ساتھ ملکر تمام دولتمند ہندوؤں اور مسلمانوں سے زبردستی روپیہ وصول کرتے تھے اس سے اورنگ زیب ناراض ہو گیا اور گورو کو پھر دہلی بلا بھیجا۔ سکھ مصنفوں کا بیان اور ہے وہ لکھتے ہیں کہ جب اورنگ زیب نے ہندوؤں پر ظلم کرنے کی کمر باندھی اور ہندو دھرم کے لیے زبردستی جنیو اتروانے شروع کئے تو کشمیر کے پنڈت چلکر گورو تیگ بہادر کے پاس پہونچے کہ وہ دھرم

کی رکھشا کا کوئی علاج کریں۔ گورو نے انکو جواب دیا کہ اس سمے کسی مہاتما بلیدان کی ضرورت ہے۔ جسپر انکے بیٹے گورو گوبند سنگھ نے کھڑے ہو کر کہا آپ سے بڑھ کر اور کون مہاتما ہوگا؟ اسپر انہوں نے اورنگ زیب کو کہلا بھیجا کہ وہ بجائے غریبوں کو ستانے کے اکیلے گورو تیغ بہادر کو مسلمان بنالے کیونکہ اس کے پیچھے سب پنجاب آپ ہی مسلمان ہو جائیگا رام رائے بھی اورنگ زیب کے پاس موجود تھا۔ اورنگ زیب اسپر اتنا خوش تھا کہ ٹیری کے راجا کو لکھکر اسے بہت سی زمین بطور جاگیر دلا دی جہاں کہ ڈیرہ دون واقع ہے اور جہاں پر رام رائے کا مشہور ڈیرہ ہے۔ جسپر ہر سال رام رائے کے سکھوں کا میلا لگتا ہے۔ رام رائے کی شکایت تھی یا کوئی دوسری وجہ تھی کہ اورنگ زیب نے گورو تیغ بہادر کو گرفتار کر لانے کا حکم دیا۔ آگرے میں پانچ ساتھیوں کے ساتھ پکڑے جاکر دہلی لائے گئے۔

اورنگ زیب ان کے پاس بحث کرنے کے لئے قاضیوں کو بھیجتا تھا اور انہیں کہتا تھا کہ کوئی کرامات دکھائیں یا مسلمان ہوجائیں ان بحثوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ گورو تیغ بہادر سے پہلے ہی ان کے دو ساتھیوں کو دھرم کے لئے شہید ہونا پڑا۔ ایک بھائی متی داس کے سر پر آرا رکھکر آرے سے چرا دیا گیا اور دوسرے بھائی دیالا کو تیل کے ابلتے ہوئے کڑاہ میں پڑکر جان دینی پڑی۔ گورو تیغ بہادر نے ایک کاغذ پر کچھ لکھکر کہا "اُسے ان کے گلے میں باندھ دیا جائے اس پر تلوار کا کچھ اثر نہ ہوگا"۔ اورنگ زیب کے حکم سے تلوار چلائی گئی۔ گلا کٹ گیا۔ کاغذ کھولنے پر اس میں لکھا ہوا پایا "سر دیا پر سر

نہ دیا۔ گورو تیگ بہادر کی شہادت پنجاب کی تاریخ میں اس مرحلے کو شروع کرتی ہے جبکہ سکھوں کی جماعت کو ایک جنگی فرقہ میں تبدیل کرنیکا بیج پڑ گیا۔ گورو گوبند ان کا بیٹا گدی پر بیٹھا یہ وہ وقت تھا جبکہ اورنگ زیب نے کھلے طور پر ہندوؤں کے برخلاف اپنی تعدی کی پالیسی شروع کر دی تھی۔ جسکا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں اورنگ زیب کی حکومت ایک بالکل مطلق العنان شخصی حکومت تھی اور بادشاہ کی مرضی ہی ایک قانون سمجھی جاتی تھی نہ کوئی گورنمنٹ کا کانسٹیٹیوشن تھا اور نہ کوئی باقاعدہ گورنمنٹ تھی۔ بادشاہ کے صوبیدار مختلف صوبوں میں اپنی اپنی جگہہ پر بادشاہی کا نمونہ تھے۔ انکا کام مختلف راجاؤں اور رئیسوں کو ایکدوسرے کے برخلاف رکھکر اپنی حکومت کو جاری رکھنا تھا۔ اور جب کبھی کوئی گورنمنٹ کے خلاف جرم کرتا تھا اس کے لئے تو نہ کوئی قانون تھا اور نہ کوئی انصاف۔ گورو گوبند کو اورنگ زیب کی حکومت میں اتنا فائدہ ضرور ہوا کہ اورنگ زیب کو دکن کی مسلمان ریاستوں کے فتح کرنیکا خبط سما یا ہوا تھا اور اسے یہ بھی خیال تھا کہ اسکا کوئی جرنیل یہ کام کرنے کے قابل نہیں ہے وہ خود دکن کی مہموں پر چلا گیا اور پنجاب کو خالی چھوڑ گیا۔ گورو گوبند سنگھ اپنے باپ کی شہادت کے وقت پندرہ سال کی عمر کا تھا۔ اس کے اپنے کنبے کے لوگ رام رلیئے اور دھیرمل اس کے برخلاف پارٹی بنا کر ہر قسم کی مخالفت کرنے پر تیار تھے اور سکھوں کی جو فوج اس کے دادا گورو ہرگوبند نے تیار کی تھی اورنگ زیب کی سخت پالیسی کی وجہ سے تتر بتر ہوگئی۔ اور اورنگ زیب کی تعدی اور تعصب کی وجہ سے پنجاب پر

عجیب قسم کا خوف طاری تھا۔ اورنگ زیب نے ہر ایک مُلّا کے ساتھ کچھ سوار مقرر کر دیے تھے جنکا کام یہ تھا کہ کوئی ہندو اپنی مذہبی نمائش نہ کرے۔ ان سب مشکلات میں گورو گوبند سنگھ نے اپنے آپکو ایک عجیب بے کسی کی حالت میں پایا۔ وہ کرتا تو کیا کر سکتا تھا؟ لیکن ایک سچے مہاپرس کے طور پر اتنی چھوٹی عمر میں ہی اس نے ان بڑی تدبیروں کی بنیادیں رکھنے کا فیصلہ کیا جو کہ اس کے دلکو ہلا رہی تھیں اور جنکی بدولت وہ اپنے باپ کا بدلہ لینا چاہتا تھا اور اس کے ساتھ وہ اپنی پاؤں تلے کچلی قوم کی زنجیروں کو کاٹنا چاہتا تھا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ وہ کسی پہاڑی جگہ میں پناہ گزین ہو اور اپنی تدبیروں کو پکا کرنے کا انتظام کرے۔ وہاں پر اس نے پٹنہ اور بنارس سے سنسکرت کے بڑے پنڈت اور پنجاب سے فارسی کے عالم اور شاعر جمع کیے تاکہ وہ اس عمر میں اپنی محنت سے جو کچھ ان سے سیکھ سکتا تھا اپنے اندر جذب کرے ایسے ساٹھ آدمیوں کے نام موجود ہیں جو کہ گورو گوبند سنگھ کے پاس رہا کرتے تھے۔ وہ سنسکرت کی ساری لٹریچر سے گذر گیا۔ مہابھارت اور پرانوں کی دوسری کتھاؤں میں جن میں دیوتاؤں اور اسروں کے یدھوں کا ذکر پایا جاتا ہے اور جن میں ایسی کہانیاں بیان کی جاتی ہیں کہ کسطرح درگا نے تک اسر اور دوسرے اسروں کی کھوپڑیوں کو توڑا اور انکا خون پیا۔ لنکا کے راکھش راون کو رام نے اور کنس کو کرشن نے کسطرح ناش کیا ان کتھاؤں نے گورو کے دل پر گہرا اثر کیا۔ گورو گوبند نے اپنی مشہور نظم وچتر ناٹک میں اس خیال کو دوہرایا کہ کسطرح ایسے نازک موقعوں پر جب دہرم کا ناش ہو رہا ہوتا ہے ایشور آپ انسان

کی شکل اختیار کر کے دہرم کی حفاظت کرتا ہے۔ اسے یقین ہو گیا کہ اسکا
بھی مشن یہی ہے کہ وہ بھی اس اودیش کے لئے پیدا ہوا ہے۔
بیس سال کے عرصہ میں اس ساری واقفیت کے علاوہ گورو گوبند سنگھ
نے جنگی نظم لکھنے میں خاص مہارت پیدا کر لی۔ سواری اور تیر چلانے
کے ہنر میں کمال پیدا کر لیا۔ شیر چیتوں کا جنگلوں میں شکار کر کے اپنے
آپ کو بڑے کام کے لئے تیار کیا۔ اُسے اپنے سامنے سوال ایک ہی نظر
آتا تھا کہ کسطرح ہندوؤں کے سب اختلافات کو مٹا کر ان میں اتحاد
پیدا کر دے اور ان کی مری ہوئی ہڈیوں میں نئی روح پھونک دے
گورو گوبند نے یہ محسوس کیا کہ ہندو مدت سے ایک نرم اور صابر
قوم بن چکے ہیں ان کی ملکی خواہشات مر چکی تھیں وہ نہ خود تکلیف
اُٹھانا چاہتے تھے نہ کسی کو تکلیف دینے کے لئے تیار تھے۔ اور
انکا یہ خیال اتنا بڑھ گیا تھا کہ وہ ذرا سی بات سے خوفزدہ ہو جاتے
تھے۔ اُس نے یہ بھی محسوس کہ ذات پات قوم کے بنانے میں ایک
بڑی رکاوٹ تھی اس لئے اس نے سب سے پہلے انکو ذات کے
بندھن سے چھڑانا چاہا اور کہا کہ چاروں ورن پان سپاری۔ کتھا
اور چونہ کی طرح ہیں جو سب ملکر ہی پان کا ذائقہ پیدا کر سکتے ہیں۔
خالصہ ایک دن کیش گڈھ کی پہاڑی پر جہاں سب سکھ جمع تھے۔
گورو نے ان کے سامنے ایک تقریر کی اور خاتمے پر کہا کہ دیوی
ہر روز اس سے سر مانگتی ہے کیا تم میں سے کوئی ایسا سکھ ہے جو سر
دینے کے لئے تیار ہو۔ ایک منٹ کے لئے خاموشی سی چھا گئی۔ گورو
نے اپنے سوال کو پھر دوہرایا اور دیا رام ایک سکھ نکلا۔ گورو اُسے

پکڑ ساتھ کے خیمے میں لے گئے اور وہاں پر ایک بکرے کا جھٹکا کر ڈالا۔ اپنی خون سے بھری ہوئی تلوار لیکر باہر نکلا۔ پھر اپیل کی ایک اور سکھ میدان میں آیا اسی طرح دو اور تین پانچ سکھ سر دینے کے لئے تیار ہو گئے۔ اس کے بعد وہ ان پانچوں کو جیتے جاگتے لیکر خیمے سے باہر نکل آیا۔ جس سے سب لوگ حیران ہو گئے ان پانچوں میں سے ایک کھتری تھا باقی کے سب شودر کہلانے والی ذاتوں سے تھے۔ گورو نے انکو پانچ پیارے کہکر امرت چکھایا پھر ان پانچوں کے ہاتھ سے تیار کیا ہوا امرت خود پیا۔ اس طرح اس بڑی جمہوریت کی بنیاد رکھی جو کہ بعد میں خالصہ کے نام سے مشہور ہوئی۔ خالصہ کے اندر مضبوط سنگھٹن پیدا کرنے کے لئے ایسے طریقے ایجاد کئے جنکا اثر عام لوگوں کے دلوں پر جادو کا سا ہوتا تھا۔ یعنی سب سکھوں کو چاہئے کہ وہ ملتے وقت "واہگورو جی کا خالصہ واہگورو جی کی فتح" بولا کریں۔ سب سکھ پانچ ککے یعنی کیس۔ کڑا۔ کنگھا کچھا۔ کرپان دھارن کریں اور سب کے نام کے آخیر سنگھ ہونا چاہئے ان کے اندر سپرٹ پھونکنے کے لئے انہیں یہ تعلیم دی کہ خالصہ براہ راست ایشور کی آگیا میں ہے اور انہیں یقین رکھنا چاہئے کہ جہاں پر خالصہ ہوگا وہاں پر ایشور آپ ہوگا اسطرح ایک ہی قدم اٹھا کر انہوں نے بیچارے سیدھے سادھے سکھوں کو سنگھ بنا دیا۔ جس سے چھوٹے سے چھوٹا آدمی بڑے سے بڑے کھشتری کے ساتھ برابری کا دعوے کر سکتا تھا اس سے پہلے سنگھ کا لفظ صرف کھشتریوں کے نام کے ساتھ لگایا جا سکتا تھا۔ اب جو کوئی شخص گورو گوبند سنگھ کے خالصہ

میں شامل ہوا وہ خواہ نائی تھا۔ خواہ چار سنگھ بن جاتا تھا۔ اس برابری کے جادو کا اثر ہم یہ دیکھتے ہیں کہ چھوٹی چھوٹی ذاتوں کے لوگ خالصہ میں داخل ہو کر بڑی بڑی فوجوں کے سردار اور جرنیل بن گئے۔

پرانے زمانے میں بھی جب ضرورت پڑی تو نئے کھشتری پیدا کرنے کے اسی قسم کے ذریعے اختیار کئے گئے اس کی ایک مثال تو وہ ہے جب برہمنوں نے کوہ آبو کے پہاڑ پر یگیہ کر کے راجپوتانہ کے جنگل میں رہنے والے لوگوں میں سے اگنی کل راجپوت پیدا کئے۔ جوں جوں اونچی ذاتوں کے اندر بہت عرصہ گذر جانے پر اخلاقی گراوٹ آجاتی ہے اسوقت چھوٹی ذاتوں سے جو کہ بالکل نئی اور تازہ زمین کی مانند ہوتے ہیں کھشتری پیدا کئے جاتے ہیں۔ سیواجی کے مرہٹے جنہوں نے آزادی کی جنگ کو کامیاب بنانے اور مرہٹہ سلطنت کو قائم رکھنے میں سب کچھ کیا۔ شودر جماعت سے گنے جاتے تھے۔ اور ان شودروں میں سے ہی مرہٹہ سلطنت کے بڑے بڑے جرنیل اور راجا پیدا ہوئے جنکا درجہ کسی حالت میں کھشتریوں سے کم نہیں سمجھا جاتا۔ گورو گوبند سنگھ کا خالصہ بھی کھشتریوں کی ایک نئی جماعت تھی۔

اس زمانے میں جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں شکتی کی پوجا کا عام رواج تھا۔ گورو گوبند سنگھ نے بھی چاہے لوگوں کی شردھا پوری کرنے کے لئے چاہے اپنے دل کی شردھا سے درگا کے لئے یگیہ کرنا ضروری سمجھا۔ یہ یگیہ ایک سال تک ہوتا رہا اور آخیر پر سب سامگری آگ میں ڈال دینے سے اونچی پہاڑی پر سے آگ کے اونچے شعلے نکلے۔ ان شعلوں میں سے ننگی تلوار پھراتے ہوئے گورو باہر آئے۔ لوگوں نے یہ سمجھا

کہ یہ تلوار گورو کو درگا سے فتح کی نشانی کے طور پر ملی ہے گورو گوبند سنگھ تلوار کے سچے پجاری تھے۔ انہوں نے تلوار کی دیوی کی پوجا میں نہایت ہی خوبصورت کویتائیں لکھی ہیں۔ گورو کا یہ خیال تھا کہ اس ظالم حکومت کو اسوقت تک الٹا نہیں جا سکتا جب تک ہندو روئی کی طرح نرم رہیں گے۔ انہوں نے لوگوں سے کہا کہ وہ اب ہل اور ترازو کو پرے رکھدیں۔ تلوار ہاتھ میں لے لیں اور جو ظالم مغل یاد ہو کہ باز ہندو ان کے قابو چڑھیں اسے سیدھا کریں کیونکہ شٹھ کے ساتھ شٹھوں کا برتاؤ کوئی پاپ نہیں ہے اور دھرم شاستروں کی آگیا کے مطابق ہے۔

اس نصیحت پر عمل کر کے خالصہ کے ممبروں نے لوٹ مار کرتے ہوئے

اعلان جنگ

ایک قسم کا گوریلا جنگ شروع کر دیا۔ اس سے انکو اپنے کام کیلئے دھن ملنے لگا اور ان کے دشمنوں کے دل میں ڈر پیدا ہونے لگا اور انکو جنگی زندگی کی عادت پڑنے لگی۔

گورو گوبند سنگھ کے سب کام کی تیاری پوری ہو چکی۔ ١٦٩٥ء میں انہوں نے اورنگ زیب کی حکومت کے برخلاف آزادی کا اعلان کیا۔ ایک فقیر کے لئے جس کے پیرووں کی تعداد اگرچہ ہزاروں تک پہنچ جاتی ہو مغلیہ سلطنت کے برخلاف اس قسم کا اعلان کرنا غیر معمولی بات تھی۔ اس اعلان میں وہ طاقت تھی جس نے سلطنت کی جڑوں کو ہلا دیا اس سے پہلے گورو گوبند نے لڑائی شروع کرنے کے لئے جائے پناہ کے طور پر پہاڑیوں کے دامن میں تین قلعے تیار کرائے ایک قلعہ ناہن کے پاس پونٹے میں تھا۔ دوسرا مدھ پردیش کے قصبے نفوری وہ چمکور میں اور تیسرا آنندپور میں۔ ان قلعوں کی اس نے بطور ایک جنگی لیڈر کے ضرورت

محسوس کر لی تھی۔ اس کے بعد گوروؔ نے اپنی توجہ پہاڑ کے ہندو راجاؤں کی طرف پھیری اور ان سے کہا کہ آزادی کی جدوجہد میں وہ اس کی امداد کریں لیکن ان راجاؤں نے گورو کو بڑی بے پرواہی اور بعض نے حقارت سے جواب دیا۔ گورو کو اس بات کی ضرورت محسوس ہوئی کہ وہ ان راجاؤں کو اپنی طاقت محسوس کرائے۔ انہوں نے خالصہ کو حکم دیا کہ وہ ان راجاؤں کے علاقہ پر لوٹ مار شروع کر دے۔ اس سے تنگ آ کر سب ہندو راجاؤں نے جن میں بلاسپور کا بھیم چند۔ کٹوچے کا کرپال چند۔ جیسوا کا کیسری چند۔ جسروٹہ کا سکھدیال۔ نالاگڈھ کا ہری چند دوالا کا پرتھی چند اور سرینگر کے فتح شاہ شامل تھے۔ ملکر دس ہزار فوج اکٹھی کر کے گورو پر حملہ کیا۔ گورو دو ہزار خالصہ کو لیکر مقابلے پر آیا۔ بھنگنی گاؤں کے پاس بڑی سخت لڑائی ہوئی۔ گورو نے پانسو پٹھانوں کا ایک رسالہ سادھورہ کے سردار بدھو شاہ کی سفارش پر بھرتی کیا تھا یہ پٹھان عین لڑائی کے موقع پر اسے چھوڑ کر چلدے لیکن جب بدھو شاہ نے یہ خبر سنی تو دو ہزار آدمی لیکر گورو کی مدد کو آ پہونچا۔ اس سے گورو نے دشمنوں کی ملی ہوئی فوج پر بڑی فتح حاصل کی اور پونٹا قلعہ میں آ کر بڑا دربار کیا اور اپنے سرداروں کو خلعت و انعام و اکرام دیئے اور سید بدھو شاہ کو ایک کنگا اور اپنے سر کی آدھی پگڑی بطور سروپا عطا کی۔ اس کے بعد گورو نے چار نئے قلعے۔ لوہ گڈھ۔ آنند گڈھ۔ پھول گڈھ اور فتح گڈھ تیار کروائے راجاؤں نے جب یہ دیکھا تو ان کے کان کھڑے ہو گئے اور انہوں نے گورو کے ساتھ دوستی کر لی اور بادشاہی خزانہ میں خراج بھیجنے سے انکار کر دیا۔ خراج کا نہ دینا ہی پہلا قدم تھا۔ جو کہ غلامی میں پھنسے ہوئے

اُٹھا سکتے تھے۔ اورنگ زیب دکن میں تھا اس لئے کئی سال تک تو
ان کے خراج کی پرواہ ہی نہ کی گئی۔ لیکن اورنگ زیب جونہی دہلی
واپس آیا اس نے ایک بڑی فوج جہان خاں۔ الف خاں اور ذوالفقار
خاں کے ماتحت روانہ کی۔ گورو ہندو راجاؤں کی مدد کے لئے تیار
ہو گیا اور نادون کے قریب ہندو فوج نے خالصہ کی مدد سے
شاہی فوج کو ایک بڑی بھاری شکست دی۔ اس سے کانگڑے
کا گورنر دلاور خاں جوش میں آیا۔ وہ خود تو راجاؤں کے برخلاف فوج
لیکر گیا۔ اور اپنے بیٹے رستم خاں کو انند پور پر حملہ کرنے کے لئے بھیجا۔ ایک
رات سخت بارش ہوئی اور آنند پور کے پاس نالا اتنا زور سے چڑھا کہ رستم خاں
کے بہت سے سپاہی اس میں بہ گئے اور باقی اتنے گھبرا گئے کہ رستم خاں
کو واپس کوچ کرنا پڑا۔ اورنگ زیب کو جب یہ سب خبر ملی تو اس کے غضب
کی آگ بھڑک اٹھی اور اپنے بیٹے معظم کو پنجاب روانہ کیا۔ شہزادہ خود
تو لاہور میں ٹھیرا اور میرزا بیگ کو فوج دیکر پہاڑ کو روانہ کیا۔ پہلی لڑائی میں
مرزا بیگ کو زک اٹھانی پڑی اسلئے شہزادہ خود فوج لیکے وہاں پہنچا۔

شہزادے کا سکرٹری نند لال گورو کا بھگت نکل آیا۔ اس نے
معظم سے یہ کہکر کہ ایک سادہو کا پیچھا کرنے سے کیا فائدہ صرف ہندو
راجاؤں کے خلاف لگا دیا۔ مرزا بیگ نے گاؤں کو آگ لگاکر ملک
کو تباہ کرنا شروع کیا۔ کئی سو آدمیوں کو قیدی بنالیا اور ان کے منہ کالے
کرکے گدھوں پر چڑھاکر علاقہ میں پھرایا تاکہ عبرت ہو۔ ہندو راجوں نے
شکست پر شکست کھاکر یہ دیکھا کہ وہ اورنگ زیب کا مقابلہ نہیں کرسکتے
نہایت عاجزی سے معافیاں مانگ لیں اور سارا بقایا خراج شاہی خزانے

میں ادا کر دیا۔

گورو نے اس عرصے میں کچھ طاقت جمع کر لی تھی - انہوں نے پھر راجاؤں کو امداد کے لئے کہلا بھیجا - لیکن راجاؤں کو اب نصیحت آ چکی تھی - وہ کسی طرح سے گورو کا ساتھ دینے پر تیار نہ تھے - گورو نے پھر پرانا طریقہ اختیار کیا اور سکھوں کو انکا ملک لوٹنے پر روانہ کیا - تنگ آ کر راجوں نے بیس ہزار فوج جمع کر کے گورو کے خلاف روانہ کی - گورو کے پاس آنند پور میں کل آٹھ ہزار آدمی تھے - جن کی مدد سے اس نے راجوں کو شکست دی - جس سے انہوں نے مایوس ہو کر بادشاہ کو گورو کے خلاف ایک شکایت لکھی کہ وہ "اپنے آپ کو ایک سچا بادشاہ کہتا ہے اور فتح حاصل کرنے کی وجہ سے اسکا دماغ پھر گیا ہے ہزاروں آدمی اس کے پاس جمع ہوئے ہیں اور وقت نزدیک ہے کہ خالصہ کا راج سب ملک میں پھیل جائیگا" - بادشاہ اتنا خوفزدہ ہوا کہ اس نے سرہند کے گورنر کو حکم لکھا کہ وہ خود گورو کے برخلاف فوج لیکر جائے - سرہند کا ناظم ایک بڑی فوج لیکر روانہ ہوا - ۱۷۰۱ء میں کیرتی پور کے مقام پر گورو نے اسکا سامنا کیا - اگرچہ گورو کے سکھ بڑی جانبازی سے لڑے لیکن وہ اتنی کثیر فوج کے مقابلے پر کچھ نہ کر سکے - ناچار گورو کو انندپور میں پناہ لینی پڑی - شاہی فوج نے آنندپور کا محاصرہ کر لیا - شاہی فوج کے جرنیل خواجہ محمد اور ناہر خاں نے گورو کو قاصد بھیج کر یہ سندیسہ دیا کہ گورو اسوقت چھوٹے پہاڑی راجاؤں کے ساتھ مقابلہ نہیں کر رہا ہے بلکہ اسکی لڑائی بادشاہوں کے بادشاہ اور دنیا کے محافظ عالمگیر اورنگ زیب کے ساتھ ہے - اس کے لئے یہ لڑائی لڑنی محض دیوانگی ہے -

اسے چاہیئے کہ وہ اسلام اختیار کرکے اطاعت قبول کرے۔ گورو کا بیٹا اجیت سنگھ یہ لفظ نہ سُن سکا۔ تلوار نکال لی اور قاصد کو کہنے لگا " اگر ایک لفظ اور بولوگے تو تمہارا سر تمہارے جسم سے علیحدہ ہو جائیگا اور تمہارے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے"۔ قاصد غصے سے جلتا ہوا واپس چلا گیا۔ اور یہ رپورٹ کردی۔ محاصرہ جاری رہا اور باہر سے سب آمد و رفت بند کردی گئی۔ قلعے میں رسد کا سامان کم ہونے لگا کچھ دنوں میں کھانے کے لئے بھی نہ رہا۔ بھوکے مرتے ہوئے سکھوں نے گورو سے کہا کہ وہ اسوقت کے لئے صلح کرکے کسی محفوظ جگہ چلے جائیں۔ گورو نے انکو سمجھایا کہ ظالم لوگ کبھی اپنا اقرار پورا نہیں کرتے اور انہیں مغل فوج سے کسی قسم کی اُمید نہ رکھنی چاہیئے اور ایشور پر اور گورو پر بھروسہ رکھکر حوصلے کو نہ ہارنا چاہیئے۔ سکھ جب بھوک سے مرنے لگے تب انہوں نے قلعے سے بھاگنا شروع کیا۔ حتیٰ کہ کل ۵۰ سکھ گورو کے پاس رہ گئے۔ ایک اندھیری رات کو گورو معہ اپنے دو بچوں اور استری کے قلعے سے نکلے۔ وفادار سکھوں کا گروہ بھی اِن کے ساتھ تھا۔ اور وہ سب چمکور کے قلعے کی طرف جارہے تھے۔ خواجہ محمد اور ناہر کو خبر لگ گئی۔ انہوں نے تعاقب کیا۔ گورو کے سکھ آخر تک لڑتے رہے گورو کے اپنے دو بیٹے اجیت سنگھ اور جھجھر سنگھ اس کی آنکھوں کے سامنے مارے گئے۔ گورو نے خود اپنے ہاتھ سے ناہر خاں کو قتل کیا۔ اور خواجہ محمد کو زخمی کیا۔ اس چھوٹی سی لڑائی کا اندازہ صرف اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ۵۰ میں سے صرف پانچ آدمی بچے جو گورو کے ساتھ چمکور کے قلعے تک پہنچ سکے۔

اس چھوٹے سے قلعے میں کتنی دیر تک وہ ٹھہر سکتے تھے۔ مغل فوج ان کے سر پر تھی۔ قلعہ تھوڑی دیر میں لے لیا جاتا۔ اس لئے گورو نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ یہ فیصلہ کیا کہ وہ ایک ایک کرکے ایک موری کے راستے جنگل کو بھاگ جائیں۔ رات بھر جنگل میں گذار کر دوسرے دن صبح گورو ماچھیوارہ کے قصبہ میں جا پہونچا۔ جہاں پر انہوں نے ایک باغ میں اپنے آپکو چھپالیا۔ اس باغ کے مالک غنی خاں اور نبی خاں دو روہیلے پٹھان تھے۔ انہوں نے آکر گورو کو دیکھا اور وہ حیران رہ گئے۔ پہلے تو ان کے اندر لالچ آیا اور انہوں نے گورو کو گورنمنٹ کے حوالے کرکے دولت اور عزت لینے کا ارادہ کیا۔ لیکن گورو کے ان کے ساتھ پرانے تعلقات تھے۔ گورو ان سے گھوڑے لیا کرتے تھے۔ انسانی ہمدردی نے ان میں زور کیا۔ اور انہوں نے گورو کو پناہ میں لے لیا۔ گورو کو ایک مسلمان فقیر کا لباس پہنا دیا گیا۔ دونوں پٹھانوں نے یہ کہا کہ یہ انکا پیر ہے اور اُچ کی زیارت سے ان کے پاس آیا ہے اس کے بعد گورو سلوہ کے قاضی پیر محمد کے پاس جا ٹھہرا۔ جس کے پاس بچپن میں اس نے فارسی اور قرآن کا مطالعہ کیا تھا۔ چمکور سے بھاگے ہوئے تین سکھ یہاں آکر گورو کو ملے اور بڑے خوش ہوئے یہاں سے گورو نے مالوہ کو جانیکا ارادہ کیا۔ اور اُچ کے پیروں کی مانند ایک پالکی میں سوار ہوا۔ جسے اس کے سکھوں نے اٹھالیا۔ اتنے میں دشمن کے سپاہی سر پر آپہونچے اور دریافت کرنے پر نوکروں نے یہ بتایا کہ انکا مالک اُچ کا پیر ہے اسپر مغل افسر نے یہ کہا کہ پیر اس کے ہاں کھانا منظور کرے۔ گورو نے اسے منظور کرلیا۔ اور کہا جاتا ہے کہ

کہ گورو نے انکے ساتھ ایک دسترخوان پر کھانا بھی کھایا۔ وہاں سے چلکر گورو اس جگہہ جا پہونچا جہاں پر آجکل مکتسر ہے دشمن اُسکی جگہہ بہ جگہہ تلاش اور پیچھا کر رہا تھا۔ یہاں پر گورو کے کچھ سکھ موجود تھے جنہوں نے مُغل سپاہیوں کا مقابلہ کیا اور وہ سب کے سب مارے گئے۔ گورو نے ان کی یادگار میں یہاں پر ایک تالاب بنانیکا حکم دیا اور اس کا نام مکتسر رکھا۔

یہ سکھ گورو کے پُرانے سپاہی تھے جو ایک بار گورو کو چھوڑ کر گھروں کو واپس چلے گئے تھے۔ لیکن ان کی عورتوں نے کہا "تم گورو سے بے سکھ ہو کر آئے ہو ہم تمہارا منہ نہیں دیکھنا چاہتیں"۔ وہ واپس آرہے تھے کہ مکتسر کے میدان پر انکا مقابلہ ہوا۔ گورو کے دو بیٹے چمکور کی لڑائی میں قتل ہو چکے تھے اس کے دو اور بیٹے تھے جن کو گورو کی ماں انندپور کے قلعے سے نکال کر بچا کر لیجا رہی تھی کہ وہ ایک گاؤں میں دھوکے سے پکڑے گئے اور سرہند کے صوبہ کے پاس لائے گئے۔ یہ بچے ابھی بہت چھوٹی عمر کے تھے اور صوبہ نے انکو شاہی قیدی کے طور پر رکھ لیا۔ ایکدن دربار میں بیٹھے ہوئے صوبہ دار نے ان سے کہا کہ "لڑکو تم کیا کرو گے اگر تمہیں آزاد کر دیا جائے"۔ جس پر بچوں نے جواب دیا "ہم فوج اکٹھی کریں گے اور تمہارے ساتھ جنگ کرینگے"۔ صوبہ دار نے کہا "تم کیا کرو گے اگر تم ہار جاؤ گے؟" بچوں نے جواب دیا "ہم پھر فوج اکٹھی کرینگے اور یا انکو ماردیں گے یا خود مارے جائیں گے" صوبہ دار نے غصے میں آکر اپنے دیوان گلجس کو کہا کہ وہ لے جائے اور بچوں کا فیصلہ کر دے۔ سکھوں کا بیان یہ ہے کہ صوبہ نے ان بچوں کو قلعہ کی دیوار میں چنوانے کا حکم دیا اور اگرچہ ان کو ایک دوسرے سے علیحدہ رکھکر بہت بوجھ لالچ دیا وہ اپنے دھرم پر درڑھ رہے اور آہستہ آہستہ پتھروں کی دیواریں چُن دی گئیں۔ گورو کی حالت اُپنے چاروں بچوں کے کھوئے جانے

سے بہت دردناک تھی۔ گورو کی ماتا دونوں پوتوں کے مارے جانے کے
صدمہ کو سہار نہ سکی اور اُس نے اپنے پران دیدیئے۔ گورو نے چلتے
ہوئے ہانسی اور فیروز پور کے درمیان ایک جگہہ پر آکر دم لیا جسکا نام اسی
وجہ سے دمدم رکھا گیا۔ یہاں پر ایک سال کے قریب ٹھیر کر ادسم گرنتھ کی
تصنیف میں مشغول رہے۔ اس جگہہ اورنگ زیب نے انکو ایک چھٹی
لکھکر دہلی بلایا اور قرآن کی قسم پر یہ وعدہ کیا کہ ان کے ساتھ باعزت
سلوک کیا جائیگا۔ گورو نے بادشاہ کو بڑا سخت جوابدیا جس میں اُسکے
تعصب اور ظلموں کا ذکر کے یہ بتایا کہ خالصہ ایک دن ان سب کا بدلہ
لیگا۔ اورنگ زیب مرگیا اور کئی لکھنے والوں نے یہ لکھا ہے کہ اُسکے
جانشین بہادر شاہ نے گورو کو بلاکر فوج کا افسر مقرر کیا گورو گوبند سنگھ جیسے
آدمی کا بادشاہ کی ملازمت اختیار کرنا بالکل غیرا غلب ہے۔ گورو
گوبند کا دل پنجاب سے اُٹھ گیا اور پھرتے پھراتے دکن میں جا نکلے
انہوں نے راستے میں دکن کے رہنے والے ایک بیراگی کے تپ
اور طاقت اور شہرت سُن لی تھی گورو ان کو ملنے کے لئے ناڈیر
پہنچے۔ اور جاتے ہی دیکھ لیا کہ کس وجہ سے بیراگی بنا تھا۔ مادہو داس
بیراگی ناڈیر میں ایک ڈیرے کا مہنت تھا اس نے گورو کی شہرت
کو سُنا ہوا تھا۔ ان سے ملکر ان کی زبانی اُن کے سب پچھلے حالات
کو سُنا۔ دونوں کے درمیان گہرا پریم ہو گیا۔ گورو کے جوش اور تقریر
سے اسپر ایسا اثر ہوا کہ اس نے اپنی خدمت گورو کے پیش کردی۔
گورو نے اسے منظور کر لیا اور خالصہ کا لیڈر بناکر پنجاب کو روانہ کیا
اور اس کے ذمے یہ فرض لگایا کہ وہ ان سب سختیوں کا جو گورو کے

ساتھ کی گئی تھیں ظالموں سے بدلہ لیگا۔ اور اس کے ساتھ ہی مغل سلطنت کو اکھیڑ کر اپنی قوم کو آزاد کرے گا۔

گورو کے ساتھ دو پٹھان لڑکے رہتے تھے۔ جنکا باپ گورو کے ہاتھ سے مرا تھا اور انہوں نے باپ کا بدلہ لینے کے لیئے گورو پر وار کیا۔ گورو کا زخم سی دیا گیا۔ اور وہ اچھا ہونے لگا تھا لیکن ایک کمان کو زور سے کھینچنے میں وہ زخم پھٹ گیا اور گوداوری کے کنارے نادیر میں ۱۷۰۸ء میں گورو کا دیہانت ہو گیا۔ اس استھان کو سکھ لوگ اَوچل نگر کہتے ہیں۔ مرتے ہوئے گورو نے اپنے چیلوں کو مضبوط اور مستقل رہنے کا اپدیش کیا۔ اس نے یقین دلایا کہ جہاں پر پانچ سکھ اکٹھے ہونگے وہاں پر میں موجود ہونگا۔ میں نے اکال کی آگیا سے پنتھ چلایا تھا۔ سب سکھوں کو چاہیئے کہ وہ گرنتھ کو اپنا سچا گورو سمجھیں۔

اسطرح اس خاندان کا آخری ممبر اس دنیا سے کوچ کر گیا۔ جسنے اس قسم کی غیر معمولی ہستیاں پیدا کیں۔ چار پانچ نسلوں تک برابر یکے بعد دیگرے ایسے انسانوں کا پیدا ہونا جیسے کہ اس کنبے سے ہوئے دنیا میں ایک غیر معمولی واقع ہے۔ لاہور شہر کو اس بات کا فخر ہے کہ اس خاندان کا لاہور سے گہرا سمبندھ ہے اور اس خاندان کے تین گوروؤں نے اپنی زندگی کا بہت سا وقت لاہور شہر میں گذارا۔ گورو رامداس گورو ارجن اور ہرگوبند شہر کے درمیان میں اجلاس کیا کرتے تھے۔ جہاں دہرم چرچا اور ان کا اپدیش ہوا کرتا تھا۔ انہوں نے ہی امرتسر شہر کی بنیاد رکھی اور امرتسر شہر کو سکھوں کا ایک تیرتھ مقام بنایا اسطرح امرتسر لاہور شہر کے ایک بچے کی مانند ہے۔ گورو رامداس کی اولاد سے گورو

ارجن ہوئے جنہوں نے عذاب سہتے ہوئے لاہور شہر میں اپنی جان دہرم کے لئے دی۔ گورو ارجن کے بیٹے گورو ہرگوبند تھے جن کی ساری زندگی دہرم کے ارپن ہوئی۔ گورو ہرگوبند کے بیٹے گورو تیغ بہادر ہوئے جنہوں نے دہرم کی خاطر اپنا سر دہلی میں کٹوایا اور جن کی بابت گورو گوبند سنگھ نے کہا ہے کہ انہوں نے تلک اور جنیو کی رکھشا کے لئے کلیگ میں بڑا جوہر دکھایا گورو تیغ بہادر کے بیٹے گورو گوبند سنگھ تھے جن کی بزرگی کی کہانی ہمنے ابھی ختم کی ہے۔ گورو گوبند سنگھ کے چار بیٹے تھے جنہوں نے بچپن میں ہی اپنے پران دہرم کے ارپن کر دئے۔ ایسے کنبے کی مثال دنیا میں کہیں اور نہیں ملتی۔ گورو گوبند سنگھ مغل بادشاہت ہی کو تباہ نہیں کر سکے لیکن اس نے مغل بادشاہی کا جادو توڑ دیا اور اس کی تباہی کی بنیاد رکھ دی۔ گورو گوبند سنگھ کو گذرے ابھی کچھ سال بھی نہ ہوئے تھے کہ مغل حکومت کا پنجاب میں نشان ہی نہ رہا۔ ایسا کہاں ہو سکتا تھا اگر گورو گوبند سنگھ نے اپنے کام کو شروع نہ کیا ہوتا۔ گورو گوبند سنگھ پہلا ہندو لیڈر ہوا جس نے اپنے پیروؤں کو سچی برابری کی تعلیم دی اور ان کو ایکدوسرے کا سچا بھائی بنا دیا۔ گورو گوبند سنگھ نے پہلی بار لوگوں کو یہ سکھلا دیا کہ وہ سب ملکر گورمتا یعنی کونسل کیا کریں اور جو کچھ کرنا ہو اس گورمتے میں فیصلہ کر کے کریں۔ گورو گوبند سنگھ نے ان کے اندر یہ وشواس پیدا کر دیا کہ خالصہ ایشور کے اپنے چنے ہوئے لوگ ہیں اور وہ ظلم کے ناش کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ گورو گوبند سنگھ نے ان میں سے ہر ایک کے اندر سوالاکھ کی طاقت پیدا کر دی اور حقیقی معنوں میں چڑیوں کو باز بنا دیا۔

ویر ویراگی

گورو گوبند سنگھ نے خالصہ پنتھ کو جنم دیکر ایک نئی کھشتری قوم پیدا کر دی ان کے آپس کے سنگھٹن کو مضبوط رکھنے کے لیئے گورو گوبند سنگھ نے ان کے لیئے چند علامتیں مقرر کی تھیں ان علامتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ سکھ لوگ اپنے آپکو سکھوں نے علیحدہ تمیز کرنے لگے۔ اس علیحدگی کا یہ بہاؤ گورو گوبند سنگھ کی موت کے بعد ظہور میں آیا۔ اور ہم دیکھیں گے کہ اس بہاؤ کو زور سے سامنے لانے والی دشمن کی برائی طاقت تھی۔ گورو گوبند سنگھ سے پہلے گوروؤں کے وقت میں جتنا کام ہوا اسے ہم نے ہندو بیداری کے نام سے موسوم کیا ہے۔

ان کے کام کا مدعا ساری ہندو جاتی کو جگانا تھا۔ اور ہندوؤں کی رکھشا ہی ان کی خاص غرض تھی۔ گورو گوبند نے اپنے جادو سے نرم ہندوؤں میں سے ایک جنگجو فرقہ پیدا کیا۔ اب ہم اس زمانے پر آ پہونچے ہیں جبکہ اس بیداری کا نتیجہ ہماری آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے اور وہ نتیجہ ہم مجسم طور پر اس مہا پرش میں پاتے ہیں جسکا ذکر ہم کرنے لگے ہیں۔

یہ شخص ویراگی مادھو داس تھا جسے اس زمانے کے ہندو کلنگ کا کلنکی اوتار سمجھتے تھے۔ اور جسے سکھ کتابوں میں بندا بہادر نام دیا گیا ہے براگی کا جنم جموں کے پہاڑی علاقہ کے پاس ریاسی کے نزدیک گاؤں میں ایک راجپوت گھرانے میں ہوا۔ ماں باپ نے اُسکا نام لچھمن سنگھ رکھا چھوٹی عمر سے ہی لچھمن سنگھ کو شکار کا بہت شوق تھا۔ شکار کرنے والوں میں سے ایسے جنگجو آدمی پیدا ہوئے جنہوں نے بعد میں سلطنتوں کی بنیادیں ڈالی ہیں۔ لچھمن کا دل صرف ان جنگجو وحشی لوگوں کا نہیں تھا بلکہ اس کے اندر ہندو کلچر نے اپنا اثر پیدا کیا تھا۔ ایکدن شکار کرتے

ہوئے اس نے ایک تیر سے ہرنی کو مارا یہ حاملہ تھی۔ پیٹ پھاڑنے پر
اس کے اندر سے بچے نکلے۔ بچوں نے تڑپ تڑپ کر اپنی جان دیدی
ان ننھی سی جانوں کو مرتے دیکھ کر ہما ورشکاری کا دل ٹکڑے
ٹکڑے ہو گیا۔ انہیں نے نہ صرف شکار چھوڑنے کا ارادہ کیا بلکہ اسے
ایسا ویراگ ہوا کہ گھر بار اور دنیا کا ہی تیاگ کر کے وہ ویراگی سادھوؤں
میں شامل ہو گیا۔ اسکا نام مادھو داس ہو گیا۔ ایک سادھو جانکی داس اسے وتصورے
آیا۔ کچھ عرصہ وہاں رہ کر اس کے دلمیں تیرتھ یاترا، ورب کی خواہش
پیدا ہوئی تیرتھوں کی یاترا کرتا تھا نانڈیر نامی گاؤں میں جاکر ٹھہر گیا
آہستہ آہستہ اس کی شہرت اور عزت بڑھنے لگی اور وہ ایک بڑا بھاری
مہنت بن گیا۔ ان ایام میں اورنگ زیب دکن میں پھرتا تھا اور مرہٹوں
نے اس کے خلاف گوریلا جنگ جاری کر رکھا تھا۔ اورنگ زیب کی
فوج میں تمام شاہی سامان اور شاہی ٹھاٹھ تھا اس کی فوج کو تیاری
کرتے دو پہر جاتی تھی اور مرہٹے فوج پر حملہ کر کے لوٹ مار کر بھاگ
جاتے تھے۔ جب شاہی فوج ادھر روانہ ہوتی تھی تو پیچھے سے ایک اور
دستہ گھوڑوں پر سوار آکر چھاپہ مار جاتا تھا۔ ایسا جنگ کرتے ہوئے
مرہٹوں نے اورنگ زیب کا ناک میں دم کر دیا۔ یہ سب چرچے راجپوت
بیراگی سنتا ہو گا اور کون کہہ سکتا ہے کہ اس کے دل پر انکا کیا اثر ہوتا
ہو گا۔ ممکن ہے کہ اس کے دلمیں پھر میدان میں لڑنے کی خواہش پیدا ہوئی
ہو۔ لیکن اپنے بیراگی بھیس کو کیسے چھوڑ سکتا تھا؟ گورو گوبند سنگھ کی ملاقات
نے اسکو یہ موقعہ دیدیا اور ایک مہاپرش کا کہنا مان کر بیراگی نے ویراگ چھوڑ دنیا
کی جدوجہد میں شامل ہو کر اپنی زندگی کو ایک اور بڑا بھاری پلٹا دیا۔ اور گیتا

کے مطابق سچا کرم یوگی بنا۔ گورو نے اپنے کچھ سکھ براگی کے ساتھ روانہ کئے تھے سکھوں نے روپے کے لئے ویراگی کو بہت تنگ کرنا شروع کیا تھا۔ بھرت پور پہنچکر کچھ پنجابی سوداگروں نے براگی کی بہت سیوا کی براگی نے وہ روپیہ سکھوں میں بانٹ دیا۔ کھنڈے نگر دیتے ہوتے ہوئے لوہارے پر ایک ہلہ گیا اور وہاں سے حصار پہونچکر سب سکھوں کے نام پروانے لکھے۔ اتنے میں اسے خبر لگی کہ بھوانی کے پاس ایک خزانہ جا رہا ہے۔ براگی اسپر جا پڑا اور سب لوٹ کر سکھوں میں بانٹ دیا۔ براگی کی شہرت اس سے پہلے پھیل چکی تھی۔ روپے کا لوبھ سینکڑوں ہزاروں کو اس کے پاس کھینچ لایا۔ براگی کو تین قسم کے آدمی ملے ایک تو سچے سکھ تھے جو گورو گوبند سنگھ کی آگیا پر اور دھرم کے پریم میں اس کے پاس آئے۔ دوسرے وہ لوگ تھے جنکو روپیہ کی محبت اور لوٹ مار کا شوق براگی کے پاس لے آیا۔ ان میں سے بہت سے لٹیرے اور ڈاکو تھے۔ تیسرے ایسے بھی سکھ تھے جو ظاہرا طور پر مغل سرکار سے بگاڑنا نہیں چاہتے تھے مگر ہر طرح سے خفیہ امداد دینے پر تیار تھے۔ تیسرے گروہ میں پھلکیاں کے سردار رام سنگھ اور تلوک سنگھ جیسے آدمی تھے۔ سرہند کے نواب کے پاس کچھ سکھوں نے ملازمت اختیار کر لی تھی۔ جب اسنے براگی کی آمد کی خبر سنی تو گھمنڈ سے ان سپاہیوں کو کہنے لگا تمہارے ایک گورو کی تو یہ درگت ہوئی کہ بھاگا بھاگا پھرتا ہے۔ اب ایک نیا گورو آیا ہے۔ اس کی ایسی خبر لی جائے گی کہ کہیں پتہ نہیں لگے گا۔ وہ سکھ گورو کی اس ہتک کو برداشت نہ کر سکے اور بھاگ کر براگی سے آملے براگی نے جتنی فوج اکٹھی کی تھی اس کے ساتھ سامانہ پر چڑھائی کر دی تین دن تک

قصبہ کو خوب لوٹا اور جتنا سرکاری خزانہ تھا وہ سب سپاہیوں میں بانٹ دیا۔ گورو تیگ بہادر کا قاتل جلال الدین اس قصبے کا رہنے والا تھا۔ اس کے بعد سیف آباد وسنورہ کو لوٹتے مارتے گنج پور اپنا تسلط آجایا اور اسے برباد کر ڈالا۔ ساڈھورہ قصبہ کو بھی فتح کر کے دورروز لوٹ مار کی۔ مخلص گڈھ پر قبضہ کر کے اسکا نام لوہ گڈھ رکھا۔ یہ فتوحات اگرچہ بہت چھوٹی چھوٹی تھیں لیکن ان سے بیراگی کی دھاک سارے علاقہ میں جم گئی ہندو نوجوان دور دور سے آکر بیراگی سے ملنے لگے۔ ہندوؤں میں یہ خیال پھیل گیا۔ کہ ان کی رکھشا کے لئے ایشور نے اوتار لیا ہے۔ مسلمان جو کہ ہندوؤں کو ہردم ڈراتے رہتے تھے اب خود ڈر سے کانپنے لگے۔ بہتیرے مسلمان سردار نذریں لیکر بیراگی سے آملے اور اس کے مرید بن گئے۔ جگہ جگہ سے مظلوم برہمن اور ہندو آکر بیراگی کے پاس شکائتیں کرنے لگے کہ ان کی ظلم سے حفاظت کرے۔ جہاں کہیں سے اس قسم کی خبر آتی تھی بیراگی کے سپاہی وہاں پہنچتے تھے اور ظلم کا خاتمہ کر دیتے تھے۔ سرہند کا نواب لڑائی کے لئے تیاری کر رہا تھا۔ ادھر بیراگی کے دلمیں بھی سرہند ہی کا خیال کھٹکتا تھا۔ جس جگہ سے اس نے گورو کے بچوں کا انتقام لینا تھا۔ ۱۲ مئی سنہ ۱۷۱۰ء کو سرہند پر دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا۔ وزیر خاں نواب خاں کے پاس بہت سی توپیں اور ہاتھی تھے۔ مالیر کوٹلے کا خوانین بھی فوج لیکر اس کی مدد کو آیا تھا۔ بیراگی کے پاس توپیں اور ہاتھی تو کہاں لڑائی کا کافی سامان بھی نہ تھا۔ توپوں کی آواز سنکر جو ڈاکو اور لٹیرے لوٹ کے لالچ سے اکٹھے ہوئے تھے بھاگنے لگے۔ لیکن بیراگی خود سچے کھشتری کی طرح اپنا تیر کمان لئے توپ کے مقابلہ پر تیار رہا۔ اس کے ساتھ کئی

سکھ سردار جیسے فتح سنگھ۔ رام سنگھ۔ دہرم سنگھ اور علی سنگھ جو کہ مالوہ کے سکھوں کے افسر تھے اور باجھا سے باج سنگھ اور بلونت سنگھ اپنی جان دینے پر تلیا تھے وزیر خاں اور اسکا دیوان اس لڑائی میں مارے گئے۔ سکھوں کا یہ بیان ہے کہ وزیر خاں پکڑا گیا اور بیراگی کے دربار میں لاکر اسے جوتوں میں بٹھایا گیا۔ بڑی بے عزتی کیا تھا اس کی جان لی گئی تین دن تک سرہند میں لوٹ اور قتل عام رہا مسلمانوں کو پکڑ پکڑ کر زندہ جلایا گیا یا تلوار سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے گئے مسجدوں میں سور لاکر قتل کر دیئے گئے باجہ سنگھ کو سرہند کا گورنر اور علی سنگھ کو اسکا نائب مقرر کیا گیا۔ فتح سنگھ کو سامانہ کا گورنر بنایا گیا۔ رام سنگھ اور بنود سنگھ کو تھانیسر کا ستلج اور جمنا کے درمیان سرہند کے علاقہ میں ۲۸ پرگنے تھے سب جگہ مسلمانوں کو ہٹا کر ہندو افسر مقرر کیے گئے ان سب لڑائیوں میں بیراگی کی تیر اندازی نے کمال کر دیا تھا اسکا تیر ہمیشہ فوج کے بڑے افسر کو اپنا نشانہ بناتا تھا مسلمان افسروں کے دلوں میں یہ خوف پیدا ہو گیا کہ بیراگی نے بھوت اپنے بس میں کیے ہیں جو ہر وقت اسکی امداد کرتے ہیں اسلیئے تمام مسلمانوں میں بہت اخلاقی گراوٹ پیدا ہو گئی۔ بیراگی ان فتوحات کے بعد پہاڑ کیطرف گیا اور ہندو راجاؤں سے کچھ لڑائی جھگڑے کے بعد اس کے تعلقات دوستانہ ہو گئے اور یہ راجے اس کی امداد کرنے پر بھی کمر بستہ ہو گئے یہ بھی ذکر آتا ہے کہ اس نے امرتسر میں بڑا بھاری دربار کیا اور اپنے سرداروں کو انعام و اکرام دیئے۔ بادشاہ نے دہلی واپس آکر اپنے مشہور سردار حاجی اسمٰعیل خاں اور عنائت اللہ خاں کو بیراگی کے برخلاف روانہ کیا۔ ادہر لاہور کے صوبیدار اسلم خاں اور قصور کے پٹھان رئیس محمد خاں نے بھی امداد بھیجی۔ دہلی کی فوج کی خبر سنکر باوا نور سنگھ کرنال چھوڑ کر بھاگ آئے۔ منیم خاں نے آکر سرہند پر قبضہ کر لیا۔ سکھ جابجا بھاگنے لگ گئے اور مغل سپاہی انکا تعاقب کر تھے۔ بیراگی پہاڑ سے واپس آیا اس کے آتے ہی سکھوں میں جان پڑ گئی اور پھر سب علاقے کو زیر کر لیا اب دیوبند کے ہندوؤں نے آکر خبر دی کہ انکا حاکم جلال الدین ان پر ظلم کرتا ہے بیراگی فوج لیکر سہارنپور پہنچا اسکا حاکم علی محمد چھوڑ کر بھاگ گیا اور سکھوں نے شہر پر قبضہ کر کے خوب لوٹا اس کے بعد بہاٹ۔ امبیہٹا اور ننوتا لوٹتا ہوا۔ جلال آباد کی طرف روانہ ہوا۔ ننوتے کی لڑائی میں صرف قصبے کے ایک حصہ میں تین سو شیخ زادے مارے گئے اور اس حصے کو اب بھی چھوٹا شہر کہتے ہیں بیراگی نے جلال آباد پہنچکر اسکا محاصرہ شروع کیا۔ برسات کے آجانے کی وجہ سے اس محاصرے کو اٹھا لیا اور کرنال پانی پت کی طرف توجہ پھیری دہلی کے نزدیک ان فتوحات کا اثر یہ ہوا کہ دہلی کا تخت ہلنے لگا۔ بادشاہ نے دہلی میں داخل ہوئے بغیر اپنی فوج بیراگی کے برخلاف روانہ کی بیراگی لوہ گڑھ

کے قلعے میں پناہ گزین ہو گیا جو کہ ساڈھورہ سے چند میل کے فاصلہ پر واقع ہے شاہی فوج نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا اور بادشاہ خود بمعہ چاروں بیٹوں کے وہاں آ پہونچا بادشاہ نے حکم دیا کہ انہیں سکھوں کے مضبوط قلعے پر حملہ کرنا چاہیئے بلکہ یہ کوشش کرنی چاہیئے کہ سکھ کسی طرح اپنے مضبوط قلعوں سے باہر آویں کئی دن تک فوجیں ایسی ہی پڑی رہیں آخر خان خاناں اپنے کچھ سپاہیوں کو ساتھ لیکر دشمن کی جانچ کے لئے جا پہونچا۔ جونہی کہ وہ توپ کی زد میں آئے سکھوں نے گولہ باری شروع کر دی۔ شاہی فوج کو حملے کا حکم ہو گیا۔ خان خاناں گھوڑے سے اُتر پڑا اور سپاہیو کو آگے لیجانے لگا۔ چونکہ بادشاہ خود لڑائی کو دیکھ رہے تھے۔ بہت سے سردار اور سپاہی آگے بڑھ بڑھ کر دھاوا کرتے تھے سکھوں کو بہت اونچی چوٹیوں سے ہٹ کر مرکزی قلعے میں پناہ لینی پڑی اور ڈر تھا کہ وہ بالکل تباہ ہو جاتے لیکن رات نے آکر ان کو بچایا بیراگی رات کو ایک تنگ راستے سے جو کہ قلعہ سے پہاڑ کو جاتا تھا بھاگ نکلا اور اس نے ایک جوگی فقیر کا بھیس دھارن کر لیا۔ بیراگی میں ایک یہ وصف تھا کہ جب وہ چاہتا تھا فقیری لباس اختیار کر لیتا تھا۔ اور جب چاہتا تھا شہزادے کی صورت بنا لیتا تھا۔ تعاقب سے بچنے کے لئے وہ اپنے ایک وفادار نوکر گلابو کو جو کہ اس کے مشابہ تھا پیچھے چھوڑ گیا۔ دوسرے دن خان خاناں فتح کے لفتاروں کے ساتھ قلعے میں داخل ہوا اور بیراگی کی موجودگی دیکھکر اس کی خوشی کی کوئی حد نہ رہی۔ لیکن جب اُسے پکڑ کر بادشاہ کے پاس لے آیا تو حقیقت ظاہر ہو گئی۔ اس سے بجائے خوش ہونے کے بادشاہ الٹا ناراض ہو گیا۔ بیراگی ناہن کی طرف بھاگ گیا اور اس کو پکڑنے کی تمام کوششیں بے سود ثابت ہوئیں بادشاہ ابھی ساڈھورے میں ہی تھا کہ بیراگی پٹھانکوٹ میں آنمودار ہوا۔ جموں کا گورنر بایزید خاں اور اس کا بھتیجا شمس خاں اس کے مقابلے پر گئے دونوں کو شکست ہوئی اور دونوں میدان میں مارے گئے بادشاہ لاہور آ پہونچا۔ اور محمد امین خاں اور رستم دل خاں کو بیراگی کے مقابلے پر بھیجا۔

بیراگی پہاڑوں میں چلا گیا اور شاہی فوج اس کا کچھ بگاڑ نہ سکی بادشاہ چند ماہ تک لاہور میں رہا لیکن اسے جنون کی بیماری ہو گئی اور ۱۷۱۲ء میں لاہور میں اس نے

وفات پائی اس کے مرنے پر اس کے بیٹوں میں تخت نشینی کے لئے جھگڑے شروع ہوئے جنکا ذکر ہم پچھلے باب میں کر آئے ہیں۔ جسوقت دہلی میں تخت کے لئے غدر مچا ہوا تھا۔ کبھی ایک شہزادہ تخت پر بیٹھتا تھا۔ کبھی اس کی جگہہ دوسرا بٹھایا جاتا تھا۔ اسوقت بیراگی کے لئے موقعہ تھا۔ کہ وہ اگر چاہتا تو پنجاب میں ایک آزاد حکومت قائم کر کے پنجاب کا فرمانروا بن جاتا اسے ہم بیراگی کی غلطی کہیں یا دنیاوی خواہشات سے پرہیز کہیں امر واقعہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ بیراگی نے پنجاب کو مختلف سرداروں میں بانٹ دیا اور خود شادی کر کے پہاڑ میں رہنے لگا۔ بغاوت کر دینا ایک آسان بات ہے لیکن بغاوت کو کامیاب بنانا اس سے بھی مشکل ہے۔ لیکن ایکدفعہ کامیاب ہو کر اس کامیابی کو قائم رکھنا بہت زیادہ مشکل ہے۔ بیراگی نے یہ بات نہیں سمجھی کہ حکومت حاصل کر کے اسکو سنبھالے رکھنا اس سے بھی ایک بڑا مشکل کام ہے۔ فرخ سیر نے تخت پر بیٹھتے ہی بیراگی کو پکڑنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ بیراگی پہاڑوں سے اترتا تھا لیکن بادشاہی فوج سے بچکر نکل جاتا تھا۔ ۱۷۱۲ء میں اس نے کلانور اور بٹالے کو لوٹا اور یہاں پر سب مسلمانوں کو قتل کر ڈالا۔ فرخ سیر نے لاہور کے ناظم کو سخت حکم روانہ کیا کہ بیراگی کی طاقت کو تباہ کرے۔ عبداللہ خاں نے بڑی بھاری فوج اور توپخانہ لیکر سرہند پر چڑھائی کی بیراگی نے سرہند پہونچکر اسکا خوب مقابلہ کیا۔

فرخ سیر کو یہ خبر سنکر ایک اور چال سوجھی جسکا ذکر پنتھ پرکاش میں مفصل پایا جاتا ہے۔ گورو گوبند سنگھ کی ماتا سندری دہلی میں رہا کرتی تھی فرخ سیر نے سندو وزیر اندپال کو ماتا کے پاس تحفے تحائف بھیجکر اسے اس بات پر راضی کر لیا کہ بیراگی کو صلح کے لئے خط لکھے۔ ماتا نے بیراگی کو لکھ بھیجا

کہ تم نے پنتھ کی بڑی سیوا کی ہے اسے ڈوبنے سے بچا لیا ہے۔ اب بادشاہ
جاگیر دینے پر راضی ہے۔ بہتر ہے کہ اس سے صلح کر لو"۔ بیراگی نے اسکا
جواب ماتا کو یہ دیا کہ "ترکوں کا کوئی اعتبار نہیں آپ بادشاہ کے دھوکے
میں نہ آؤ اور ہمیں اپنا کام کرنے دو"۔ ماتا اس سے ناراض ہو گئی بادشاہ
کے ایجنٹ انکو بھڑکانے کے لئے موجود تھے۔ ماتا نے سب سکھ سرداروں کو
لکھ بھیجا کہ بیراگی خود گورو بننا چاہتا ہے جبتک وہ باقاعدہ طور پر پاہل لیکر
گورو کا سکھ ہونا منظور نہ کرے اسکا ساتھ مت دو سکھوں میں ایک
پارٹی ایسی پیدا ہو گئی جو کہ کئی اور وجوہات سے بھی بیراگی کے برخلاف
تھی۔ بیراگی نے ایک دو اور بھی تبدیلیاں کرکے اس جنگ کو ایک قومی
جنگ بنانے کی کوشش کی تھی اس پارٹی نے اپنے آپکو تت خالصہ نام
دیا اور جب امرتسر کے دربار میں بیراگی کلغی لگائے ہوئے بیٹھا تھا تو
اس کے بڑے معتبر سردار بابا بنود سنگھ اور کاہن سنگھ نے ہاتھ سے پکڑ کر
اسے تخت سے اٹھا دیا۔ اور یہ شور مچا دیا کہ جو گورو کا سکھ ہے وہ بیراگی
سے ہٹ جائے۔ تت خالصہ علیحدہ ہو گئے اور پارٹی نے بیراگی کا اسباب
تک لوٹ لیا۔ فرخ سیر کی نیتی کامیاب ہو گئی۔ پھوٹ نے اس کے لئے وہ
کر دیا جو کہ بادشاہ کی ساری طاقت نہ کر سکی تھی۔ صرف یہاں تک ہی نہیں بلکہ
بادشاہ نے تت خالصہ کے ساتھ صلح کر کے عہد پیمان کر لئے خالصہ کو
ان کے علاقے بطور جاگیر عطا کر دیے گئے۔ اور سکھوں نے اقرار کیا کہ وہ
بیراگی کا کبھی ساتھ نہ دیں گے اور اگر وہ لاہور پر چڑھائی کرے گا تو وہ
لاہور کے حاکم کی امداد کریں گے۔ بادشاہ نے بھی اقرار کیا کہ اس کے
... کبھی ہندو کو مسلمان نہ بنایا جائیگا اور کسی ہندو کے سامنے گائے

ذبح نہ کی جائے گی یہ عہد نامہ محض ایک دھوکہ اور سبز باغ تھا۔ بیراگی کو اگرچہ اس سے بہت صدمہ ہوا لیکن نہ اس نے اپنے ارادے سے منہ موڑا اور نہ کوئی کوشش ترک کی۔ اس نے سکھ سرداروں کو لکھا کہ ایکدفعہ وہ اس کے ساتھ ملکر لاہور کو فتح کر لیں اور بعد میں جس کی طرف زیادہ تعداد ہو وہ حکومت سنبھال لے۔ لیکن دھوکے میں آئے ہوئے سکھوں نے اس کی کوئی بات نہ سُنی۔ باوجود اس کے جو تھوڑی بہت جمعیت اسکے ساتھ رہ گئی تھی اس کی مدد سے اس نے لاہور پر حملہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ سکھ سپاہی اور سردار اقرار کے ہو جب لاہور کے ناظم کی فوج میں بھرتی ہو گئے۔ بیراگی کی فوج شالامار پر جا اُتری اور ادہر سے لاہور کی مغل فوج اس کے مقابلے پر آئی سکھ سپاہی بیراگی کے مقابلے پر لڑنے کے لئے سب سے پہلے تیار ہو گئے۔ بیراگی کے سپاہیوں نے جب اپنے پُرانے ساتھیوں کو تلواریں لئے ہوا اپنے مقابلے پر ڈٹا ہوا دیکھا تو انکا دل ٹوٹ گیا اور انہوں نے میدان سے قدم پیچھے ہٹا لئے۔ اس شکست نے بیراگی کی قسمت کا فیصلہ کر دیا۔ فوج لئے ہوئے وہ پیچھے ہٹ آیا اور تھوڑی دیر اودہر اُدہر پھر کر گورداسپور کے قلعے میں جو کہ اس نے خود بنوایا تھا پناہ گزین ہو گیا۔ عبدالصمد خاں کی فوج نے گورداسپور کا محاصرہ کر لیا۔ جالندہر سے بھی فوج آگئی۔ سامان اندر جانیکا کوئی راستہ باقی نہ چھوڑا۔ وقت گذرتا گیا اور رسد کا سامان کم ہونے لگا۔ ایک بار سپاہیوں نے قلعے سے نکل کر سامان لینے کی کوشش کی۔ شاہی فوج انپر جا پڑی اور وہ سب کے سب مارے گئے جب بھوک سے لوگ بہت تنگ آئے تو بیراگی کے خلاف شکایتیں کرنے لگے باجہ سنگھ نے سبکو تسلی دی اور کہا کہ ہمیں بیراگی پر پورا وشواش رکھنا چا

اس کے اندر ہماری تکلیفوں کو دور کرنے کی طاقت موجود ہے"۔ بیراگی نے ایک نیا قلعہ پاس ہی تعمیر کرانے کا حکم دیا تھا لیکن بھوک کی نوبت یہانتک آپہونچی کہ لوگوں نے گھوڑے مار کر کھانے شروع کردے۔ اسی طرح بھوکے مرتے چار ماہ گذر گئے۔ بھوک سے مرنا لڑکر مرنے سے بہت زیادہ مشکل ہے ایکبار سب بیراگی کے پاس جاکر فریاد کرنے گئے تو اس نے کہا دنیا میں سکھ دکھ دونوں لازم ملزوم ہیں۔ تم اگر بھوکے ہو تو میں نے بھی منہ میں دانا نہیں ڈالا ہے" ان کی مصیبت کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا سب ایکدوسرے کی طرف دیکھتے تھے۔ کوئی کسی کی مدد نہ کرسکتا تھا۔ اطاعت کے سوا کوئی چارہ نظر نہ آیا۔ لاچار قلعے کے دروازے کھولدے مسلمان فوج قلعے میں داخل ہوئی۔ بیراگی بھوک کے مارے ہڈیوں کا ایک پنجرہ گیا گمر کسی کو اس کے پاس جانے کی ہمت نہ پڑی۔ آخر اسنے اپنا تیر کمان پرے رکھدیا اور مسلمان سپاہیوں نے زنجیریں ڈالکر قید کردیا۔ اس فتح سے پنجاب کے ہندووں کی امیدوں پر پانی پھر گیا اور مسلمانوں کے گھروں میں خوشیوں کے نعرے بلند ہونے لگے۔

بیراگی اور اس کے سات سو ساتھیوں کو پکڑ کر دہلی بھیجدیا گیا۔ دہلی شہر نے بہت سی آندھیاں اور طوفان دیکھے ہیں۔ مہا بھارت کے یدھ سے لیکر اس ملک کی قسمت کا فیصلہ اسی شہر میں ہوتا رہا ہے۔ کئی بار دہلی شہر اجڑا اور کئی بار آباد ہوا۔ دہلی کے لوگ حملہ آوروں اور لوٹ مار کا کئی دفعہ شکار ہوئے۔ دہلی میں شہیدوں کے خون کی بھی کمی نہیں رہی لیکن جو شہادت کا نظارہ اسوقت انہوں نے دیکھا اس نے پچھلے سب نظاروں کو مات کر دیا۔ بادشاہ بیراگی کے ساتھیوں کو قیدیوں کی شکل میں دیکھنا چاہتا تھا

جو انسان اپنے ملک اور دھرم کے لئے اتنے مستقل رہے کہ انہوں نے بھوک سے مرتے ہوئے اور موت کی ڈراونی شکل اپنے سامنے دیکھتے ہوئے تکلیف اور مصیبت میں اپنے لیڈروں کا وفاداری سے ساتھ دیا بادشاہ نے انہیں بھیڑوں کی کھالیں پہنا کر گدھوں پر سوار کر کے شہر میں پھرایا۔ ۷۸۰ آدمی قاضیوں کے سامنے لائے گئے۔ قاضیوں نے شرع سے فتوے نکالا اور کہا کہ "تمہاری جان بخشی ہو سکتی ہے اگر تم اسلام قبول کر لو۔ ان بہادروں نے اس خیال پر حقارت کا اظہار کر کے کہا "جان لینا یا بخشنا تمہارے ہاتھ میں نہیں ہے۔ کیونکہ تم ہمیں زندگی بخش سکتے ہو؟" سب کو قتل کا حکم سنا دیا گیا۔ ہر روز سو سو آدمی کو توالی کے سامنے لا کر قتل کئے جاتے تھے۔ ان بہادروں کی خوشی کا اندازہ ایک سولہ سالہ بچے کی مثال سے لگایا جا سکتا ہے جس کی بوڑھی ماں روتی پیٹتی اور چلاتی ہوئی جلادوں کے پاس پہنچی اور کہنے لگی کہ "میرا بیٹا بیراگی کا چیلا نہیں ہے"۔ لڑکے نے کہا "میرے لئے دیر کیوں کی جاتی ہے۔ میں جلدی سورگ جانا چاہتا ہوں۔ جب اسے اسکی ماں کی بات بتائی گئی تو وہ کہنے لگا "میری ماں غلط کہتی ہے۔ میں دل سے سکھ ہوں اور جلدی اپنے ساتھیوں کے پاس جانا چاہتا ہوں"۔ آٹھویں دن بیراگی کی باری بھی آگئی پنجرے میں بند کر کے لایا گیا۔ لوہے کی گرم سلاخوں سے اس کے لوتھڑے اتار دیے گئے۔ اسکا ایک چھوٹا بیٹا اس کے سامنے کلیجے کو چیر کر لہو سے بھرے ہوئے ٹکڑے بیراگی پر پھینکے گئے بیراگی کے چہرے پر نہ کوئی ڈر کا نشان تھا نہ کوئی اس کے منہ سے رنج کا لفظ نکلا۔ اس کے دشمنوں نے یہ محسوس کرتے ہوئے اس سے پوچھا کہ اتنے دکھ سہنے پر بھی

تم رنجیدہ نہیں معلوم ہوتے"۔ بیراگی کا جواب تھا" جو اس آتما کو جانتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ یہ آتما سب دکھوں سے پرے ہے"۔ اسطرح بیراگی نے اپنے ملک اور اپنے دھرم کے لئے اپنی جان نثار کی۔ ہندو قوم کا ایک طرح سے یہ آخری بیر تھا۔ اس کے بعد ہندوؤں میں کبھی اتنی طاقت نہیں آئی کہ اس قومی ہیرو کی کوئی یادگار قائم کر سکیں یا اس کے نام پر کوئی تہوار چلا سکیں۔ ہندو سب سے بڑے گناہ کے مرتکب ہونگے اگر وہ بیراگی کی یاد کو اپنے دلوں سے بھلا دیں گے۔

تت خالصہ کی پشیمانی بیراگی کے مرنے کی دیر تھی کہ سکھوں کو معلوم ہوا کہ وہ کیا کر بیٹھے۔ انہیں بیراگی کی یاد آنے لگی۔ لیکن اب پچھتائے کیا ہو سکتا تھا۔ عبدالصمد اچھی طرح سے جانتا تھا کہ ایک سکھ ہی اسلام کے دشمن ہیں اس نے سارے کئے ہوئے اقراروں کو مٹی میں ملا دیا اور خالصہ کی تباہی کے لئے نئے نئے ڈھنگ نکالنے شروع کئے۔ سکھ لوگ اتنا نہ سمجھ سکتے تھے کہ دنیا میں پولیٹیکل اقرار صرف اسی وقت تک کے لئے کئے جاتے ہیں جب ان کے پورا کرانے کی طاقت ہوتی ہے۔ بیراگی کے خلاف دشمن سے ملکر بیراگی جیسے لیڈر کو اپنے ہاتھ سے کھو کر انہوں نے اپنی طاقت پر کلہاڑا چلا دیا۔ اب انہیں اسکا خمیازہ بھگتنا پڑا۔ صوبہ کی طرف سے اعلان ہو گیا کہ جس کسی کو سکھوں نے تکلیف دی یا جس کسی کا سکھوں نے مال لوٹا تھا وہ آکر درخواست دے۔ سکھوں کے برخلاف چوری اور ڈاکہ کی درخواستیں گذرنے لگیں اور سکھوں نے پنجاب چھوڑ کر بھاگنا شروع کیا۔ کچھ تو پہاڑوں کی طرف بھاگ گئے۔ بہتیروں نے راجپوتانہ میں جا کر پناہ لی۔ ان کے سروں پر قیمت رکھ دی گئی جو شخص کسی سکھ کا سر کاٹ کر لاتا

تھا اسے دس روپے انعام دیا جاتا تھا۔ سکھ ہونا موت کی نشانی تھی سینکڑوں سکھ ہر روز قتل کیے جاتے تھے اور دوسرے ہزاروں نے جو کہ لوٹ مار کے لیے سکھ بنے ہوئے تھے اپنے بال کٹوا کر ہندوؤں میں شامل ہو گئے جنگلوں میں رہکر بہتیرے جڑوں اور پتوں پر گذارہ کیا کرتے تھے اور اُن کی عورتیں اور بچے مسلمان افسروں کے رحم پر دن گذار رہے تھے۔

سنہ ۱۷۲۶ء تک عبدالصمد خاں لاہور کا گورنر رہا اس نے سکھوں کو لمحہ بھر کے لیے دم نہ لینے دیا۔ دیوالی کا میلہ کئی سال تک بند رہا۔ لیکن سکھ بہت دیر تک چپ چاپ بیٹھنے والے نہ تھے۔ انہوں نے اس عرصہ میں ہی اپنے مختلف گروہ بنانے شروع کر دیے اور جب کبھی انہیں موقعہ ملتا تھا چھاپہ مار لیتے تھے اور اپنے ظالموں کو قتل کر دیتے تھے یا لوٹ لے جاتے تھے۔ جن لوگوں نے ان کے برخلاف عرضیاں دی تھیں انکو ڈھونڈ ڈھونڈ کر تنگ کرتے تھے۔

اس موقعہ پر اتنا اور بتا دینا ضروری ہے کہ بیراگی کے ساتھیوں کا کیا انجام ہوا۔ جب بیراگی کا زور تھا۔ امرتسر کا مندر ان کے قبضہ میں آگیا تھا اور ساری آمدنی ان کے ہاتھ میں ہی جاتی تھی۔ کچھ عرصہ امرتسر کا مندر بھی اُجڑا سا رہا۔ لیکن سنہ ۱۷۲۱ء میں پہلی بار دیوالی کا میلہ ہوا۔ بہت سے سکھ لوگ اکٹھے ہوئے۔ چڑھاوے کے قبضے کے متعلق جھگڑا شروع ہوا۔ بیراگی کے چیلے اُسپر اپنا قبضہ سمجھتے تھے اور تت خالصہ اسے خود لینا چاہتے تھے دونوں طرف تلواریں چمکنے لگیں اور ڈر تھا کہ سکھوں میں خانہ جنگی شروع ہو کر ان تباہی کا ایک اور ذریعہ پیدا ہو جائے بھائی منی سنگھ کی دانائی نے اسے روک دیا۔ اُسنے

تجویز کی کہ کاغذ کے پرزوں پر دو نام لکھکر ان کی گولیاں بناکر ہر مندر کے پاس پانی میں ڈالدی جائیں جو گولی پہلے ڈوب جائے اسکا چڑھاوے پر کوئی حق نہ سمجھا جائے - اگر دونوں تیرتی رہیں تو چڑھاوا دونوں میں بانٹ لیا جائے - دونوں پارٹیوں نے اسے منظور کر لیا - اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بیراگی کے مر جانے کے بعد بھی اس کے پیرو اتنی تعداد میں موجود تھے کہ تت خالصہ لاٹری ڈالکران کے ساتھ سمجھوتہ کرنے پر راضی ہوگئے - [redacted] بیراگی کے نام کی گولی پہلے ڈوب گئی - اس کے چیلے سب حیران ہو گئے - ان میں سے بہت سے مایوس ہو کر تت خالصہ کے ساتھ شامل ہو گئے اور جو بچے وہ گمنامی کی حالت میں رہنے لگے -

بیراگی کے ساتھیوں کا اسطرح ختم ہو جانا - ہندو بیداری کا خاتمہ ہے - ہندوؤں کی پھر بیکسی کی حالت ہوگئی اسکا اندازہ ہم حقیقت رائے کی شہادت سے لگاتے ہیں جو کہ ۱۷۳۴ء کے قریب واقع ہوئی - حقیقت رائے سیالکوٹ شہر میں ۱۷۱۹ء میں پیدا ہوا اسکا باپ باگھمل پوری ذات کا کھتری تھا اور چھوٹی عمر میں اس کی وڈالا کے ایک سکھ کھتری کی لڑکی سے شادی ہوگئی تھی حقیقت رائے ملا کے پاس فارسی پڑھنے جایا کرتا تھا - اس کی عمر بارہ برس کی تھی - جب ایک دن ملا کی غیر حاضری میں لڑکوں سے جھگڑا ہوگیا - مسلمان لڑکوں نے دیوی کو گالیاں دیں حقیقت رائے دیوی پر بڑی شردھا رکھتا تھا - اس نے دیوی کے بدلے میں حضرت کی لڑکی بی بی فاطمہ کو گالی دیدی - ایک ہندو لڑکا اتنی جرأت کرسکے یہ

غضب کی بات تھی۔ ملّا واپس آیا مسلمان لڑکوں نے اس کے پاس شکایت کی۔ حقیقت رائے نے اپنا قصور مان لیا۔ لیکن کہا کہ مسلمان لڑکوں نے دیوی کو گالیاں دی تھیں جس کے پاس اکبر بھی ننگے پاؤں چلکر آیا تھا۔ ملّا اس سے خفا ہو گیا۔ اور اسے قاضی کی کچہری میں لے گیا قاضی اُسے شہر کے حاکم کے پاس لے گیا۔ حقیقت کے ماں باپ یہ خبر سن کر دوڑے دوڑے حاکم کے پاس آئے اور اس کے پاؤں پکڑ کر معافی مانگی کہ بچہ ہے غلطی سے اس کے منہ سے لفظ نکل گئے ہیں اسپر رحم کیا جائے۔ قاضی اور ملّا چاہتے تھے کہ حقیقت کو مسلمان بنایا جائے نہیں تو اسے قتل کر دیا جائے۔ انھوں نے اس غرض سے شہر کے مسلمانوں میں شور سا پیدا کر دیا۔ حاکم امیر بیگ اتنے ظلم کی ذمہ داری اپنے اوپر نہیں لینا چاہتا تھا۔ اس نے علماء کے سامنے یہ معاملہ رکھدیا۔ علماء نے وہی فتوےٰ دیا جو ملاؤں کو دینا چاہیئے یعنی اسلام یا موت۔ حاکم دل سے نہیں چاہتا تھا۔ اس نے کہا کہ اس سے بڑے بڑے نتیجے نکلیں گے۔ علماء نے کہا" ایسا کرنا مذہبی فرض ہے۔ تمام دنیاوی خیالات کو ایسے موقعہ پر پرے رکھدینا چاہیئے۔" بہت سے مسلمان اس کی عدالت کے اردگرد جمع ہو گئے۔ اس نے تنگ آکر یہ فیصلہ کیا کہ مقدمہ لاہور کے ناظم کی عدالت میں بھیجدیا جائے۔ سیالکوٹ سے لاہور تک ہر قصبے کے لوگ بیچارے لڑکے کو دیکھنے آتے اور قاضی سے اسکے لئے رحم کی درخواست کرتے تھے۔ کئی مسلمانوں نے بھی جن میں شاہدرہ کا مقدم ورگاہی بھی ایک تھا۔ سفارش کی مگر فائدہ نہ ہوا۔ لاہور کے ناظم کا فیصلہ علماء کے فتوےٰ کے مطابق تھا۔ لیکن اس نے حقیقت پر

رحم کر کے اسے سمجھانے کی کوشش کی کہ اگر وہ مسلمان بن جائیگا تو اُسے بڑا رتبہ ملجائے گا اور بڑے دنیاوی فائدے حاصل ہونگے۔ اس کی ماں گوراں بھی دوڑی آئی اور بیٹے سے کہنے لگی "اچھا ہے کسی طرح سے اپنی جان بچالو۔ حقیقت نے ماں کو جواب دیا "مرنا ہر حالت میں لازمی ہے میں دہرم چھوڑ کر مرنا نہیں چاہتا" اس کی بیوی کا دکھ ماں باپ اور دوستوں کی جدائی ایک طرف تھی دہرم دوسری طرف تھا۔ حقیقت نے دہرم کا راستہ چن لیا اور اس کے بدلے اپنا سر کٹوا دیا۔ تمام ہندو آبادی کی آہ وزاری کے درمیان لاہور شہر کے مرکز میں اس بے گناہ معصوم پر تلوار چلائی گئی تمام شہر کے چھوٹے اور بڑے اس کے جنازے کے ساتھ ہو گئے اور اس کی راکھ لاہور سے ۲ میل کے فاصلے پر گاڑی گئی۔ جہاں کہ بسنت پنچمی کے دن جس دن کہ حقیقت قتل ہوا اس کی سمادھی پر ہر سال بڑا بھاری میلا لگتا ہے۔

خالصہ کی جدوجہد

بیراگی کی موت پر آٹھ سال تک سکھوں کا نشان ہی گم ہو گیا۔ اس کے بعد جب خالصہ پھر میدان میں آتا ہے تو اسوقت تنہا خالصہ کی پارٹی ہی اپنا کام شروع کرتی ہے۔ ہم نے اتنا ذکر کر دیا ہے کہ ۱۷۲۵ء میں بیراگی کے ساتھی سکھ پنتھ میں سے بالکل نکل گئے اسوقت سے سکھی تحریک تو ایک معنوں میں بالکل قومیت کے بھاؤ سے خالی ہو کر ایک فرقہ بنجاتی ہے۔ اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ خالصہ کا ہندو دہرم سے کوئی سمبندھ نہیں خالصہ ہندوؤں ہی سے پیدا کیا گیا تھا۔ اس کے پیدا کرنے والے سبھی ہندو تھے۔ ان میں بہت سے لوگ ایسے

تھے جو کہ ہندو دہرم کی سب باتیں ماننے اور اسپر چلتے تھے۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ تمام ہندو رسوم کو مانتے تھے۔ اُنکا اعتقاد ہندو دہرم کے تمام مسائل پر تھا۔ براہمن اُن کے دربار میں موجود رہتے تھے اور ان کی عزت کی جاتی تھی۔ مہاراجہ صاحب جوالامکھی اور ہردوار کو پوری شردھا سے جایا کرتے تھے جہاں ہندو جاتے ہیں۔ لیکن باوجود ان سب باتوں کے ہم نے یہ دیکھ لیا ہے کہ جب سکھوں کے سامنے امتحان کا ایک موقعہ آیا تو اپنے آپکو علیحدہ سمجھنے اور باقیوں سے تمیز کرنے کے خیال سے وہ زور دکھلایا کہ خالصہ ایک جدا طاقت بن گئی۔

سنہ ۱۷۲۴ء میں خالصہ کے گروہوں نے جگہہ بہ جگہہ مار دھاڑ شروع کردی۔ ان کا ہاتھ ایسے غداروں پر پڑا جنہوں نے ان کی غیر حاضری میں ان کے لئے کئی عورتوں اور بچوں پر ظلم کرائے تھے عبد الصمد کو سنہ ۱۷۲۶ء میں ملتان بدل دیا گیا۔ اور اسکا بیٹا ذکریا خاں (خان بہادر) لاہور کا گورنر مقرر ہوا۔ آتے ہی اس نے ایک گشتی دستہ اس غرض سے دورہ کرنے کے لئے مقرر کیا کہ وہ کہیں سکھوں کو اکٹھا نہ ہونے دے۔ یہ دستہ علاقہ میں برابر پھرتا تھا۔ لیکن شاہی افسروں کے ساتھ سکھوں کے ٹاکرے دن بدن ترقی پر ہوتے جاتے تھے دلاوان کے تارا سنگھ نے پٹی کے حاکم جعفر کو شکست دی۔ سکھوں کے ایک گروہ نے کانا کاچھا کے پاس سرکاری خزانہ لوٹ لیا ایک اور گروہ نے گھوڑوں کے شاہی سوداگر مرتضےٰ خاں کو جا لوٹا۔ سنہ ۱۷۳۰ء میں انہوں نے سب خزانہ لوٹ لیا جو لاہور سے

دہلی جارہا تھا۔ اگلے سال لوٹ مار کرتے ہوئے لاہور شہر کے دروازہ تک آپہنچے لاہور شہر کے مسلمان گورنر کی مدد کو اکٹھے ہو گئے۔ اور سکھوں کو دوبار پیچھے ہٹا دیا مگر آخیر میں انہیں بڑا نقصان اٹھا کر شکست کھانی پڑی ۱۷۳۳ء میں خان بہادر نے صلح کی چال چلی۔ سکھوں کے دبانے کا ارادہ کیا بادشاہ دہلی کی طرف سے ایک لاکھ کی جاگیر اور اُن کے لیڈر کے لئے نواب کا خطاب بھیجا گیا۔ سکھوں نے پہلے تو اسے منظور کرنے سے انکار کر دیا۔ لیکن بعد یہ مناسب سمجھا گیا کہ اسے منظور کر لیا جائے۔ لیکن کوئی آدمی خطاب کے لئے تیار نہ تھا۔ آخر فیض پور کے ایک جاٹ کپور سنگھ نے جو پنکھے کا کام کر رہا تھا منظور کر لیا۔ اور وہ نواب کپور سنگھ کے نام سے مشہور ہوا۔ یہ شخص بعد میں ایک مثل کا بانی ہوا ہے۔ اس کی زندگی ایسی سادہ اور اونچی تھی کہ اس نے سینکڑوں جاٹوں۔ ترکھانوں۔ جھیوروں اور جلاہوں کو پاہل دی وہ فخر سے کہا کرتا تھا کہ اس نے اپنے ہاتھوں سے پانچ سو مسلمانوں کو قتل کیا ہے ۱۷۳۴ء میں سکھوں سنگھ دو دلوں میں تقسیم کیا گیا۔ ایک بڈھا دل تھا اور دوسرا ترون دل۔ اس ترون دل کے پانچ مختلف حصے تھے جس میں ایک مذہبی سکھوں کا تھا۔ جس کے افسر بیر سنگھ اور امر سنگھ تھے۔ ایک کھتری سکھوں کا جس کے افسر دہرم سنگھ اور برہم سنگھ تھے ان کے علاوہ تین جاٹوں کے تھے جن کے افسر دلیپ سنگھ شہید۔ دسوندھ سنگھ باوا کاہن سنگھ اور بنود سنگھ تھے یہ سب امرتسر کے گرد و نواح میں دیہات میں آباد ہو گئے۔ اور ترون دل نے نئے سرے سے لوٹ مار شروع کر دی لاہور کا دیوان لکھپت رائے فوج لیکر آن پہونچا اور انکو ستلج پار بھگا دیا ۱۷۳۵ء میں ان کی جاگیر ضبط ہو گئی۔ ۱۷۳۶ء میں نواب کپور سنگھ نے لاہور

کے ایک جرنیل حبیب خاں کا امرتسر کے پاس وسار کی میں مقابلہ کیا مگر شکست اُٹھائی۔ تب بڈھے اور نوجوان دل دونوں نے بلکہ ہجرہ شاہ مقیم کے پاس مغل فوج کو شکست دی۔ اسی طرح دو سال تک اور خالصہ اسی قسم کے لڑائی جھگڑوں میں مشغول رہا اور اپنے عروج کا راستہ صاف کرتا گیا۔

نادر شاہ کے حملے سے پہلے دہلی کی مغل گورنمنٹ عیاشی اور تفرقات سے سخت کمزور ہو رہی تھی۔ محمد شاہ دن رات رنگ راگ تماشوں اور ناچوں میں مشغول رہتا تھا۔ اس نے نادر شاہ کی چٹھی کا دو سال تک جواب نہ دیا اور جب نادر ہندوستان کو آ رہا تھا تو اس نے ایک اور چٹھی لکھی جسے محمد شاہ نے حافظؒ کا ایک شعر پڑھ کر کے شراب کے پیالے میں ڈبو دیا۔ اس کی سب سے پیاری بیگم ایک ہندو ناچنے والی عورت تھی جس سے احمد شاہ پیدا ہوا جو کہ محمد شاہ کے بعد دہلی کے تخت پر بیٹھا۔ اس نے اپنے دونوں والدین سے ہی سیکھا تھا کہ اپنا سارا وقت عیاشی اور موج میں گذارے۔ اسکا حرم سرائے ایک میل لمبائی تک پھیلا ہوا تھا۔ دربار میں دھڑا بندی کا اتنا زور تھا کہ ایک پارٹی کے لوگ اپنے حریف کی طاقت کی نسبت سلطنت کی بربادی کو ترجیح دیتے تھے آصف جاہ کو مخول سے یہ کہا گیا کہ وہ بادشاہ کے آگے بندر کی طرح ناچتا ہے۔ اس نے قسم کھائی کہ وہ دہلی کے ہر ایک برج اور مینار سے ہر بندر نچا کر ہی خوش ہوگا اور اس نے نادر شاہ کو دہلی بلانے کے لئے چٹھی لکھ بھیجی۔ بنگال دکن اور اودھ میں صوبہ داروں نے اپنی خود مختار طاقتیں قائم کر لیں۔ راجپوتوں نے مغل زنجیروں سے اپنے آپ کو آزاد کر لیا

روہیلوں نے روہیلکھنڈ میں اور جاٹوں نے بھرت پور میں اپنی آزاد حکومت قائم کر لی۔ ان سب سے بڑھ کر دنیا حیران رہ گئی جب مرہٹہ پیشوا باجی راؤ فوج لیئے آگرہ سے دہلی میں آموجود ہوا۔

جو حالت دہلی گورنمنٹ کی تھی اس کی حالت پنجاب میں لاہور میں ظاہر ہوئی۔ اگرچہ لاہور دوسرے صوبوں کی طرح خود مختار نہ بن سکا جب ذکریا خاں لاہور کا گورنر تھا۔ اسوقت جسپت رائے دوابہ جالندر کا گورنر تھا۔ ذکریا خاں نے جسپت رائے کو ایک چھوٹے پرگنہ ایمن آباد میں تبدیل کر دیا۔ اور اس کی جگہہ ادینہ بیگ کو مقرر کیا جسپت رائے اور اسکا بھائی دیوان لکھپت رائے ادینہ بیگ سے حسد رکھتے تھے اور کوشش کرتے تھے کہ کسی طرح سے اسکا تنزل کر دیا جائے جسپت رائے سکھوں کو بھکاتا تھا کہ وہ جالندہر دوابہ میں شورش برپا کریں اودہر ادینہ بیگ یہ چاہتا تھا کہ پنجاب کے سکھ بغاوت کھڑی کریں۔ سکھوں کے دلوں سے اسطرح گورنمنٹ کا خوف جاتا رہا اور وہ ملک میں ابتری پھیلانے کے درپے ہو گئے۔ پنجاب کی یہ حالت تھی جبکہ ۱۷۳۸ء کے شروع میں نادر کا حملہ ہوا۔ لاہور گورنمنٹ کو ایک خوفناک دشمن کا مقابلہ آپڑا۔ اور انہوں نے سکھوں کو اپنے حال پر چھوڑ دیا۔ سکھوں نے ڈیرہ بابا نانک کے پاس دلی والی کے مقام پر راوی کے کنارے ایک چھوٹا سا قلعہ بنا لیا۔ اس جگہہ سے سکھ نکلتے تھے۔ سرکاری افسروں اور مسلمانوں کے گاؤں کو اور ان ہندوؤں کو لوٹتے تھے جو کہ مسلمان گورنمنٹ کے طرفدار تھے انہوں نے نادر کو بھی نہ چھوڑا اور اس کی فوج کے اس حصے پر جا پڑے جو کہ دہلی لوٹنے کے لیئے

جا رہی تھی جو کچھ ان کے ہاتھ لگا لے کر چلدیے - نادر نے پوچھا یہ لمبے بالوں والے وحشی کہاں سے آتے ہیں جو اسطرح مجھے تکلیف دینے کی جرأت کرتے ہیں اُنکو اور ان کے گھروں کو تباہ کر دینا چاہیے" نادر کو جواب ملا کہ اُن کے گھر ان کے گھوڑوں کی کاٹھیاں ہیں" سکھ کچھ عرصہ تک اسی طرح اودھم مچاتے رہے - آخر ایمن آباد کے پاس دو ہزار کی تعداد میں اکٹھے ہو گئے اور ساتھ کے گاؤں سے لگان وصول کرنا شروع کر دیا - ایک دن ایک دیہاتی نے موضع کھکراں میں جسپت رائے کے پاس آکر شکایت کی کہ سکھ اس کی بھیڑوں اور بکریوں کے گلے کو لے گئے ہیں اور روڑی صاحب میں بیٹھے مار کر کھا رہے ہیں - جسپت رائے نے اُنکو کہلا بھیجا کہ وہ وہاں سے چلے جائیں لیکن انہوں نے انکار کر دیا - وہ فوج لیکر جا پہونچا لڑائی کے وقت ایک رنگریٹا سکھ ہاتھی کی دم پکڑ کر ہودے پر چڑھ گیا اور جسپت رائے کا سر کاٹ کر دوڑ گیا - دیوان لکھپت رائے یہ سنتے ہی آگ بگولا ہو گیا اور اس نے کہا " اگرچہ سکھی کے چلانیوالا کھتری تھا لیکن میں اپنے آپکو کھتری نہیں کہوں گا - اگر میں سکھی کو صفحہ ہستی سے مٹا نہ دوں" - گورنر کو ساتھ لیکر وہ سکھوں کے تعاقب میں چل پڑا جموں کے پاس انہیں شکست دی اور بہت سے قید کر کے لے آیا - دہلی دروازے کے باہر اس مقام پر انہیں قتل کرایا جسے شہید گنج کہا جاتا ہے اور ایک اعلان نکلوایا کہ جو کوئی گورو گوبند کا نام لے گا اسکا پیٹ چاک کیا جائیگا سکھوں کو پھر ادہر اودہر تھوڑی دیر کے لیے بھاگ جانا پڑا - لیکن لکھپت کے اپنے دن نزدیک آ رہے تھے - لاہور کے گورنر یحیٰی خاں کا بھائی شاہ نواز خاں ملتان کا گورنر تھا اس نے ۱۷۴۵ء میں لاہور پر حملہ کر کے

...ی خاں اور لکھپت رائے کو نکال دیا اور خود مالک بن بیٹھا۔ دہلی کی گورنمنٹ سے ڈر کر شاہ نواز کو ایک نئی بات سوجھی۔ اُس نے احمد شاہ دُرّانی کو جو کہ نادر کی جگہ غزنی کا بادشاہ بن گیا تھا۔ ہندوستان پر حملہ کرنے کے لیئے بلا بھیجا۔ اور خود اُس کا مطیع ہونا منظور کیا۔ احمد شاہ آگے ہی ہندوستان پر حملہ کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ فوراً دس ہزار سوار لے کر پشاور کی طرف روانہ ہوا۔ اتنے میں شاہ نواز کو اِس دہوکے بازی کے لئے ملامت کیگئی اور اُسے لاہور کی گورنری پر مستقل کرنے کا وعدہ کر دیا گیا۔ اگر وہ حملہ آور کے مقابلے پر طیار ہو جائے۔ خبر پہنچکر احمد شاہ نے شاہ نواز کے پاس قاصد ...ا۔ یہ قاصد بڑا بیہودہ اور گھمنڈی سا شخص تھا۔ اِس نے شاہ نواز کو ناراض کر دیا اور ناکام واپس چلا گیا۔ رہتاس پہنچکر احمد شاہ نے اپنے پیر کے بیٹے صابر شاہ کو شاہ نواز کے پاس بھیجا۔ شاہ نواز نے اُس سے لاپرواہی سے سوال کیا۔ "بھائی احمد شاہ کیسا ہے"؟ صابر شاہ نے اسے اس گستاخانہ سوال پر لعنت ملامت کی جس سے شاہ نواز کو اتنا غصہ آیا کہ اُس کے مُنہ میں گلا ہوا سِکہ ڈال کر اُسے مروا ڈالا۔ احمد شاہ لاہور پر چڑھ آیا اور تھوڑے سے مقابلے کے بعد اُسے فتح کر لیا۔ شاہ نواز دہلی بھاگ گیا۔ احمد شاہ نے لکھپت رائے کو لاہور کا گورنر مقرر کیا اور قصور کے جملہ خان کو اُس کا صلاح کار بنایا۔ احمد خاں دہلی کی طرف کوچ کر رہا تھا سرہند میں اُسے ایک بڑی شکست ملی جس سے وہ جلدی سے کابل واپس چلا گیا۔

سکھوں کو یہ موقعہ ایشور کی طرف سے مِلا۔ وہ پھر میدان میں نکل آئے اور آتے ہی حملہ آور کی فوج کے پیچھے پڑ گئے۔ ایک تو

اُنہیں بہت سی لوٹ ہاتھ لگی اور دوسرا پٹھانوں کا تعاقب کرنے سے اُن کا حوصلہ بہت سا بڑھ گیا اِس لوٹ سے سکھوں نے رام رونی کا قلعہ طیار کیا۔ اِس وقت اُن کا ایک بڑا بھاری لیڈر جسا سنگھ پیدا ہو گیا جس نے پنجاب میں ایک نئی گورنمنٹ کی موجودگی کا اعلان کیا۔

میر منوں

سرہند کی لڑائی میں بوڑھا وزیر اپنے خیمے میں قرآن پڑھتا ہُوا مارا گیا۔ اِسکے بڑے بیٹے معین الدین (میر منوں) کی بہادری سے احمد شاہ ابدالی کو شکست ہوئی۔ وزیر کا عہدہ صفدر جنگ کو ملا جو کہ اودھ کے صوبہ دار سعادت خاں کا داماد تھا۔ صفدر جنگ کو معین الدین کی طاقت کا خوف تھا۔ اِس لئے اُس سے بچنے کے لئے اُس نے اُس کو لاہور اور ملتان کا گورنر بنا کر دہلی سے باہر بھیج دیا۔ جب میر منوں ۱۷۴۸ء میں لاہور پہنچا تو پنجاب میں ہر ایک جگہ سکھوں کا غلبہ ہو گیا تھا۔ اُنہوں نے جگہ جگہ اپنے گروہ قائم کر لیئے تھے اور یہ گروہ نڈھڑک سب جگہ لوٹ مار کرتے تھے۔ میر منوں کو آتے ہی سکھوں کی طرف توجہ دینی پڑی۔ اُس نے رام رونی کے قلعے کو فتح کر کے گرا دیا اور سب علاقوں میں فوج کے دستے مقرر کر دیئے تاکہ جہاں کوئی سکھ ملے اُس کے بال کاٹ دیں۔ سکھوں کو پھر جنگلوں اور پہاڑوں میں بھاگ جانا پڑا۔ میر منوں نے پہاڑی راجاؤں کو حکم لکھ بھیجا کہ وہ سکھوں کو اپنے ہاں نہ رہنے دیں اور اُن کو گرفتار کر کے لاہور پہنچتے جائیں۔ ہر روز کئی سکھ پکڑے ہوئے آنے لگے۔ جن کو اُسی شہید گنج کے مقام پر قتل کیا جاتا تھا۔ میر منوں نے یہ ارادہ کر لیا تھا کہ سکھوں کو بالکل تباہ کر دے لیکن اُس کی بدقسمتی سے

احمد شاہ ابدالی سندھ پار ہوا اور اپنا پچھلا داغ دھونے کیلئے لاہور کی طرف بڑھنے لگا۔ منوں نے دہلی فوج کے لئے لکھ بھیجا لیکن وہاں اُس کی چٹھی کی کون پرواہ کرتا تھا۔ وہاں تو ناچ رنگ سے کسی کو فرصت ہی نہ ملتی تھی۔ جب منوں کو دہلی سے بالکل مایوسی ہوگئی اور ادھر ابدالی چناب تک آپہنچا۔ اُس نے اپنی فوج اکٹھی کی اور مقابلے کے لئے آگے بڑھا۔ چناب کے کنارے سُدھرا کے مقام پر تھوڑی لڑائی ہوئی جس میں منوں نے دیکھ لیا کہ وہ مقابلہ نہ کر سکتا تھا۔ اُس نے صلح کے لئے درخواست کر دی۔ ابدالی کو اپنے پیچھے گھر میں تکلیف سی معلوم ہوئی۔ وہ چار ضلعوں پسرور۔ گجرات۔ سیالکوٹ اور اورنگ آباد کا لگان بطور اخراج اقرار لیکر واپس چلا گیا۔ جب منوں اس لڑائی میں مشغول تھا تو سکھ جو کہ منوں سے دل سے نفرت کرتے تھے۔ لاہور پر آپڑے۔ لُٹے سے لُوٹا اور باہر کے شہر کو آگ لگا کر خاک بنا دیا۔ منوں نے آکر شہر کی حالت دیکھی اور پھر سکھوں کے برخلاف سختیاں شروع کر دیں۔ جہاں کہیں جنگل میں یا پہاڑی میں کوئی سکھ ملتا تھا۔ اُسے گرفتار کر کے قتل کروا دیا جاتا۔ سکھوں میں بھی یہ ضرب المثل عام مشہور ہوگئی۔

منوں اساڈی داتری۔ اسیں ہاں اوسدے سوئے
جوں جوں منوں وڈھدا۔ گھریں گھریں سیں ہوئے

اُدھر وزیر صفدر جنگ منوں کی طاقت سے خوف کھانے لگا۔ اور اُس نے پھر شاہ نواز خاں کو ملتان کی گورنری پر مقرر کر دیا۔ میر منوں نے اپنے دیوان کوڑا مل کو اسے روکنے کے لئے روانہ کیا۔ اِس

لڑائی میں کوڑا مل کو سکھوں کی مدد سے کامیابی ہوئی اور شاہ نواز اُس میں مارا گیا۔ منّوں اس سے بڑا خوش ہوا۔ اُس نے کوڑا مل کو مہاراجہ کا خطاب دے کر ملتان کا گورنر بنا دیا اور دہلی سے خود مختار بن بیٹھا۔ نہ صرف وہ دہلی سے بے پرواہ ہو گیا بلکہ اُس نے ابدالی کو اپنا خراج بھیجنے سے انکار کر دیا۔ ابدالی ۱۷۵۱ء میں سندھ پار ہوا اور چناب پہنچ کر اپنے ایجنٹ دیوان سُکھ جیون مل کو لاہور روانہ کیا پہلے تو میر منّوں نے خراج دینے سے اپنی ناقابلیت ظاہر کی لیکن یہ کہا کہ چونکہ شاہ نے پنجاب میں آنے کی تکلیف گوارا کی ہے اس لئے وہ سب بقایا وصول کر کے بھیج دیگا بشرطیکہ بادشاہ کابل کو واپس چلا جائے۔ کیونکہ اُس کے آنے کی خبر سُنکر ڈر کے مارے سب زمیندار بھاگ گئے تھے اور لگان وصول کرنا ناممکن تھا منّوں یہ سمجھتا تھا کہ یہ جواب تسلی بخش نہیں ہے۔ ابدالی لاہور پر روانہ ہوا اور منّوں فوج لے کر چناب تک جا پہنچا۔ چھ ماہ تک چھوٹی موٹی لڑائیاں ہوتی رہیں جس کے بعد منّوں کو ایک بڑی شکست ملی جس میں بہادر راجہ کوڑا مل بھی بھاگ گیا۔ منّوں کو آخر کار اطاعت ماننی پڑی۔ اس وقت ابدالی اور منّوں کے درمیان دلچسپ سوال و جواب ہوئے۔

شاہ:۔ "تم نے پہلے میرے آگے سجدہ کیوں نہیں کیا"؟

منّوں:۔ "کیونکہ میں پہلے ایک اور مالک کو سجدہ کرتا تھا"!

شاہ:۔ "اب وہ تمہارا مالک تمہاری مدد کرنے کو کیوں نہیں آیا"؟

منّوں:۔ "کیونکہ وہ سمجھتا تھا کہ اُس کا نوکر اپنی حفاظت کر سکتا ہے"!

شاہ:۔ "تم کیا کرتے اگر میں تمہارے ہاتھ میں پڑ جاتا"؟

منّوں:۔ "میں تمہارا سر کاٹ کر دہلی میں اپنے آقا کے پاس بھیج دیتا۔"

شاہ "اب تم میرے ہاتھ میں ہو۔ مجھ سے تم کیا اُمید رکھتے ہو!
مُنّوں "اگر تم سوداگر ہو تو مجھے بیچ دو! اگر تم ظالم ہو تو مجھے قتل کر دو! اور اگر تم بادشاہ ہو تو مجھے معاف کر دو"!

شاہ "اِس نوجوان کی صاف دلی اور حاضر جوابی کو دیکھ کر اتنا خوش ہُوا کہ نہ صرف اس کی جان بخشی بلکہ فرزند خان بہادر، رستم ہند کا خطاب دیکر دہلی کی گورنری میں منتقل کر دیا"۔

اس عرصہ میں سکھ برابر اپنے کام میں لگے رہے۔ اُنھوں نے امرتسر اور پہاڑوں کے درمیانی علاقے پر قبضہ کر لیا۔ مُنّوں لاہور آکر پھر سکھوں کی طرف متوجہ ہُوا اور ادینہ بیگ کو اُن کی تنبیہ کے لئے مقرر کیا۔ ادینہ بیگ سکھوال میں جہاں کہ وہ تیوہار پر اکٹھے ہوئے تھے جا پڑا اور اُنہیں ایک شکست دی لیکن وہ اُن کی طاقت بالکل تباہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اُس نے اُن کے ساتھ سمجھوتا کر کے اپنی ملازمت میں لے لیا جن میں ایک جسّا سنگھ ترکھان بھی تھا اور دوسروں سے اقرار لیا کہ وہ بہت زیادہ لگان نہ وصول کریں۔ مُنّوں ۱۷۵۲ء میں مر گیا۔ اُس کی جگہ اُس کی عورت مراد بیگم اپنے بچے کے نام سے حکومت کرنے لگی۔ پنجاب اِس وقت کابل کی حکومت کے نیچے تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ بچہ چیچک سے مر گیا۔ اور مراد بیگم نے عنانِ حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی۔ سکھ ایک عورت کی حکومت سے فائدہ اُٹھائے بغیر نہ رہ سکتے تھے۔ پہلے پہل تو اُمرا لوگ اُس کے ساتھ رہے۔ لیکن جلدی ہی اُس نے اپنی کمزوری دکھانی شروع کر دی اور سب نے دربار جانا چھوڑ دیا اور اُس کے چلن کے برخلاف دہلی شکائتیں لکھ بھیجیں۔ دہلی میں غازی الدین عماد الملک

کو نکال کر وزیر بن بیٹھا تھا۔ میر منوں کی لڑکی سے سگائی ہوئی تھی۔ اُس نے اپنے ایک معتبر نوکر سعید جمال کو لاہور روانہ کیا۔ تاکہ اُس کی ساس کی امداد کرے۔ بیگم جلدی ہی اُس کے مشورے سے تنگ آگئی اور کابل چٹھیاں لکھنی شروع کیں۔ اس پر غازی الدین فوج لے کر لاہور چڑھ آیا اور لڑکی اور ماں کو ساتھ لے کر دہلی واپس چلا گیا۔ جہاں جاکر لڑکی سے اُس نے شادی کر لی اور ادینہ بیگ کو لاہور کا گورنر مقرر کیا۔ سکھوں نے سارے پنجاب میں سرکاری انتظام کو درہم برہم کر دیا۔ اِتنے میں احمد شاہ دُرانی لاہور میں اس انقلاب کی خبر سُنکر ۱۷۵۵ء میں لاہور پر حملہ آور ہوا۔ ادینہ بیگ پہاڑوں کو بھاگ گیا۔ ابدالی سرہند ہوتا ہوا دہلی جا پہنچا۔ دہلی کو لُوٹا اور محمد شاہ کی لڑکی سے شادی کر لی۔ نجیب الدولہ کو وزیر مقرر کر کے متھرا اور آگرے کے شہروں کی لُوٹ مار کر واپس چلا گیا لیکن پنجاب میں سے گذرتے ہوئے سکھوں نے اُس کی فوج پر حملے کئے اور لُوٹ کا بہت سا مال و متاع لے کر بھاگ گئے۔ وہ سکھوں کی تنبیہ کے لئے ٹھہر جاتا لیکن ترکستان میں ایک بغاوت ہو گئی تھی اس لئے اپنے بیٹے تیمور کو پنجاب کی حکومت کے لئے چھوڑ کر آپ واپس چلا گیا۔

جسا سنگھ تیمور پہلے سکھوں کی طرف متوجہ ہوا۔ جسا سنگھ ترکھان نے رام رونی کا قلعہ بنا لیا تھا اور اس کا نام رام گڑھ رکھا تھا۔ قلعے پر حملہ کر کے اُسے زمین کے ساتھ ملا دیا گیا۔ ادینہ بیگ نے بہت سے سکھوں کو اپنا ملازم رکھ کر جالندھر دوآب پر قبضہ کر لیا تھا۔ تیمور نے پہلے اُسے لاہور بُلا بھیجا لیکن ادینہ بیگ نے انکار کیا تو تیمور نے اُس کے برخلاف **مراد خان** کو بھیجا۔ جسے ادینہ بیگ نے شکست دی۔ تیمور نے مُراد کو مہو سکے

کے الزام دیکر قتل کرا دیا اور خود ادینہ بیگ کے بر خلاف روانہ ہوا۔ جس سے ادینہ بیگ پہاڑوں کی طرف بھاگ گیا۔ بہت سے سکھ پہاڑوں میں بھاگے ہوئے جمع تھے۔ سب نے ایک تجویز کر کے لاہور پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ اُنہوں نے فوج کے دو ٹکڑے کیئے۔ ایک کا افسر جسّا سنگھ کلال تھا اور دوسرے کا جسّا سنگھ رام گڑھیا (ترکھان) جسّا سنگھ سیدھا لاہور پر چڑھ آیا۔ سارے علاقے میں سکھ سوار ہی سوار معلوم ہوتے تھے۔ سب جگہ اُنہوں نے اپنے لگان وصول کرنے شروع کر دیئے۔ کئی چھوٹی موٹی لڑائیوں کے بعد ۱۷۵۸ء کے شروع میں ایک لڑائی ہوئی جس میں پٹھانوں کو سخت شکست ہوئی۔ یہ پہلی فتح تھی جو کہ خالصہ نے پٹھانوں کے اوپر حاصل کی۔ فوج کے دوسرے حصے نے جالندھر دوآب پر اپنا قبضہ کر لیا۔ تیمور اور اُس کا محافظ جہانخان گھبرا کر چناب کو واپس بھاگ آئے۔ وہ رات کو ایسی جلدی میں بھاگے کہ اُن کا کُنبہ دشمنوں کے ہاتھ میں پڑ گیا۔ اگرچہ اُسے بعد میں چھوڑ دیا گیا۔ جسّا سنگھ کلال نے لاہور کی حکومت سنبھالی۔ اُس نے اپنے نام کا سکہ جاری کیا جس پر فارسی زبان میں یہ حروف لکھے تھے۔ "سکہ زد در جہان بفضل اکال ملک احمد گرفت جسّا کلال"۔

راگھوبا ادینہ بیگ جو کہ سمجھتا تھا کہ وہ سکھوں کو اپنے مطلب کے لیئے استعمال کر رہا ہے اور سکھ لوگ لاہور کی حکومت اُس کے ہاتھ میں دیدینگے یہ دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اب اُسے ایک اور چال کا خیال آیا۔ مرہٹے وزیر وزیر غازی الدین کی دعوت پر دہلی میں آ چکے تھے۔ وہ دہلی گیا اور اُن کے سردار رگھوبا سے کہا کہ وہ پنجاب کو فتح کر کے سندھ تک مرہٹہ حکومت

قائم کرے۔ جو کچھ سکھ سپاہی اُس کے ساتھ تھے۔ اُن کو اپنے ساتھ لے کر جمنا سے رگھوبا کے ساتھ روانہ ہُوا۔ آتے ہی سرہند فتح کر کے ابدالی کے صوبہ دار سمندر خان کو وہاں سے نکال دیا۔ سکھوں نے سرہند کو خوب لُوٹا لیکن مرہٹوں کو لوٹ کا حصّہ نہ دیا۔ مرہٹے اِس سے ناراض ہو گئے۔ اور سکھوں کو ہٹا دیا۔ ادینہ بیگ نے شالامار باغ میں سوا لاکھ روپے کے خرچ سے ایک بڑا بھاری پلیٹ فارم طیار کیا جس پر رگھوبا کو بٹھایا۔ سارے باغ میں روشنی کی گئی اور سب فوّاروں میں گلاب چھڑکا گیا۔ تیمور اور جہان خان پنجاب چھوڑ کر بھاگ گئے۔ مرہٹوں کا جھنڈا لاہور۔ مُلتان اور اٹک میں لہرانے لگا۔ رام جی شام جی مُلتان کا گورنر بنایا گیا۔ صاحب پٹیل اٹک کا اور ادینہ بیگ لاہور کا گورنر مقرر ہُوا۔ اگرچہ سکھ لاہور سے نکل گئے تھے لیکن وہ اپنے اپنے سرداروں کے ماتحت جگہ جگہ برابر لُوٹ مار کر رہے تھے۔ ماجھا میں اُن کا زور بہت زیادہ تھا۔ اُنہوں نے امرتسر کا تالاب صاف کیا اور مندر کو از سرِ نو تعمیر کر لیا مسلمانوں کے ساتھ ویسا ہی سلوک کرتے تھے جیسا کہ مُسلمان حکمران سکھوں کے ساتھ کرتے رہے تھے۔ ادینہ بیگ نے فوج کا ایک دستہ میراز بخشی کے ماتحت سکھوں کے برخلاف روانہ کیا جنہوں نے اُنکا تعاقب کر کے بہت سے سکھ قتل کئے اور باقیوں کو بھگا دیا لیکن ۱۷۵۸ء میں ادینہ بیگ کے مر جانے پر سکھ پھر اُسی طرح مُلک میں آزادی سے گھومنے لگے۔ اور لُوٹ مار کرنے لگے۔ احمد شاہ کو مرہٹوں کے لاہور میں آمد کی خبر پہنچی اور ۱۷۵۹ء میں وہ پنجاب کی طرف روانہ ہُوا۔ مرہٹہ گورنر باپو راڈوا دو لاہور چھوڑ کر چلا گیا۔ ابدالی نے حاجی کریم خانداد کو لاہور کا گورنر

مقرر کیا اور خود مرہٹوں کے خلاف دہلی پہنچا۔ ۱۷۶۱ء کے شروع میں پانی پت کی مشہور لڑائی ہوئی جس میں مرہٹہ فوج کو سخت شکست ہوئی اور مرہٹہ طاقت کو ایسا دھکا لگا کہ مرہٹوں کی امیدیں اُس وقت خاک میں مل گئیں۔ ابدالی کی غیر حاضری میں سکھوں کے بڑے بڑے سردار جسا سنگھ کلال، جیت سنگھ کنہیا، ہری سنگھ بھنگی، گجر سنگھ بھنگی، لہنا سنگھ بھنگی ۱۷۶۱ء میں بیساکھی کے دن امرتسر میں اکٹھے ہوئے اور ایک گورمتا کر کے لاہور پر حملہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ انہوں نے خالصہ کو اکٹھا کر کے لاہور پر حملہ کر دیا۔ فصیلوں کو آگ لگا دی اور شہر کو لوٹنا شروع کر دیا اور بڑے بڑے مسلمانوں کا ایک ڈیپوٹیشن تیس ہزار روپے کا نذرانہ لیکر اُن کے پاس حاضر ہوا۔ سکھوں نے نذرانہ لے لیا اور لوٹ مار کے شہر سے چل دیئے۔ ایک جسا سنگھ رام گڑھیا اور جسا سنگھ کنہیا نے بٹالہ، کلانور، ہر گوبند پور، قادیان، امرتسر، گورداسپور ضلعوں کے بہت سے قصبوں پر قبضہ کر لیا اس علاقے کی کئی لاکھ سالانہ آمدنی تھی۔ جسا کلال نے سرہند، دیپال پور کو لوٹا اور فیروز پور کے ضلع میں ڈوگرا اور نئی پال میں قلعے بنا لئے۔ اُس نے ہوشیار پور اور انبالہ کا کچھ ضلع بھی فتح کر لیا، اور کپور تھلہ کے مسلمان سردار ابراہیم بھٹی سے خراج وصول کیا۔ ابدالی بہار میں واپس لاہور آیا۔ سکھوں کی بابت اُس نے سب کچھ سُن لیا تھا لیکن وہ زیادہ ٹھہر نہ سکا اور زین خان کو سرہند کا، سربلند خان کو ملتان کا اور خواجہ ائید خان کو لاہور کا گورنر مقرر کر کے کابل واپس چلا گیا۔

جونہی ابدالی نے پیٹھ پھیری بھیم سنگھ، سروپ سنگھ لاہور کے نزدیک ہی قلعے بنانے لگ گئے۔ چڑت سنگھ نے گوجرانوالہ میں اور جگہ جگہ سکھوں کے قلعے بننے لگے۔ ابدالی نے پانی پت کی لڑائی کے بعد صرف پنجاب کو اپنی حکومت کے لئے رکھا تھا لیکن پنجاب بھی اُس کے ہاتھ سے نکلتا آیا اس لئے اُس نے اپنے ایک جرنیل نور الدین خان کو پنجاب روانہ کیا۔ ۱۷۶۲ء کے شروع میں سکھوں نے اُسے بھاری شکست دی جس کے بعد وہ سیالکوٹ کے قلعے میں بند ہو گیا اور وہاں سے نکال جا کر جموں کی پہاڑیوں میں چلا گیا۔ خالصہ کی دلیری اب بہت بڑھ گئی اور تمام جگہوں سے لگان وصول کرنے لگے۔ لاہور کا صوبہ دار سکھوں کے بر خلاف گوجرانوالے کو روانہ ہوا۔ ایک شخص بابا شام سنگھ اُس کے ساتھ گرفتار تھا۔ سکھوں نے اُسے چھڑانے کیلئے ائید خاں سے بات چیت شروع کی۔ اتنے میں رات پڑ گئی۔ افغان فوج میں اچانک حملے کا شور پڑ گیا اور وہ سب گھبرا کر اپنا سامان اور بندوقیں چھوڑ کر بھاگ گئے۔ دیوان صوبہ رام اور ہری رام چوبدار اُسی جگہ مارے گئے۔ مسلمانوں کا ایک جرنیل صاحب سنگھ سکھوں کے ساتھ جا

ملا ابید خاں تین چار سو سواروں کے ساتھ رات کے وقت بھاگ گیا۔ اِس کامیابی کے بعد سکھوں نے امرتسر میں گورمتا کیا اور ملیر کوٹلے کے حاکم بھیکن خاں کو اور جنڈیالہ کے مہنت بابا اکمل داس سے بدلہ لینے کا فیصلہ کیا کیونکہ اُس نے ابدالی کی امداد کی تھی۔ مہنت نے ابدالی کو ایک زوردار عرضی بھیجی کہ وقت پر پہنچ کر اُس کی امداد کرے ابدالی ۱۷۶۱ء کے آخیر میں پھر لاہور آپہنچا۔ سکھ اُس کے آنے پر بھاگ گئے۔ اور ستلج پار ہو کر سرہند جا پہنچے۔ ابدالی نے اتھائی دن میں ڈیڑھ سو میل سفر کر کے لدھیانہ کے قریب کپّ رہیڑ کے جا پکڑا جہاں پر بڑی بھاری لڑائی ہوئی جس میں سکھوں کو شکست ہوئی اور اُن کے نقصان کا اندازہ بارہ اور پچیس ہزار کے درمیان لگایا گیا ہے سکھوں پر اتنی مصیبت پہلے کبھی نہ آئی تھی۔ اس میں پٹیالہ کے شاہی خاندان کا بانی آلا سنگھ برنالہ میں پکڑا گیا اور زنجیروں میں لاہور لایا گیا۔ اُس کی رانی نے شاہ کو چار لاکھ روپیہ رہائی کی قیمت دیکر اُسے چھڑوایا۔ ابدالی نے اُس سے خوش ہو کر اُس کی ریاست بھی اُسے واپس دیدی۔ ابدالی واپس امرتسر آیا جہاں کہ سکھ لوگ دیوالی کے موقعہ پر جمع تھے۔ پٹھانوں کے آنے پر وہ سب بھاگ گئے۔ پٹھانوں نے نہ صرف ہرمندر کو بارود سے اڑا دیا بلکہ تالاب میں گئوؤں کو ذبح کیا۔ سکھوں کے کٹے ہوئے سروں کے کئی مینارہ کھڑے کئے۔ اور سکھوں کے خون سے مسجدوں کی دیواروں کو صاف کیا۔ اُس نے اپنی توجہ کشمیر کی طرف پھیری جہاں اُس کا گورنر سکھ جیون آزاد ہو بیٹھا تھا۔ سکھ جیون سنگھ ضلع سیالکوٹ کا رہنے والا کھتری تھا جن بچپن میں اُس کے ماں باپ مر گئے۔ اُسے فارسی کی تعلیم بہت اعلےٰ دی گئی تھی۔ ۱۶ سال کی عمر میں وہ ایک قلمدان لے کر پشاور چلا گیا۔ ابدالی کے دربار کے باہر بیٹھا رہا کرتا تھا۔ ایک مراسلہ پڑھنے کی مشکل کی وجہ سے بادشاہ نے اُسے بلا بھیجا۔ اُس کی لیاقت سے بادشاہ اتنا خوش ہوا کہ اُسے اپنے پاس رکھ لیا۔ اور بعد میں کابل کا صوبہ دار بنا دیا۔ جیون پوٹھوار سے بہت سے برہمن اپنے ساتھ لے آیا تھا جن کی مدد سے ہوئے دشمنوں

. . . .

اُس نے کشمیر میں ہندو راج بنا لیا تھا۔ ابدالی نے نورالدین کو فوج دے کر اُس کے بر خلاف روانہ کیا۔ جموّں کا راجہ رنجیت دیو اُس کی امداد میں گیا۔ پیر پنجال کے پاس سُکھ جیون کو ایسی شکست ہوئی کہ وہ گرفتار کر کے لاہور لایا گیا۔ یہاں پر پہلے اُس کی آنکھیں نکلوا کر ابدالی نے اُسے قتل کرنے کا حکم دیدیا۔

ابدالی قندھار میں بغاوت ہو جانے کی وجہ سے واپس ہو گیا اور کابل کے ایک برہمن کابلی مل ٹلکر لاہور کا گورنر مقرر کر گیا۔ سکھ اس سے بالکل دب نہیں گئے بلکہ سکھوں کی تاریخ میں انکا یہ خاصہ دیکھا جاتا ہے کہ جب کبھی اُن کو کچلنے کی کوشش کی گئی ہیں وہ نئی زندگی حاصل کر کے زیادہ طاقتور نکلے ہیں۔ اس لڑائی کے بعد سکھوں میں یہ خیال زور سے کام کرنے لگا کہ سلطنت کو قائم کرنے کا اُن کو بھی ویسا ہی حق ہے جیسا کہ کسی اور مغل یا پٹھان کا۔ احمد شاہ ابدالی نے آلا سنگھ کو راجہ کا خطاب دیکر سکھوں کے اندر یہ خیال پیدا کر دیا کہ اُن کے سردار بھی راجہ اور مہاراجہ بن سکتے تھے۔

ابدالی کے جانے پر اُنہوں نے پسرور اور مالیر کوٹلہ لوٹا اور مالیر کوٹلہ کے نواب ہینگن کو قتل کر ڈالا۔ دسمبر ۱۷۶۳ء میں احمد شاہ کے مقرر کئے ہوئے سرہند کے گورنر زین خان کے بر خلاف چڑھائی کا ارادہ کیا۔ دو تو جسا سنگھ اور آلا سنگھ اس مہم میں شامل تھے۔ خالصہ کی تعداد اُس وقت چالیس ہزار کے قریب تھی۔ زین خاں اِن کے مقابلہ پر آیا لیکن وہ اور اُس کا نائب لچھمی نارائن مارے گئے۔ ستلج اور جمنا کا علاقہ سکھوں کے ہاتھ میں پڑ گیا جسکو سکھ سرداروں نے نہائت تیزی سے اپنے اندر بانٹ لیا۔ سکھ سپاہی گاؤں میں جاتا تھا۔ خراج مانگتا تھا۔ روپیہ نہ ملنے پر کچھ گڑ مانگتا تھا گڑ نہ ملنے پر کچھ روٹیاں لے کر اُس گاؤں کو اپنا مطیع بنا لیتا تھا۔ سرہند کو برباد کر دیا اور زین اور اُس کے

بقیہ نشانات آلا سنگھ نے بدھ سنگھ کو پچیس ہزار روپیہ دیکر خرید لیئے۔ اس کامیابی سے جوش میں آکر سکھ جمنا پار ہی ہو گئے اور سہارن پور تک سب علاقہ فتح کر لیا۔ نجیب الدولہ اس وقت بھرتپور کے جاٹوں کے ساتھ لڑائی کر رہا تھا۔ سکھوں سے اپنا ملک بچانے کیلئے واپس آیا اور انہیں رشوت دیکر اپنے علاقہ سے باہر کیا۔ واپس جاکر اُس نے جاٹوں کو ایک شکست دی جس میں اُن کا راجہ سورج مل مارا گیا لیکن جلدی ہی سورج مل کے بیٹے نے سکھوں اور مرہٹوں کے ساتھ شامل ہو کر دہلی کو گھیر لیا اور نجیب الدولہ کا ناک میں دم کر دیا۔

سکھ لاہور میں

نجیب الدولہ کو ابدالی نے دہلی کا وزیر مقرر کیا تھا۔ اُسکی حالت خبر سنکر ابدالی ساتویں دن سنہ ۱۷۶۷ء میں ہندوستان کو آیا لیکن افغانستان میں گڑبڑ ہو جانے کی وجہ سے کچھ نہ کر سکا اور اُسے واپس جانا پڑا۔ جاتے ہوئے اُس نے آلا سنگھ کو مہاراجہ کا خطاب دے کر سرہند کا گورنر مقرر کر دیا لیکن دہلی کا محاصرہ حملہ آوروں کے باہمی جھگڑے کی وجہ سے اُٹھا لینا پڑا۔ اس عرصہ میں سکھوں نے لاہور کے گرد و نواح میں اپنی حکومت قائم کر لی۔ سردار ہری سنگھ بھنگی کا قائم مقام ٹیک چند لاہور دربار میں رہتا تھا اور کابلی مل کو انتظام میں مدد دیتا تھا۔ صوبہ سنگھ کا منشی شاہ عالمی دروازہ پر پٹھان افسروں کے ساتھ بیٹھا ہوا بھنگی کے محصول میں سے مقررہ حصہ وصول کرتا تھا۔ انہوں نے ایک موقعہ پر کابلی مل کو مجبور کیا کہ اُن بوچڑوں کو جو گائے ذبح کرتے ہیں اُن کے حوالے دے۔ یہ بیچارہ گھبرا گیا۔ سمجھوتہ ہو گیا اور بوچڑوں کو ناک کاٹ کر شہر سے باہر کر دیا گیا۔ احمد شاہ نے واپس جاتے ہوئے یہ سب حال دیکھ لیا۔ اُس نے سکھوں کو کلانور کی طرف بھگا دیا لیکن اور کچھ کئے بغیر

سیدھا واپس چلا گیا۔ اُس کا جانا ہی تھا کہ سکھ سردار پھر لاہور آ پہنچے اور بھنگی سردار لہنا سنگھ اور گجر سنگھ نے باغبانپورہ میں اپنے سپاہیوں کے ساتھ ڈیرے لگا دیئے اور گاؤں کے ارائیوں سلطان۔ غلام رسول۔ اشرف وغیرہ کے ساتھ ملکر جو کہ قلعے میں مالی کا کام کرتے تھے قلعہ لینے کی سازش کی۔ قلعہ کا تھانیدار نند رام پوربیا بھی ساتھ ملا لیا گیا۔ گجر سنگھ پچاس بہادر سپاہیوں کو لے کر آدھی رات قلعہ کی دیوار توڑ کر قلعے کے اندر داخل ہو گیا جس مکان میں احمد شاہ لاہور میں ٹھہرنے کے وقت رہا کرتا تھا اُسے آگ لگا دی گئی۔ لہنا سنگھ کیلئے یہ ایک نشانی تھی جو باہر فوج لیئے ہوئے انتظار کر رہا تھا۔ کابلی مل موجود نہ تھا۔ ساری خالصہ فوج اندر داخل ہو گئی۔ کابلی مل کے بھتیجے امر سنگھ اور اُس کے داماد جگن ناتھ نے تھوڑا بہت مقابلہ کیا لیکن مغلوب ہو گئے اور خالصہ کا جھنڈا قلعے پر لہرانے لگا۔ شہر کے اندر لوٹ مار شروع ہو گئی لیکن ہندو اور مسلمان رئیسوں میں چودھری رُوپا۔ لالہ کشن سنگھ۔ مہاراج سنگھ۔ حافظ قادر بخش اور میر نتھو شاہ کی درخواست پر لوٹ بند کی گئی۔ شہر کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا۔ جنوبی لاہور نیاز بیگ تک سوبھا سنگھ کے سامنے میں آیا۔ کابلی مل کی حویلی اور مشرقی حصہ گوجر سنگھ کے (جس حصے کا نام ابھی تک قلعہ گجر سنگھ ہے) لہنا سنگھ قلعے اور شاہی مسجد پر قابض ہو گیا۔ اس کے بعد دریا جہلم تک سارا علاقہ خالصہ کے قبضے میں آ گیا۔ ۱۷۶۵ء میں سب سکھوں نے امرتسر میں ایک بڑا بھاری گورمتا کیا۔ اُس گورمتا میں اعلان کیا کہ پنجاب میں خالصہ کا راج ہو گیا ہے اور ایک سکہ جاری کیا جس پر یہ حروف لکھے تھے ــ "دیگ و تیگ فتح نصرت بیدرنگ۔ یافت از نانک گورو گوبند سنگھ"

قریباً دو سال امن و آرام میں گذر گئے لیکن ۱۷۶۷ء میں ابدالی نے ایک دفعہ

پھر پنجاب لینے کی کوشش کی لیکن ابدالی اب بوڑھا تھا۔ اُس کی ناک میں ناسور کی بیماری تھی۔ سکھوں نے جہلم اور جمنا کے درمیان اپنا غلبہ جما لیا تھا۔ اُس نے دیکھا کہ وہ اب زور سے پنجاب نہ لے سکتا تھا اس لئے اُس نے صلح کے ساتھ مطلب نکال لینا چاہا۔ سکھ سردار اُس کے آنے پر لاہور سے بھاگ گئے۔ اُس نے لہنا سنگھ کو بلا بھیجا لیکن وہ نہ آیا اگرچہ شہر کے لوگوں نے شاہ کو جا کر بتایا کہ لہنا سنگھ ہندو اور مسلمانوں میں کوئی تمیز نہ کرتا تھا۔ وہ شہر کے قاضی، مفتی، اماموں کی بھی ایسی عزت کرتا تھا جیسی کہ ہندو بزرگوں کی احمد شاہ نے بڑا افسوس کیا کہ لہنا سنگھ جیسا آدمی لاہور سے بھاگ گیا ہے! اور اُسے لاہور کا گورنر مقرر کرنے کی چٹھی لکھی۔ لہنا سنگھ نے یہ کہکر انکار کر دیا۔ اسکو قبول کرنے سے وہ خالصہ کی نظر میں گر جائیگا۔ احمد شاہ نے اُسے پھلوں کا کچھ تحفہ ہی بھیجا تھا۔ لہنا سنگھ نے وہ بھی واپس بھیجدیا اور کہا کہ "پھل بادشاہ لوگوں کا کھانا ہے۔ میں ایک غریب زمیندار ہوں۔ میرے لئے اناج ہی سب سے اچھی خوراک ہے"۔ ابدالی نے دادن خان کو لاہور کا گورنر مقرر کیا۔ شجاع خان کو ملتان کا۔ آلا سنگھ کے بیٹے امر سنگھ کو پٹیالے اور سرہند کے راج پر مستقل کر دیا۔ اُس کے کچھ سپاہی اُس سے باغی ہو کر کابل چلے گئے تھے۔ اُن سے شرارت کے ڈر سے وہ بھی اُن کے پیچھے ہو لیا۔ سکھ اُس کے پیچھے پیچھے چل پڑے اور اُس کا سامان لوٹنے لگ گئے۔ جونہی کہ وہ سندھ پار گیا سکھ سردار چڑت سنگھ نے رہتاس کے قلعے پر قبضہ کر کے ابدالی کے گورنر سرفراز خاں کو باہر نکالدیا۔ تینوں سکھ سردار لاہور پر آ کر پھر قابض ہو گئے اور خالصہ کی حکومت جمنا سے سندھ تک پھیل گئی۔

ابدالی ۱۷۷۳ء میں فوت ہو گیا۔ اُس کی جگہ اُس کا بیٹا تیمور بیٹھا۔

تیمور نے سندھ پر حملہ کیا لیکن پنجاب میں کچھ دخل نہ دیا۔ سہارنپور اور اٹک کا درمیانی علاقہ کچھ سرداروں کے ہاتھ میں تھا۔ یہ سب سردار اپنے اپنے علاقہ کے مالک تھے۔ جنکو مثل کہتے تھے۔ اگرچہ ان میں آپس میں جھگڑے ہوتے رہتے تھے مگر مذہب کے لئے یہ سب ایک ہو جاتے تھے۔ گویا یہ سب ایک مذہبی جمہوریت کے ممبر تھے اور اُن کی حکومت مذہبی قانون کے مطابق تھی۔ ہر سال امرتسر میں اکھٹے ہوتے تھے اور اپنی فتوحات بڑھانے کی تجاویز کرتے تھے۔ مفتوح کئے ہوئے علاقہ پر "راکھی" لگاتے تھے۔ تمام لُوٹ مار کی سرداروں کے درمیان بانٹی جاتی تھی۔ سپاہیوں کو اس مشترکہ فنڈ سے تنخواہ ملتی تھی۔ سب سپاہی جو کچھ وہ لوٹتے تھے اس فنڈ میں جمع کرتے تھے۔ سرداروں کا یہ کام تھا کہ وہ اپنے ماتحت سپاہیوں کا لحاظ رکھیں۔ یہی طریقہ تھا جس سے کہ وہ اُنکو اپنی نوکری میں رکھ سکتے تھے لیکن اُن سپاہیوں کو اختیار تھا کہ وہ ایک سردار کو چھوڑ کر دوسرے کے پاس چلے جائیں۔ سپاہی جو کچھ کرتے تھے۔ لوٹ مار فتح قتل وغیرہ سب کچھ گوبند کے نام پر کرتے تھے پنتھ کا ممبر ہونے کے واسطے ضروری تھا کہ نئے اُمیدوار کو ہتھیار کا استعمال آتا ہو اور جب وہ خالصہ ممبر بننے آتا تھا۔ وہ ایک تلوار اور بھالہ ساتھ لاتا تھا مسلمانوں کی سختی کے دن آ گئے اور وہ گھروں کو چھوڑ کر پناہ کے لئے انگریزی علاقہ میں چلے گئے۔

سکھ لوگ افیم اور بھنگ کا استعمال عام کرتے تھے۔ ان کی کئی قسمیں تھی مالوی اور ماجھیہ اور دوآبہ کے سکھ سرداروں کے مقبوضات کبھی ایک کے اور کبھی دوسرے کے ہاتھ میں تبدیل ہوتے رہتے تھے۔ اُس وقت ٹھیک پنجاب کی پولیٹکل حالت کا بیان ناممکن سا امر ہے لیکن تاہم ان مثلوں کی حکومت

کے نیچے جو کہ مُغل حکومت اور مہاراجہ رنجیت سنگھ کے راج کے درمیان میں پنجاب میں رائج تھی کوئی اچھی خاصیتیں نہیں رکھتی ہے۔ ان مثلوں کا حال بیان کرنے سے پہلے ان کی مشترکہ خواص کو بتا دینا ضروری ہے۔ مثلوں کے وقت میں گاؤں کا انتظام بڑے آدمیوں کی ایک پنچائت کے سپرد ہوتا تھا۔ مجرم کے چھوٹ جانے پر اسے سردار کا شکرانہ ادا کرنا پڑتا تھا۔ سزا ملنے پر زیادہ جرمانہ دینا ہوتا تھا۔ مجرم سے اقبال کرانے یا اس سے روپیہ وصول کرنے کے لئے سخت سزا دی جاتی تھی۔ قاتل کو مقتول کے رشتہ داروں کے سپرد کر دیا جاتا تھا۔ کہ جس طرح چاہیں اس کی جان لے لیں۔ سنجیدہ جرموں کی سزا ہاتھ پاؤں کاٹ دینا۔ ناک کان کاٹ دینا یا آنکھیں نکال دینا ہوتی تھیں۔ بعض اوقات بڑا قصوروار بھی جرمانہ ادا کرنے پر چھوڑ دیا جاتا تھا۔ جب کسی کے ہاں چوری ہو جاتی تھی تو اُس کے مال کا چوتھائی حصہ تھانیدار کو اور دینا ہوتا تھا کہ چور کی تحقیقات کرے۔ جب مجرم ملجاتا تھا تو یا تو وہ مالک کے حوالہ کر دیا جاتا تھا یا بعض حالتوں میں سب مال افسروں کو دے کر معافی پا لیتا تھا۔ وہ مال افسر لوگ آپس میں بانٹ لیتے تھے اور مالک کو کہہ دیا جاتا تھا۔ "آگے کو احتیاط رکھو"۔ مویشی کی چوری میں کھوج لگتا تھا۔ جہانتک کھوج پہنچ جائے۔ اس سے آگے اُس شخص کو سراغ دینا ہوتا تھا۔ جس کی زمین تک کھوج پہنچ جائے ورنہ اُسے قیمت ادا کرنی پڑتی تھی۔ کھیتوں کی حدبندی پر بہت سی لڑائیاں ہوتی تھیں۔ جب اس لڑائی میں کوئی مرجاوے تو اُس کے رشتہ داروں کو شادی میں لڑکی دیکر یا بڑی رقم ادا کر کے صلح کروائی جاتی تھی۔ زمین کا لگان جنس میں لیا جاتا تھا۔ اناج کی حالت میں آدھا سردار کا اور آدھا مزارعہ کا ہوتا تھا۔ باقی پیداوار یعنی گنا۔ روئی۔ پوست نیل پہ نقد لیا جاتا

تھا۔ سوداگری کا مال گذارنے پر سردار لوگ بہت سا ٹیکس وصول کرتے تھے جموں، سری نگر اور نادون کے ساتھ شال کی تجارت ہوتی تھی۔ سوداگر لوگ سخت سے سخت پہاڑی راستہ اختیار کرتے تھے تاکہ اُن کو سکھ سرداروں کے علاقہ سے گزرنا نہ پڑے۔ اگر کوئی آدمی لگان نہ ادا کرکے دوسرے سردار کے علاقہ میں بھاگ جاتا تھا تو وہ سردار عموماً اسے واپس کرنے سے انکار کر دیتا تھا۔ بیگار کا دستور عام تھا اور اس کا بوجھ غریبوں پر عام پڑتا تھا۔ اُس وقت ستی کا رواج بھی تھا۔ لیکن اس کے لئے کوئی زبردستی نہ کی جاتی تھی۔ عام رواج کے مطابق عورتیں بیوہ کے گرد جمع ہو جاتی تھیں اور ایک دفعہ اُس کے مُنہ سے کہلوا لینا کافی سمجھا جاتا تھا۔

مثلوں کی قائمی

تیس سال کی جد وجہد میں ہم نے دیکھا کہ کس طرح آہستہ آہستہ سکھ سرداروں کا غلبہ بڑھتے بڑھتے سِکھ پنجاب کی ساری سرزمین کے مالک بن گئے۔ اس جد وجہد کا قدرتی نتیجہ یہ ہُوا کہ ان سکھوں کے بارہ بڑے بڑے گروہ بن گئے جنکے اپنے اپنے علیحدہ علیحدہ صدر مقام تھے اور اُن کا اپنا اپنا لیڈر یعنی سردار ہوتا تھا۔ ان بارہ سرداروں میں کوئی بڑا یا چھوٹا نہ تھا سب برابر تھے۔ اس لئے اُن کو بارہ مثلیں کہا جاتا ہے۔ ہم کو اب ان بارہ مثلوں کی علیحدہ علیحدہ ترقی کا ذکر کرنا ہے لیکن اس سے پیشتر ہمیں دو باتوں کو اچھی طرح سے سمجھ لینا چاہیئے۔ اوّل تو یہ کہ ان میں اور گورو گوبند یا بیراگی بیر کے اندولن میں کیا تمیز تھی اور دوسرے یہ کہ ان سرداروں کی حکومت کی بنیادیں کیا اصول کام کرتا تھا۔ گورو گوبند کی تحریک میں بڑا اصول ہندو دہرم اور قوم کی حفاظت تھا۔ ہندوؤں پر صدیوں سے ظلم ہوتا تھا۔ اس ظلم سے اُن کو بچانے کا خیال گورو نانک کے دل میں پیدا ہُوا۔ گورو نانک نے جس کام کو

پرچار اور ایشور کی بھگتی سے شروع کیا اُس کی تکمیل گورو ہرگوبند۔ نے کی۔ گورو ارجن اور گورو تیغ بہادر نے اسکو پورا کرنے کے واسطے ہی اپنی جانیں نثار کیں۔ اورنگ زیب کی بادشاہت کے برخلاف گورو گوبند سنگھ کا اعلان آزادی۔ اس کام کے راستہ میں ایک بڑا ابھاری قدم تھا۔ بیراگی ہیرنے جو کچھہ کیا گورو گوبند سنگھ کی مرضی اور اجازت سے کیا۔ دہرم کی حفاظت اور آزادی کی خواہش کے ساتھ ساتھ گورو گوبند سنگھ کے دل میں انتقام کے خیال کا ایک جزو بھی پایا جاتا تھا۔ بیراگی نے اس انتقام کے خیال کو ایک اور عملی صورت دیدی۔ بیراگی انتقام کا دیوتا تھا۔ جس نے گورو گوبند سنگھ کے دل کی خواہش کو پورا کیا۔ بیراگی کا کام گوروؤں کے کام کا ایک حصہ تھا لیکن بیراگی کی موت میں اس کام کے خاتمہ تک آجاتے ہیں۔

جو جد وجہد بیراگی کی موت کے چند سال بعد شروع ہوئی۔ اس میں پُرانی روایتوں کا ذکر ضرور پایا جاتا ہے۔ لیکن اس کا سپرٹ بالکل ایک نیا سپرٹ ہے۔ اس میں ایشور کا خواہش یا دہرم کی حفاظت کا خیال دوسرے درجہ پر ہو جاتا ہے لوزاتی غلبہ کی خواہش کا پہلا درجہ لیتی ہیں۔ گوروؤں کی تحریک کا معراج بھی مسلمانی حکومت کو تباہ کرنا تھا لیکن وہ دہرم کی حفاظت کے لیئے ایسا کرنا چاہتے تھے۔ خالصہ کے جد وجہد کا بھی مدعا یہی تھا۔ اور یہ بھی درست ہے کہ خالصہ سردار دہرم اور کمزوروں کی حفاظت کا بھی خیال رکھتے تھے لیکن جو طریقہ انہوں نے اختیار کیا اس کے لئے یہ ضروری تھا کہ وہ اپنی طاقت کا بڑھانا۔ اپنا خاص مدعا بنالیں۔

دوسری بات سمجھنے کے لئے اتنا بتادینا ضروری ہے کہ ایسی حکومت کا خیال جس میں لوگوں کی حکومت لوگوں کی طرف سے ہو اور لوگوں کے فائدے

ہو۔ بالکل نیا اور اس زمانے کا ہے۔ پرانے زمانے میں جمہوری حکومتیں تھیں لیکن اُن کی جمہوریت اپنے اپنے شہر یا قصبہ تک ہی محدود تھی۔ سارے ملک میں جمہوریت یا قومیت کا مادہ اِن معنوں میں پایا نہ جاتا تھا۔ ملک جب کبھی ایک ہوئے تو انہوں نے ہمیشہ کسی بڑے بادشاہ کی سلطنت کے نیچے آکر متحدہ صورت اختیار کی اور یہ ملکی اتحاد شخصی آزادی کو بالکل تباہ کرنے والا ثابت ہوا۔ موجودہ زمانے میں علوم کی مختلف شاخوں میں ایک غیر معمولی ترقی کی بدولت یہ ممکن ہوا۔ ایک بڑی سے بڑی قوم بھی اپنی گورنمنٹ کا انتظام اس طرح کر سکتی ہے کہ ہر ایک شخص کی آزادی اور حقوق محفوظ ہوں جس زمانے کی بابت ہم لکھ رہے ہیں اُس وقت لوگوں کے دلوں میں اپنے پولیٹکل حقوق کا اتنا خیال پیدا ہونا ہی ناممکن تھا۔ اُس حالت میں جب خالصہ نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ مغل حکومت کی تباہی کے درپے ہو جائیں تو انہیں قدرتی طور پر یہ بھی سوچنا ضروری تھا کہ ایک حکومت کو تباہ کر کے اُس کی جگہ وہ کس حکومت کو قائم کریں گے۔ اُس وقت عام دستور یہ تھا کہ جو کوئی منچلا لیڈر کسی غرض کو سامنے رکھ کر کچھ ساتھیوں کو اپنے ساتھ اکٹھا کر لیتا تھا۔ اُس کے پاس یہ مجموعی طاقت ایک ایسا ذریعہ بن جاتا تھا جس سے وہ گاؤں اور قصبوں سے خراج وصول کر کے انہیں اطاعت پر راضی کر لیتا تھا۔ یہی اُس کی حکومت کی بنیاد ہو جاتی تھی۔ اسی بنیاد پر وہ اپنی ہمت اور دلیری سے آگے ترقی کرنا شروع کر دیتا تھا۔ یہ غرض عام طور پر دوسروں پر اپنا غلبہ اور لوٹ مار ہوتی تھی۔ لوٹ مار سے روپیہ وصول ہوتا تھا۔ اُس روپے سے اُسکے ساتھیوں کی تعداد بڑھتی جاتی تھی۔ سکھ سرداروں نے اپنے سامنے دیکھا کہ تاتار کے گڈریے لوٹ مار کرتے کرتے چند سالوں میں شہنشاہ بن گئے۔ اُنہوں نے دیکھا کہ اُن کے اپنے ملک میں کئی دل چلے جوانوں نے لوٹ مار شروع کی۔ مرہٹے نواب راجے

اور سلطنتوں کے بانی بن گئے۔ وہ بھی اس نتیجے پر پہنچے کہ اُن کی مثال کی پیروی کر کے وہ اپنی حکومت قائم کر سکیں گے۔ مغلوں کے وقت سارے ملک میں مسلمانوں کا راج تھا۔ راجپوتوں نے یہ کوشش کی تھی کہ ملک میں راجپوتی راج قائم رہے۔ مرہٹوں نے جب اپنی طاقت قائم کی تو اُن کے دلوں میں یہ خیال کام کرتا تھا کہ سب جگہ مرہٹوں کا راج ہو۔ اسی طرح سکھوں کو یہ خواہش ہوئی کہ پنجاب اور اُس کے باہر خالصہ کا راج ہو۔ ان میں سے کسی کے اندر یہ خیال نہ تھا کہ ملک کی حکومت نہ مسلمانوں کی ہونی چاہیے نہ مرہٹوں کی نہ راجپوتوں کی اور نہ سکھوں کی بلکہ اصلی سوراج تو ہوگا جس میں لوگوں کی حکومت اُن کے اپنے ہاتھ میں ہوگی۔ اس کے بعد ہم ایک ایک کر کے ان مثلوں کا مختصر حال بیان کرتے ہیں۔

۱۔ بھنگی مثل

امرتسر سے آٹھ میل کے فاصلے پر پنجوار کا ایک جاٹ چھجا سنگھ تھا۔ [redacted]۔ اس کے بعد اُس نے بھیم سنگھ، مالا سنگھ اور جگت سنگھ کو سکھ بنایا۔ ان تینوں نے ملکر لوٹ مار شروع کر دی اور بعد میں کئی اور جاٹ سکھ بنکر اُن میں شامل ہو گئے۔ اُنہوں نے گاؤں گاؤں پر چھاپہ مار کر مال جمع کرنا شروع کیا۔ اُن کی تعداد بہت بڑھ گئی۔ یہ سب لوگ بھنگ بہت پیا کرتے تھے۔ اس لئے ان کی مثل کا نام بھنگی مثل پڑ گیا۔ چھجا سنگھ کے بعد بھیم سنگھ نے مثل کو باقاعدہ ترتیب دی اور ابدالی کے چلے جانے کے بعد اپنے آپ کو اُس کا سردار بنا لیا۔ بھیم سنگھ کے مر جانے کے بعد اُس کا بھتیجا اُس کی جگہ بیٹھا۔ اُس کے وقت میں اُس کے پاس اتنے ڈاکو اکٹھے ہو گئے کہ اُس کی مثل سب سے زیادہ دولتمند بن گئی اور اُس کے ممبروں کی تعداد بیس ہزار تک جا پہنچی۔ اُن کا ڈیرہ گلوالی میں تھا۔ ہری سنگھ کے وقت میں اس

مثل کی حدود بہت بڑھ گئی۔ ایک طرف سیالکوٹ۔ گجرات اور میرووال انکے قبضے میں آ گئے۔ ماجھا اور مالوہ پر بھی اِن کا قبضہ تھا۔ چنیوٹ جھنگ تک اور دوسری طرف پنڈی اور ڈیرہ جات تک حملہ کر کے لوٹ مار کرتے رہے۔ جموں پر بھی لوٹ مار کی اور بارہ ہزار سوار لیکر کشمیر میں بھی جا گھسے۔ لیکن اس مہم میں کامیابی نہ ہوئی۔ ۱۷۶۲ء میں لاہور سے دو میل تک کوٹ خواجہ سعید میں بہت سا میگزین اور سامان ان کے ہاتھ آیا۔ اگلے سال ہری سنگھ نے کنہیا اور رام گڑھیا مثلوں کے ساتھ مل کر قصور میں لوٹ مار کی۔ اس کے بعد وہ امر سنگھ کے ساتھ لڑتا ہوا مارا گیا۔

جھنڈا سنگھ ۱۷۶۶ء میں سردار بنا۔ اُس نے تین بار ملتان پر چڑھائی کی۔ ۱۷۶۶ء میں اور ۱۷۶۷ء میں اُسے کامیابی نہ ہوئی لیکن ۱۷۷۲ء میں دوسرے سرداروں اور لہنا سنگھ کو ساتھ لیکر اُس نے ملتان فتح کر لیا اور اپنے ایک سردار دیوان سنگھ کو وہاں کا قلعہ دار مقرر کیا۔ ملتان سے واپس آتے ہوئے اُس نے جھنگ۔ مان کھیڑہ اور کالا باغ فتح کئے۔ اِس سے پہلے قصور بھی اُس کے قبضہ میں آگیا تھا۔ اُس نے امرتسر میں اینٹوں کا ایک قلعہ بنوایا جس کے کھنڈرات اب بھی لُون منڈی کے پیچھے پائے جاتے ہیں۔ اِس کے بعد رام نگر پر حملہ کر کے دمدمہ توپ حاصل کی جو کہ بھنگی توپ کے نام سے مشہور ہے۔ اتنے میں جموں کے راجہ رنجیت دیو اور اُس کے بیٹے برج راجدیو کے درمیان جھگڑا ہو گیا۔ کنہیا مثل کے سردار جے سنگھ اور شکر چکیا مثل کے سردار چڑہت سنگھ بیٹے کی امداد کو گئے۔ جھنڈا سنگھ ان کے برخلاف تھا۔ کئی روز تک لڑائی ہوتی رہی۔ چڑہت سنگھ اپنی بندوق کے پھٹنے سے مر گیا۔ جھنڈا سنگھ کو ایک مذہبی سکھ نے گولی کا نشانہ بنا دیا۔ اِس لئے جے سنگھ

قدرتی طور پر جیت گیا۔

گنڈا سنگھ

جھنڈا سنگھ کے بعد اُس کا بھائی گنڈا سنگھ سردار بنا۔ اُس نے امرتسر کے بازاروں کو خوب آراستہ کیا اور قلعہ کی دیواروں کو مضبوط کیا۔ اُس کے دل میں جے سنگھ کے برخلاف بدلہ لینے کا خیال تھا۔ اُس کو کنہیا مثل کے ساتھ لڑائی کا موقعہ ایک اور وجہ سے مل گیا۔ اُس کا ایک سردار جو پٹھانکوٹ کا افسر تھا مر گیا۔ اُس کی عورت نے اپنی لڑکی کنہیا کو دے دی اور پٹھانکوٹ بھی دیدیا۔ گنڈا سنگھ نے پٹھانکوٹ واپس مانگا۔ اور انکار ہونے پر چڑھائی کر دی۔ دینانگر میں کئی دن لڑائی ہوئی جس میں گنڈا سنگھ بیمار ہو کر مر گیا۔ اُس کی جگہ اُس کا بھتیجا چڑہت سنگھ سردار بنا۔ وہ بھی ایک لڑائی میں مارا گیا۔ اُس کے ساتھی پٹھانکوٹ چھوڑ کر بھاگ گئے اور اُنہوں نے گنڈا سنگھ کے بیٹے دیسا سنگھ کو اپنا سردار مقرر کیا۔ اِس کے وقت میں تیمور شاہ نے پنجاب واپس لینے کا ارادہ کیا۔ اُس نے فیض اللہ خاں کو فوج جمع کرنے کے لیئے روانہ کیا۔ فیض اللہ خاں نے خیبر میں پٹھان جمع کیئے مگر پشاور پہنچکر بادشاہ کے برخلاف ہو گیا اور اُسے قتل کرنے کی سازش کی لیکن وہ اور اُس کا بیٹا دونو پکڑے گئے اور قتل کر دیئے گئے۔

تیمور شاہ نے ملتان پر اپنی فوج روانہ کی جسے سکھوں نے پیچھے بھگایا ۱۷۷۹ء میں شاہ خود ملتان پر چڑھ آیا۔ ایک لڑائی میں بہت سکھ مارے گئے اور اُنہیں شکست ہوئی۔ بادشاہ نے شجاع خاں کو ملتان کا گورنر مقرر کیا اور بہاولپور اور سندھ فتح کر کے لوٹ گیا ۱۷۸۲ء میں دیسا سنگھ نے چنیوٹ پر چڑھائی کی اور چڑہت سنگھ کے بیٹے مہاں سنگھ کے ساتھ لڑائی میں مارا گیا۔

گوجر سنگھ۔ سردار ہری سنگھ کا ایک جرنیل گوربخش سنگھ تھا اس نے

لہنا سنگھ سندھانوالیہ کو اپنا متبنیٰ بنایا۔ گوربخش سنگھ کے مرجانے پر لہنا سنگھ اور گوربخش سنگھ کے دو بیٹے میں جھگڑا ہوا مگر آدھی بانٹ پر صلح ہوگئی۔ ان دونوں نے سردار سوبھا سنگھ کنہیا کے ساتھ ملکر ۱۷۶۵ء میں کابلی مل کے بھاگ جانے پر لاہور پر قبضہ کرلیا تھا۔ اور ابدالی کے آنے پر تینوں سردار لاہور خالی کر گئے۔ اس کے چلے جانے پر لوٹ آئے۔ اور تیس سال تک لاہور پر حکومت کرتے رہے۔ ۱۷۹۳ء میں شاہ زماں فوج لے کر پنجاب کی طرف آیا لیکن اُس کے بھائی محمود نے ہرات میں بغاوت کردی اور اُسے واپس ہونا پڑا اور اُس کے جرنیل احمد خاں کو سکھوں نے شکست دیکر بھگا دیا۔ ۱۷۹۵ء میں شاہ زمان دوسری بار آیا۔ حسن ابدال میں اُسے ایران کی طرف سے حملہ کی خبر ملی اور پھر اُسے واپس جانا پڑا۔ ۱۷۹۶ء میں تیسری بار آیا۔ اس بار مسلمان شاہزادوں نے سکھوں سے تنگ آکر اُس کے پاس قاصد روانہ کئے کہ وہ حملہ کرکے ملک کو آزاد کرے۔ چناب گذر کر ایمن آباد کے راستے راوی کے کنارے شاہدرہ پہنچ کر اپنا ایک جرنیل لاہور روانہ کیا۔ سکھ سردار لاہور کے قلعے کی چابیاں میاں شاہ چراغ کے حوالے کرکے باہر چلے گئے۔ شاہ زمان لاہور میں داخل ہوا۔ تین رات شہر میں روشنی کی گئی۔ جن ہندوؤں نے روشنی نہ کی اُن پر جرمانہ لگایا گیا۔ بادشاہ نے سکھوں کے برخلاف سب اطراف میں سپاہی روانہ کئے۔ شاہ زمان سکھوں کو راضی کرنا چاہتا تھا۔ بہتیرے سکھ سردار اطاعت پر راضی ہوگئے۔ شاہ زمان سندھیا، ٹیپو اور روہیلے پٹھانوں سے پیغام رسانی کرتا تھا کہ اُسے ہرات میں اپنے بھائی محمود کی بغاوت کی خبر ملی اور وہ واپس چلا گیا۔ لہنا سنگھ اور سوبھا سنگھ نے پھر لاہور پر قبضہ کرلیا لیکن اسی سال وہ دونو مر گئے۔ اُن کے بیٹے چیت سنگھ اور موہر سنگھ جو لاہور کے حکمران بنے

بہت کمزور تھے۔ سُکرچکیا سردار رنجیت سنگھ نے دوسرے بھنگی سرداروں سے خفیہ مشورہ کر کے لاہور لینے کا ارادہ کر لیا۔ نواں کوٹ کا چودھری محکم الدین جو چیت سنگھ کا بڑا مرضی دان تھا۔ اُسے رنجیت سنگھ کے مقابلے پر جانے سے روکتا رہا۔ رنجیت سنگھ انارکلی تک آگیا۔ لوہاری دروازہ اُس کے لئے کھول دیا گیا۔ چیت سنگھ اور موہر سنگھ لاہور چھوڑ کر بھاگ گئے۔ ۱۷۹۹ء میں رنجیت سنگھ لاہور کا مالک بن گیا۔

دیسا سنگھ کی موت پر اُس کا بیٹا گلاب سنگھ سردار بنا۔ گلاب سنگھ پہلے کچھ عرصے تک قصور کے خانوں کے برخلاف لڑائی کرتا رہا۔ پھر اُن کے ساتھ شامل کر کے رنجیت سنگھ کے برخلاف ایک سازش کی۔ بھسین کے مقام پر ایک لڑائی ہوئی جس میں رنجیت سنگھ نے سب پر فتح پائی۔ گلاب سنگھ کے بعد اُس کا بیٹا گوردت سنگھ سردار بنا۔ اُس کی عمر صرف دس برس کی تھی۔ رنجیت سنگھ نے اُس سے توپ مانگی۔ اُس کے انکار کرنے پر رنجیت سنگھ نے اُس پر حملہ کر دیا۔ گوردت سنگھ اور اُس کی ماں رام گڑھ کو بھاگ گئے اور رنجیت سنگھ نے اُن کے سب مال و اسباب پر قبضہ کر لیا۔

لاہور لینے کے بعد گوجر سنگھ نے شمال کی طرف علاقہ فتح کرنا شروع کیا تھا۔ اُس وقت گجرات مبارک خاں گکھڑ کے قبضے میں تھا۔ گوجر سنگھ نے پہلے گجرات لیا۔ دوسرے سال جموں اور کئی اور قصبے فتح کئے۔ ابدالی کے آنے پر وہ فیروزپور کو چلا آیا اور جب ابدالی واپس چلا گیا تو اُس نے پھر جا کر گکھڑوں سے رہتاس کو فتح کیا۔ اس فتح میں سُکرچکیاں سردار چڑہت سنگھ اُس کے ساتھ تھا۔ چڑہت سنگھ نے اپنی لڑکی کی

شادی اُس کے بیٹے صاحب سنگھ سے کردی ۔ اُس کے دو اور بیٹے تھے ۔
اِن کے درمیان جھگڑے ہو جانے پر وہ لاہور چلا آیا اور ۱۷۹۸ء میں مرگیا ۔
اگلے سال صاحب سنگھ اور اُس کا سالہ جہاں سنگھ آپس میں لڑ پڑے ۔
سوہدرہ کی لڑائی میں جہاں سنگھ بیمار ہو گیا ۔ اُس کا مہاوت ہاتھی کو میدان
سے ہٹا لایا ۔ جہاں سنگھ گوجرانوالہ میں پہنچکر تیسرے دن اِس جہاں سے
چلدیا ۔ ۱۷۹۸ء میں جب شاہ زمان چوتھی بار لاہور آیا تھا تو صاحب سنگھ
لاہور سے باہر چلا گیا ۔ اِس دفعہ شاہ زمان کی پالیسی بہت نرم تھی ۔ واپس
جاتے ہوئے وہ شاہنچی خاں کو لاہور میں اپنا قائمقام چھوڑ گیا ۔ شاہنچی خاں
نے سُنا کہ بہت سے سکھ رام نگر میں جمع ہوئے ہیں ۔ وہ وہاں گیا مگر اُسے
پیچھے ہٹنا پڑا ۔ گجرات کے مقام پر ایک لڑائی ہوئی جس میں شاہنچی خاں مارا گیا
یہ خبر سُنکر شاہ زمان پنجاب کو آرہا تھا مگر پشاور سے اُسے واپس جانا پڑا ۔
اِس سے پہلے واپس جاتے ہوئے جہلم میں طوفان ہونے کی وجہ سے شاہ زمان
کا توپخانہ دریا میں رہ گیا تھا ۔ اُس نے رنجیت سنگھ سے کہلا بھیجا تھا کہ وہ
اُسے نکلوا کر کابل بھجوا دے ۔ رنجیت سنگھ نے بارہ میں سے آٹھ ڈوبی
ہوئی توپیں نکلوا کر کابل پہنچا دیں ۔ شاہ زمان نے کابل پہنچکر پنجاب کی حکومت
رنجیت سنگھ کے نام لکھ دی ۔ باقی کی چار توپیں رنجیت سنگھ نے ۱۸۲۳ء
میں نکلوا کر لاہور رکھ لیں ۔ بھنگی سردار صاحب سنگھ جو گجرات میں رہتا تھا ۔
بدمعاشی میں پڑ گیا ۔ رنجیت سنگھ نے اُس کے تمام مقبوضات پر قبضہ کر لیا ۔
اور ۱۸۱۱ء میں صاحب سنگھ کے مر جانے پر رنجیت سنگھ نے اُس کی
دو نو بیوہ عورتوں سے شادی کر لی ۔ اِن میں سے دیا کور کا پشاورا سنگھ اور
رتن کور کا ملتان سنگھ بیٹے تھے جنکا حال ہم آگے چلکر پڑھیں گے ۔

۲۔ رام گڑھیا مثل

گوگا کا ایک جاٹ خوشحال سنگھ [illegible] بن گیا
اور ڈاکے ڈالنے شروع کر دیئے۔ اسکی شہرت
بہت بڑھ گئی اور اُس کے ساتھیوں کی تعداد اتنی ہو گئی کہ اُس نے رام گڑھیا
نام سے ایک مثل قائم کر دی۔ اُس کی موت پر نود سنگھ اُس کا جانشین ہوا اُسکے
تین ساتھی جسا سنگھ مالا سنگھ اور تارا سنگھ بڑے بہادر اور دلیر تھے۔ یہ تینوں
بھائی تھے اور ذات کے ترکھان تھے۔ جسا سنگھ بڑا بہادر افسر بن گیا۔ اُس نے
ابدالی کے برخلاف ادینہ بیگ کی مدد کی۔ جب ادینہ بیگ بھاگ گیا تو جسا سنگھ
کنہیا مثل کے ساتھ مل گیا۔ احمد شاہ کے چلے جانے پر ۱۷۵۸ء میں ادینہ بیگ
آیا اور اُس نے سکھوں کو تباہ کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ اِس وقت مرہٹوں
نے پنجاب پر حملہ کر کے ادینہ بیگ کو یہاں کا گورنر بنایا تھا۔ اُس نے میر
عزیز بخش کو چار ہزار سوار دے کر جنگلوں میں چھپے ہوئے سکھوں کے برخلاف
بھیجا۔ سکھ رام راؤنی قلعے کے اندر جمع ہو گئے۔ رات کو چھاپا مار کر دشمن کو
کمزور کرتے تھے۔ ایک رات قلعے سے نکل کر بھاگ گئے اور جسا سنگھ نے
امرتسر اور گورداس پور کے ضلعوں میں تمام گاؤں سے لگان وصول کرنا
شروع کیا۔ نود سنگھ کے مر جانے پر جسا سنگھ اِس مثل کا سردار بن گیا اور کنہیا
مثل کے ساتھ مل کر خواجہ اُبید کا مقابلہ کرتا رہا۔ احمد شاہ کے آنے پر چھپ گئے
اور اُس کے چلے جانے پر بٹالہ اور کلانور پر قبضہ کر کے جسا سنگھ نے اپنے
دو نو بھائیوں کو دیدیئے لیکن جے سنگھ اور جسا سنگھ کے درمیان لگان کی
تقسیم کے بارے میں جھگڑا ہو گیا اِس وجہ سے بٹالہ اور کلانور اُس کے ہاتھوں
سے نکل گئے۔ لڑائی جاری ہو گئی۔ جسا سنگھ نے بٹالہ تو لے لیا مگر کلانور
میں اُسے ایسی شکست ہوئی کہ وہ ستلج پار بھاگ گیا اور حصار میں اپنا قیام

جما کر دہلی تک لوٹ مار مچادی۔ جب بعد میں کنہیا اور سکھر چکیا مثلوں میں لڑائی ہوئی تو سکھر چکیا سرداروں نے جسا سنگھ کو مدد کے لیئے بلا بھیجا۔ اُس نے آگر اپنے تمام مقبوضات کنہیا مثل سے واپس لے لیئے۔ ۱۸۰۸ء میں مہاراج رنجیت سنگھ نے اُنکا سب علاقہ لے لیا اور جسا سنگھ کو پنشن دیدی۔ ۱۸۱۶ء میں وہ مر گیا۔

۳۔ کنہیا مثل

لاہور سے پندرہ میل کے فاصلے پر کانے کا رہنے والا ایک جے سنگھ تھا جس نے کپور سنگھ فیضل پوریہ سے پاہل لی تھی۔ جلدی اُسے چھوڑ کر وہ امر سنگھ ڈاکو کے ساتھ شامل ہوا۔ وہ اور اُس کے ساتھی لوٹ مار میں اتنے مشہور ہوئے کہ اُس نے ایک نئی مثل قائم کرلی۔ ۱۷۶۳ء میں احمد شاہ کے چلے جانے پر اُس نے قصور کو لوٹا اور وہاں سے بہت سا سونا اور جواہرات حاصل کیئے۔ پہلے پہل جے سنگھ جسا سنگھ رام گڑھیا کے ساتھ ملکر کام کرتا تھا لیکن بعد میں وہ جسا سنگھ کلال کے ساتھ شامل ہوگیا اور دونوں نے ملکر رام گڑھیا کو بھگادیا۔ بعد ازاں اُس نے سرہند پر حملہ کر کے نورپور، نکیریاں اور دوسرے کئی قصبے فتح کیئے۔ گھنوچ کا راجہ سنسار چند کانگڑہ لینا چاہتا تھا اُس نے جے سنگھ کو مدد کے لیئے بلا بھیجا۔ جے سنگھ نے کانگڑہ کا قلعہ فتح کر کے اُسے اپنے قبضے میں کرلیا اور ارد گرد کے راجوں سے خراج وصول کرنے لگا۔ اُس کا ایک نائب جیمل سنگھ کلانور میں بڑا مشہور ہوگیا جس نے بعد ازاں اپنی لڑکی چاند کور کی شادی رنجیت سنگھ کے لڑکے کھڑک سنگھ کے ساتھ کی۔

جے سنگھ کا پنجاب میں بڑا رعب تھا۔ پہلے پہل وہ سکھر چکیا سردار مہاں سنگھ کو مدد دیتا رہا لیکن جموں کے لوٹ کے حصے پر اُس سے ناراض ہوگیا

جب مہاں سنگھ کو جے سنگھ سے مقابلہ کرنا پڑا تو ایک تو اُس نے جسا سنگھ رام گڑھیا کو بُلا بھیجا اور دوسرا راجہ سنسار چند کی مدد ڈھونڈی۔ بٹالہ کے پاس اچل میں ایک لڑائی ہوئی جس میں جے سنگھ کے بیٹے گوربخش سنگھ نے بڑی بہادری دکھلائی مگر ایک تیر لگنے سے وہ مرگیا۔ اور اُس کی عورت سداکور کو سنگھ کے پاؤں بھاگنا پڑا۔ مہاں سنگھ اور جسا سنگھ کو فتح ہوئی جسا سنگھ رام گڑھیا نے اپنا سارا علاقہ واپس لے لیا۔ جے سنگھ پٹھانکوٹ بھاگ گیا راجہ سنسار چند نے جے سنگھ کے پہاڑی علاقے پر حملہ کیا۔ اٹل گڑھ کے قلعے میں جے سنگھ کی ایک غلام لڑکی نے جس کا نام دھم تھا۔ بڑی بہادری سے مقابلہ کیا اور قلعے کو بچائے رکھا۔ تین سال تک جنگ ہوتی رہی۔ جب سداکور نے اس لڑائی کو ختم کرنے کی ایک ترکیب نکالی وہ جوالا مکھی کو گئی۔ وہاں مہاں سنگھ کی عورت راج کور رہی تھی۔ وہاں پر اُس نے اپنی لڑکی کی سگائی رنجیت کے ساتھ کر دی۔ اس کے بعد یہ فیصلہ ہوا کہ جے سنگھ کوٹ کانگڑہ اور سنسار چند حاجی پور اور مکیریاں خالی کر دے۔ سنہ ۱۷۹۶ء میں بٹالہ میں رنجیت سنگھ اور جے سنگھ کی پوتی مہتاب کور کی شادی بڑی دھوم دھام سے ہوئی۔ جے سنگھ ۱۷۹۸ء میں مرگیا۔ اس کے دو بیٹے ندھان سنگھ اور بھاگ سنگھ کسی کام کے نہ تھے۔ سداکور بٹالے میں حکومت کرتی رہی۔ ۱۸۰۰ء میں اسکے مرجانے پر رنجیت سنگھ نے کنہیا مثل کو اپنے قبضے میں کرلیا اور کنہیا سرداروں کو کچھ گاؤں جاگیر میں دیدیئے۔

۴۔ نکئی مثل اس مثل کا بانی ایک جاٹ ہیرا سنگھ تھا جو موضع بھروال کے جاٹ چودھری ہیم راج کا لڑکا تھا۔ اُن کا علاقہ لاہور کے جنوب مغرب میں نکّا کہلاتا تھا۔ ہیرا اور اُسکا کنبہ اتنے غریب تھے کہ

اُنہیں کئی دن بھوکا رہنا پڑتا تھا۔ سکھوں کی ترقی دیکھ کر اُس نے بھی پاہل لے لیا اور ڈاکہ ڈالنا شروع کر دیا۔ اُس کے ساتھی بڑھنے لگ گئے اور اُس نے گاؤں سے لوٹ اور خراج وصول کرنا شروع کر دیا۔ اُسے یہ خبر ملی کہ پاک پٹن میں گائے ماری جاتی تھی سنتے ہی اُس نے پاکپٹن پر حملہ کر دیا۔ لڑائی میں اُسے گولی لگی اور وہ مر گیا۔ اُس کا بھتیجا نہر سنگھ اُس کی جگہ سردار بنا۔ تو ماہ کے بعد کوٹ کمالیہ کی لڑائی میں وہ بھی مارا گیا۔ اُس کی جگہ اُس کا بھائی رن سنگھ ہُوا۔ وہ بڑا زبردست سردار تھا۔ اُس کے نیچے چونیاں۔ شرقپور۔ منٹگمری گوگیرہ وغیرہ نو لاکھ کا علاقہ تھا۔ اُس نے سعید والا کا کمار سنگھ فتح کیا اور سنہ ۱۷۸۱ء میں مر گیا۔ اُس کی جگہ بھگوان سنگھ جانشین ہوا۔ اس نے اپنی بہن راجکور کی شادی رنجیت سنگھ سے کر دی۔ وہ بھی سعید والا کی لڑائی میں مارا گیا۔ اُس کا بھائی گیان سنگھ اُس کی جگہ سردار بنا جو سنہ ۱۸۰۲ء میں مرا۔ رنجیت سنگھ نے اُس کے بیٹے کاہن سنگھ کو پندرہ ہزار کی جاگیر دیکر مثل کو اپنے قبضے میں کر لیا۔

۵۔ آہلو والیہ

لاہور سے پانچ کوس آہلو گاؤں میں ایک کلال سداؤ سنگھ رہتا تھا۔ اُس کے تین بیٹے تھے اور بڑے بیٹے کی اولاد میں بھی تین بیٹے ہوئے۔ اُن میں سے بدر سنگھ بھاگو کی بہن سے بیاہا تھا

بھاگو ایک بہت غریب شخص تھا۔ اپنا کاروبار لاہور کے پاس مُغل پورہ محلہ میں لے آیا۔ وہاں سے فیضل پور میں گیا جہاں کپور سنگھ نے اُسے پاہل دی اور ڈاکوؤں کا مشہور سردار بن گیا۔ سنہ ۱۷۱۸ء میں اُس کی بہن کا ایک لڑکا جسا سنگھ پیدا ہُوا۔ اُس کا باپ مر جانے سے وہ اور اُس کی ماں بھاگ سنگھ (بھاگو) کے پاس رہنے لگے۔ ایک دفعہ کپور سنگھ وہاں گیا اور لڑکے کو دیکھ کر اتنا

خوش ہُوا کہ اُسے اپنا بیٹا بنا لیا ۔ بھاگ سنگھ ایک لڑائی میں مارا گیا جسّا سنگھ اُس کی جگہ سردار بن گیا اور اُس کی شہرت بڑھنے لگی ۔ وہ اپنے آپ کو جیسلمیر کے راجپوت خاندان سے کہتا تھا اگرچہ اُس کا کُنبہ کلال کا کام کرنے لگ گئے تھے ۔ یہ شخص کپور تھلہ کی ریاست کا بانی ہُوا ۔

نادر شاہ کے چلے جانے پر اُس نے دلّی والی میں ایک قلعہ بنایا اور ۱۷۴۳ء میں دیوان لکھپت رائے کو جو امین آباد سے خزانہ لے جا رہا تھا قتل کر ڈالا اور خزانہ لُوٹ لیا ۔ لاہور کے صُوبہ دار نے ادینہ بیگ کو جالندھر لکھا کہ سکھوں کو اِس کی سزا دے ۔ ادینہ بیگ نے سینکڑوں سکھ پکڑ کر لاہور روانہ کیے جو سب کے سب نقاش خانہ (شہید گنج) میں قتل کئے گئے ۔ جسّا سنگھ نے ستلج سے واپس آکر لُوٹ مار شروع کی ۱۷۴۷ء میں احمد شاہ ابدالی نے سرہند کے پاس سکھوں کو ایک شکست دی ۔ احمد شاہ کے چلے جانے پر جسّا سنگھ نے ہوشیار پور میں میر مُنّو کے نائب راجہ گوروت مل پر حملہ کیا مگر اُسے کچھ کامیابی نہ ہوئی ۔ جب شاہ نواز دہلی کی طرف سے گورنر مقرر ہو کر مُلتان آیا تو جسّا سنگھ نے میر مُنّو کے دیوان کوڑا مل کو مُلتان فتح کرنے میں مدد دی ۔ اُس لڑائی میں شاہ نواز مارا گیا ۔ اور جسّا سنگھ کو بھی لُوٹ کا حصّہ ملا ۔ ۱۷۵۳ء میں جسّا سنگھ نے لاہور کے فوجی افسر عزیز الدین کو اور ۱۷۵۵ء میں ادینہ بیگ کو شکست دی ۔ پانی پت کی مشہور لڑائی کے وقت جسّا سنگھ سرہند ۔ دیال پُور جگراؤں وغیرہ قصبوں کو لُوٹتا رہا ۔ اُس نے لاہور فتح کر کے اپنے نام کا سکّہ چلایا ۔ ۱۷۶۲ء میں احمد شاہ نے جسّا سنگھ اور اُس کے ساتھیوں کو شکست دی ۔ جسّا سنگھ کانگڑے کو بھاگ گیا لیکن احمد کے چلے جانے پر بھنگی سرداروں سے مِل کر

قصور کو لوٹا۔ جب بھنگیوں نے قصور پر قبضہ کر لیا۔ سنہ ۱۷۶۳ء میں سکھوں نے ملکر سرہند کو تباہ کیا۔ جہاں سے جسا سنگھ نے آکر امرتسر میں کٹڑہ آہلووالیہ بنایا۔ وہ رام گڑھیا جسا سنگھ کے برخلاف ہو گیا اور اُسے پنجاب سے باہر بھگا دیا۔ سنہ ۱۷۸۳ء میں امرتسر میں اُس کی موت واقع ہوئی۔ اُس کے پیرو اُسے بادشاہ کہا کرتے تھے۔ جسا سنگھ بڑا بہادر اور خوبصورت جوان تھا۔ اُس کی اعلےٰ مذہبی زندگی کی وجہ سے اُس کی بڑی عزت تھی۔ ایک دفعہ احمد شاہ دو ہزار ہندو عورتوں کو غلام بنانے کے لئے پنجاب سے لے چلا۔ جسا سنگھ رات کو اُس پر جا پڑا۔ سب عورتوں کو چھڑا لیا اور اُن سب کو اپنے پاس سے روپیہ دیکر اپنے اپنے گھروں کو لوٹا دیا۔ اس سے اُس کی شہرت بہت زیادہ بڑھ گئی۔ اُس کے مرنے پر اُس کی جگہ اُس کا چچا زاد بھائی بھاگ سنگھ سردار بنا۔ بھاگ سنگھ زیادہ تر رام گڑھیا سرداروں سے لڑائی کرتا رہا۔ اور سنہ ۱۸۰۱ء میں بیمار ہو کر کپورتھلہ میں مر گیا۔ اُس کی جگہ اُس کا بیٹا فتح سنگھ سردار مقرر ہوا۔ اُس نے رنجیت سنگھ کے ساتھ پگڑی تبدیل کر کے گہری دوستی پیدا کر لی اور ہمیشہ رنجیت سنگھ کی اُس کی لڑائیوں میں امداد کرتا رہا۔

سنہ ۱۸۰۵ء میں جسونت راؤ ہلکر بھاگ کر پنجاب آیا۔ جنوری سنہ ۱۸۰۶ء کو رنجیت سنگھ اور فتح سنگھ دونوں نے انگریزوں سے عہد نامہ کیا اور جسونت راؤ کو امرتسر سے تیس کوس پرے بھگا دینے کا اقرار کیا۔ فتح سنگھ نے رنجیت سنگھ کے ساتھ ملکر جھنگ کے علاقے پر چڑھائی کی اور احمد خاں سیال کو فتح کیا۔ میٹکاف نے فتح سنگھ کے متعلق کہا کہ وہ ایک بڑی بھاری سیڑھی تھی۔ جس کے ذریعے رنجیت سنگھ اتنا اُونچا چڑھ گیا۔ سنہ ۱۸۰۹ء میں وہ مہاراجہ کے ساتھ کانگڑہ گیا۔ اگلے سال دیوان محکم چند کی مدد کر کے جالندھر کے سردار بدھ سنگھ

کو فتح کیا۔ باوجود اِن سب خدمات کے رنجیت سنگھ اُس کا سارا علاقہ بھی لینا چاہتا تھا اور اُس نے فقیر عزیزالدین اور انند رام کو فوج دیکر اُس کے برخلاف روانہ کیا۔ فتح سنگھ جگراؤں کو بھاگ گیا اور سرکار انگریزی سے مدد طلب کی۔ انگریز ستلج سے اِس پار دخل نہ دے سکتے تھے لیکن بھگوارے کے لئے جانے پر انہوں نے مداخلت کی اور صلح صفائی کرا کر فتح سنگھ کو کپور تھلے کا علاقہ دلا دیا۔ اس کے بعد وہ کپور تھلہ میں ہی رہا۔ ۱۸۳۷ء میں اُس کا بیٹا نہال سنگھ گدی پر بیٹھا۔ اس نے جنگ کابل کے وقت سرکار انگریزی کی مدد کی مگر سکھ جنگ کے موقعہ پر باوجود عہدنامہ دوستی کے وہ خالصہ کے ساتھ مل گیا۔ اِس لئے ستلج کے جنوب میں اُس کا سارا علاقہ ضبط کر لیا گیا۔ ۱۸۵۲ء میں رندھیر سنگھ گدی پر بیٹھا۔ اُس نے اور اُس کے بھائی بکرم سنگھ نے غدر کے وقت سرکار انگریزی کی خدمات کیں اور جالندھر دوآب میں غدر کرنے والوں کو تباہ کیا۔ اس کے عوض میں اودھ کے علاقہ میں ایک لاکھ مالیانہ کی دو ریاستیں بوندی اور بھنولی اُن کو عطا کی گئیں۔

۶۔ ڈالی والیہ مثل

ڈیرہ بابا نانک کے پاس ڈالی وال گاؤں کے پاس ایک کھتری گلابا نے لوٹ مار شروع کر کے اِس مثل کی بُنیاد ڈالی۔ اُس کے مرنے پر اُس کا جانشین تارا سنگھ ایک گڈریا ہوا۔ جس نے سرہند اور فتح آباد کو لوٹا۔ رنجیت سنگھ نے فتح سنگھ آہلو والیہ کو اِس مثل کے برخلاف روانہ کیا اور فتح کر کے اِس کا خاتمہ کر دیا گیا۔

۷۔ نشان والہ مثل

نشان (جھنڈا) اُٹھانے والے دو جاٹوں سنگت سنگھ اور موہر سنگھ نے یہ مثل قائم کی اور لوٹ مار شروع کر دی۔ ایک بار اُن کا حوصلہ اتنا بڑھا کہ میرٹھ شہر کو جا لوٹا۔

موہر سنگھ کے مرجانے پر رنجیت سنگھ نے دیوان محکم چند کو اس مثل کے خلاف روانہ کیا۔ محکم چند نے اُس کا خاتمہ کر سب مال و اسباب ضبط کر لیا۔

۸۔ فیضل پُوریہ مثل

امرتسر کے پاس فیضل پور گاؤں ہیں کپور سنگھ جاٹ نے یہ مثل قائم کی۔ کپور سنگھ کو فرخ سیر کے وقت میں نواب کا خطاب ملا تھا اور وہ خالصہ کا بڑا لیڈر بن گیا۔ اُس کے مذہبی جوش کی وجہ سے بیشمار جاٹ۔ جلاہے اور چھیور سکھ دھرم میں شامل ہوئے۔ ۱۷۵۳ء میں اُس کی موت ہوئی۔ مرتے وقت اُس نے جسا سنگھ کو بلایا اور گورو گوبند سنگھ کا لوہے کا گرز دے کر اُسے خالصہ کا لیڈر مقرر کیا۔ اُس کی جگہ اُس کا بھتیجا خوشحال سنگھ سردار مقرر ہؤا جس کی حکومت جالندھر۔ نورپور بہرام پور۔ بھرت گڑھ اور پٹی پر پھیلی ہوئی تھی۔ اُس نے پٹیالہ کے راجہ آلا سنگھ کو سکھ بنایا۔ ۱۷۹۵ء میں اُس کا بیٹا بدھ سنگھ مثل کا سردار بنا جسے رنجیت سنگھ نے شکست دے کر اپنے ساتھ شامل کر لیا۔

۹۔ کروڑاسنگھ مثل

کروڑا ل جاٹ نے اس مثل کی بنیاد رکھی۔ جگادھری کے نزدیک چلوندی کو صدر مقام بنا کر لوٹ مار شروع کر دی۔ اُس نے سرہند پر بھی قبضہ کر لیا تھا۔ اس کی جگہ بھگیل سنگھ سردار ہؤا جب ۱۷۶۸ء میں سکھوں نے سرہند پر قبضہ کیا تو شاہ عالم نے دہلی سے اُن کے برخلاف شاہی فوج روانہ کی۔ بگھیل سنگھ اُس وقت سلے ہی فوج کے ساتھ مل گیا مگر پھلکیاں سرداروں نے کرنال کے پاس شاہی فوج کو بھی شکست دی اور سب علاقے کو خوب لوٹا۔ بگھیل سنگھ کے بعد اُس کے ایک دوست کا بیٹا جودھ سنگھ سردار مقرر ہؤا اور ۱۸۴۵ء تک حکومت کرتا رہا جب یہ ریاست سرکار انگریزی نے لے لی۔

۱۰۔ شہید (نہنگ) مثل

اکالی فرقہ کی بُنیاد گورو گوبند نے رکھی۔ اکالی بیراگی کے سخت دشمن تھے۔ یہ امرتسر کے پُجاری بن گئے۔ مگر اُن کو دوسروں کی جائداد چھین لینے کی عادت تھی۔ اپنے آپ کو دمدمہ کے شہیدوں کی اولاد سے کہتے تھے۔ کرم سنگھ اور گوربخش سنگھ اِن کے دو لیڈر تھے۔ اِن کے نیچے دو ہزار سوار تھے۔ اِن کے مقبوضات ستلج کے مشرق کو تھے۔

۱۱۔ پھلکیاں مثل

اِس خاندان کا آغاز جیسل سے ہُوا جس نے جیسلمیر آباد کیا۔ وہ بھٹی راجپوت تھا۔ یہی لوگ اِدھر آکر بھٹی جاٹ کہلانے لگے۔ اُس کی نسل سے تیسویں پیڑھی میں موضع بدو والی (مہراج) میں روپ چند کے گھر ۱۶۱۹ء میں پھول رتن کا پیدا ہُوا۔ بڑے ہوکر اُس نے مہراج سے پانچ میل کے فاصلے پر اپنا موضع بسایا جس کا نام پھول رکھا۔ وہ بادشاہی صوبہ داروں سے مقابلہ کرتا رہا اور اُس کی طاقت اتنی بڑھ گئی کہ ایک موقعہ پر اُس نے جگراؤں کے صوبہ دار کو قید کر لیا۔ پھول کے سات بیٹے تھے جن میں سے پٹیالہ، نابھہ، جیند کے حکمران پیدا ہوگئے۔ بھدور، ملود وغیرہ خاندان بھی اُن میں سے ہی تھے۔ آخر کار سرہند کے ناظم نے پھول کو قید کر لیا اور ۱۶۵۲ء میں وہ سرسام کی بیماری سے مر گیا۔ اُس کی جگہ اُس کا بیٹا رام چند ہُوا جس نے مسلمانوں کے ساتھ بہت سی لڑائیاں کیں۔ ۱۷۱۴ء میں اُسے اپنے ہی ایک سردار نے قتل کر ڈالا۔ رام چند کا تیسرا بیٹا آلہ سنگھ اُس کی جگہ بیٹھا۔ اور برنالہ کو اپنا صدر مقام بنایا۔ وہ ۱۶۹۵ء میں پیدا ہُوا تھا۔ ۱۷۳۱ء میں اُس نے شاہی فوج پر ایک بڑی فتح حاصل کی جس سے اُس کی عزت بہت بڑھ گئی اور اُس کے پاس بہت سے سکھ اکٹھے ہونے لگے۔ وہ راجپوتوں اور بھٹی مسلمانوں سے بہت لڑائیاں لڑتا رہا۔ ۱۷۵۷ء میں اُنہیں ایک بڑی شکست دی۔

محمد شاہ نے اُس کو ایک چٹھی اس مطلب کے لئے لکھی کہ وہ نواب سرہند کی امداد کرے ۱۷۶۲ء میں احمد شاہ ابدالی نے برنالہ پر چڑھائی کی جس میں آلا سنگھ گرفتار ہو گیا اور بیس ہزار سکھ مارے گئے۔ اُس کی رانی فتو نے چار لاکھ روپیہ ابدالی کو دیکر اُسے آزاد کرایا۔ آلہ سنگھ نے پٹیالے میں ایک قلعہ تعمیر کرانا شروع کیا۔ اگلے سال ابدالی نے اُس کو راجہ کا خطاب دیا اور ساڑھے تین لاکھ روپیہ خراج پر سرہند کا انتظام اُس کے سپرد کر دیا۔ ۱۷۶۵ء میں آلہ سنگھ ابدالی کے ساتھ لاہور گیا اور واپس آئے پر مر گیا۔ اُس کی جگہ اُس کا پوتا امر سنگھ مہاراجہ بنا۔ ابدالی نے راجۂ راجگان کا خطاب دیا۔ اس نے مالیر کوٹلہ کے پٹھانوں پر چڑھائی کی اور بھٹنڈہ فتح کیا۔ ۱۷۸۱ء میں اُس کے مرجانے پر اُس کا بیٹا صاحب سنگھ راجہ بنا اُس کی جگہ کرم سنگھ راجہ ہوا۔ کئی سالوں تک پٹیالہ میں بڑی قابل عورتیں اقتدار پر رہیں۔ ان میں سے صاحب سنگھ کی بہن رانی صاحب کور نے مرہٹوں کو شکست دے کر پٹیالے کی حفاظت کی۔ ۱۸۰۱ء میں جارج طامس نے پٹیالہ لوٹا اور ہانسی واپس چلا گیا۔ ۱۸۴۵ء میں کرم سنگھ کی جگہ اُس کا بیٹا نریندر سنگھ گدی پر بیٹھا۔ اُس نے سکھ جنگ میں سرکار انگریزی کی امداد کی سند حاصل کی۔ ۱۸۵۷ء میں اُس نے ویسی ہی وفاداری سے سرکار انگریزی کا ساتھ دیا اور اپنا سب کچھ اُن کے حوالے کر دیا جو چٹھی بادشاہ دہلی نے اُسے لکھی وہ سرکار کو پہنچا دی۔ اُس نے نہ صرف اپنی فوج سرکار انگریزی کی مدد میں روانہ کی بلکہ ڈگشئی۔ کسولی اور سپاٹو سے گوری فوج کو انبالہ پہنچانے کے لئے ہاتھی۔ گھوڑے اور خچر بہم پہنچائیں۔ اُس کی فوج نے رہتک۔ حصار۔ ہانسی میں امن قائم رکھا۔ فیروز پور۔ سہارنپور اور جگادھری میں غدر والوں کا مقابلہ کیا۔ پانچ لاکھ روپیہ سرکار کو قرضہ دیا اور اُس کی فوج جھجر اودھ اور گوالیار میں کام کرتی

رہی۔ ان خدمات کے عوض میں اُسے نارنول کا علاقہ دیا گیا جہاں کا نواب سرکار کے خلاف لڑا تھا اور خطابوں کا تو ٹھکانا ہی نہیں۔ دولت انگلشیہ کا خاص فرزند منظور زمان۔ مہاراج ادھیراج وغیرہ وغیرہ۔ اُسے پٹیالہ، نابھہ اور جیند وغیرہ کے پھول خاندان سے کسی کو متبنیٰ کرنے کا حق دیا گیا ۱۸۶۲ء میں اُس کی موت پر اُس کا بیٹا مہندر سنگھ دس برس کی عمر میں گدی پر بٹھلایا گیا

جیند ۔ پھول کا ایک بیٹا تلوکا تھا۔ اس کا پوتا گجپت سنگھ ۱۷۶۳ء میں جیند کے علاقے پر پانی پت کرنال تک قابض ہو گیا۔ ایک موقعہ پر وہ قید ہو کر دہلی بھیجا گیا اور تین سال بعد وہاں سے اُس کی رہائی ہوئی ۱۷۷۲ء میں آزاد راجہ بن گیا۔ اُس کی اولاد سے راجہ سروپ سنگھ نے سکھ جنگ میں سرکار کی امداد کی اور غدر کے وقت خود فوج لئے ہوئے دہلی میں موجود تھا۔ علی پور میں بھی جیند کی فوج مدد دیتی رہی جس کے عوض میں دادری کے نواب کی ایک لاکھ کی ریاست اُسے دی گئی۔

نابھہ ۔ تلوکا کے پوتے ہمیر سنگھ نے ۱۷۵۵ء میں نابھہ قصبہ آباد کیا۔ آلا سنگھ کے ساتھ اُس نے سرہند پر چڑھائی کی اور اُسے املوہ کا علاقہ ملا۔ ۱۷۷۶ء میں ہانسی کے صوبہ سے رودکری فتح کر کے وہاں کا راجہ بن بیٹھا۔ گجپت سنگھ نے اُس سے ۱۷۷۴ء میں سنگرور چھین لیا تھا۔ ہمیر سنگھ ۱۷۸۳ء میں مر گیا۔ اُس کا بیٹا جسونت سنگھ آٹھ سال کی عمر میں اُس کی جگہ بیٹھا لیکن حکومت ۱۷۹۰ء تک اُس کی ماں کے ہاتھ میں رہی۔ ۱۸۰۶ء میں جسونت سنگھ نے اپنے آپ کو انگریزوں کی پناہ میں ڈال دیا اور نیپال اور کابل جنگوں میں سرکار کی مدد کی۔ ہلکر کو مدد دینے سے انکار کیا۔ ۱۸۴۰ء میں اُس کی موت پر اُس کا بیٹا دیوندر سنگھ گدی پر بیٹھا۔ دیوندر سنگھ کو پنجاب پر حکومت کرنیکا بڑا شوق تھا۔

ہر روز شام کو براہمن اُس کے سامنے شلوک پاٹھ کیا کرتے تھے کہ انگریزی حکومت کا تھوڑی دیر کے بعد خاتمہ ہو جائے گا۔ سکھ جنگ میں وہ سرکار انگریزی کے خلاف تھا۔ اس لئے لڑائی کے خاتمہ پر لودھیانہ میں دربار کرکے اُسے گدّی سے اُتار دیا گیا اور مظفرآباد میں قید کر دیا گیا۔ وہاں پر اُس نے بدامنی پیدا کی۔ اُسے لاہور لاکر رکھا گیا جہاں وہ مر گیا۔ اُس کے بیٹے بھرپور سنگھ نے غدر کے وقت سرکار کی پوری امداد کی۔ اُس نے ڈھائی لاکھ روپیہ قرضہ دیا اور اُس کے سپاہیوں نے لدھیانہ اور جالندھر میں امن قائم رکھا۔ اِس کے عوض میں اُس کا چھِنا ہوا علاقہ جھجرّ اُسے واپس دیا گیا۔

۱۳۔ سُکر چکیا مثل

سب مثلوں میں سے یہ مثل زیادہ نامور اور سب سے بڑھ کر طاقتور ہوگئی۔ اس مثل میں سردار رنجیت سنگھ ہوا جس نے لاہور پر قبضہ کرکے پنجاب میں سکھ سلطنت کی بنیاد ڈالی۔ اس وجہ سے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس مثل کا ذکر ذرا تفصیل کے ساتھ کیا جائے۔ ۱۵۷۰ء کے قریب پنڈی بھٹیاں میں کالو نام ایک جاٹ رہتا تھا وہ گھر سے لڑکر باہر چلا گیا اور امرتسر کے نزدیک راجہ سانسی کے پاس سانسری گاؤں میں رہنے لگا۔ وہاں اُس کا ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام ایدو مان تھا۔ وہ خود تو دسہر ونکل کو چلا آیا اور ۱۴۸۸ء میں مر گیا۔ لیکن اُس کا بیٹا سانسی جاٹوں کے ساتھ رہتا اور لوٹ مار کرتا تھا۔ ۱۵۱۵ء میں وہ مر گیا اور اُس کا بیٹا گلیب سانسیوں کا سردار بن بیٹھا اور مال مویشی کی چوری کرنے لگا۔ ۱۵۷۹ء میں اُس کے مرجانے پر اُس کا بیٹا کدّو گوجرانوالہ سے ڈیڑھ کوس

سُکھ چک میں جا آباد ہُوا۔ باپ کے جمع کئے ہوئے بہت سے مویشی اُس کے پاس تھے۔ اُس نے بہت سی زمین خرید لی اور امن کی زندگی بسر کرنے لگا۔ ۱۵۷۸ء میں وہ مر گیا۔ اُس کے دو بیٹے راجہ داب اور پرکھو تھے۔ راجہ داب نے لنڈے سیکھ لیئے اور ایک دوکان کھول لی۔ ۱۶۲۰ء میں وہ تین بیٹے چھوڑ کر وہ مر گیا جن میں سے بنبو اور نیلو تو جلدی مر گئے اور تیسرا بیٹا نتھو مل بڑا ساہوکار بن گیا۔ اُس کے دو بیٹے بالو اور پارا تھے۔ بالو لوٹ مار کرنے لگا اور مارا گیا۔ پارا مذہبی طبیعت کا آدمی تھا۔ گوجرانوالہ کے ایک بھگت کا چیلہ بن گیا اور گرنتھ پڑھنا سیکھ لیا۔ اُس کا مذہبی جوش اتنا تھا کہ وہ ہر وقت سکھی کا پرچار کرتا تھا۔ ۱۶۷۹ء میں مرتے وقت اپنے بیٹے بُڈھا کو سکھ بن جانے کا حکم دیا بُڈھا نے امرتسر ۱۶۹۲ء میں جاکر پاہل لی اور سکھ لٹیروں اور سانیوں کے ساتھ شامل ہو گیا۔ اُس نے اپنی دلیری اور بہادری کی وجہ سے بڑا نام پیدا کیا اور اپنے لیئے ایک بڑا مکان بنوایا۔ اُس کے پاس ایک بڑی مشہور گھوڑی تھی جس پر پچاسوں دفعہ وہ جہلم۔ چناب۔ راوی پار ہُوا اور وہاں سے مال چرا کر امرتسر آ پہنچتا تھا۔ ۱۷۱۶ء میں اُس کی موت پر اُس کی عورت نے تلوار اپنے کلیجے میں دے ماری اور اُسی وقت جان دیدی۔ اُس کے دو بیٹے نودھ سنگھ اور چندا سنگھ تھے۔ چندا سنگھ سندھیانوالا شاخ کا بانی ہوا۔ اس زمانے میں دھاڑوی کا کام بڑا عزت والا کام سمجھا جاتا تھا۔ نودھ سنگھ دھاوا مارنے میں اتنا مشہور ہُوا کہ راولپنڈی سے ستلج تک اُس کا خوف چھا گیا۔ مجیٹھ کے سانسی جاٹ گلاب سنگھ نے ۱۷۳۰ء میں اپنی لڑکی کی شادی اُس سے کردی اور

ساتھ ہی وہ اور اُس کا بھائی دھاڑا مارنے میں شامل ہونے لگے۔
ابدالی کے پہلے حملے کے وقت نودھ سنگھ نے نواب کپور سنگھ کے ساتھ ملکر ابدالی کا مال و اسباب لوٹا اور اتنا امیر ہو گیا کہ شکرچک کا سردار کہلانے لگا۔ ۱۷۴۷ء میں اُس کو ایک گولی لگی جس کے اثر سے وہ پانچ سال کے بعد مر گیا۔ اُس کے چار بیٹے تھے۔ اُن میں سے ایک چڑھت سنگھ تھا جو اپنی مثل کا سچا بانی ہوا۔ ۱۷۵۴ء کے قریب اُس نے کچھ مذہبی سانسی اور دوسرے لٹیروں کا ایک گروہ اکٹھا کر کے لوٹ مار شروع کر دی۔ اُس کا اتنا خوف بڑھا کہ ٹکالی کے سردار محمد یار نے اپنی ریاست کا انتظام چڑھت سنگھ کے سپرد کر دیا اور خود پندرہ سواروں کو ساتھ لے کر اُس کے گروہ میں شامل ہو گیا۔ چڑھت سنگھ کے پاس کل ایک سو پچاس سوار تھے۔ جن کی مدد سے اُسنے گوجرانوالہ کے گرد علاقہ پر قبضہ کر لیا۔ گوجرانوالہ میں امیر سنگھ ایک بڑا سانسی سردار تھا جس نے جہلم سے لے کر دہلی تک لوٹ مار کی تھی۔ چڑھت سنگھ نے اُس کی لڑکی سے شادی کر لی اور اپنی طاقت کو بڑھا لیا۔ دونو سرداروں نے ملکر ایمن آباد پر حملہ کیا اور وہاں کے مغل فوجدار کو قتل کر ڈالا۔
۱۷۵۷ء میں لاہور کے مسلمان سرداروں نے ان کی بڑھتی ہوئی طاقت کو دیکھ کر اُن پر حملہ کیا لیکن انہیں شکست ہوئی اور جنگ کا بہت سا سامان چڑھت سنگھ کے ہاتھ آیا۔
۱۷۶۲ء میں ابدالی کے حملے کے وقت چڑھت سنگھ نے اپنی عورت اور مال دونو کو جموں بھیج دیا اور خود پٹھانوں کو تنگ کرنا شروع کر دیا۔ ابدالی کے چلے جانے پر اُس نے وزیر آباد اور وہاں سے احمد آباد

پر قبضہ کیا۔ یہاں اُسے خبر ملی کہ رُہتاس کا حاکم نورالدین ہندوؤں کو بڑا تنگ کرتا تھا۔ جھٹ وہاں پہنچا اور اُسے خوب لوٹا۔ چکوال و رپنڈ دادنخاں فتح کرکے پنڈ دادنخان کے مسلمانوں سے بہت سا جُرمانہ وصول کرکے اُن کی جان بخشی کی۔ اِس کے بعد کوٹ صاحب خان اور راجہ کا کوٹ فتح کرکے گوجرانوالہ واپس آگیا۔

اُس کی اِن فتوحات سے دوسرے سکھ سردار ڈرنے لگے۔ جموں جانے پر چڑھت سنگھ نے دیکھا کہ وہاں کا راجہ رنجیت دیو اپنے بڑے لڑکے برج راج دیو سے ناراض تھا۔ برج راج دیو نے سالانہ خراج دینے کا وعدہ کرکے چڑھت سنگھ سے مدد مانگی۔ چڑھت سنگھ نے ۱۷۷۴ء میں جموں پر حملہ کر دیا۔ یہ پہلا موقعہ تھا کہ ہندو راجہ کے ساتھ اِس کا جھگڑا ہُوا۔ چمبہ۔ کانگڑہ۔ نور پور اور بوشہر کے راجہ رنجیت دیو کی مدد میں آئے بھنگی مثل کے سردار بھی چڑھت سنگھ سے حسد کرتے تھے۔ اُس کی امداد میں تھے۔ کئی چھوٹی چھوٹی لڑائیاں ہوئیں جن میں سے ایک میں اپنی بندوق کے پھٹ جانے سے وہ مر گیا۔ اُس کا بیٹا مہاں سنگھ اِس وقت دس برس کا تھا جو کہ تین لاکھ کے علاقے کا مالک بنا۔ مہاں سنگھ کی ماں دیساں نے حکومت سنبھالی۔ اگرچہ اُس کی ایک شخص جے رام مصر سے دوستی ہو گئی تھی۔ اُس کے سردار اُس سے باغی ہو گئے لیکن اُنہیں کچھ کامیابی نہ ہوئی۔ مہاں سنگھ کی جیند کے راجہ گجپت سنگھ کی لڑکی سے شادی ہوئی۔ ۱۷۸۳ء میں اُس نے کنہیا سردار جے سنگھ کے ساتھ ملکر رام نگر (رسول نگر) پر حملہ کیا۔ رام نگر میں چٹھا مسلمان راجیہ کرتے تھے۔ جنکا سردار پیر محمد تھا۔ بھنگی سردار جھنڈا سنگھ نے احمد شاہ کی توپ زمزمہ

چھین کر پیر محمدؐ کے پاس امانت رکھی جس نے اُسے دینے سے انکار کر دیا۔ اِس پر مہاں سنگھ نے علاقہ کو لوٹا اور لوگوں کے پاس ایک دانہ تک نہ چھوڑا۔ پیر محمد نے صلح کی درخواست کی۔ مہاں سنگھ نے دھوکے سے پہلے اُسے قتل کرا ڈالا اور اُس کے بیٹوں کو توپوں کے مُنہ کے ساتھ باندھ کر اُڑا دیا۔ اُس کی شہرت بھنگی سرداروں سے بھی بڑھ گئی۔ رسُول نگر کا نام رام نگر اور علی پور کا نام اکال گڑھ تبدیل کر دیا۔

اِس کے دو سال بعد ۲ر نومبر ۱۷۸۰ء کو اُس کے ہاں رنجیت سنگھ پیدا ہُوا۔ ہزاروں روپے دان میں دیئے گئے۔ سارے سِکھ سرداروں کو ضیافت میں بلایا گیا۔ بچپن میں ہی رنجیت سنگھ کو چیچک نکلی جس میں اُس کی جان تو بچ گئی مگر ایک آنکھ جاتی رہی اور چہرے پر چیچک کے نشان رہ گئے۔ باپ نے کانگڑہ اور جوالا مُکھی کو تحفے بھیجے اور براہمنوں کو دان دیئے اِس وقت تیمور شاہ نے حملہ کر کے بھنگی سرداروں کو ملتان اور بہاول پور سے نکال دیا۔ اُن کی کمزوری سے فائدہ اُٹھا کر مہاں سنگھ نے عیسیٰ خیل اور موسیٰ خیل کو فتح کر کے جھنگ پر حملہ کیا۔ یہ سب مقام بھنگی مثل کے نیچے تھے۔ بھنگی سردار اِس وقت باہمی جھگڑے میں لگے ہوئے تھے۔ اِس کے بعد مہاں سنگھ نے سیالکوٹ کے نزدیک کوٹلی پر حملہ کیا۔ یہ جگہ بندوقوں کے بنانے کے لئے مشہور تھی۔ یہاں پر اُس نے کئی سرداروں کو صلاح کے لئے بُلا بھیجا اور اُنہیں دھوکے سے قید کر لیا۔ بہت سا جُرمانہ وصول کرنے کے بعد اُنہیں رہائی دی۔ اتنے میں اُسے خبر لگی کہ جموں کا راجہ برج راج دیو عیاشی میں پڑ گیا ہے اور اُس کی رعایا اُس سے ناراض ہے۔ بھنگی سرداروں نے جموں پر حملہ کرنے کا ارادہ کر لیا۔ جموں کے راجہ نے

مہاں سنگھ کو مدد کے لئے بُلا بھیجا۔ راجہ کو شکست ہو جانے پر اُس نے
تیس ہزار روپیہ حقیقت سنگھ کو دینے کا اقرار کیا۔ مہاں سنگھ حقیقت سنگھ
کے ساتھ مل گیا اور جموں لوٹنے کا ارادہ کر لیا۔ جموں اس وقت بڑا دولتمند
شہر تھا۔ پنجاب کے سب بڑے بڑے بیوپاری بدامنی کی وجہ سے وہاں جا رہے
تھے۔ راجہ ڈر کے مارے بھاگ گیا۔ شہر کے امیر آدمی تحفے لے کر
مہاں سنگھ کے پاس آئے لیکن اُس نے کچھ پرواہ نہ کی اور شہر کو خوب
لوٹا یہاں تک کہ اس سے جموں کے علاقے میں سخت قحط پڑ گیا۔ ۱۷۸۴ء
میں دیوالی کے موقعہ پر مہاں سنگھ اشنان کے لئے امرتسر گیا۔ کنہیا سردار
جے سنگھ اُس سے بہت حسد کرنے لگا۔ مہاں سنگھ نے بہتیری خوشامد کی
لیکن وہ راضی نہ ہوا اور اُسے یہاں تک کہدیا۔ "بھگتیا (ناچنے والے لڑکے)
یہاں سے چلے جاؤ"۔ مہاں سنگھ اسے برداشت نہ کر سکتا تھا۔ کچھ سوار لے کر
امرتسر سے باہر نکل آیا۔ اور جسا سنگھ رام گڑھیا کو جو کنہیا سردار کے ساتھ
لڑ کر ہانسی کو بھاگ گیا تھا مدد کے واسطے بُلا بھیجا۔ جسا سنگھ اپنے ساتھیوں
کو ساتھ لیکر واپس آیا۔ بٹالے میں دونوں دلوں میں بڑی لڑائی ہوئی جس میں
کنہیی سرداروں کو بڑی شکست ہوئی۔ جے سنگھ کا بیٹا گوربخش سنگھ مارا
گیا۔ جے سنگھ نے باقی فوج لے کر نوشہرہ میں مہاں سنگھ پر پھر حملہ کیا۔ مگر
شکست کھا کر اُسے نورپور بھاگ جانا پڑا۔ گوربخش سنگھ کی بیوی سدا کور
نے اپنی بیٹی مہتاب کور کی سگائی رنجیت سنگھ کے ساتھ کر کے دونو مثلوں
میں اتحاد کرا دیا۔ یہ ذکر ہو چکا ہے کہ ۱۷۸۶ء میں یہ شادی دھوم دھام
سے بٹالہ میں ہوئی۔

۱۷۸۸ء میں بھنگی سردار گوجر سنگھ مر گیا۔ اُس کے دو بیٹے فتح سنگھ

اور صاحب سنگھ میں جھگڑا ہو گیا۔ مہاں سنگھ نے صاحب سنگھ سے خراج مانگا اور صاحب سنگھ کے انکار کرنے پر گجرات پر حملہ کر دیا۔ صاحب سنگھ سوہدرہ کے قلعے میں بند ہو گیا۔ مہاں سنگھ نے تین ماہ تک محاصرہ رکھا۔ لیکن بیماری کی وجہ سے اُسے گوجرانوالہ میں آنا پڑا اور یہاں آکر وہ مر گیا۔ چڑہت سنگھ اور مہاں سنگھ دونو بڑے بہادر اور فاتح ہوئے۔ اُن کے وقت میں سکھر چکیا مثل کا غلبہ بڑھتا گیا اور وہ سب مثلوں میں بڑی مانی جانے لگی۔ مہاں سنگھ نے جلال پور کے سردار خدا داد خاں کو اپنے ہاں رکھا تھا۔ اس شخص نے محض شک پر اپنی ماں کو قتل کر ڈالا تھا۔ مہاں سنگھ نے ایک بار اُس سے اس کا حال پوچھا جس پر اُس نے کہا "میں نے تو شک پر اپنی ماں کی جان لے لی۔ تم ہر روز اپنی ماں کو خرابیاں کرتے دیکھتے ہو اور کچھ نہیں کرتے"۔ مہاں سنگھ چُپ ہو گیا اور ایک دن موقعہ پاکر ماں کو گولی سے مار دیا۔ اُس کی اپنی عورت بھی اُس کی ماں سے کچھ اچھی نہ تھی اور رنجیت سنگھ کو بھی اپنے باپ کی مثال پر چلکر اپنی ماں کو قتل کرنا پڑا۔

باپ کے مر جانے پر رنجیت سنگھ کی عمر بارہ برس کی تھی۔ اُس کی ماں مائی ملاواں اُس کی محافظ بنی۔ نوشہرے کا ایک کھتری دیوان لکھپت رائے اُس کا بڑا اصلاح کار تھا۔ رنجیت سنگھ کی ساس سدا کور اُس کو ہر طرح سے مدد کرتی تھی۔ یہ عورت بڑی سمجھدار اور دلیر تھی اور جب جے سنگھ ۱۷۹۳ء میں مر گیا تو کنہیا مثل پر اس کا ہی اختیار تھا۔ رنجیت سنگھ کو کسی قسم کی تعلیم نہیں دی گئی۔ اُسے لکھنا پڑھنا تک نہ آتا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے نکئی سردار رام سنگھ کی لڑکی سے دوسری شادی کی۔ جب وہ ستر۱۶ برس کا

ہوا تو اُس نے ماں اور ساس سے چھین کر عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی۔ اِس وقت ابدالی کے پوتے شاہ زمان نے پنجاب پر حملہ کیا۔ دو بار اُس نے لاہور پر قبضہ کیا تھا لیکن اُسے اپنے خانگی جھگڑوں کی وجہ سے واپس جانا پڑتا تھا۔ سکھ لوگ پٹھانوں کے آنے پر پہاڑوں یا جنگلوں میں چھپ جاتے تھے اور اُن کے چلے جانے پر پھر واپس چلے آتے تھے۔ ایکبار شاہ زمان لاہور میں تھا جب رنجیت سنگھ نے ستلج پار ہو کر علاقے کو فتح کرنا اور خراج وصول کرنا شروع کیا۔ اُس کے چلے جانے پر پیچھے لوٹ آیا۔ چھٹا کے سردار حشمت خاں نے چھپکر اُسے قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ رنجیت سنگھ شکار سے واپس آ رہا تھا جب حشمت نے اُس پر حملہ کیا تلوار سے لگام کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ رنجیت سنگھ نے ایک جھٹکے سے اُس کا سر قلم کر دیا اور اُس کے سارے علاقے پر قابض ہو گیا۔

رنجیت سنگھ نے اب لاہور لینے کا ارادہ کیا۔ اِس وقت لاہور میں چیت سنگھ۔ صاحب سنگھ اور موہر سنگھ حکومت کرتے تھے۔ چیت سنگھ قلعے میں رہا کرتا تھا۔ لاہور کے مسلمانوں میں میاں عاشق محمدؐ اور محکم الدین دو بڑے چودھری تھے۔ عاشق محمدؐ کی لڑکی میاں بدر الدین سے بیاہی ہوئی تھی۔ کچھ کھتری بدر الدین سے ناراض تھے۔ اُنہوں نے چیت سنگھ کے پاس شکائت کی کہ بدر الدین شاہ زمان کے ساتھ سازش میں لگا ہے۔ اِس پر چیت سنگھ نے بدر الدین کو گرفتار کر لیا۔ مسلمان چودھری چیت سنگھ کے پاس گئے لیکن اُس نے ایک نہ سُنی۔ ڈیڑھ ماہ گذر گیا۔ اِن چودھریوں نے حکیم حاکم رائے اور بھائی گوربخش سنگھ کو اپنے ساتھ ملا کر رنجیت سنگھ کو ایک دن کہلا بھیجا کہ شہر میں ظلم ہو رہا ہے اور شہر کے لوگ حکومت سے تنگ ہیں۔

رنجیت سنگھ نے اپنے ایجنٹ قاضی عبدالرحمان کو بھیجکر سب حال دریافت کیا اور یقین ہو جانے پر فوج لیکر بٹالے آگیا۔ امرتسر سے پانچہزار فوج لے کر لاہور کو روانہ ہوا اور وزیر خاں کی بارہ دری (پنجاب پبلک لائبریری) میں آڈیرے لگائے۔ ۱۷۹۹ء میں ایک دن آٹھ بجے صبح لوہاری دروازے سے اُس کی فوج داخل ہوئی۔ چیت سنگھ نے اپنے آپ کو قلعے میں بند کر لیا۔ دوسرے دوسردار لاہور سے بھاگ گئے۔ رنجیت سنگھ نے قلعے کا گھیرا ڈال دیا۔ دوسری صبح چیت سنگھ نے قلعہ رنجیت سنگھ کے حوالے کر کے اطاعت مان لی۔ رنجیت سنگھ نے لوگوں کو پوری حفاظت کا یقین دلایا۔ اور اُس نے دوکانیں کھولنے کا حکم دیا۔ لوگ اُس کے نرم سلوک سے خوش ہو گئے۔ رنجیت سنگھ کے لاہور پر قبضہ کرنے سے پنجاب میں ایک نیا دور شروع ہوتا ہے۔

مہاراج رنجیت سنگھ

پنجاب کی پولٹیکل حالت

قصور میں پٹھان نظام الدین کا راج تھا۔ چک گورو (امرتسر) بھنگی سردار گلاب سنگھ کے قبضہ میں تھا۔ ملتان میں مظفر خان سدوزئی کی حکومت تھی جو ابدالی خاندان سے تھا۔ دائرہ پر عبدالصمد خان حکومت کرتا تھا۔ منکیرہ۔ ہوت۔ بنوں پر محمد شاہ نواز حاکم تھا۔ یہ سب لوگ پہلے کابل بادشاہ کے صوبہ دار تھے لیکن اب خودمختار بن بیٹھے تھے۔ ڈیرہ غازی خاں۔ بہاول پور پر داؤد پوترا بہاول خاں حکومت کرتا تھا اور جھنگ پر احمد خاں سیال

پشاور پر فتح خاں برکزئی اور کشمیر پر اُس کا بھائی عظیم خاں ۔ اٹک کے قلعے پر وزیر خیل جہانداد خاں ۔ کانگڑہ میں راجہ سنسار چند ۔ چمبہ میں راجہ چڑہت سنگھ ۔ ہوشیار پور سے کپور تھلہ تک آہلو والیہ سردار فتح سنگھ ۔ وزیر آباد ۔ دھن ۔ خوشاب ۔ پاک پٹن پر سکھ سردار حکمران تھے ۔

حسد اور سازش

رنجیت سنگھ کے لاہور پر قابض ہو جانے سے سب سردار اُس سے حسد کرنے لگے جیا سنگھ رام گڑھیا ۔ بھنگی گلاب سنگھ (امرتسر) بھنگی صاحب سنگھ (گجرات) جودھ سنگھ (وزیر آباد) اور نظام الدین (قصور) نے ملکر ایک سازش کی اور امرتسر سے روانہ ہو کر سب نے ۱۸۰۰ء میں لاہور پر حملہ کیا ۔ رنجیت سنگھ اُن کے مقابلے پر میدان میں آیا ۔ بھسین کے مقام پر دو ماہ تک فوجیں آمنے سامنے پڑی رہیں ۔ بھنگی سردار سب کچھ بھول گئے ۔ اور شراب پینے میں لگ گئے ۔ یہاں تک کہ گلاب سنگھ اُس کے اثر سے وہیں مر گیا ۔ اُن کے اندر ہل چل پڑ گئی اور سب چھوڑ کر واپس چلے گئے ۔ رنجیت سنگھ فتح کے ساتھ لاہور داخل ہُوا اور نذرانہ وصُول کئے ۔ اُسی سال نارووالی ۔ میرووال ۔ جسروال ہوتا ہُوا جموں سے چار میل کے فاصلے پر جا مقیم ہُوا ۔ راجہ نے بیس ہزار روپیہ اور ہاتھی نذر کیا ۔ نذرانہ لے کر واپسی پر سیالکوٹ پر قبضہ کر کے سوڈھی کیسر سنگھ سے دلاور گڑھ فتح کیا ۔ لاہور پہنچکر ۱۸۰۱ء میں مہاراج کا خطاب لیا دربار میں سب سردار حاضر ہوئے ۔ پروہت نے تلک لگا کر باقاعدہ رسم ادا کی ۔ شاعروں نے نظمیں کہیں اور سرداروں اور علماء نے مبارکبادیں دیں ۔ حکم ہُوا کہ مہاراج کو ہمیشہ سرکار لکھا جائے ۔ لاہور میں ٹکسال قائم

کرکے اپنے نام کا سکہ جاری کیا۔ مہاراج نے پہلے روپے ملاحظہ کرکے خیرات میں دیدیئے۔ مقدمات کے فیصلے کے لئے قاضی نظام الدین اور عزیز الدین کا بھائی فقیر الدین شاہی حکیم مقرر ہؤا۔ امام بخش خرسوار شہر کا کوتوال بنایا گیا۔ دیوان موتی رام کو ایک لاکھ روپیہ لاہور کی فصیل مضبوط کرنے کے لئے دیا گیا۔ صاحب سنگھ بھنگی اور قصور کے پٹھان نے پھر سازش کرنی شروع کی۔ مہاراج نے گجرات پر حملہ کرکے صاحب سنگھ کی خبر لی اور پھر قصور پر حملہ کرکے پٹھان کو اطاعت کے لئے مجبور کیا اور اُس سے سرکار کی مدد میں فوج رکھنے کا اقرار لیا۔

مہاراج کو پھر خبر لگی کہ صاحب سنگھ بھنگی کے کہنے پر اکال گڑھ کا سردار دل سنگھ فوج جمع کر رہا ہے۔ مہاراج نے اُسے دوستانہ چٹھی لکھکر لاہور بلا بھیجا۔ دھوکے میں وہ لاہور چلا آیا۔ پہلے تو اُس کی بڑی عزت کی گئی بعد میں اُس کے مکان کے گرد سپاہی ڈال کر قید کر لیا گیا اور مہاراج نے خود اکال گڑھ پر چڑھائی کر دی۔ دل سنگھ کی رانی تیجو نے فوج لے کر ایسا مقابلہ کیا کہ مہاراج کو ناکام اُلٹا آنا پڑا۔ صاحب سنگھ نے وزیر آباد کے سردار جودھ سنگھ کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔ مہاراج نے اُسے دوستانہ چٹھی لکھکر راضی کر لیا اور خود صاحب سنگھ پر پھر حملہ کیا۔ کچھ دیر محاصرہ کے بعد صاحب سنگھ نے صلح کی درخواست کی۔ باہم راضی نامہ ہو گیا جس پر مہاراج نے دل سنگھ کو چھوڑ دیا۔ دل سنگھ اکال گڑھ پہنچتے ہی مر گیا جس پر مہاراج خود اکال گڑھ چلا گیا اور رانی کو ماتم پرسی کی ایک چٹھی لکھی۔ رانی نے اپنے گھر بُلا بھیجا۔ مہاراج نے شہر میں داخل ہو کر رانی اور اُس کے بچوں کو قید کر لیا اور اِسے صرف دو گاؤں دیکر اکال گڑھ پر قبضہ کر لیا۔

اگلے سال مہاراج نے ڈسکہ کا قلعہ فتح کیا۔ سنہ ۱۸۰۱ء میں مہاراج ترنتارن اشنان کو گیا۔ وہاں پر فتح سنگھ آہلو والیہ سے پگڑی تبدیل کر کے دوستی پیدا کی۔ اگلے سال رانی راجکور سے کھڑک سنگھ کا جنم ہوا۔ اس موقعہ پر بڑی خوشیاں منائی گئیں۔ کئی ہفتہ تک لاہور میں جشن ہوئے اور غریبوں کو خیرات بانٹی گئی۔

بھنگی سردار گلاب سنگھ کے مرجانے کے بعد اُس کی بیوہ رانی سُکھاں اپنے نابالغ بیٹے کے نام پر امرتسر میں حکومت کرتی تھی۔ مہاراج نے امرتسر لینے کا فیصلہ کر لیا اور فتح سنگھ آہلو والیہ کو وہاں بُلا بھیجا۔ رانی نے سب دروازے بند کر دیئے اور فصیل کے اُوپر چڑھ گئی۔ مہاراج نے خود لوہگڑھ دروازے سے اور فتح سنگھ نے ہال دروازے سے حملہ شروع کیا۔ لوہگڑھ مہاراج کے ہاتھ میں آگیا اور شہر پر مہاراج کا قبضہ ہو گیا۔ شہر میں کسی قسم کی لوٹ مار نہیں ہوئی۔ مہاراج خود ہر مندر میں گئے اور بہت سا دان پُن کیا۔

راجہ سنسار چند

ہندو راجاؤں میں اس وقت کٹوچ کا راجہ سنسار چند ہی تھا جو کچھ ہمت رکھتا تھا۔ مہاراج رنجیت سنگھ کو بھی اُس کے ساتھ ٹکر کھانی پڑی۔ ابھی مہاراج گدی پر بیٹھے ہی تھے کہ اُسے خبر ملی کہ راجہ سنسار چند نے اُس کی ساس رانی سدا کور کے علاقے پر حملہ کیا ہے۔ مہاراج نے پہلے فوج روانہ کی اور پھر خود جا پہنچا۔ راجہ سنسار چند سے نہ صرف سب علاقہ واپس لیا بلکہ نور پور پر اپنا قبضہ کر لیا اور واپس آتے ہوئے سُجان پور کا قلعہ گرا کر وہاں سے چار توپیں اپنے قبضہ میں لے لیں اور دھرم کوٹ مشکل گڑھ اور بہرام پور پر اپنا قبضہ کر لیا۔ لاہور واپس پہنچ کر مہاراج نے

پنڈی بھٹیاں ۔ دھن اور پوٹھوہار کا دورہ کیا۔ اُنہیں اپنے قبضہ میں لا وہاں سے چار سو عمدہ گھوڑے اپنے ساتھ لاہور لے آیا۔

اگلے سال مہاراج کو خبر ملی کہ ایک کھتری چوہڑمل کی بیوہ پھگواڑہ میں خود مختار حکومت قائم کرنا چاہتی تھی۔ مہاراج نے پھگواڑہ پر قبضہ کر لیا اور بیوہ کو ہردوار بھجوا دیا۔ اس وقت سنسار چند نے پھر ہوشیار پور اور بجواڑہ پر چڑھائی کر دی۔ مہاراج فوج لے کر اُدھر گیا لیکن سنسار چند کانگڑہ کو واپس چلا گیا۔ دوسرے سال سنسار چند نے پھر ہوشیار پور پر چڑھائی کی لیکن اس کے اپنے علاقے پر گورکھا فوجیں آ پہنچیں جنکا ارادہ اس وقت ہندوستان پر حکومت قائم کرنے کا تھا۔ اس لئے سنسار چند کو واپس جانا پڑا۔ ۱۸۰۶ء میں پٹیالہ اور نابھہ کا آپس میں جھگڑا ہو رہا تھا۔ دونوں نے مہاراج کو اپنا پنچ مقرر کیا۔ مہاراج فوج لے کر اُدھر گیا اور کچھ لڑائی جھگڑے کے بعد اُن کی آپس میں صلح کرائی لیکن اس کے ساتھ جنڈیالہ ۔ رائے کوٹ ۔ جگراؤں ۔ تلونڈی اور لُودھیانہ کو اپنے سرداروں میں بانٹ لیا۔ لُودھیانہ اس وقت رائے کوٹ کے ایک مسلمان راجپوت الیس خاں کی دو بیواؤں کی حکومت کے نیچے تھا۔ مہاراج نے دونوں کو نکال کر لُودھیانہ پر قبضہ کر لیا۔ اس وقت مہاراج کو خبر لگی کہ گورکھا فوج کے جرنیل امر سنگھ نے گڑھوال کا علاقہ فتح کر کے سرمور ۔ بسی وغیرہ ہوتا ہوا کانگڑہ آ گھیرا تھا۔ جب مہاراج رنجیت سنگھ کوٹ کانگڑہ کے نزدیک جا پہنچا تو امر سنگھ کا وکیل نور آور سنگھ اُس کے پاس آیا اور دُگنا نذرانہ پیش کیا۔ مہاراج نے یہ کہکر انکار کر دیا کہ اس نے پہلے سنسار چند سے مدد کا وعدہ کیا ہے لیکن بات یہ تھی کہ وہ گورکھوں کو غیر سمجھ کر مدد دینا نہیں چاہتا تھا۔ راجہ سنسار چند نے تنگ آ کر اپنے بھائی فتح چند کو رنجیت سنگھ کے پاس روانہ کیا۔ مہاراج خود کانگڑہ لینا چاہتا تھا۔

سنسار چند کبھی امر سنگھ سے اور کبھی رنجیت سنگھ سے رابطہ پیدا کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ مہاراج نے دونوں کو دھوکا دیا اور ۲۴ اگست ۱۸۰۹ء کو قلعے میں داخل ہو گیا۔ اگرچہ لڑائی میں بہت سے گورکھے اور سکھ مارے گئے۔ امر سنگھ نے انگریزوں کو بہتیرا کہا کہ وہ اس کے ساتھ ملک پنجاب پر حملہ کریں مگر انگریز شامل نہ ہوئے۔ گورکھا فوج میں ایک بیماری پڑ گئی اور اُسے واپس جانا پڑا۔

جب ۱۸۱۵ء میں گورکھا سردار امر سنگھ انگریزوں کے ساتھ لڑ رہا تھا۔ اُس نے ستلج اور جمنا کا پہاڑی علاقہ اپنے قبضے میں کر لیا تو اُس وقت بھی اُس نے اپنا ایجنٹ پرتھی بلاس لاہور بھیجا لیکن مہاراج نے اُس کو کچھ مدد نہ کی اور بجائے اس کے گورکھوں کے برخلاف انگریزوں کو مدد دینے پر طیار ہو گیا۔

۱۸۱۱ء میں مہاراج نے دینا نگر جا کر پہاڑی راجاؤں سے خراج وصول کئے۔ نور پور کے راجہ سے چالیس ہزار نذرانہ حاصل کیا۔ اُس کے جرنیل دیوان محکم چند اور موناڈوگرہ نے سکیت۔ منڈی اور کُلّو سے خراج وصول کیا۔ کچھ دیر بعد نُور پور کے راجہ بیر سنگھ کو سیالکوٹ بُلایا گیا لیکن وہ وہاں پر حاضر نہ ہوا۔ اس لئے اُس پر اتنا جرمانہ کیا گیا جسے وہ ادا نہ کر سکتا تھا اس پر اُس کی ساری جائداد ضبط کر لی گئی۔ وہ انگریزوں کے پاس پناہ کے لئے بھاگ گیا۔ اُس کے سُسر اُمید سنگھ راجہ جسوال کی جاگیر بھی (صرف تھوڑا سا علاقہ چھوڑ کر) اس قصُور کے بدلے ضبط کر لی گئی۔ اس کے بعد دسہرہ کے لئے مہاراج امرتسر آ گیا اور مادھو پُور سے دربار صاحب تک ایک نہر بنوانے کا حکم دیا۔ وہاں سے پھر دینا نگر جا کر پہاڑی راجاؤں سے نذرانے وصُول کئے۔ کانگڑہ میں چمبہ کے راجہ۔ سکیت کے راجہ اور منڈی کے راجہ (ایشوری سین) کُلّو کے راجہ (ٹھاکر داس) سے نذرانے وصول کئے

۱۸۱۴ء میں گورکھوں اور انگریزوں کی لڑائی ہوئی جس سے گورکھوں کی قسمت کا آخری فیصلہ ہو گیا۔ وہ ہمیشہ کے لیئے ہندوستان سے علیحدہ اپنی پہاڑی میں بند ہو گئے۔

مہاراج نے دیسا سنگھ مجیٹھیا کو کانگڑہ کا کمانڈر اور سب پہاڑی ریاستوں کا ناظم مقرر کیا اور خود جوالامکھی میں دان پُن کر منڈی، سکیت، کُلّو کے راجاؤں سے نذرانے وصول کرتا ہوا جالندھر واپس آیا۔ راستے میں سردار کنہیل سنگھ کے مرجانے پر اُس کی بیوہ سے ہریانہ کا قبضہ لے لیا۔ اُس کے ساتھ ہی بھوپ سنگھ فیضل پوریا کو گرفتار کیا اور اُس کا علاقہ لے لیا۔

قصُور کی فتح

۱۸۰۱ء میں نظام الدین قصور میں باغی ہو گیا۔ مہاراج خود فوج لے کر وہاں پہنچا۔ بڑی سخت لڑائی ہوئی۔ مقابلے میں پٹھان ہار گئے۔ شہر میں خوب لُوٹ مار کی گئی اور پٹھان مرد، عورتیں اور بچے قید کر لیئے گئے۔ نظام الدین مہاراج کے سامنے پیش کیا گیا۔ اُس نے اتنا عجز اور انکساری ظاہر کی کہ مہاراج نے اُسے معاف کر کے پھر بحال کر دیا۔

چند ماہ بعد مہاراج کو خبر ملی کہ نظام الدین کو اُس کے سالے قطب الدین نے قتل کر ڈالا ہے۔ مہاراج نے قصور پر چڑھائی کر دی اور شہر کا محاصرہ ڈال لیا۔ جب قطب الدین بھُوک سے مرنے لگا تو اُس نے بہت سا روپیہ دے کر اطاعت قبول کر لی۔

۱۸۰۷ء میں مہاراج کو خبر لگی کہ قطب الدین نے قصور میں اپنی طاقت بڑھانی شروع کی ہے۔ مہاراج نے بہت سی فوج اکٹھی کر کے قصُور پر حملہ کیا اور ایکماہ تک گھیرے رکھا۔ جب شہر میں کھانے کے لیئے کچھ نہ رہا تو قطب الدین کو مطیع ہونا پڑا۔ سکھ سپاہ نے قصور کو لُوٹا اور اسے اپنے قبضے میں لے لیا۔

اس کی خوشی میں لاہور اور امرتسر میں روشنی کی گئی۔

گجرات اور وزیر آباد

۱۸۰۹ء میں وزیر آباد کا سردار مر گیا۔ مہاراج قبضہ کرنے کے لئے خود وزیر آباد جا پہنچا۔ لیکن جودھ سنگھ کے بیٹے گنگا سنگھ نے ایک لاکھ روپیہ نذرانہ دے کر اطاعت قبول کر لی۔ صاحب سنگھ اور اُس کے بیٹے کے درمیان فساد تھا۔ اگلے سال مہاراج گجرات روانہ ہوا۔ صاحب سنگھ جلال پور کے قلعے میں پناہ گزین ہو گیا۔ مہاراج نے جا کر جلال پور پر قبضہ کر لیا۔ صاحب سنگھ وہاں سے منگلا مائی کو بھاگ گیا۔ فقیر عزیز الدین نے گجرات پر قبضہ کر کے اُس کا سب مال و اسباب ضبط کر لیا۔ مہاراج نے نور الدین کو گجرات کا صوبہ دار مقرر کیا۔ اسی طرح باوجود نذرانہ وصول کر لینے کے مہاراج نے وزیر آباد پر فوج بھیجدی اور قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد خود رام نگر جا کر ندھان سنگھ کو بلا بھیجا۔ ندھان سنگھ نے آنے سے انکار کر دیا۔ جبتک کہ کوئی بیدی باوا ضامن نہ ہو اور ڈسکے میں جا کر پناہ گزین ہو گیا۔ ایک ماہ تک قلعے کا محاصرہ کیا گیا مگر سر نہ ہو سکا۔ دو باوے ملک راج اور جمیت سنگھ بیچ میں ضامن ہو گئے اور ندھان سنگھ آگیا۔ مگر مہاراج نے اُسے قید کر لیا۔ دو باوے دھرنا مار کر بیٹھ گئے اور رنجیت سنگھ کو اُسے چھوڑنا پڑا۔

بٹالہ

مہاراج کے شہروں پر قبضہ کرنے کے طریقے عجیب و غریب تھے جس وقت جو ڈھنگ مناسب دکھائی دیتا۔ مہاراج اُسے استعمال کر لیتا تھا۔ بٹالہ میں اُس کی اپنی ساس سدا کور حکومت کرتی تھی اگرچہ وہ بوڑھی ہو رہی تھی لیکن مہاراج کو بٹالہ لینے کی خواہش لگی رہتی تھی۔ ۱۸۱۹ء میں وہ ایک ماہ تک بٹالہ جا کر ٹھیرا رہا اور چاہتا تھا کہ رانی سدا کور

اپنی جائداد سے کچھ حصّہ شیر سنگھ کو دیدے لیکن رانی سداکور اُسے علیحدہ جاگیر دلانا چاہتی تھی۔ رنجیت سنگھ نے شیر سنگھ اور اُس کی ماں کے درمیان جھگڑا ڈلوادیا اور اکتوبر میں حکم دیا کہ شیر سنگھ اور تارا سنگھ کے لیئے جاگیر علیحدہ کردی جائے۔ سداکور پہلے تو ناراض ہوئی اور انگریزوں کے پاس چلی جانا چاہتی تھی۔ مہاراج نے اُسے شاہدرہ بُلا بھیجا۔ اور مصر دیوان چند کو بھیجکر اُس کے تمام مقبوضات پر قبضہ کرلیا۔ مصر دیوان چند نے مکیریاں میں رتنال گڑھ کو جا گھیرا۔ وہاں پر رانی کی ایک گولی نے بڑا زبردست مقابلہ کیا۔ مصر دیوان چند رانی سے ایک چٹھی لکھوا کر گولی سے اطاعت کروانا چاہتا تھا۔ رانی سداکور نے اپنی مہر لگانے سے انکار کردیا۔ اُسے دو دن بھُوکا رکھا گیا۔ تیسرے دن اُس نے اپنی مہر لگادی اور مصر دیوان چند نے مکیریاں سے سب مال اور جواہرات لیکر لاہور بھیجدیئے۔ اور بٹالہ شیر سنگھ کے نام جاگیر کردی۔ رانی سداکور کو مرتے دم تک قید میں رکھا گیا۔ وہ بڑی بے چین رہتی تھی۔ چھاتی پیٹتی اور مہاراج کو گالیاں دیتی تھی

نکئی اور فیضل پوریا مثل

۱۸۱۰ء میں مہاراج کو خبر لگی کہ کاہن سنگھ نکئی ملتان اور ماجھے کے درمیانی علاقہ پر بہت ظلم کرتا ہے۔ مہاراج نے دیوان محکم چند کو فوج دے کر روانہ کیا جس نے سب علاقہ فتح کرلیا۔ سردار کاہن سنگھ کو بھیرووال میں جاگیر عطا کیگئی

فیضل پوریا سردار بُدھ سنگھ جس کا علاقہ ستلج کے دونو طرف تھا۔ دربار میں آنے سے انکار کرتا تھا۔ دیوان محکم چند فوج لے کر جالندھر جا پہنچا۔ بدھ سنگھ انگریزوں کے پاس لُودھیانہ بھاگ گیا۔ محکم چند نے جالندھر۔ پھلور۔ پٹی۔ بہیت پُور پر قبضہ کرلیا جس سے تین لاکھ کا علاقہ

لاہور کے ساتھ مل گیا۔ محکم چند کو دیوان بنایا گیا۔ ایک ہاتھی سنہری ہودہ
اور جڑی ہوئی تلوار انعام ملے۔

جھنگ

امرتسر پر قبضہ کرنے کے بعد مہاراج نے احمد خاں
سیال سے خراج طلب کیا اور اس کے ساتھ ہی
چڑھائی بھی کر دی جس مقام سے گزرتا تھا لوٹ مار کرتا جاتا تھا احمد خان
نے سیال۔ قوال۔ بھرواں نے سب لوگوں کو جمع کیا۔ جھنگ کے مقام
پر سارا دن لڑائی جاری رہی۔ اس کے بعد تین دن تک محاصرہ رہا۔
نواب کے نوکر اسے چھوڑ کر بھاگ گئے۔ احمد خان نے خود ملتان جا کر
پناہ لی۔ اس کی ساری دولت مہاراج کے ہاتھ آگئی۔ ہندو چودھریوں
نے حاضر ہو کر لوٹ مار سے پناہ مانگی۔ اس لئے کوئی لوٹ مار نہ ہوئی
بعد ازاں احمد خاں نے ساٹھ ہزار روپیہ سالانہ ادا کرنے کا اقرار کیا
اور اسے حکومت واپس دی گئی۔ مہاراج نے اُچ۔ ساہی وال اور گڑھ
کے مسلمان نوابوں سے بہت سا روپیہ وصول کیا۔ ۱۸۰۵ء
میں ملتان اور بھکر ہوتے ہوئے مہاراج جھنگ پہنچا اور احمد خاں سے
نذرانہ طلب کیا اور نہ وصول ہونے پر احمد خاں اور اس کے دیوان
جوایا رام کو قید کر کے لاہور بھیجدیا۔ چار لاکھ روپے کا علاقہ ایک لاکھ
ساٹھ ہزار پر سُکھدیال کو ٹھیکہ پر دیدیا۔ فتح سنگھ آہلووالیہ نے اس عرصہ
میں اُچ کے سید کو نکال کر اس کا علاقہ لے لیا اور کوٹ مہاراجہ پر
قبضہ کر لیا۔

ملتان کی فتح

لاہور کے علاوہ پنجاب کا دوسرا صوبہ ملتان کا تھا
مہاراج کے سپاہی ۱۸۰۲ء میں قصور کی لڑائی کے

بعد تھکے ہوئے واپس آئے تھے کہ مہاراج نے ملتان پر چڑھائی کا حکم دیدیا سب درباری اُس کے خلاف مشورہ دیتے رہے مگر مہاراج نے ایک نہ سُنی۔ ملتان میں بہت دولت تھی اور مہاراج اُسے لینا چاہتا تھا۔ ابھی وہ شہر سے تیس میل ہی دُور تھا کہ نواب مظفر جنگ بہت سے نذرانہ لیکر آگے سے آملا اور مہاراج اُسے قبول کر کے واپس لوٹ گیا۔

ساہی وال کے حاکم فتح خاں نے کئی سالوں سے خراج ادا کرنا بند کر دیا۔ ۱۸۱۰ء میں مہاراج ساہی وال کی طرف روانہ ہوا اور خوشاب سے اچانک رات کو ہی ساہی وال جا پہنچا۔ فتح خاں کو زنجیر پہ ڈال کر لاہور روانہ کر دیا۔ وہاں سے ملتان پر چڑھائی کر دی۔ مظفر خاں قلعے میں پناہ گزیں ہو گیا۔ مہاراج شہر کے اندر داخل ہو گیا۔ ارد گرد کے سردار سب ڈر گئے۔ لیہ اور بھکر کے سردار محمد خاں نے ایک لاکھ بیس ہزار روپیہ نذرانہ ادا کیا۔ بہاول پور کا سردار صدیق محمد ایک لاکھ روپیہ دینا چاہتا تھا مگر مہاراج نے اسے منظور نہ کیا۔ آخر اُس نے پانچ سو سوار لڑائی میں امداد کے لئے روانہ کئے۔ کئی دنوں تک قلعے پر گولہ باری ہوتی رہی مگر پٹھانوں نے بڑی جانبازی سے مقابلہ کیا۔ زمزمہ توپ ملتان لائی گئی۔ لیکن اس کا چلانا اتنا مشکل ثابت ہوا کہ اس سے کچھ فائدہ نہ ہوا۔ دو ماہ تک محاصرہ رکھنے کے باوجود سکھ کچھ نہ کر سکے۔ دیوان محکم چند شجاع آباد کو بھیجا گیا۔ اُسے بھی قلعہ لینے میں کامیابی نہ ہوئی۔ مہاراج کو دونوں جگہ سے ناکام آنے پر بڑی مایوسی ہوئی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مہاراج نے آتے ہی انگریزی قواعد اور ترتیب زور سے سکھانی شروع کر دی۔ مظفر خاں اور مہاراج دونوں نے انگریزوں کو امداد کے لئے لکھا مگر اُنہوں نے کسی طرف دخل دینا مناسب

نہ سمجھا۔ اگلے سال سردار دل سنگھ، مِٹھا ٹوانا اور اُچ کے نوابوں سے خراج وصول کرتا ہُوا مُلتان جا پہنچا۔ مظفر خان کے ایجنٹ دہلی میں زیورات بیچ کر نقد روپیہ لے آئے تھے۔ اُس نے پچاس ہزار روپیہ نذر کیا۔ اس کے بعد دل سنگھ نے کوٹ کمالیہ فتح کیا۔ ۱۸۱۵ء میں مہاراج خود پاکپتن سے ہو کر بہاول پور کو روانہ ہُوا۔ بہاول پور کے نواب نے اسّی ہزار نذرانہ اور اسّی ہزار سالانہ خراج دینا منظور کیا۔ وہاں سے مہاراج ہڑپہ پہنچا اور مصر دیوان چند کے توپ خانے کی مدد سے احمد آباد کا قلعہ سر کیا۔

سکھوں کی فوج کا ایک دستہ مُلتان جا پہنچا۔ پھولا سنگھ اکالی کے دل نے بھنگ کے نشے میں مست ہو کر ایسا حملہ کیا کہ سکھ قلعے کے باہر کے حصے پر قابض ہو گئے۔ مظفر خاں نے اسّی ہزار روپیہ مہاراج کی نذر کیا اور باقی کا جلدی ادا کرنے کا وعدہ کیا۔ وہاں سے مہاراج بھکر آیا۔ بھکر کے نواب کے مر جانے پر اُس کی جگہ شیر محمد بیٹھا تھا۔ مہاراج نے اس سے سوا لاکھ روپیہ طلب کیا۔ نواب نے صرف بیس ہزار کی نذر کی۔ اس سے غُصّے ہو کر مہاراج نے منکیرہ کا علاقہ لُوٹنے کا حکم دیا۔ پھولا سنگھ اکالی نے مُسلمان آبادی پر ناگفتہ بہ ظُلم کئے۔ آخر کار رائے پنڈی داس کی معرفت پچاس ہزار روپیہ ادا ہونے پر لُوٹ مار ختم ہوئی۔

مہاراج کا خیال مُلتان لینے کی طرف لگا ہُوا تھا۔ ۱۸۱۷ء کے شروع میں دیوان موتی رام، بھوانی داس، رہری سنگھ نلوہ اور مصر دیوان چند مُلتان روانہ کئے۔ مظفر خاں نے ایسا مقابلہ کیا کہ ان سب کی کوششیں بیکار ثابت ہوئیں۔ واپس آنے پر بھوانی داس کو قید کر دیا گیا۔ اگلے سال کے شروع میں پچیس ہزار سکھ مصر دیوان چند کے ماتحت زمزمہ توپ

لے کر روانہ ہوئے ۔ رسد کا سامان دریائے راوی اور چناب کے راستے بھجانیکا انتظام کیا گیا۔ مہاراج نے مصر دیوان چند کو ظفر جنگ کا خطاب دیا۔ مہاراج کو ڈر تھا کہ کہیں سب مسلمان اُس کے مقابلے پر اکٹھے نہ ہو جائیں۔ اس لئے اُس نے احمد خاں سیال کو رہا کر کے امرتسر کے ضلع میں جاگیر دیدی۔ مظفر خاں سے اتنی بڑی بھاری رقم طلب کی جس کا دینا اُس کی طاقت سے باہر تھا۔ مظفر خاں نے مسلمانوں کو جہاد کے نام پر اکٹھا کیا۔ دیوان موتی رام نے شہر کا محاصرہ ڈالدیا۔ سکھ توپوں نے قلعے میں سوراخ کر دیئے۔ زمزمہ توپ سے بھی اس دفعہ کام لیا گیا۔ مظفر خاں نے جان توڑ کر کوشش کی مگر تنگ آکر اُس کے ساتھی اُس کا ساتھ چھوڑنے لگے۔ کچھ چلے گئے۔ کچھ مر گئے اور دو ہزار میں سے صرف دو سو زندہ رہ گئے۔ اچانک ایک اکالی سادھو سنگھ نے ساتھیوں کو لے کر جمعہ کے دن پٹھانوں پر دھاوا بول دیا اور ہاتھوں ہاتھ لڑائی میں سب کو قتل کر ڈالا۔ مظفر خان نے خود اور اپنے بیٹوں کو سبز کپڑے پہنا کر خضری دروازے پر مقابلہ کیا اور بڑھتے بڑھتے بہاول حق کے مقبرہ تک آپہنچا۔ یہاں پر مرنے کے لیئے طیار کھڑا ہو گیا۔ اُس کی بہادری دیکھکر سکھ پیچھے ہٹ آئے اور بندوقیں چلانی شروع کیں۔ جن سے مظفر خاں اور اُس کے پانچوں بیٹے مارے گئے۔ نواب کا سب مال و اسباب شال۔ جواہرات وغیرہ لوٹ لیا گیا۔ شہر میں سکھوں نے لوٹ مچادی۔ قلعے کے اندر چار پانچ سو مکان گرا دیئے۔ بہت سی مسلمان عورتیں حملہ کے ڈر سے ڈوب کر مر گئیں۔ ملتان فتح ہو جانے کے بعد شجاع آباد کا قلعہ لوٹا گیا۔ لاہور میں خبر آنے پر متواتر آٹھ دن خوشیاں ہوتی رہیں۔ لاہور اور امرتسر دو شہروں میں روشنی کیگئی۔

مہاراج گلیوں میں پھرتا تھا اور روپیہ پھینکتا جاتا تھا۔ رنجیت سنگھ کو ملتان کی لوٹ بہت تھوڑی معلوم دی۔ اُس نے حکم دیا کہ ساری فوج لاہور واپس آئے اور سب سردار جو کچھ اُنہوں نے لیا ہے سرکار میں داخل کر دیں۔ باوجود اس کے کل پانچ لاکھ کا مال وصول ہوا۔ سُکھدیال ملتان کا صوبہ دار بنایا گیا۔

ڈیرہ جات اور ہزارہ

۱۸۱۷ء میں شاہزادہ شیر سنگھ اور تارا سنگھ کو ہزارے کی مہم پر بھیجا گیا۔ محمد خان کے گرد ہزاروں مسلمان جمع ہو گئے لیکن لڑائی میں محمد خاں مارا گیا اور اُس کے بیٹے نے پچھتر ہزار روپیہ ادا کیا۔ ۱۸۱۹ء میں مہاراج ملتان کی طرف سے سندھ کے امیروں سے خراج لینے کے لئے جا رہا تھا کہ اُسے دو رانیوں سے دو بیٹے پیدا ہونے کی خبر ملی۔ اصل میں یہ مہاراج کے لڑکے نہیں تھے۔ لیکن مہاراج نے انہیں اپنا مان لیا۔ کشمیر اور ملتان کی فتح کی یادگار میں ایک نام کشمیرا سنگھ اور دوسرے کا نام ملتانا سنگھ رکھا۔ ایک کو سیالکوٹ میں اور دوسرے کو ملتان میں جاگیر عطا کی۔ ملتان میں مہاراج کو معلوم ہوا کہ شام سنگھ پشاوریہ نے جسے ملتان ساڑھے چھ لاکھ سالانہ میں ٹھیکے پر دیا تھا بہت ظلم کئے ہیں۔ مہاراج نے شام سنگھ کو قید کر لیا اور بھائی بدن ہزاری کو نیا صوبہ مقرر کر کے اکال گڑھ کے چوہڑہ کھتری ساون مل کو دو سو پچاس روپیہ کا افسر مال مقرر کیا۔ اسی سال جمعدار خوشحال سنگھ نے ڈیرہ غازیخاں کو فتح کیا جو اس سے پہلے کابل کا ایک حصہ تھا۔ اتنے میں خبر ملی کہ ہزارہ پکھلی، دھمتوڑ اور ترہیلہ کے مسلمانوں نے بھائی مکھن سنگھ کو قتل کر کے بغاوت مچا دی ہے اور اُس کی جگہ حکم سنگھ نے معاملہ کو بالکل ہی بگاڑ دیا ہے۔ مہاراج نے دیوان رام دیال اور شام سنگھ اٹاری والا، شاہزادہ شیر سنگھ کے ساتھ ہزارہ کی طرف روانہ کئے۔ اُن کے ساتھ آہلو والیہ فتح سنگھ اور رانی سدا کور

بھی تھے۔ فتح سنگھ نو نرمی کرنا چاہتا تھا لیکن رانی سدا کور نے اِن قبیلوں کو تباہ کرنے کا حکم دیا۔ ہزاروں مسلمان قتل کر دیئے گئے۔ اِن زیادتیوں کو دیکھ کر تربیلہ۔ یوسف زئی وغیرہ کے سب مسلمان اکٹھے ہو گئے اور سردار الٰہی بخش کو گھیر لیا۔ دیوان رام دیال اُس کی مدد کو پہنچا۔ سارا دن لڑائی ہوتی رہی جس میں دونو طرف بہت سے آدمی قتل ہوئے۔ شام کو دونو فوجیں پیچھے ہٹ گئیں۔ دیوان رام دیال نے سب سے آخر میدان کو چھوڑا۔ پٹھانوں کو اس کی خبر لگ گئی وہ لوٹ کر اُس پر ٹوٹ پڑے۔ بڑی بہادری سے لڑتے ہوئے نوجوان دیوان نے اپنی جان دی۔ مہاراج کو اس موت کی خبر سُنکر بڑا صدمہ ہوا۔ اُسے دیوان رام دیال پر بڑی اُمیدیں تھیں۔ دیوان موتی رام نے اپنے بیٹے کی خبر سُنکر کشمیر چھوڑ کر بنارس جانیکا ارادہ کیا۔ ہزارہ کے مسلمان نوابوں نے آہستہ آہستہ خراج دینا منظور کر لیا۔

سنہ ۱۸۲۰ء میں مہاراج جہلم عبور کر کے راولپنڈی گیا اور وہاں کے سردار نند سنگھ کو نکال کر راولپنڈی اپنے ساتھ ملالی اور نانک چند دفتری کو وہاں افسر مقرر کیا۔ فروری سنہ ۱۸۲۱ء کو کھڑک سنگھ کے ہاں نونہال سنگھ بیٹا پیدا ہوا۔ جس سے بڑی خوشیاں منائی گئیں۔ اس وقت کشتواڑ اور رفتہ کوٹ فتح کر کے پنجاب کے ساتھ ملائے گئے۔ سکھ فوجیں ہری سنگھ نلوہ۔ مصر دیوان چند اور دیوان کرپا رام کے ماتحت بھکھر کو روانہ ہوئیں۔ بھکھر لینے کے بعد سردار دل سنگھ اور جمعدار خوشحال سنگھ ڈیرہ اسمٰعیل خاں کی طرف گئے۔ وہاں کے افسر مانک رائے نے مقابلہ کیا لیکن پکڑا گیا۔ اس کے بعد خان گڑھ۔ لیہ۔ منجھ گڑھ پر قبضہ کر کے سکھ فوج نے منکیرہ پر حملہ کیا۔ منکیرہ کے نواب حافظ رحمت خاں نے مقابلے کا ارادہ کیا۔ اُسے پانی کی بہت دقت تھی جو بہت دُور سے اُونٹوں پر

لا یا جاتا تھا۔ چوبیس دن تک محاصرہ رہا۔ مہاراج رنجیت سنگھ خود اس محاصرہ میں موجود تھا نواب کے آدمیوں نے نواب کا ساتھ چھوڑنا شروع کیا اور اس نے تنگ آکر صلح کی درخواست کی۔ اس نے چوبیس توپیں حوالے کردیں۔ دس لاکھ کا علاقہ سرکار کے ہاتھ آیا۔ حافظ رحمت خان کو ڈیرہ اسمٰعیل خاں حکومت کے لئے دیا گیا۔

۱۸۲۳ء میں یکہلی اور دھمتوڑ کے قبیلوں نے بغاوت کردی۔ مہاراج نے ہری سنگھ کو اُن کے برخلاف روانہ کیا۔ ہری سنگھ نے گاؤں کے گاؤں برباد کردیئے اور اُن پر ایسے ظلم کئے کہ وہ ابھی تک بھولے نہیں ہیں۔

۱۸۲۶ء میں ہزارہ کے زمینداروں نے بغاوت کرکے مہاراج کے قلعہ دار عباس خاں کھٹک کو قید کرلیا۔ ہری سنگھ نلوہ نے گندگرھ کے میدان میں شکست دیکر سب کو بھگا دیا اور عباس خاں کو اپنی جگہ بحال کردیا۔ اس سال بہاول پور اور منکیرہ کے نواب مرگئے۔ مہاراج نے اُن کے بیٹوں سے پچیس پچیس ہزار روپیہ نذرانہ لیکر جانشین کردیا۔ ۱۸۳۴ء میں کنور نونہال سنگھ نے شاہ نواز خاں کو نکال کر ڈیرہ اسمٰعیل خاں پر اپنا قبضہ کرلیا۔ اور اس کے بعد قلعہ ٹانک کو بھی اپنے علاقہ کے ساتھ شامل کرلیا۔ اگلے سال یوسف زئی اور افریدیوں پر فتح حاصل کرکے لوٹ مار کی اور دوسری طرف ہری سنگھ نے جمرود میں آفریدیوں کو ایک بڑی شکست دی۔

کشمیر

کشمیر کابل کے ماتحت تھا اور اس وقت عطا محمد اس کا صوبہ دار تھا۔ عطا محمد نے ۱۸۱۰ء میں شجاع کی مدد کرکے اس کے بھائی محمود کو ایک شکست دی۔ اُس سال دیوان محکم چند نے بھمبر اور راجوری پر حملہ کیا۔ بھمبر کے سلطان خان نے مقابلہ کیا مگر قلعہ لیا جانے پر چالیس ہزار

خراج دینا منظور کیا۔ مہاراج خود کٹاس میں گنگا کا قلعہ سر کر چکے تھے کہ خبر آئی کہ شاہ محمود سندھ کے پار ہو آیا ہے۔ مہاراج کھوڑہ سے چلکر راولپنڈی جا پہنچا۔ یہاں پر اُسے پتہ لگا کہ شاہ محمود کشمیر کے صوبہ عطا محمد اور اٹک کے قلعدار کو سزا دینا چاہتا ہے۔ مہاراج نے اُس کے ساتھ دوستی کر لی اور واپس چلا آیا۔ سلطان خان نے اسمعیلخاں کو جسے محکم چند بمبر کا ایک علاقہ دے آیا تھا نکال دیا۔ اس لئے بھائی رام سنگھ کو شاہزادہ کھڑک سنگھ کے ساتھ فوج دے کر روانہ کیا گیا۔ لڑائی میں سلطان خان نے سکھوں کو شکست دی محکم چند خود وہاں جا پہنچا اور سلطان خان کو صلح پر راضی کر لیا اور اُسے لاہور لے آیا۔ مہاراج نے اُسے قید کر کے اُس کا علاقہ ضبط کر لیا۔ ۱۸۱۲ء میں اسمعیلخاں نے راجوری کے عزیز خاں کے ساتھ مل کر عطا محمد کی مدد سے بغاوت کھڑی کر دی۔ مہاراج نے خود جا کر اس بغاوت کو فرو کیا۔ اتنے میں شاہ زمان اور شجاع کے کنبے لاہور میں آ گئے۔ مہاراج نے اُن کی ہر طرح سے خاطر و تواضع کی جس سے اُس کی غرض یہ تھی کہ شجاع لاہور میں رہ کر اس کے قابو میں آ جائے اس کے ساتھ مہاراج نے کشمیر پر بھی اپنی تدبیر لگانی شروع کی اور اُسے موقعہ بھی مل گیا۔ وزیر فتح خان عطا محمد اور اُس کا بھائی جہاندار (قلعدار اٹک) کو سزا دینے کے لئے کشمیر جا رہا تھا۔ اُسے یہ خیال آیا کہ مہاراج کی فوج پہاڑوں میں سے ہو آئی ہے اس لئے مہاراج کے ساتھ ملکر یہ مہم اختیار کرنی چاہئیے۔ مہاراج جہلم کے کنارے یکم دسمبر کو وزیر سے ملا اور فیصلہ ہوا کہ لوٹ کا تیسرا حصہ سکھوں کو دیا جائیگا۔ مہاراج نے دیوان محکم چند کو بارہ ہزار فوج دے کر ساتھ روانہ کیا۔ وزیر سکھ فوج کو ساتھ لیجانا نہ چاہتا تھا۔ وہ ہر شے ان کو بے خبر رکھنا چاہتا تھا۔ پیر پنجال کے پاس برف گرنے لگ گئی جس سے سکھ گھبرا گئے

وزیرا اپنے پٹھانوں کو لئے ہوئے بڑھتا گیا۔ دیوان محکم چند نے راجوری کے سردار کو پچیس ہزار کا اقرار دے کر ایسا راستہ اختیار کیا کہ وہ بھی وزیر کے پہنچنے کے ساتھ سری نگر جا پہنچا مگر اُس کی فوج اتنی تھکی ہوئی تھی کہ وہ شیر گڑھ اور ہری پربت کے محاصرہ میں کچھ مدد نہ دے سکی۔ عطا محمد بھاگ گیا اور وزیر نے شاہ محمود کے نام پر کشمیر پر قبضہ کر لیا اور سکھوں کو کچھ نہ دیا۔

دیوان محکم چند کو خالی ہاتھ لاہور آنا پڑا جس سے مہاراج کو بڑی مایوسی ہوئی اور اُس نے جہانداد سے خط و کتابت شروع کی کہ اٹک اُس کے حوالے کر دے۔ جہانداد اپنے بھائی کی حالت دیکھ کر راضی ہو گیا اور اُس نے قلعے میں سکھ داخل کر لئے۔ فقیر عزیزالدین اور دیوان دیوی داس اٹک کو روانہ کئے گئے۔ اُدھر سے وزیر فتح خان اپنے بھائی عظیم خان کو سری نگر چھوڑ کر اٹک آ پہنچا۔ دیوان محکم چند بھی فوج لے کر وہاں جا پہنچا۔ دیوان محکم چند نے جان بوجھ کر دیری کی تاکہ گرمی آ جاوے اور پٹھانوں کے پاس سامان رسد کم ہو جاوے حضرو کے مقام پر لڑائی ہوئی۔ اس میں وزیر کا بھائی دوست محمد خان بھی موجود تھا۔ دیوان محکم چند کی بہادری سے پٹھانوں کو شکست کھا کر میدان سے بھاگنا پڑا۔ ۱۳ جولائی ۱۸۱۳ء کو پٹھانوں پر سکھوں کو پہلی فتح حاصل ہوئی اس سے لاہور میں بڑی خوشیاں منائی گئیں۔ لاہور۔ امرتسر۔ بٹالہ میں روشنی کی گئی۔ دو ماہ تک خوشیاں جاری رہیں۔ جس کے بعد مہاراج نے اپنے صوبے اٹک کا ملاحظہ کیا۔ اُس کے بعد اکتوبر میں پہاڑی راجاؤں سے خراج وصول کر کے پھر کشمیر پر چڑھائی کا انتظام کیا۔ گجرات سے بھمبر۔ راجوری ٹھٹھا پہنچا۔ اس سے آگے بہرام گلہ کے درمیان پل تباہ کر دیا گیا تھا لیکن راجوری کے سردار نے ایک اور راستہ بتا دیا جس سے سکھ فوج نے درہ

بہرام کلہ پر قبضہ کر لیا لیکن برسات بہت آگئی اور مہاراج کو لاہور واپس جانا پڑا۔
۱۸۱۴ء میں پھر کشمیر پر چڑھائی کا ارادہ کیا اور سیالکوٹ میں سب سردار اور فوج جمع کئے۔ دیوان محکم چند کہتا رہا کہ پہلے بھمبر راجوری میں بہت سا سامان رسد جمع کر لینا چاہیئے۔ بیماری کی وجہ سے دیوان محکم چند تو لاہور میں ہی رہا اور اُس کا پوتا رام دیال جس کی عمر چوبیس سال کی تھی۔ ساتھ گیا۔ راجوری کے راجہ اگر خان نے مہاراج کو پونچھ کے غلط راستے پر ڈال دیا۔ فوج کا ایک حصہ رام دیال اور دوسرے سرداروں کے ماتحت جن میں ہری سنگھ نلوہ اور سر رام سنگھ اٹاری والا بھی تھے آگے روانہ ہوا۔ پیر پنجال گذر کر یہ فوج مہر پور جا پہنچی۔ جہاں ۲۲ جولائی کو عظیم خاں کو بڑی بھاری شکست ہوئی لیکن اگلے مقام شوپیم میں سکھ فوج ہار گئی۔ رام دیال سری نگر کے پاس ایک گاؤں میں ہٹ آیا اور امداد کی انتظار کرنے لگا۔ اُدھر مہاراج اور اُس کی فوج پونچھ جا پہنچی اور سب علاقہ اُجاڑ دیا۔ برسات پڑ گئی۔ سکھ فوج کئی دن تک بیکار پڑی رہی۔ آخر توشو میدان میں اُسے شکست ہوئی اور مہاراج کو واپس لاہور آنا پڑا۔ مہاراج نے بھائی رام سنگھ کو کچھ فوج دے کر دیوان رام دیال کی مدد کو بھیجا لیکن وہ بہرام گلہ میں پڑی رہی۔ رام دیال تھوڑی سی فوج کے ساتھ ایسی بہادری سے لڑا کہ اُس کے مقابلے میں دو ہزار پٹھان مارے گئے اور عظیم خان کو اُس سے صلح کرنی پڑی۔ رام دیال عظیم خان سے مہاراج کے لیئے تحفے تحائف لے کر واپس آیا۔ مہاراج کو دیوان محکم چند کی بات یاد آئی اور اپنی غلطی پر افسوس کرنے لگا۔ اس عرصے میں راجوری اور بھمبر کے سردار بغاوت پر آمادہ ہو گئے۔ دیوان رام دیال اور دل سنگھ نے وہاں پہنچ کر بغاوت کو فرو کیا۔ مہاراج خود نداؤن گیا اور رام گڑھیا کے سارے علاقے پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد راجوری اور کوٹلی کو سر کیا۔ اگلے سال مہاراج کو خبر ملی کہ وزیر فتح خان سندھ عبور کر کے کشمیر کی طرف آرہا ہے۔ مہاراج نے دیوان رام دیال کو سر اٹے کا لا پہ

مقرر کر کے حکم دیا کہ وہ وہاں ٹھیرے جبتک کہ وزیر فتح خاں کشمیر سے واپس نہ چلا جائے۔

تین چار سال گذر گئے۔ ۱۸۱۸ء میں کشمیر کے صوبہ دار جبر خاں کا وزیر بیر دھر ناراض ہو کر مہاراج کے پاس لاہور آپہنچا اور اُسے وہاں کے سب حالات بتا کر کشمیر پر حملہ کرنے کی درخواست کی۔ مہاراج نے اِس دفعہ مصر دیوانچند کو فوج دیکر روانہ کیا اور ایک فوج شاہزادہ کھڑک سنگھ کے ماتحت اور تیسرا حصّہ مہاراج خود لے کر روانہ ہُوا۔ مارچ ۱۸۱۹ء میں مصر دیوان چند راجوری پہنچا اور راجہ عزیز خان کو پکڑنے کا حکم دیا۔ عزیز خاں بھاگ گیا لیکن اُس کا بیٹا رحیم اللہ خاں دیوان چند کے پاس آگیا۔ اُس نے اُسے راجوری کا راج دیدیا۔ اِس کے بعد پُونچھ کے راجہ زبردست خان کا قلعہ لے کر اُسے اطاعت پر مجبور کیا۔ پیر پنجال گذر کر اپنی فوج کے تین حصّے کئے۔ ۱۶ جُون کو بارہ ہزار سکھ سرائے علی میں آمقیم ہوئے۔ ۵ جولائی کو شوپین کے مقام پر پٹھانوں اور سکھوں میں ایک بڑی لڑائی ہوئی جس میں پٹھانوں کی ایک بڑی تعداد ماری گئی اور باقی میدان چھوڑ کر بھاگ گئے۔ جبر خان ایسا زخمی ہوا کہ مشکل سے جان بچی۔ کشمیر پر سکھوں کا قبضہ ہو گیا۔ مصر دیوان چند نے بڑی مشکل سے شہر کو لوٹ سے بچایا۔ مہاراج یہ خبر سُنکر واپس چلا آیا اور لاہور پہنچکر خوشیاں منانی شروع کر دیں۔ لاہور۔ امرتسر میں تین رات تک روشنی ہوتی رہی۔ دیوان محکم چند کے بیٹے دیوان موتی رام کو کشمیر کا پہلا صوبہ مقرر کر کے روانہ کیا۔ کشمیر کا ٹھیکہ ترپن لاکھ کے عوض میں پنڈت بیر دھر کو دیا گیا اور شال بنانے کا ٹھیکہ دس لاکھ پر جواہر مل کو دیا گیا۔ اگلے سال دیوان موتی رام کو اپنے بیٹے رام دیال کی موت کا اِتنا صدمہ ہوا کہ وہ بنارس جانے

پر تیار ہو گیا۔ مہاراج نے اُسے لاہور بُلا لیا اور اُس کی جگہ سردار ہری سنگھ نلوہ کو جس نے پچھلے سال دربند قلعہ فتح کیا تھا۔ صُوبہ دار مقرر کیا۔ ہری سنگھ دلیری اور جانبازی کے لئے بڑا مشہور تھا۔ اُس نے گھوڑے پر سوار ہو کر اکیلے ایک شہر فتح کیا تھا لیکن بطور منتظم کے وہ کامیاب نہ ہوا۔ اس لئے مہاراج کو پھر دیوان موتی رام کو سری نگر بھیجنا پڑا اور وہ ۱۸۲۶ء تک وہاں پر رہا۔

جب دیوان موتی رام کشمیر میں تھا اُس کا بیٹا جالندھر دوآبہ کا گورنر تھا اور دوسرا بیٹا شیودیال ضلع گجرات میں جاگیر کا انتظام کرتا تھا۔ راجہ دھیان سنگھ جو اِس وقت مہاراج کا بڑا مرضی دان ہو گیا تھا۔ اُن کا حسد کرنے لگا اور اُس نے پھلور جو محکم چند کی جاگیر تھا۔ اپنے سالے راجہ رام سنگھ کو دیدیا۔ اِس سے کرپارام جل گیا۔ جب مہاراج نے اُسے دربند کی مہم کے لئے بُلا بھیج۔ بجائے فوج ساتھ لانے کے وہ صرف پندرہ سوار لے کر حاضر ہوا۔ مہاراج نے اُسے قید کر دیا اور موتی رام کو بھی کشمیر سے بُلا لیا۔ سترہ ہزار روپیہ اُن پر جُرمانہ کیا۔ اُس کی جگہ پہلے بھیم سنگھ اور اس کے بعد دیوان چونی لال کشمیر روانہ کئے گئے۔ لیکن دونو انتظام کے ناقابل ثابت ہوئے۔ ڈیڑھ سال کے بعد موتی رام کے خاندان پر پھر مہربانی کی نظر ہو گئی اور دیوان کرپارام کو کشمیر کا گورنر بنا کر بھیجا گیا۔ دیوان کرپارام بڑا قابل اور ہر دلعزیز تھا اُس نے رام باغ کی بُنیاد رکھی۔ ۱۸۳۲ء میں کشمیر سے رپورٹ آئی کہ بسیاکھا سنگھ کے ماتحت جو دیوان کرپارام کی جگہہ کشمیر بھیجا گیا تھا۔ سب انتظام خراب ہو رہا ہے اور لوگوں پر بڑا ظلم ہو رہا ہے۔ شیر سنگھ شراب پی کر عیاشی میں پڑا رہتا تھا اور بسیاکھا سنگھ اندھا دھند ظلم کرتا تھا۔ شال کی دستکاری برباد ہو گئی۔ بڑے بڑے سوداگر دیوالیہ ہو گئے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قحط شروع ہوا جس سے لوگ تباہ ہونے لگے۔ اِس رپورٹ پر

بیساکھا سنگھ کو گرفتار کرکے لاہور لایا گیا اور اُس پر پانچ لاکھ روپیہ جرمانہ کیا گیا۔ اُس کی جگہ جمعدار خوشحال سنگھ۔ بھائی گورمکھ سنگھ اور غلام محی الدین۔ شیر سنگھ کی امداد کے لئے روانہ کئے گئے۔ خوشحال سنگھ نے معاملہ اور بگاڑ دیا۔ قحط سے ہزاروں لوگ وطن چھوڑ بھاگ آئے۔ ہزاروں وہیں بھوک سے مر گئے۔ لاہور کی گلیوں میں کشمیری روٹی کے لئے چلاتے تھے ہر روز کوتوال بھوک سے مرے ہوؤں کی رپورٹ کرتا تھا۔ مہاراج نے گوبند گڑھ کے اناج کا ذخیرہ کھول دیا لاہور اور امرتسر کی مسجدوں اور مندروں میں سب کو آٹا ملنے لگا۔ جتنے کشمیری پنجاب کے بڑے شہروں میں پائے جاتے ہیں۔ یہ سب اُن کی اولادیں ہیں جو اُس وقت کشمیر چھوڑ کر پنجاب آئے مہاراج نے خوشحال سنگھ اور غلام محی الدین کو واپس بُلا لیا۔ غلام محی الدین کی جائداد ضبط کر لی اور خوشحال سنگھ کو ایک ماہ تک سامنے نہ آنے دیا اور اُس کی جگہ مہاں سنگھ کو روانہ کیا۔ ۱۸۳۴ء میں لداخ کے حکمران خاندان میں جھگڑے ہو گئے۔ راجہ گلاب سنگھ کے کمانڈر زور آور سنگھ نے راجہ کو گدی سے اُتار اُس کے وزیر کو بٹھا دیا تیس ہزار روپیہ خراج مقرر کر کے سکھ فوج وہاں رکھ دی

ستلج پار کی سکھ ریاستیں اور انگریز

مہاراج رنجیت سنگھ کی پالیسی تھی۔ اُس کی سلطنت کو مضبوط کرنے کے لئے یہ لازمی امر تھا کہ پنجاب میں کوئی سردار ایسا طاقتور نہ رہے جو اُس کے ساتھ برابری کا دعویٰ کر سکے۔ مثلوں کے جتنے سردار تھے وہ یا تو اُس کے جھنڈے تلے آ گئے یا اُسی کی سلطنت کا حصہ بن گئے یا دریائے ستلج کے پار ہو گئے ۱۸۰۷ء میں پٹیالہ میں راجہ صاحب سنگھ اور اُس کی رانی میں جھگڑا ہو گیا مہاراج کو وہاں پر بلایا گیا اور اُس نے وہاں جا کر صلح کرائی۔ اس کے بعد سرہند

کے علاقے کے سرداروں سے خراج وصول کیا۔ نرائن گڑھ کا قلعہ فتح کر کے فتح سنگھ آہلووالیہ کے سپرد کر دیا۔ راہوں کا سردار نرائن گڑھ کے محاصرے میں مارا گیا تھا۔ مہاراج نے راہوں پر بھی قبضہ کر لیا۔ بہلول پور اور بھرت گڑھ سردار بھادل سنگھ کی بیوہ سے چھین لیے۔ دیوان محکم چند نے وادنی کا علاقہ فتح کر لیا اور ستلج کے بائیں علاقے میں جا گھسا۔ اِس سال رانی مہتاب کور سے جوڑی بچے پیدا ہوئے جنکا نام شیر سنگھ اور تارا سنگھ رکھا گیا۔ حقیقت میں یہ دونو لڑکے دوسری عورتوں سے لیکر رانی کے مشہور کئے گئے تھے۔ شیر سنگھ ٹکبریاں کے ایک جلاہے سے تھا۔ تارا سنگھ ایک مسلمان عورت کا بچہ تھا۔

ستلج پار کی سکھ ریاستوں کو یہ ڈر پیدا ہوا کہ رنجیت سنگھ سب کو اپنے اندر جذب کر لیگا۔ ۱۸۰۸ء میں ان ریاستوں نے سمانا (ریاست پٹیالہ) میں ایک کمیٹی کی کہ انہیں رنجیت سنگھ کے ساتھ ملنا چاہیئے یا سرکار انگریزی کے ساتھ۔ جیند کا راجہ بھاگ سنگھ کیتھل کا بھائی لال سنگھ پٹیالہ کا دیوان چین سنگھ۔ نابھہ کا ایجنٹ میر غلام حسین کا ایک ڈیپوٹیشن اُسی مارچ میں دہلی گئے اور اپریل میں ایک تحریری درخواست پیش کی لیکن سرکار انگریزی کی طرف سے کوئی فیصلہ کن جواب نہ ملا۔ جب مہاراج رنجیت سنگھ کو اس وفد کی خبر ملی تو اُس نے ان سب کو امرتسر بلایا اور بڑی تسلی دی

پہلے پہل مہاراج رنجیت سنگھ کا انگریزوں سے اُس وقت واسطہ پڑا تھا جب مہاراج نے چناب اور سندھ کے درمیان مسلمانوں پر حملہ کیا تھا۔ اُن کا خراج ایک لاکھ بیس ہزار کر دیا۔ ملتان کے نواب نے ستر ہزار روپیہ دیکر اپنی جان چھڑائی۔ مہاراج کو ہلکر کے آنے کی خبر سنکر لاہور آنا پڑا۔ جس کا انگریزی

فوج تعاقب کر رہی تھی۔ انگریز جرنیل ایک ہی گورا فوج کے ساتھ دریائے بیاس سے پار ہوا۔ اُس کی فوج کا سفید رنگ۔ وردی اور قواعد و انتظام کو دیکھ کر عام لوگوں میں بیراسی چھیل گئی۔ اُنہوں نے نہ کسی آدمی کو تکلیف دی نہ کسی کے اناج کا ایک دانہ تک چھوُا۔ جتنا سامان اُنہیں ضرورت ہوتا تھا قیمت دیکر خریدتے تھے جس سے لوگوں کے دلوں میں اُن کے تعریف پیدا ہونے لگی۔ ہلکر انگریزوں کے برخلاف مہاراج سے مدد مانگتا تھا نہیں تو کابل جانے کے لئے راستہ چاہتا تھا۔ مہاراج کی کونسل نے صُلح کرانے کا فیصلہ دیا اور اپنا وکیل انگریز جرنیل کے پاس بھیجا جس کا نتیجہ یہ ہوُا کہ مہاراج نے انگریزوں سے عہد نامہ کر لیا اور ہلکر کو پنجاب سے چلے جانے کے لئے کہدیا۔ غالبًا مہاراج کے ساتھ دوستی کی وجہ سے دہلی کے انگریز سکھ ریاستوں کو کوئی ٹھیک جواب نہ دے سکے۔ جواب نہ دینے کی ایک وجہ اور بھی تھی اور وہ یہ ہے کہ نپولین بُونا پارٹ نے رُوس کے زار (شہنشاہ) کے ساتھ اتحاد کر کے تُرکوں اور ایرانیوں کی امداد سے ہندوستان پر حملہ کرنے کی تجویز کی۔ انگلینڈ کو اِس سے بہت فکر پیدا ہوُا۔ اُنہوں نے یہ ضروری سمجھا کہ کابل ایران اور پنجاب سے دوستانہ تعلقات پیدا کریں۔ اِس کے لئے اُنہوں نے الیفنسٹن کو کابل۔ میلکام کو ایران اور مٹیکاف کو رنجیت سنگھ کے پاس روانہ کیا۔ اُس وقت ریاستوں کے قاصد بھی مہاراج کے دربار میں تھے۔ رنجیت سنگھ کی طاقت سب کو بڑھتی ہوئی نظر آتی تھی۔ اُس نے پنجاب پر قبضہ کر لیا تھا۔ سب مسلمان اُس سے ڈرتے اور خراج دیتے تھے۔ وہی ایک مرکز نظر آتا تھا جو سکھوں کو ایک کر سکتا تھا۔ اُس کا ارادہ بھی یہی تھا کہ جمنا تک سکھوں کی ایک حکومت قائم کرے۔ جو بھی

میٹکاف لاہور پہنچا۔ تو مہاراج لاہور سے قصور چلا گیا۔ میٹکاف نے اس سے
یہ نتیجہ نکالا کہ مہاراج اُس کا لاہور یا امرتسر میں رہنا اچھا نہ سمجھتا تھا لیکن اصلی
وجہ یہ تھی کہ دیوان محکم چند نے مہاراج کو یہ بتایا کہ دونوں طاقتوں کے
درمیان صلح اس شرط پر ہوگی کہ جہانتک اُن کی حدود ہوں وہ قائم رہیں۔
اس لیئے بہتر طریقہ یہ ہے کہ مہاراج میٹکاف سے ملنے میں دیر ہی کرے
اور اتنی دیر میں وہ ستلج پار ہو کر اپنی حدود جمنا تک کرلیگا۔ میٹکاف ۱۱ ستمبر کو
قصور پہنچا۔ وہ اپنے ساتھ گھوڑوں کی جوڑی۔ ایک انگریزی گاڑی۔ تین ہاتھی
سُنہری ہودے اور ایسا ہی سامان لایا تھا۔ دیوان محکم چند نے اُس کا استقبال
کیا۔ مہاراج نے فرانس کے حملے کے معاملے کی طرف کچھ توجہ ہی نہ دی۔
انگریزوں کے ساتھ دوستی پر رضامند تھا مگر یہ شرط ماننے سے بالکل انکار
کردیا کہ دریائے ستلج اُس کی حد سمجھی جائے۔ اس کے ساتھ ہی میٹکاف کو
عزیز الدین کے سپرد کر کے خود ستلج پار ہو گیا۔ یکم اکتوبر کو کرم چند چہل نے
فرید کوٹ پر قبضہ کر لیا۔ مالیر کوٹلہ پہنچکر عطا اللہ خاں سے ایک لاکھ روپیہ زرانہ
طلب کیا۔ میٹکاف نے مہاراج سے کہا کہ یہ سب کارروائی رابطۂ دوستی
کے خلاف تھی۔ مہاراج نے اس پر بڑی حیرانی ظاہر کی کہ سرکار انگریزی
کو اس سے کیا ہے۔ مہاراج کو اپنے سکھوں پر پورا حق تھا اور اسے
کھلی اجازت ہونی چاہیئے کہ وہ اُن کے ساتھ جیسا چاہے سلوک کرے۔
میٹکاف فتح آباد ٹھیر گیا مگر مہاراج انبالہ جا پہنچا اور گوربخش کی بیوہ دیا کور سے
ملک لے کر نابھہ اور کیتھل کے حوالہ کر دیا۔ مال اور زیور خود سنبھال لیئے۔
گنڈا سنگھ انبالہ کا حاکم مقرر کیا۔ ساہنیوال۔ چاندپور۔ جھندہ۔ دھاری۔
بہرام پور پر قبضہ کر کے دیوان محکم چند کو عطا کر دیئے۔ رحیم آباد۔ کانا۔ رنبی کوٹ

وغیرہ دوسرے سرداروں کو دیدیئے شاہ آباد کے سردار کرم سنگھ سے اور تھانیسر کے سردار سے خراج وصول کیا۔ اکتوبر میں پٹیالہ کے راجہ صاحب سنگھ کو بُلا کر ملاقات کی اور پگڑی بدل کے دوستی پکی کر لی۔ ۱۰ر دسمبر کو ستلج عبور کر لیا اور مسٹر مٹیکاف سے ملاقات کی۔

مسٹر مٹیکاف نے مہاراج کو سرکار انگریزی کا آخری جواب بتایا کہ ستلج پار کی ریاستیں سرکار انگریزی کی پناہ میں سمجھی جانی چاہئیں۔ مہاراج اُن سے تعلق چھوڑ دے۔ سرکار نے اُن سے وہ خراج لینا بند کر دیا ہے جو وہ مرہٹوں کو ادا کیا کرتے تھے۔ مہاراج سے کہا گیا کہ وہ تازہ لیا ہوا سب علاقہ واپس کر دے۔ مہاراج اِس پر طیار نہ تھا۔ دیر لگاتا رہا اور جنگ کے لئے طیار ہو گیا۔ لارڈ منٹو نے بھی ڈیوڈ آکڑلونی کے ماتحت ایک دستہ فوج روانہ کی۔ سرہند کے سب سرداروں نے اِسے خوش آمدید کہا اور وہ بوریا پٹیالہ نابھہ ہو کر جنوری ۱۸۰۹ء میں لُدھیانہ پہنچا۔ انبالہ رانی دیا کور کے حوالے کر دیا جس سے راجہ صاحب سنگھ اور جسونت سنگھ بڑے راضی ہوئے۔ مالیر کوٹلہ میں پٹھان کو اپنی جگہ بحال کر دیا۔ یہ تمام خبریں مہاراج کو پہنچ رہی تھیں کہ اتنے میں امرتسر میں ایک اور چھوٹا سا واقعہ ہوا جس کا اثر مہاراج کے دل پر بہت سا ہوا۔

امرتسر میں مٹیکاف کے ساتھ کچھ مسلمان ہندوستانی سپاہی تھے۔ محرم کے آجانے اُنہوں نے تعزیہ بنا کر پھرانا شروع کیا۔ جب وہ اکالیوں کے پاس سے گزرنے پھولا سنگھ اکالی نے اُن پر حملہ کر دیا اگرچہ سپاہیوں کی تعداد بہت کم تھی لیکن اُن کی قواعد دانی کی وجہ سے اُنہوں نے ایسی بہادری دکھائی کہ اکالیوں کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ مہاراج نے گوبند گڑھ میں سب حال سُنا۔ موقعہ پر پہنچکر اپنا

رومال ہلایا اور لڑائی بند کر دی۔ میٹکاف سے معافی مانگی اور سپاہیوں کا ہرجانہ دیا۔ اِس سے اُس کا خیال ہوگیا کہ انگریزی فوج لڑنے میں بہادر ہے اُس کی اپنی سلطنت کی بُنیاد ابھی کچّی ہے اور اُس کا انگریزوں سے مقابلہ کرنا مناسب نہ تھا۔ اِس لئے اُس نے ۲۵ اپریل ۱۸۰۹ء کو عہد نامہ منظور کرکے اُس پر دستخط کر دیئے جس کی رُو سے اُس نے ستلج سے پار کی سب ریاستوں پر اپنا دعویٰ ہٹا لیا اور سرکار انگریزی کا ستلج سے شمال کی طرف کوئی تعلق نہ ہوگا اور دونوں میں ہمیشہ کی دوستی رہے گی۔ جبتک مہاراج زندہ رہا یہ شرائط برابر پُوری کی گئیں۔ سرکار انگریزی نے ستلج کے پار کی ریاستوں سے کسی قسم کا خراج نہ لیا۔ اُن کو اپنی پناہ میں لینے کی غرض صرف امن قائم رکھنا تھا۔ یہ سب شرائط عہد نامہ میں درج کی گئیں جو کہ ۶ مئی ۱۹۰۹ء کو مکمل ہوگیا۔ کچھ عرصہ تک ایکدوسرے کے خلاف شکوک قائم رہے۔ سندھیا ہُلکر اور امیر خاں روہیلہ اپنے آدمی بھیجکر یہ کوششیں کرتے رہے کہ مہاراج رنجیت سنگھ اُن کے ساتھ انگریزوں کے خلاف سازش میں شریک مگر آہستہ آہستہ یہ سب شبہے دُور ہوگئے۔ مہاراج نے گوبند گڑھ کا قلعہ درُست کیا اور پھلور کا قلعہ مضبوط کرکے دیوان محکم چند کو قلعدار مقرر کیا۔

ستلج کی اِن سکھ ریاستوں کے آپس کے تعلقات کسی ضابطہ یا قاعدے کے ماتحت نہ تھے۔ جو کوئی اُن میں زیادہ طاقتور تھا کمزور کو دبا لینا چاہتا تھا۔ اِس لئے اگست ۱۸۱۱ء کو سرکار انگریزی نے ایک فرمان نکالا کہ کوئی رئیس کسی دوسرے کی جائداد پر قبضہ نہ کرے اور اگر کوئی ایسا کرے گا تو سرکار انگریزی کو دخل دینا ہوگا۔ اور سارا خرچ قصوروار کے ذمہ پڑے گا۔ سرکار نے لدھیانہ میں ایک چھاؤنی قائم کرلی۔ جہاں پر مہاراج کی طرف سے بٹالہ کا بخشی

نند سنگھ ایجنٹ مقرر کیا گیا اور سرکار انگریزی نے ایک کائستھ خوشوقت رائے کو لاہور میں خبر رساں مقرر کیا۔ ۱۸۱۲ء میں کھڑک سنگھ کی شادی۔ فتحگڑھ کے کنہیا سردار جیل سنگھ کی اکلوتی لڑکی چند کور کے ساتھ ہوئی جس میں نابھہ، جیند وغیرہ کے سب رئیس بلائے گئے اور انگریز افسر آکٹرلونی کو بھی بلایا گیا اگرچہ دیوان محکم چند اس کے برخلاف تھا لیکن مہاراج نے آکٹرلونی کو قلعہ وغیرہ سب کچھ ملاحظہ کرایا۔

کابل اور پشاور

جس وقت مسٹر ایلفنسٹن کابل میں پہنچا اور شاہ شجاع کابل کا حکمران تھا۔ ایلفنسٹن نے اس کے ساتھ عہد نامہ دوستی کر لیا لیکن اس کے تھوڑی دیر بعد ۱۸۱۰ء کے شروع میں اس کے بھائی محمود نے قید سے نکلکر فتح خاں برکزئی کی مدد سے شجاع کو شکست دی اور بھگا دیا۔ شاہ شجاع خوشاب میں مہاراج رنجیت سنگھ کو ملا۔ شجاع کی بہت تواضع کی گئی۔ مگر وہ راولپنڈی کو چلا گیا۔ اس نے محمود کو شکست دی اور پشاور قابض ہو گیا لیکن اگلے سال اسے پھر شکست ہوئی اور وہاں سے بھاگنا پڑا۔ جب شاہ محمود کشمیر کے صوبہ عطا محمد کے برخلاف آیا تھا تو مہاراج نے راولپنڈی میں اس کے ساتھ دوستی کر لی۔ ۱۸۱۱ء میں شاہ شجاع لدھیانہ کے انگریزوں سے مایوس ہو کر لاہور آیا۔ مہاراج اسے لاہور میں رکھکر اپنے قابو میں رکھنا چاہتا تھا۔ شاہ شجاع کو بڑی عزت کے ساتھ مبارک حویلی میں رکھا گیا لیکن فوراً ہی مہاراج نے اس سے کوہ نور ہیرا لینے کے لئے درخواست کر دی۔ شاہ نے کہا کہ ہیرا اس کے پاس موجود نہیں اور اس کی بیگم نے یہ بہانہ کیا کہ اسے کابل میں گروی رکھدیا گیا تھا۔ اس پر مہاراج نے ان کے گرد ایک مضبوط گارد رکھدی۔ جب یہ طریقہ کارگر نہ ہوا تو انہیں سامان خوراک سے محروم کر دیا گیا۔ شاہ اور اس کا

کنبہ دو دن بھوکے رہے۔ شاہ کو اپنے کنبے سے علیحدہ کر دینے کی دھمکی بھی دی گئی جس پر شاہ نے دو ماہ کی مہلت مانگی۔ ان سب بے عزتیوں سے تنگ آکر شاہ نے کوہِ نور دینے کا اقرار کیا۔ رنجیت سنگھ خود اُس حویلی میں گیا اور ایک گھنٹہ انتظار کرتا رہا جس کے بعد مہاراج نے ایک نوکر سے اشارہ کیا کہ شاہ کو اُس کے اقرار کی یاد دلائے جس پر ایک خواجہ سرا اندر گیا اور ایک چھوٹا سا رومال لے آیا۔ مہاراج نے دیوان بھوانی دیال کو کھولنے کے لیئے حکم دیا۔ اُس میں سے چمکتا ہوا ہیرا نکلا۔ مہاراج نے اُسے اپنی جیب میں ڈال لیا۔ شاہ پر سے سب سختیاں ہٹا دی گئیں۔ اُسے کابل واپس دلانے کے لیئے مدد کا اقرار کیا گیا اور ایک جاگیر مقرر کر دی گئی۔ لیکن کچھ دیر بعد اُس کے اپنے ایک نوکر ابوحسن نے مخبری کی کہ شاہ کے پاس ابھی اور بہت سے جواہرات ہیں جس کی وجہ سے شاہ پر پھر سختیاں شروع ہو گئیں۔ ان سے تنگ آکر شاہ نے پہلے اپنی بیگموں کو ہندو عورتوں کی بیل گاڑی کے ذریعے لدھیانہ روانہ کر دیا اور پھر خود بھیس بدل کر رات کو لوہاری دروازہ کی نالی سے نکلا اور داتا گنج بخش کے مقبرے میں چلا گیا۔ تیر کر راوی عبور کیا۔ گوجرانوالہ سے جموں۔ جموں سے کشتواڑ اور وہاں سے کچھ سپاہی اکٹھے کر کے کشمیر لینے کی کوشش کی لیکن اس میں اُسے کامیابی نہ ہوئی۔ کلو کے پہاڑوں کے راستے واپس آکر ستمبر ۱۸۱۹ء میں لدھیانہ پہنچا اور اپنے آپ کو انگریزوں کی پناہ میں ڈال دیا۔

وزیر فتح خاں ایک شخص تھا جس نے کابل میں محمود کی حکومت کو قائم رکھا تھا۔ محمود کا بیٹا کامران اُس سے حسد کرنے لگا۔ اُس نے ۱۸۱۸ء میں اُسے ایران پر حملہ کرنے کے لیئے روانہ کیا لیکن فتح خاں کو اس میں بڑی کامیابی ہوئی۔ اُس کی واپسی پر اُسے ایک ضیافت دی گئی اور ایک سازش کے ذریعے

اُسے گرفتار کرکے قتل کر دیا گیا۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ وزیر کا قبیلہ برکزئی فساد پر آمادہ ہو گئے۔ اُس کا بھائی عظیم خاں کشمیر سے وہاں پہنچا اور کامران کو شکست دے کر تیمور کے بیٹے ایوب شاہ کو کابل کے تخت پر بٹھایا۔ جب کابل میں یہ ہلچل ہو رہی تھی۔ مہاراج رنجیت سنگھ کو پشاور پر تسلط جمانے کا خیال پیدا ہوُا۔ لاہور کے باہر پندرہ دن تک متواتر مہاراج فوج کا ملاحظہ کرتا رہا۔ پھولا سنگھ اکالی اور اُس کے ساتھ دو اور سرداروں کو آگے روانہ کر دیا۔ اُنہوں نے کھٹک پٹھانوں کو ایک شکست دی اور خیر آباد۔ نوشہرہ اور وہاں سے پشاور پر قبضہ کر لیا۔ پشاور کا صوبہ دار یار محمد پشاور سے بھاگ گیا۔ مہاراج تین روز تک پشاور میں رہا اور پچیس ہزار روپیہ نذرانہ اور چودہ توپیں لے کر جہانداد خان کو پشاور کا صوبہ دار مقرر کر کے واپس ہو آیا۔ مہاراج اٹک کے قریب تھا جب کہ دوست محمد خاں نے اپنے ایجنٹ داسومل اور حافظ روح اللہ کو مہاراج کے پاس بھیجا۔ اُنہوں نے ایک لاکھ روپیہ پیش کیا تاکہ اُسے پشاور دیا جائے۔ مہاراج نے یہ بات مان لی۔ برکزئی پٹھانوں نے جہانداد کو پشاور سے نکال دیا مہاراج کو یہ سُنکر غصہ آیا اور اُس نے سردار دل سنگھ کو بارہ ہزار فوج دے کر پشاور کو روانہ کیا لیکن اتنے میں ہی کابل کے ایجنٹ پچاس ہزار روپیہ اور کچھ گھوڑے لیے ہوئے آ گئے۔ جس پر سکھ فوج واپس بلا لی گئی۔ مہاراج کٹاس کا اشنان کر کے لاہور واپس آ گیا۔ ۱۸۱۸ء میں شاہ شجاع نے پشاور لینے کی کوشش کی لیکن اُسے کامیابی نہ ہوئی۔ اُس نے اس کے بعد سندھ کے امیروں کی مدد سے دائرہ دین پناہ میں اپنی حکومت قائم کرنی چاہی۔ دل سنگھ فوج لیکر وہاں پہنچا اور شاہ کو سندھ کی طرف بھگا دیا۔

اپریل ۱۸۲۳ء میں خبر آئی کہ محمد عظیم خاں پشاور سے چلکر خیر آباد تک آ

پہنچا ہے۔ مہاراج نے مصر دیوان چند کو اُس کے برخلاف بھیجا۔ کچھ لڑائیوں کے بعد مہاراج خود وہاں جا پہنچا لیکن محمد عظیم خاں اپنے خانگی جھگڑوں کی وجہ سے خود ہی کابل کو واپس چلا گیا۔ اکتوبر ۱۸۲۲ء میں مہاراج نے رہتاس میں اپنی ساری فوج اکٹھی کی اور وہاں سے راولپنڈی کو کوچ کیا۔ فقیر عزیزالدین کو پشاور کے محمد یار خاں سے نذرانہ لینے کے لئے آگے روانہ کر دیا۔ محمد یار خاں نے بہت سے گھوڑے بھی نذرانے کے ساتھ دیئے۔ محمد عظیم خان کو اپنے بھائی کی یہ حرکت پسند نہ آئی اور وہ کابل سے پشاور آیا۔ مہاراج نے شیر سنگھ کو دیوان کرپارام و ہری سنگھ نلوہ کے ساتھ فوج دے کر روانہ کیا۔ انہوں نے جہانگیر آباد پر جا کر قبضہ کر لیا۔ اس سے جوش میں آکر پٹھانوں کی ایک بڑی تعداد جہاد کی غرض سے نوشہرہ میں اکٹھی ہو گئی۔ سوات۔ بنیر کے لوگ آفریدی کھٹک سب جمع ہوئے۔ مہاراج نے کھڑک سنگھ اور مصر دیوان چند کو فوج دیکر مدد میں بھیجا اور بعد میں خود بھی روانہ ہو گیا۔ اُدھر محمد عظیم خان بھی نوشہرہ آپہنچا۔ دوست محمد اور سردار جبر خاں بھی مقابلے کے لئے طیار تھے۔ مہاراج نے پندرہ ہزار سوار کے ساتھ ۱۲ مارچ کو گھوڑے پر سوار اٹک دریا عبور کیا۔ ان میں سے ایک ہزار کے قریب آدمی دریا میں ڈوب گئے۔ توپیں ہاتھیوں پر پار کی گئیں۔ پٹھانوں کی طرف بیس ہزار سے زیادہ جہادی آپہنچے تھے۔

نوشہرہ کی لڑائی اس لئے بڑی مشہور ہے کہ اس میں بہت عرصے کے بعد پنجابیوں نے اکٹھے ہو کر پٹھانوں کی مجموعی طاقت کا مقابلہ کیا۔ لڑائی شروع ہوئی۔ پٹھانوں نے سکھ جرنیل سنت گورو سہائے اور مہاں سنگھ کو گولی کا نشانہ بنایا اور سکھوں کو پہاڑی سے نیچے ہٹا دیا۔ اتنے میں پھولا سنگھ

اکالی اپنے ساتھیوں کو لے کر اُن پر ٹوٹ پڑا مگر غازیوں نے حملے کا جواب ایسی تندی سے دیا کہ پھولا سنگھ میدان میں مارا گیا۔ اب مہاراج نے خود حملہ کیا۔ مصر دیوان چند اپنا توپ خانہ لئے ہوئے آپہنچا اور شام تک غازیوں کی آدھی تعداد قتل ہو گئی مگر وہ اپنی جگہ برابر ڈٹے رہے۔ اس کے بعد گورکھوں کو بڑھنے کا حکم دیا گیا اور اُن کا ایک دستہ پیچھے کھڑا کر دیا گیا تاکہ بھاگنے والوں کو گولی کا نشانہ بنائیں۔ پٹھان سب طرف سے گھِر گئے اور گھبرا کر میدان سے بھاگ نکلے۔ محمد عظیم خان اپنے حرم کو خطرے سے بچانے کے لئے میدان سے پہلے ہی چلدیا اور مومند پہاڑیوں کے راستے نکل گیا۔ مہاراج نے آگے بڑھ کر ہشت نگر پر قبضہ کیا اور ۱۷ر مارچ کو پشاور کو جا لیا۔ سکھوں نے جمرود تک سارے علاقے کو اچھی طرح سے لُوٹا۔ مسلمان آبادی اپنے نئے فاتحوں کے سخت برخلاف تھی۔ اس لئے مہاراج نے پشاور اپنے ہاتھ میں رکھنا مناسب نہ سمجھا۔ یار محمد اور دوست محمد کو بلا بھیجا وہ گھوڑوں کے تحفے لے کر حاضر ہوئے۔ مہاراج نے نئے علاقے کو ان دونو کے درمیان بانٹ دیا اور ۲۶ر اپریل کو لاہور واپس آگیا۔ لاہور اور امرتسر میں بڑی روشنی کی گئی اور خوشیاں منائی گئیں۔ اسی وقت ہی تمور شاہ کا بیٹا ابراہیم لاہور آیا۔ مہاراج نے اُس کے استقبال کا حکم دیا اور اُس کے لئے گنج بخش کے پاس خیمے نصب کرائے گئے۔

سیّد احمدؒ

۱۸۲۷ء کے شروع میں یوسف زئی کی پہاڑیوں میں ایک شخص سید احمدؒ نے اپنے آپ کو پیغمبر مشہور کیا اور سکھوں کے خلاف جہاد کا اعلان کیا۔ یہ شخص اصل میں بریلی کا ایک سید تھا اور امیر خان کے پاس سپاہی کے طور پر نوکر تھا۔ کچھ عرصہ

وہ دہلی رہا۔ پھر کلکتے گیا۔ اپنے مذہبی جوش اور بات چیت کی طاقت سے اُس نے بہت سے مُرید بنا لیئے۔ اس کے بعد اُس نے حج کا ارادہ کیا۔ حج سے واپس آکر اُس نے سکھوں کے برخلاف جنگ کرنے کی تدبیر بنائی۔ وہ انگریزی حکومت میں خلل نہیں ڈالنا چاہتا تھا۔ پانچ سو کے قریب ساتھی لے کر ٹانک اور وہاں سے سیدھا قندھار چلا گیا۔ وہاں اُسے بہت کامیابی نہ ہوئی۔ اس لیئے یوسف زئی کی پہاڑیوں میں چلا آیا اور یہاں آکر سبز جھنڈا بلند کیا۔ یوسف زئی لوگ یار محمد برکزئی کے خلاف تھے کیونکہ وہ مہاراج کا مقرر کیا ہوا تھا۔ مہاراج نے سندھیا نوالہ سردار کے ماتحت اُس کے خلاف ایک فوج روانہ کی۔ اکوڑے کے مقام پر شکست کھا کر وہ اور اُس کے ساتھی پہاڑوں کو بھاگ گئے۔

یار محمدؐ کے پاس ایک مشہور گھوڑا لیلی تھا۔ اُس کے لینے کے لیئے ایران کے بادشاہ نے اُسے پچاس ہزار روپیہ نقد اور پچیس ہزار کی جاگیر پیش کی تھی۔ مہاراج رنجیت سنگھ کو گھوڑوں کا کمال شوق تھا۔ اُسے اب لیلی کے لینے کا خیال لگا۔ یار محمدؐ دیر تک انکار کرتا رہا۔ آخر دینے کے لیئے وہ مجبور ہو گیا اور مہاراج کھڑک سنگھ اُسے لینے کے لیئے روانہ کیا گیا اُس سال یار محمدؐ۔ سید احمدؐ کے ساتھ ایک سازش میں شریک ہوا۔ مہاراج نے گھوڑا لے لینے کے بعد اُس کے بھائی سلطان محمدؐ کو پشاور کا گورنر مقرر کر دیا۔ لیکن ۱۸۲۹ء میں سید احمدؐ کو زمردی گئی۔ اُس نے اس کا شک یار محمدؐ پر کر کے اُس کے برخلاف پٹھانوں کو اُکسایا اور ایک لڑائی میں یار محمدؐ مارا گیا۔ سید احمدؐ کی شہرت کشمیر تک جا پہنچی اور اُس نے کشمیر پر حملہ کرنے کا قصد کیا۔ سنہ ۱۸۳۰ء میں وہ دریا اٹک سے پار ہوا لیکن سردار ہری سنگھ نلوہ نے

اُسے وہاں ہی روک دیا۔ کچھ ماہ بعد اُس نے پشاور پر حملہ کر دیا۔ سلطان محمدؐ کو شکست ہوئی اور پشاور سید احمدؒ کے ہاتھ آگیا۔ طاقت کے گھمنڈ میں اُس نے اپنے آپ کو خلیفہ مشہور کیا۔ مہاراج نے خود اُس کے برخلاف چڑھائی کی۔ مہاراج کا اتنا خوف تھا کہ سکھ فوج کے آتے ہی سید پشاور چھوڑ گیا۔ مہاراج سلطان محمدؐ کو بحال کر کے واپس چلا آیا۔ واپس آنے پر فوراً ہی سید آیا اور پشاور پر قابض ہو گیا۔ سلطان محمدؐ نے اُسے تین ہزار روپیہ ماہوار دیکر اور پشاور کی عدالتیں اُس کے مولویوں کے سپرد کر کے اُس سے صلح کر لی۔ سید احمدؒ کے چلے جانے پر اُس کے دو قاضی اور سو لوی قتل کر دیئے گئے۔ آخر کار پٹھان سید سے بہت تنگ آگئے۔ وہ اُسے اپنی آمدنی کا دسواں حصہ دینے پر راضی تھے مگر اُس نے ساتھ یہ بھی حکم دیا کہ تمام شادی کے قابل لڑکیاں اُس کے ہندوستانی ساتھیوں کو دی جائیں۔ مُلا لوگ پہلے ہی اُس سے ناراض تھے کیونکہ اُس کے اصول وہابی تھے۔ اب اُنہوں نے اُسے دھوکہ باز بتانا شروع کیا جس سے اُسے یوسف زئی کو چھوڑنا پڑا۔ اُدھر سے آتے ہی سکھ سپاہیوں نے اُسے پکڑ لیا اور قتل کر ڈالا۔

کابل کی حکومت

جس وقت کامران نے وزیر فتح خان کو قتل کروایا تھا۔ وزیر کا بھائی محمدؐ عظیم خان اُس کے برخلاف ہو گیا۔ وہ شجاع کو تخت پر بٹھانا چاہتا تھا۔ شجاع کے تخت پر بیٹھنے سے پہلے ہی بادشاہی جلاؤ کے ساتھ رہنے لگا۔ ایک موقعہ پر شہر میں ایک امیر پالکی پر جا رہا تھا۔ شاہ نے اُسے نیچے اُتروا کر اُس کی بے عزتی کی۔ سب پٹھان شجاع کے برخلاف ہو گئے اور اُس کا اپنا بھائی عیوب محمدؐ عظیم کے پاؤں پر جا گرا اور اُس سے ان الفاظ میں اپیل کی ”مجھے صرف نام کا بادشاہ

x like the man you have praised

بنادو اور سب طاقت تم اپنے ہاتھ میں رکھو"۔ محمد عظیم نے عیوب شاہ کو
کابل کا بادشاہ بنادیا۔ شجاع بھاگ کر شکارپور آگیا۔

سنہ ۱۸۲۳ء میں نوشہرہ کی لڑائی سے محمد عظیم کی طاقت کا خاتمہ ہو گیا۔
سکھ سب جگہ غالب ہو گئے۔ محمد عظیم اِس صدمہ سے کابل میں جاکر مر گیا۔ اُس
کا بیٹا حبیب اللہ اُس کا وارث بنا۔ عظیم کوئی چار پانچ کروڑ روپے کا
خزانہ چھوڑ کر مرا تھا۔ اُس کے بھائی حبیب اللہ کے برخلاف ہو گئے اور
اُس کی ماں کو قتل کی دھمکیاں دے کر شیر دل نے روپے کا چھٹا حصہ لے
لیا اور قندھار میں جاکر اپنی حکومت قائم کر لی۔ سلطان محمد پشاور میں تھا۔
اِن کا تیسرا بھائی دوست محمد خاں غزنی۔ جلال آباد اور کابل پر حکمران ہو گیا
کابل کے اِن جھگڑوں میں سندھ کے امیر خود مختار بن بیٹھے اور عیوب شاہ
بھاگ کر لاہور چلا آیا۔ اِس طرح احمد شاہ کے خاندان کا خاتمہ ہو گیا۔

دوست محمد بڑا محنتی اور سمجھدار تھا۔ ہر روز خود قاضیوں کی عدالت
میں جایا کرتا تھا۔ اُس کی سلطنت اٹھارہ لاکھ کی مالیت کی تھی۔ ہرات جہاں
کامران حکمران تھا۔ ایران کا حصہ بن گیا تھا۔ سنہ ۱۸۳۲ء میں ایران کے بادشاہ
نے اُس سے خراج طلب کیا اور کہا کہ سکّہ اُس کے نام پر چلایا جائے۔
کابل گورنمنٹ کی یہ حالت تھی۔ جب سنہ ۱۸۳۳ء میں شاہ شجاع لدھیانہ سے
چھ سو سپاہی ساتھ لے کر روانہ ہوا۔ ایک ماہ تک مالیر کوٹلہ ٹھیرا۔ عید کے دن
نواب نے پانچ ہزار روپیہ اور دو گھوڑے اُس کی نذر کئے۔ جگراؤں میں
فتح محمد نے دو ہزار روپیہ اور کچھ تلواریں نذر کیں۔ دو ہفتے بعد نواب بہاولپور
سے پانچ ہزار روپیہ کچھ بیل۔ اونٹ اور توپ ملیں۔ شکارپور میں حیدرآباد
کے وکیل نے پچاس ہزار روپیہ۔ چھ گھوڑے کچھ تلواریں اور دو خیمے نذر کئے

دس ماہ تک شکار پور میں ٹھیر کر مہاراج رنجیت سنگھ سے خط و کتابت کی۔ مہاراج نے ایک لاکھ پچیس ہزار روپیہ اور کچھ توپخانہ اس شرط پر روانہ کیا کہ شاہ کشمیر۔ اٹک۔ پشاور۔ بنوں اور ڈیرہ جات سے ہمیشہ کے لئے دعویٰ ترک کر دیگا۔ حیدر آباد کا امیر اُس سے حسد کرنے لگا اور کچھ سندھی اُس کے بر خلاف ہو گئے۔ شکار پور کے نزدیک ایک لڑائی ہوئی جس میں شاہ کو فتح نصیب ہوئی۔ پانچ لاکھ روپیہ اور بہت سا سامان اُس کے ہاتھ آیا۔ اس کے بعد آگے چلکر خان قلات سے بھی ایک لاکھ روپیہ اور کچھ اور امداد ملی۔ شاہ نے آخر کار قندھار کا محاصرہ کیا دوست محمد کابل سے اپنے بھائی کی مدد کے لئے وہاں آپہنچا لیکن کابل کے لوگوں کی ہمدردی شاہ کے ساتھ تھی اور کئی سردار اس کی خاطر بغاوت کرنے پر آمادہ تھے دوست محمد بڑا چالاک تھا۔ اُس نے شاہ کو چٹھی لکھی کہ وہ صرف اس کے استقبال کے لئے آرہا ہے۔ شاہ قندھار کے اردگرد خندقوں میں پڑا تھا اُس کی پوزیشن وہاں بڑی مضبوط تھی لیکن اُسے اپنی جان بچانے کا بڑا فکر تھا۔ اُس نے سب کی صلاح کے برخلاف بُزدلی سے اپنی جگہ چھوڑ دی اور ایک باغ میں جا ڈیرے لگائے۔ پہلے دن انگریز افسر کیمبل نے پٹھان فوجوں کو شکست دی۔ دوسرے دن جب دوست محمد نے بارہ ہزار فوج آراستہ کی تو اُس وقت شاہ کی فوج میں کوئی ترتیب نہ پائی جاتی تھی۔ شاہ نے ایک طرف تو حملے کا حکم دیا اور اُدھر اپنے مہاوت کو ہاتھی کا مُنہ موڑنے کا حکم دے دیا۔ فوج میں گھبراہٹ مچ گئی۔ تین سو ہندوستانی سپاہی بہادری سے لڑے مگر کچھ نہ کر سکے مسٹر کیمبل گرفتار ہو گیا۔ یہ لڑائی ۸ جولائی ۱۸۳۴ء کو ہوئی۔ شاہ وہاں سے بھاگ گیا۔ کامران نے اُس کے ساتھ عزت کا سلوک کیا مگر وہ سیستان ہوتا ہوا قلات جا پہنچا اور وہاں سے حیدرآباد اور حیدرآباد سے لدھیانہ آپہنچا۔ مسٹر کیمبل دوست محمد کو دے گیا اور چار سو روپیہ ماہوار پر

توپ خانہ کا افسر بنا دیا۔

امیر دوست محمد خان ایک طرف تو شاہ شجاع سے کابل کی حکومت کے لئے جھگڑا کر رہا تھا۔ اِدھر اُسے پشاور کو کابل کے ماتحت رکھنے کے لئے مہاراج سے جنگ کرنی پڑی سن ۱۸۳۲ء میں دلاسا خان نے بنوں میں بغاوت کھڑی کر دی جس پر بخشی تارا چند اور سردار شام سنگھ فوج لیکر گئے اور اُسے گڑھی میں جا گھیرا لیکن رات کو پٹھانوں نے ایک چھاپہ مارا جس میں کئی سو سکھ قتل کر دیئے۔ اس لیے محاصرہ اُٹھانا پڑا۔ راجہ سوچیت سنگھ اُن کی مدد میں جا پہنچا اور امن قائم ہو گیا۔ مہاراج رنجیت سنگھ نے اب یہ ارادہ پکا کر لیا کہ پشاور کو سکھ حکومت کے ساتھ شامل کر لیا جائے تاکہ اُس کے کابل کے ساتھ ملنے کا خطرہ دُور ہو جائے مہاراج نے اپنے پوتے نونہال سنگھ کو فوج دے کر لاہور سے روانہ کیا اور اُدھر سردار ہری سنگھ کو حکم دیا کہ وہ یوسف زئی سے پشاور کی طرف کوچ کرے نونہال سنگھ نے اپریل کے مہینے میں دریائے سندھ عبور کر کے پشاور سے بہت سا خراج اور گھوڑے طلب کئے۔ جو گھوڑے بطور نذر بھیجے گئے اُنہیں ناپسند کر دیا گیا۔ برکزئی سرداروں نے اس کا مطلب سمجھ لیا اور اپنے قبائل اور سامان مچنی (یعنی کابل سے پار) بھیج دیا۔ شیخ غلام حسین کی اولاد اور ہندو دیوان نے سردار ہری سنگھ کے ساتھ خط و کتابت شروع کر دی۔ ہری سنگھ نے سلطان محمد اور دوسرے سرداروں کو لکھ بھیجا کہ شہزادہ نونہال سنگھ شہر کو دیکھنا چاہتا تھا۔ اس لئے وہ سب علی مردان خان کے باغ میں چلے جائیں سلطان محمد نے شیشے کے ذریعے سکھ فوج کو طیار ہوتے دیکھ لیا اور شہر سے بھاگنے کا فیصلہ کر لیا۔ چنانچہ سب سردار پہاڑیوں کو بھاگ گئے۔ شہزادہ ہاتھی پر سوار اپنے سب سرداروں کے ساتھ شہر میں داخل ہوا ۶ مئی سن ۱۸۳۴ء کو نپ د شہر پر اور بالا حصار

پر قبضہ کر لیا۔

مہاراج کو تسلی نہ تھی۔ وہ نہ صرف فوجیں پشاور کی طرف بھیجتا گیا بلکہ خود بھی اُدھر روانہ ہو پڑا۔ امیر دوست محمدؐ خان کو پشاور ہاتھ سے نکل جانے سے بڑی فکر لگی۔ پہلے تو اُس نے سرکار انگریزی کو مدد کے لیئے لکھا کہ وہ مہاراج رنجیت سنگھ کو پشاور سے واپس بُلالیں۔ سرکار انگریزی نے دخل دینے سے انکار کر دیا۔ اِس کے بعد نواب جبر خان کے ذریعے ایران سے امداد طلب کی اور خود جلال آباد سے فوج لے کر روانہ ہوا۔ علی باغان میں عید کی قربانی کی اور بڑے زور سے خدا سے دُعا مانگی۔ " اللہ میں ایک کمزور مکھی ہوں میرا ایک بڑے ہاتھی سے مقابلہ ہے تیری طاقت بڑی ہے۔ یہ مکھی اِس طاقت پر بھروسہ رکھتی ہے۔ تجھ سے ہی میں مدد مانگتا ہوں اور تجھ سے فتح کی التجا کرتا ہوں"۔ علاقہ سے بہت سے غازی پٹھان اُس کے ساتھ شامل ہو گئے۔ خیبر کے سردار سکھوں کا ساتھ چھوڑ کر اُس کے ساتھ ہو گئے۔ خیبر گذر کر شکھان میں آپہنچا۔ مہاراج بھی جلدی کوچ کرتا ہوا پشاور جا پہنچا اور دوست محمدؐ کے ساتھ بات چیت شروع کر دی تاکہ فوج کو یکجا کرنے اور ترتیب دینے کا وقت مل جائے۔ نصف دائرہ کی شکل میں پانچ کیمپ میں فوج کو تقسیم کیا۔ سامنے رسالہ پیچھے پچیس پلٹن اُس کے پیچھے پھر رسالے کھڑے کئے۔ مہاراج نے عزیزالدین اور مسٹر ہارمین کو دوست محمدؐ کے پاس روانہ کیا تاکہ اُسے ہٹ جانے کی ترغیب دیں۔ وہ ابھی اُس کے پاس ہی تھے کہ امیر کو پتہ لگا کہ سکھ فوج نے اُسے گھیر لیا ہے اور بھاگنے کے سوائے اُس کے لیئے اور کوئی چارہ نہیں رہا۔ اُسے ایک تجویز سوجھی کہ عزیزالدین اور ہارمین کو گرفتار کر لے۔ مہاراج عزیزالدین کے بغیر ایک منٹ بھی نہ رہ سکتا تھا۔ اسلئے جو کچھ وہ مہاراج سے مانگیگا اُسے دینا پڑیگا۔ اُس نے یہ مشورہ اپنے بھائی

سلطان محمد سے بتایا اور اُس سے درخواست کی کہ وہ اِن دونو کو اپنے پاس رکھ لے
ظاہراً وہ راضی ہو گیا۔ جب عزیزالدین اور ہارلین دوست محمدؐ کے پاس آئے تو اُس
نے اُن سے کہا کہ "میں تو صرف اِس لیئے آیا ہوں کہ مجھے میرے بھائی کا آدھا
علاقہ دیدیا جائے۔" اُنہوں نے جواب دیا "اچھا اِن کے لیئے ہمیں مہاراج کے
پاس جانا چاہیئے۔" اِس پر وہ کہنے لگا کہ "مہاراج کو اِس مطلب کی چٹھی لکھدی جائے"
اور دونو کو سلطان محمدؐ کے حوالے کر دیا۔ عزیزالدین نے اُس سے کہا کہ "یہ تو اخلاق
اور رواج کے بالکل برخلاف ہے۔ ایسے تو پٹھان بھی بُرا کہیں گے"۔ دوست محمدؐ
نے جواب دیا۔ "سکھ کافر ہیں۔ اُن کے ساتھ عہد و پیمان توڑ دینا کوئی بُرائی
نہیں ہے"۔ سلطان محمدؐ نے اُن کو مچنی قلعہ میں بھیج دیا۔ اِس پر دوست محمدؐ بڑی
تسلی کے ساتھ واپس کوچ کرنے لگا۔ جب وہ شیکھان پہنچا تو اُسے معلوم
ہوا کہ عزیزالدین اور مسٹر ہارلین مہاراج کے پاس پہنچ گئے ہیں۔ شیکھان میں
پہنچکر دوست محمدؐ اپنی بے عزتی پر گھبرا گیا اور کئی دن تک مکان میں بند ہو کر
پڑا رہا۔ اُس کا وزیر سامی خلل غصے میں قلمدان توڑتا تھا اور امیر کو گالیاں
دیتا تھا۔ مہاراج کے لیئے یہ ایک بڑی بھاری فتح تھی۔ دوست محمدؐ کے چلے
جانے پر مہاراج نے ایک قلعہ تعمیر کرایا کچھ ہفتے پشاور ٹھیر کر واپس چلا آیا۔
۱۸۳۷ء کی سردیوں میں سردار ہری سنگھ نے پشاور کے آگے بڑھ کر
جمرود پر قبضہ کر لیا۔ دوست محمدؐ کو بڑا ڈر پیدا ہوا۔ اُس نے اپنے وزیر سامی خان
اور پانچ بیٹوں کو نمبر کے ملکوں کے ساتھ مِلا کر فوج دے کر روانہ کر دیا۔
باجوڑ اور مانند کے لوگوں نے بھی اِس وقت امداد بھیجی۔ پٹھانوں نے قلعے پر
حملہ شروع کیا اور دو دن کے اندر باہری حصے پر قبضہ کر لیا۔ اِس سے
وہ خوش ہو رہے تھے کہ ۲۰ اپریل ۱۸۳۷ء کو ہری سنگھ نے اُن پر ایسا حملہ کیا۔

کہ سب پٹھان بھاگ کھڑے ہوئے۔ سردار ہری سنگھ نے محمد افضل اور اکبر کے بیٹوں کو خیبر کے پاس پہنچکر شکست دی اور چودہ توپیں حاصل کیں۔ سکھ پٹھانوں کا تعاقب کر رہے تھے۔ جب شمس الدین خان کمک لئے آپہنچا جس سے بھاگتے ہوئے پٹھان اور سردار واپس ہو پڑے اور دو توپیں چھین لیں۔ اس لڑائی میں سردار ہری سنگھ کو ایک کاری زخم لگا جس سے سکھ فوج میں ہلچل پڑ گئی۔ اور سب جمرود کے قلعے میں واپس آ گئے۔ اگرچہ افغان جمرود نہ لے سکے مگر ہری سنگھ کی موت سکھوں کے لئے شکست سے بڑھکر نقصان دہ ثابت ہوئی۔ اُس کی موت سے مہاراج کو بڑا دکھ ہوا اور مہاراج خود پشاور کی طرف روانہ ہوا۔ راجہ دھیان سنگھ نے جمرود جاکر قلعے کو از سر نو تعمیر کیا اور اپنے ہاتھوں سے کام کرکے سپاہیوں کے سامنے ایک مثال قائم کی پشاور میں اس وقت چالیس ہزار سکھ فوج تھی۔ حاجی خان نے ہشت نگر پر حملہ کیا مگر اُسے ناکام واپس جانا پڑا۔

انگریز اور کابل

۱۸۳۷ء میں ایران کا بادشاہ عباس مرزا مرگیا اس کے پیچھے بد انتظامی پھیل گئی۔ کامران نے نہ صرف خراج بند کر دیا بلکہ خراسان پر حملہ کرکے بارہ ہزار قیدی غلام بنا لئے۔ اس کے بدلے میں ایران کے نئے بادشاہ محمد شاہ نے ہرات پر چڑھائی کر دی اور کابل اور غزنی پر بھی دعوا کیا۔ اُس وقت مسٹر ایلس طہران میں تھا۔ اُس نے دیکھا کہ اس کی تہ میں رُوسی سفیروں کی کارستانی کام کر رہی ہے۔ وہی ایران کے بادشاہ کو آگے بڑھا رہے ہیں۔ تاکہ رُوس کا رعب داب بڑھے اور وہ ہندوستان کے نزدیک آ جائیں اسوقت لارڈ آکلینڈ نے کپتان برنس کو جو وسط ایشیا گھوم کر آیا تھا دوست محمد کے پاس روانہ کیا۔ اس کا مدعا تجارتی تعلقات پیدا کرنا تھا۔ تاکہ سندھ دریا کے ذریعے

وسط ایشیا تک تجارت کی جائے۔ برنس ستمبر ۱۸۳۷ء میں کابل پہنچا۔ بڑی عزت سے اُس کا استقبال کیا گیا لیکن دوست محمد نے کہا "مجھے تجارتی رابطوں کی ضرورت نہیں ہیں تو سکھوں کو پشاور سے نکالنا چاہتا ہوں"۔ اُس کے ساتھ اُس نے انگریزوں کے دلوں میں رُوس کے خطرے کو زیادہ بڑھا دیا۔ چونکہ دوست محمد کے ساتھ لڑائی کرنے سے تجارت نہیں ہوسکتی تھی اس لیے اس سے کہا گیا کہ اگر وہ چاہے تو مہاراج کے ساتھ اُس کی صلح کرا دی جائے۔ اس معاملے پر غور ہو رہا تھا کہ کپتان برنس ایک رُوسی قاصد وِن کووچ کے آنے پر حیران ہو گیا جو کہ طہران سے کونٹ سیمونچ کی چٹھی لایا تھا جس میں یہ لکھا تھا "اسے میری جگہ سمجھو اور سب بھید اُسے بتا دو"۔ اس پر برنس نے لارڈ آکلینڈ کو لکھا کہ کابل کی طرف سخت پالیسی اختیار کرنی پڑے گی۔ لاٹ صاحب نے دوست محمد کو کہلا بھیجا کہ وہ رُوسی قاصد اپنے دربار سے ہٹا دے اور اُس سے کوئی عہد و پیمان نہ کرے مگر دوست محمد نے کچھ پرواہ نہ کی اور اپنے آپ کو رُوس کے ہاتھوں میں ڈال دیا۔ لارڈ آکلینڈ نے ۱۸۳۸ء میں برنس کو واپس بلا لیا اور مہاراج سے ملاقات کر کے یہ فیصلہ کیا کہ دوست محمد اور مہاراج کا اکٹھا رہنا نہیں ہوسکتا اور دوست محمد کا کابل میں رہنا ہندوستان کے لیے خطرے کا موجب ہوگا۔ کابل میں ایسی گورنمنٹ ہونی چاہیے جو سرکارِ انگریزی کی دوست ہو اور غیر حکومتوں سے تعلق نہ رکھے اس لیے شاہ شجاع کو کابل کے تخت پر بٹھانے کا ارادہ کیا گیا۔ رُوس کی آمد کا مُلک میں جا بجا چرچا تھا گو کئی لوگ اس کے مخالف تھے مگر یہ پالیسی اُس وقت مناسب سمجھی گئی۔ مہاراج کو ایک وفد بھیجا گیا تاکہ مہاراج سے مشورہ کیا جائے اور سب کام مہاراج کی امداد سے ہو۔ میکناٹن اور اُس کے ساتھی دینا نگر آئے جہاں کہ مہاراج گرمی کا موسم گزار رہے

کے لئے آجاتا تھا۔ خیمہ لگاکر کھلے میدان میں ڈھال۔ تلوار سرہانے میں اور
گھوڑا پاس رکھکر سویا کرتا تھا۔ شیر سنگھ کے بیٹے پرتاب سنگھ نے جو ابھی سات
سال کا بچہ تھا۔ اُن کا استقبال کیا۔ ۲۹ مئی صبح کو مہاراج سے پہلی ملاقات
ہوئی تحفے پیش ہوئے اور ۳۰ مئی کو کار دبار شروع ہوا۔ مہاراج انگوٹھا مار
کر چاندی کی کرسی پر بیٹھا تھا۔ ہیرا سنگھ اُس کے سامنے تھا۔ دھیان سنگھ پیچھے
کھڑا تھا۔ راے گوبندجس۔ عزیزالدین اور بھائی مہا سنگھ بیٹھیا فرش پر بیٹھے
تھے مسٹر میکناٹن نے اپنی سرکار کی سب پالیسی مہاراج سے بیان کی۔
مہاراج سے کہا گیا کہ اگر وہ خود اس مہم کو اپنے ہاتھ میں لے تو بہتر ہے اگر
رضامند ہو تو سرکار انگریزی مدد پر طیار رہیگی۔ دھیان سنگھ کے چہرے اور
اشاروں سے ظاہر تھا کہ وہ اس کے برخلاف تھا۔ مہاراج نے یہ تجویز فوراً
پسند کرلی۔ درباری کہتے رہے کہ اکیلے مہم اختیار کرنا اچھا ہے۔ مہاراج
نے جواب دیا کہ اُس نے فیصلہ کرلیا ہے اور وہ اس پر کچھ سننا نہیں چاہتا۔
قاصد اُٹھکر چلے گئے۔ ۱۳ جولائی کو آخری ملاقات ہوئی۔ مہاراج نے پولٹیکل
کیا۔ ہر ایک افسر کو خلعت دیا اور سب کو بغلگیر ہوکر رخصت کیا۔ قاصد اس کے
بعد لدھیانہ آگئے اور شجاع سے سب حال ظاہر کیا۔ تینوں کے درمیان
یہ عہدنامہ کیا گیا کہ شاہ اپنی فوج لے کر کابل پر داخل ہو اور انگریز اور مہاراج
اُس کی امداد کریں۔ مہاراج اس کے بدلے میں کچھ فائدہ کی اُمید رکھتا تھا۔ انگریزوں کا
خیال تو جلال آباد دینے کا تھا مگر شاہ دو لاکھ روپیہ سالانہ اور پچاس گھوڑے دینے
پر رضامند ہوا۔ نومبر کے آخیر میں انگریزی فوج فیروزپور اکٹھی ہوگئی۔ یہاں پر مہاراج
اور لارڈ آکلینڈ کی ملاقات ہوئی۔ دس ہزار ہندوستانی فوج اور چھ ہزار سکھ دسمبر کے
شروع میں کابل کی طرف روانہ ہوئے۔ شاہ شجاع شکارپور کے راستے قندھار پہنچا

برکزئی سردار وہاں سے بھاگ گیا۔ خاص تخت بنایا گیا اور ۸ مئی ۱۸۳۹ء کو شاہ شجاع کو تخت نشین کیا گیا۔ توپوں کی سلامی کے ساتھ شاہ شہر سے روانہ ہوا نذریں دی گئیں اور ساری فوج اُس کے سامنے سے گذاری گئی۔

مہاراج کی ملاقاتیں

۱۸۳۰ء میں مہاراج کی طاقت عین بلندی پر پہنچ گئی تھی سارا پنجاب اُس کے نیچے آ گیا۔ اُس کے دل میں سندھ فتح کرنے کا خیال لگا تھا۔ نظام حیدر آباد نے اُس کے دربار میں تحفے روانہ کئے ہرات کے حکمران کامران نے اپنا ایجنٹ اُس کے پاس بھیجا۔ بلوچستان سے دوستی کی خواہش کی چٹھیاں آئیں۔ مہاراج نے کشمیر کے شال تحفے کے طور پر انگلینڈ کے بادشاہ ولیم کو بھیجے جس کے بدلے میں بادشاہ نے پانچ عمدہ گھوڑے ارسال کئے۔ کرنل برنس یہ گھوڑے لے کر سندھ کے راستے روانہ ہوا۔ ایران میں روس کا رعب و داب بڑھنے کی وجہ سے اُس کا مدعا سندھ کے متعلق دوسرے معلومات اکٹھے کرنا بھی تھا۔ سندھ کے امیر بڑی مشکل سے راستہ دینے پر رضامند ہوئے۔ کرنل برنس نے بہاول پور میں بہاول خان سے ملاقات کی جس کو وہ خوبصورت اور خوش اخلاق بیان کرتا ہے۔ بہاول خان نے اُسے اپنے دادا کو مسٹر ابلفنسٹن کا دیا ہوا ایک سرٹیفکیٹ دکھایا۔ اُس کو ایک پستول اور گھڑی تحفے میں دیئے گئے جنہیں دیکھ کر وہ بڑا خوش ہوا اور لفٹیننٹ ہو کر انگریز قاصد کو روانہ ہوا۔ جب وہ سکھ علاقے میں داخل ہوئے تو سکھ سردار اُن کی خاطر تواضع کیلئے موجود تھے۔ لاہور سے پچیس میل چھانگا مانگا میں اُن کا استقبال کیا گیا۔ ہاتھیوں کی سواری پر ملاقات ہوئی۔ مہاراج نے انگلینڈ کے بادشاہ کی خیر و عافیت دریافت کی۔ ہر ایک سردار نے اشرفیوں کی ایک ایک تھیلی نذر کی اور فقیر نور الدین نے بڑے چیدہ الفاظ میں اُن کو خوش آمدید کہا "آپ اسے اپنا گھر سمجھیں یہ ایک باغ ہے جس کے آپ پھول ہیں آپ

کی اور ہماری سرکار کی دوستی ایسی ہو جائیگی کہ ایران اور روم میں اس کا چرچا ہو جائیگا وغیرہ۔ ۱۸ جون کو لاہور میں پبلک داخلہ ہوا۔ فقیر عزیز الدین اور راجہ گلاب سنگھ یمعہ سواروں کے ہمراہ تھے۔ تمام گلیاں سواروں اور پیادوں سے آراستہ تھیں۔ دیکھنے والوں کے ہجوم کھڑے تھے۔ راجہ دھیان سنگھ دروازے پر استقبال کے لئے موجود تھا۔ جب برنس بوٹ کھولنے لگا اُس نے اپنے آپ کو ایک بوڑھے چھوٹے سے قد والے کی بغل میں پایا۔ مہاراج کے دونو بیٹوں نے برنس کو بغلگیر کیا۔ مہاراج مالا اور بازوبند پہنے ہوئے تھا اور اُس کے امرا جواہرات پہنے ہوئے تھے۔ دربار کا رنگ پیلا تھا۔ مہاراج کو بادشاہ کی چٹھی کے ساتھ گھوڑے اور گورنر جنرل کی طرف سے ایک گاڑی پیش کئے گئے۔ چٹھی سنہری بیگ میں تھی جس پر مہر لگی ہوئی تھی۔ مہاراج نے مہر کو ہاتھ لگا کر بوسہ دیا اور فقیر عزیز الدین کو فارسی میں پڑھنے کا حکم دیا۔ عزت کے طور پر اُس وقت توپوں کی سلامی کی گئی۔ مہاراج گھوڑوں کو دیکھ کر بڑا خوش ہوا اور کہنے لگا کہ "یہ چھوٹے ہاتھی ہیں"۔

ڈیڑھ گھنٹہ تک مہاراج نے بات چیت کی۔ اِس میں اُس نے سندھ کے متعلق اُس کی گہرائی کے متعلق، انگلینڈ کی دولت اور طاقت کے متعلق بہت سے سوال کئے۔ یہ بھی پوچھا کہ آیا انگلینڈ زیادہ طاقتور تھا یا فرانس۔ اِس طرح ملاقات ختم ہوئی۔ ایک دن برنس شاہدرے جا رہا تھا۔ راستے میں اُس نے مہاراج کو میدان میں بیٹھا ہوا پایا۔ مہاراج نے بُلا لیا اور دیر تک باتیں کرتا رہا۔ اُسے یہ بھی بتایا کہ جہاں پر وہ بیٹھا تھا وہاں پر افغانوں نے کسی وقت اپنا کیمپ لگایا تھا۔ ۱۰ جولائی کو مہاراج سے اکیلے ملاقات ہوئی۔ اُس کے بعد مہاراج نے تیس چالیس کشمیری اور پہاڑی لڑکیوں کی پارٹی کو بلایا۔ یہ سب لڑکیاں ناچنے والی تھیں اور لڑکوں کا لباس

پہنے ہوئے تھیں۔ سب ایک دوسرے سے خوبصورت تھیں۔ ان میں سے ہر ایک
کے پاس تیر کمان تھا۔ مہاراج کہنے لگا کہ "یہ بھی میری ایک رجمنٹ ہے لیکن یہ قواعد
میں نہیں جانتی۔" دو لڑکیاں اُن کی افسر تھیں۔ ایک کو دس روپے اور دوسری کو پانچ
روپے روز ملتا تھا۔ ان کا تماشہ ختم ہو جانے پر ان کو ہاتھیوں پہ ان کے مکانوں کو
پہنچا دیا گیا۔ اس کے بعد مہاراج نے اپنے سپاہیوں کی بات چیت شروع کی۔
اور کہا کہ اُس کے سپاہی آٹھ دن کا راشن کندھے پر لے جا سکتے تھے۔ سڑکیں
قلعے اور پلٹیں بنانا جانتے تھے۔ پھر اپنی شرابوں کی تعریف کرنے لگا کہ وہ موتیوں
اور ہیروں سے بنائے جاتے تھے۔ دوسرے دن توپخانے کا ملاحظہ کرایا۔
اکاون توپیں تھیں۔ مہاراج نے بتایا کہ ہر ایک توپ پہ اُسکا پانچ ہزار روپیہ خرچ ہوا ہے۔
برنس کی درخواست پر آخری دن یعنی ۱۶ اگست کو کوہ نُور دکھایا گیا جو کہ مرغی کے
انڈے کے نصف کے برابر تھا۔ اس کے بعد اورنگ زیب اور احمد شاہ کے سر
دکھائے گئے۔ رخصت کے وقت مہاراج نے اُس کے گلے میں موتیوں کی ایک
مالا اور اُس کی اُنگلی میں ہیرے والی ایک انگوٹھی ڈالی۔ شال اور کشمیری کپڑے خلعت
دیئے۔ ایک خوبصورت تلوار اُس کی کمر سے باندھی اور بادشاہ کے نام فارسی
میں ایک چٹھی دی جس میں برنس کو فصاحت کے باغ کی بلبل بتایا گیا اور گھوڑے کے
کے نعل کی تعریف یہاں تک کی گئی کہ "نئے چاند نے شرم کے مارے اُس سے منہ
چھپا لیا۔" لیکن گھوڑا جو کہ بچہ پیدا کرنے کے لئے سانڈ تھا بجائے مناسب استعمال
کے ہمیشہ سنہری زین سے آراستہ کر کے محل میں کھڑا رکھا جاتا تھا کہ سکھوں کا ایک
تماشہ بنا رہے۔ نہ گھوڑیوں سے فائدہ اُٹھایا گیا۔ گاڑی بھی ایک نیا عجوبہ کے
طور پر فضول چیز سمجھ کر پھینک دی گئی۔

مارچ ۱۸۳۱ء میں ایک فرنچ سیاح جیکس مانٹ اپنے عجائب گھر کے لئے

ہندوستان سے مصالحہ جمع کرنے کے واسطے لاہور آیا۔ اُسے شالامار باغ میں رکھا
گیا جس کی نہروں اور فواروں کی اُس نے بڑی تعریف کی ہے۔ مہاراج اُس کیساتھ
گھنٹوں تک گفتگو کرتا رہا اور وہ لکھتا ہے کہ مہاراج ہر ایک بات کو جاننا چاہتا
ہے۔ اُس کا شوق اتنا زیادہ ہے کہ باقی تمام لوگوں کی لاپرواہی کو پورا کر دیتا ہے
اُس نے مجھ سے ہندوستان۔ انگلینڈ۔ فرانس۔ بونا پارٹ۔ اِس دُنیا۔ اگلی دُنیا۔
ایشور۔ رُوح۔ بہشت اور شیطان کی بابت ہزاروں سوال کیے"۔ سیاح کی
رائے میں مہاراج اور بونا پارٹ کے درمیان بہت مشابہت پائی جاتی تھی۔

اپریل ۱۸۳۱ء کو دیوان موتی رام۔ فقیر عزیز الدین اور سردار ہری سنگھ کا
ایک وفد گورنر جنرل کے پاس گیا۔ گورنر جنرل بھی مُلاقات کا بہت خواہشمند تھا جس
کی وجہ یہ تھی کہ رُوس کی آنکھیں ایران پر لگی تھیں۔ کپتان ویڈ لاہور میں آیا اور روپڑ
کا مقام مُلاقات کے لئے مقرر کیا گیا۔ مہاراج فوج لے کر وہاں پہنچ گیا اور ستلج کے
اس پار کیمپ لگایا۔ کئی انگریز افسر آئے جنکو دس ہزار روپیہ اور خلعت دیا گیا۔ سکھ
سردار گورنر جنرل کے پاس گئے اور ۲۶ اکتوبر مُلاقات کے لئے مقرر ہؤا۔ اچانک
مہاراج کے دل میں یہ شک پیدا ہو گیا کہ دوسرے کے علاقے میں جاکر مُلاقات
کرنا خطرناک ہے۔ اُس نے ایلارڈ کو بہت رات گئی بُلا کر کہا کہ وہ مُلاقات
نہ کریگا۔ ایلارڈ نے مہاراج کو بہت سمجھایا اور اُس کے شکوک دُور کرنے کی
کوشش کی۔ یہانتک کہ وہ اپنا سر کٹوانے کے لیئے تیار ہو گیا۔ اگر مہاراج کے
شک میں کچھ سچائی ہو۔ اس کے بعد مہاراج نے جیوتشیوں کو بُلایا۔ اُنہوں نے
کتابوں سے دیکھ کر کہا کہ مہاراج کو اپنے دونو ہاتھوں میں ایک ایک سیب
رکھنا چاہیئے۔ اور گورنر جنرل کو ملنے پر پہلے پیش کر دینا چاہیئے۔ اگر گورنر جنرل
اُسے فوراً لے لے تو مُلاقات بہت فائدہ مند ہوگی۔

صبح سویرے مہاراج نے الارڈ کے آٹھ سو سپاہی پُل پار روانہ کئے۔ اُن کے پیچھے تین ہزار سوار اور پھر خود بڑے بڑے سرداروں کے ساتھ بسنتی لباس پہنے ہوئے ہاتھی پر سوار ہوا۔ کیمپ کے دونو طرف انگریز سپاہی کھڑے تھے۔ اُن میں سے گزرتے ہوئے مہاراج ہر ایک چیز کی بابت جو اُسے غیر معمولی دکھائی دیتی تھی سوال کرتا تھا۔ گورنر جنرل سے ملتے ہی اُس نے پہلے ہی سیب پیش کیا جو اُس نے لے لیا۔ اُتر کر ساری پارٹی خیموں میں داخل ہوئے۔ مہاراج نے خود ہر ایک سردار کو نام لیکر بُلایا اور پہلے اُنکو کرسیوں پر بٹھانے کے بعد خود جگہ لی۔ اس کے بعد تحفے تحائف لائے گئے۔ کلکتہ۔ ڈھاکہ۔ بنارس کے بنائے ہوئے خوبصورت کپڑے۔ موتیوں کی مالا۔ جواہرات کی طشتری۔ برما کے ہاتھی۔ حصار کے گھوڑے سب لائے گئے۔ مہاراج نے سب کو غور سے دیکھا اور لانے والوں کو دو ہزار کی تھیلی انعام دی۔ مہاراج بڑا خوش اپنے ڈیرے کو واپس آیا لیکن گھوڑوں کی بابت گورنر جنرل سے باتیں کئے بغیر نہ رہ سکا۔ واپس آکر مہاراج تین جڑے ہوئے کشمیری قلمدان ایک گورنر جنرل کے لئے۔ دوسرا اُس کی میم کے لئے اور تیسرا اُس کے سکرٹری کے لئے روانہ کئے۔

دوسرے دن گورنر جنرل نے واپسی مُلاقات کی۔ اُس کے لئے بڑی شان و شوکت سے انتظام کیا گیا۔ کشمیر کے نقش ونگار والے خیمے آراستہ کئے گئے کھڑک سنگھ اور شیر سنگھ لینے کے لئے آگے گئے۔ پُل پر خود مہاراج موجود تھا اور گورنر جنرل لارڈ بنٹنگ کو اپنے ہاتھی پر بٹھا لیا اُسی وقت توپوں کی سلامی ہوئی۔ سپاہیوں نے ہتھیاروں سے سلامی دی۔ مہاراج کو انگریزی باجہ بہت پسند آیا۔ مہاراج کا شامیانہ موتیوں اور ہیروں سے جڑا تھا۔ فرش ریشمی تھا جس پر سونے چاندی کا کام کیا ہوا تھا۔ گورنر جنرل کو گدی پر بٹھایا اور مہاراج دائیں طرف کرسی پر

بیٹھ گیا۔ سرداروں نے اشرفی کی نذر چڑھائی۔ مہاراج خود ہر ایک کا نام اور تعریف بتاتا جاتا تھا۔ ایک گھنٹہ بعد ناچنے والی لڑکیاں لائی گئیں۔ روانگی کے وقت تحفے لائے گئے۔ گورنر جنرل کے لیئے ایک سو ایک طشتریاں تھیں جن میں کشمیر اور پنجاب کے جواہرات رکھے تھے۔ دس بندوقیں۔ تلوار۔ جڑاؤ تیر کمان۔ سونے اور چاندی کے برتن۔ ایک چھپر کھاٹ۔ دو خوبصورت گھوڑے اور ایک ہاتھی پیش کیئے گئے۔ عطر اور پان تقسیم کرنے کے بعد ملاقات ختم ہوئی۔ اگلے چار دن شام کے وقت کھیل تماشہ اور فوج کی نمائش ہوتی تھی۔ اکثر اکتوبر کو توپخانہ کی کھیلیں ہوئیں۔ توپ سے ایک چھتری پر گولہ پھینکا گیا۔ راجہ دھیان سنگھ۔ سوچیت سنگھ اور گلاب سنگھ نے سواری اور تلوار بازی کے کھیل کیئے۔ سردار ہری سنگھ نلوہ اور جرنیل الٰہی بخش اور جرنیل وینٹورا اور ایلارڈ نے اپنے اپنے کرتب دکھائے۔ آخیر میں مہاراج کی باری آئی۔ میدان میں پیتل کا ایک برتن رکھا گیا۔ مہاراج نے اپنا گھوڑا پوری تیزی سے دوڑاتے ہوئے تین بار اُسے اپنی تلوار کی نوک سے اُٹھایا۔ گورنر جنرل نے دو پانچ پونڈر توپ بمعہ گھوڑوں اور سامان کے نذر کیں اور شام کو الوداع کے وقت لوہے کا ایک لٹکنے والا پُل پیش کیا گیا جو کہ اسی غرض کے لیئے کلکتے میں بنوایا گیا تھا۔ رات کو دوستی کا ایک نیا عہد نامہ مرتب کیا گیا۔ اس میں پُرانی شرائط کے ساتھ دریائے سندھ کے اندر جہاز چلانے کا فقرہ ایزاد کیا گیا۔ مہاراج نے اپنے ارادوں کو یہ کہکر ظاہر کر دیا کہ سندھ میں بڑا روپیہ ہے اور وہاں بڑی بدانتظامی ہے اور بغیر فوج کے بڑی آسانی کے ساتھ فتح ہو سکتا ہے۔ اُس نے شکار پور کی فتح کی تجویز کی۔ گورنر جنرل نے مہاراج سے یہ امر بالکل پوشیدہ رکھا کہ اُس نے سندھ کے امیروں کے پاس اپنا ایجنٹ بھیجا ہے تاکہ سندھ

کا نچلا حصہ اُنہیں جہاز چلانے کو دیں۔ مُلاقات ختم ہو گئی۔ دونو پارٹیاں واپس ہو گئیں اور مہاراج ۹ر نومبر کو کپورتھلہ اور ۱۷ر کو لاہور واپس آ گیا۔ دسمبر میں کرنل ویڈ لاہور آیا اور اُس وقت مہاراج کو سندھ کے مشن کی خبر دی اور اُس کے ساتھ ستلج میں کشتی چلانے کی اجازت مانگی۔ مہاراج سمجھ گیا کہ انگریز سندھ کو لینے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اُس نے ویڈ سے کہا کہ اُس کا حق سندھ پر بہت زیادہ ہے لیکن اُس نے دریاؤں کے کھلنے کی اجازت دیدی اور اپریل ۱۸۳۴ء میں سندھ کے امیروں نے بھی دریا میں کشتی چلانے کی اجازت دے دی۔

کنور نونہال سنگھ کی شادی

۱۸۳۵ء میں مہاراج کو ادھرنگ کا حملہ ہو گیا۔ ہر روز دو ہزار روپیہ مہاراج کے سرہانے رکھا جاتا تھا اور سویرے غریبوں کو بانٹ دیا جاتا تھا۔ گائیں۔ گھوڑے۔ کپڑے برہمنوں کو دان دیئے گئے۔ جوالا مکھی اور کانگڑہ میں بہت سا روپیہ بھیجا گیا۔ چند دنوں کے اندر مہاراج بالکل اچھا ہو گیا۔ مُلتان سے بھجن گانے والے بلائے گئے جو مہاراج کو خوش رکھتے تھے۔ اِس سال امریکن میک گریگر۔ ہارلن۔ جرمن ڈاکٹر ہانگ برگر۔ بیگم سمرو کا نوکر وینٹن لاہور آتے۔ مہاراج نیپال کا وکیل کشن سنگھ بیکانیر کا وکیل سرجو۔ تبت کے راجہ کا بھائی بھیم کال بھی لاہور آئے۔ اِسی سال فرانس کے بادشاہ سے تحفے لے کر ایلارڈ لاہور آیا اور فارسی زبان میں خوشی کی ایک نظم پڑھی جس سے مہاراج بڑا خوش ہوا۔

۱۸۳۷ء میں شام سنگھ اٹاری والے کی لڑکی کے ساتھ کنور نونہال سنگھ کی شادی مقرر تھی۔ شادی کا سامان امرتسر میں کیا گیا۔ باوجود اِس کے کہ سندھ کے متعلق مہاراج کے انگریزوں سے تعلقات اچھے نہ تھے مہاراج نے لاٹ صاحب کو شادی پر بلا بھیجا اور اُس میں یہ بھی لکھدیا کہ سندھ کی فتح کے لئے اُس کی آنکھ ابھی نونہال سنگھ

پر لگی تھی۔
سنہ ۱۸۳۶ء میں دیوان ساون مل نے رپورٹ کی کہ سندھیوں کے حملوں سے تنگ آکر اُس نے روجان پر قبضہ کر لیا۔ اگلے سال مزاریوں سے ایک قلعہ کان لیا۔ سرکار انگریزی کو یہ بہت ناگوار گذرا اور کپتان ویڈ اِس غرض کے لیئے بھیجا گیا۔ مہاراج نے کان کا قلعہ گرا دیا اور مزاریوں کو دبائے رکھا باوجود اِس ناراضگی کے کمانڈر انچیف سُر ہنری فین شادی میں شامل ہونے کے لیئے آیا۔ ہری کے پتن پر راجہ دھیان سنگھ زری لباس پہنے ہوئے اُس کے استقبال کے لیئے موجود تھا۔ گوبند گڑھ سے آگے موضع کھنائی میں جنگی لاٹ کے لیئے خیمے نصب کیئے گئے تھے میصر رام کسن نے اکیس سو مہریں اور پانچ سو طشتریاں مٹھائی کی ضیافت کی۔ ۶ مارچ صُبح کو رام باغ میں مہاراج صاحب سے لاٹ کی مُلاقات ہوئی۔ مہاراج اور سب سردار بسنتی رنگ میں تھے۔ مہاراج کی پگڑی کشمیری تھی۔ کوٹ میں ایک قطار بٹنوں کی تھی۔ اُس کی گردن اور بازو موتیوں سے سجے تھے سب سے زیادہ سجا ہوا اور خوبصورت دھیان سنگھ وزیر اعظم کا لڑکا ہیرا سنگھ تھا جو جواہرات مجسم نظر آتا تھا۔ مہاراج نے جنگی لاٹ سے سب قسم کے سوال پُوچھے۔ برٹش رجمنٹوں کے متعلق ہر ایک رجمنٹ میں کتنے افسر ہوتے تھے کمپنی کی کُل فوج کتنی تھی۔ توپوں کے بنانے کا طریقہ کیا تھا۔ لاٹ خود کتنی لڑائیوں میں شامل ہوا تھا وغیرہ وغیرہ۔ جنگی لاٹ کو تحفے دیئے گئے اور ساتھ میں پانچ عمدہ گھوڑے نذر کیئے گئے۔ مہاراج نابھہ۔ جیند۔ پٹیالہ مالیر کوٹلہ اور سب پہاڑی راجہ بھی بُلائے گئے تھے۔
شادیانوں کے متعلق مہاراج کی یہ خواہش تھی کہ اِس شادی کو لاثانی بنا دیا جائے۔ اُسی دن دوپہر کو تنبول کی رسم ادا ہوئی۔ اُسی ناچنے والی لڑکیاں موجود تھیں جو کہ تین تین چار چار اکٹھی گاتی تھیں۔ مہاراج اور دُولہا ایک درخت کے نیچے

بیٹھے جس میں مصنوعی سنگترے لگائے گئے تھے سب سرداروں نے نذریں پیش کیں سردار دھیان سنگھ نے ایک لاکھ پچیس ہزار روپیہ سرہنری فین نے گیارہ ہزار روپیہ پیش کیا دو گھنٹے تک رسم جاری رہی جس میں پچاس لاکھ تنبول جمع ہوا ۷ مارچ کو سرمندر میں سہرا پہنایا گیا۔ پانچ سو روپیہ گرنتھ پر اور ایک سو پچیس اکال بنگے پر چڑھائے گئے ساڑھے نو بجے اٹاری کی طرف روانگی ہوئی۔ مہاراج دونو طرف روپے پھینکتا جاتا تھا قریباً چھ لاکھ آدمی سب طرف سے جمع ہو گئے تھے۔ ہاتھی اور گھوڑوں کا ٹھکانا ہی کیا تھا ساتھ ساتھ باجے بجتے جاتے تھے اور توپیں چلتی جاتی تھیں جب برات پہنچی سردار شام سنگھ نے مہاراج کو ایک سو ایک مہر۔ کنور کھڑک سنگھ کو اکاون اور ہر ایک سردار کو گیارہ مہر پیش کیں۔ رات کو نو بجے رسم ختم ہوئی رات بھر ناچ رنگ آتشبازی ہوتی رہی۔ [illegible] کو دیکھتا تھا [illegible] تھا۔

۸ مارچ صبح کو پانچ محل کے احاطے میں ایک باڑہ بنایا گیا جس میں اسی دروازے تھے اس کے ارد گرد سپاہی کھڑے تھے۔ اس کا منتظم مصر بیلی رام تھا۔ پھاٹک پر افسر کھڑا تھا جو ہر ایک کو ایک روپیہ دیتا تھا۔ سپاہی کسی کو خالی ہاتھ باہر نہ جانے دیتے تھے۔

جہیز ایک سو ایک گھوڑے۔ ایک سو ایک بھینس۔ دس اونٹ۔ گیارہ ہاتھی۔ سونے کے زیور۔ جواہرات اور سونے چاندی کے برتن۔ ملتان کے ریشم۔ بنارس کے کمخواب۔ پانچ سو شال۔ ایک ایکڑ زمین میں زنانہ لباس رکھا تھا

لاہور واپس آکر ۱۲ مارچ کی رات کو شالامار باغ میں ایک بڑی ضیافت کی گئی باغ بڑی خوبصورتی سے روشن کیا گیا۔ دس بارہ گز کے فاصلے پر مختلف رنگوں کے خوبصورت لیمپ تھے جنکی روشنی کا عکس پانی میں پڑتا تھا۔ درختوں کے ساتھ

لیمپ لگائے گئے تھے جو کہ پھولوں کی مانند معلوم دیتے تھے۔ اِس باغ میں کبھی مُغل بادشاہ موج کیا کرتے تھے۔ اب سِکھ بادشاہ کی باری تھی۔ ابھی اور وقت بھی آنا تھا۔

دوسرے دن مہاراج لُوٹ کر اپنے سفری مکان دکھانے کے لیئے گیا۔ سڑک کے کنارے کمرے بنے تھے جن میں پھول وغیرہ پودے لگے تھے مہاراج کبھی ایک مکان میں نہ رہتا تھا اور اِن کو ہمیشہ بدلتا رہتا تھا۔ اُس کی زندگی سپاہیانہ تھی۔ کبھی مہموں پر کبھی دَورہ پر ہوتا تھا۔ کُوچ کے وقت وہ گھوڑے پر ہی کھانا کھاتا تھا۔ گھوڑے اُسے بہت پیارے تھے۔ ۱۴ تاریخ کو سر ہنری فین مہاراج کی مُلاقات کو گیا۔ دربار میں داخل ہوتے ہی مہاراج نے اُس سے سوال شروع کیئے۔ برٹش فوج کتنی ہے؟ اُس کی طاقت کتنی ہے؟ کیا اُس کا رُعب ایران میں بڑھ رہا ہے؟ کیا اس سے انگریزوں کو خطرہ ہے؟ مہاراج کو پستول اور توپ تحفے پیش کیئے گئے۔ ۱۶ کو سِکھ فوج کا ملاحظہ ہوا جس میں اُس وقت کُل اٹھارہ ہزار آدمی تھے۔ دوسرے دن انگریزی فوج کا چوتھا اور سولھواں رسالہ اور ستر، اٹھارہ اور بیس رجمنٹوں کی آٹھ کمپنیاں ملاحظہ ہوئیں مہاراج نے انگریزی فوج کی قواعد دیکھی اور اُن کی چال ڈھال دیکھ کر حیران رہ گیا اور کہنے لگا۔ "میرے فرنچ افسر کیسے جھوٹے ہیں جو مجھے بتلاتے ہیں کہ انگریزی قواعد کچھ نہیں محض ایک دکھلاوہ ہے۔ تم نے مجھے دکھایا ہے کہ کمپنیاں کیسے حرکت کرتی ہیں اور کس طرح دشمن پر حملہ کرتی ہیں۔ کوئی تعجب نہیں کہ انگریز ہر لڑائی میں فتح پاتے رہے ہیں"۔ ایک بات سے اُسے خاص حیرانی ہوئی۔ وہ یہ تھی کہ ۱۲ کو توپ چلانے کی پریکٹس دکھائی گئی جس میں ایک چھ پونڈر توپ گاڑی سے اُتار کر زمین پر پھینک دی گئی۔ اُس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے گئے اور پھر ان ٹکڑوں کو اکٹھا کر کے باقاعدہ ترتیب میں رکھ کر آدمی اور گھوڑے اُسے دوڑانے لگے۔ یہ سب کچھ پانچ منٹ میں کیا گیا پہلی بار مہاراج کو یقین نہ آیا کہ یہ توپ کھول کر چڑھائی گئی ہے۔ اِس لیئے دوبارہ اُس کے سامنے پانچ منٹ میں یہ عمل کیا گیا۔

تب اُنہیں یقین آیا۔ مہاراج سب سے بڑا خوش ہوا اور گیارہ ہزار روپیہ سپاہیوں میں بانٹنے کے لئے عطا کیا۔ ۱۹ر شام کو مہاراج نے انگریز عورتوں کی عزت میں ضیافت دی۔ ۲۰ر کو وہ مہاراج کی رانیوں سے ملنے کے لئے گئیں۔ مہاراج کے علاوہ وہاں پر کوئی مرد نہ تھا۔ اور سارا برج پھولوں سے آراستہ کیا گیا۔ ۲۲ر کو مہاراج نے ہولی کا تہوار منایا اور خود سر ہنری فین پر کیسر اور رنگ ڈالا سب سردار گلال میں رنگے گئے۔ ایک فغان قندھار کا قاصد گل محمد خان اتفاق سے وہاں آگیا۔ اُس کے کپڑے اور چہرہ رنگ دیئے گئے وہ بیچارہ خود ہی شرم کے مارے بھاگ نکلا۔ اور سب لوگ ہنسنے لگے۔ ۲۷ر کو سر ہنری فین مہاراج سے اُس کے گارڈن ہوس میں ملا اور تحفہ تحائف دے کر ایک دوسرے سے وداع ہوئے۔ اُس وقت پیر محمد خان بارہ سو پٹھانوں کے ساتھ مہاراج کے سلام کے لئے آیا اور دو گھوڑے لاکر مہاراج کی نذر کئے۔ پٹھان سب زرہ بکتر اور بوٹ پہنے ہوئے تھے۔

روپیہ اور آدمی

دُنیا میں ہر ایک بڑے کام کے چلانے کے لئے خواہ وہ مذہبی ہو یا پولیٹکل دو چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایک روپے کی اور دوسرے قابل آدمیوں کی۔ اگر روپیہ ہو تو اس کی مدد سے لائق آدمی مہیا کئے جا سکتے ہیں اور جہاں پہ لائق آدمی موجود ہوں۔ وہ روپیہ مہیا کرنے کی کوئی نہ کوئی سبیل نکال لیتے ہیں۔ لیکن یہ بات ہے کہ ان دونو سادھنوں کے بغیر کوئی کام پورا نہیں کیا جا سکتا۔ مہاراج رنجیت سنگھ کو قدرت نے اس اصُول کے سمجھنے کا مادہ دیا تھا۔ روپے کے متعلق مورخوں کی رائے میں مہاراج کو اس کا بہت زیادہ لالچ تھا۔ لالچ کے معنی صرف اتنے ہی ہیں کہ مہاراج بعض حالتوں میں روپیہ وصول کرنے کے لئے ایسا وسیلہ استعمال کرتا تھا۔ جسے لوگ جائز خیال نہ کرتے ہوں لیکن مہاراج جانتا تھا

کہ روپے کے بغیر وہ اپنی سلطنت کی عمارت تعمیر نہیں کر سکتا۔ اس لئے جہاں
کہیں اُسے ذرا بھی موقعہ ملا۔ اُس نے روپیہ وصول کرنے میں دریغ نہیں کیا۔
شروع سے لے کر آخیر تک بہتیری ایسی مثالیں ملتی ہیں جن میں مہاراج نے
روپیہ کے وصول کرنے میں زبردستی کی لیکن یہ زبردستی تو اُس کے زمانے
میں ایک عام رواج تھا۔ اگر مہاراج یہ نہ کرتا تو کبھی دوسری مِثلوں کو یکجا
کر کے ایک سلطنت کی بُنیاد نہ رکھ سکتا۔ مِثلوں کو اپنے قابُو میں لانے کے
لیے اُس نے وسائل کی طرف کبھی بہت دھیان نہیں دیا۔ یہی حالت ہم اُن
چند واقعات کے اندر دیکھتے ہیں۔ جن میں مہاراج نے خاص شخصوں سے
روپیہ وصول کیا۔ اگر اخلاقی نقطۂ خیال سے بھی دیکھا جائے تو بھی اس پالیسی
میں اتنی بُرائی معلوم نہیں ہوتی جو لوگ اپنے لیے یا اپنی اولاد کے لیئے غیر معمولی
مقدار روپیہ کی جمع کرتے ہیں۔ کون نہیں جانتا کہ اُن کے ذریعے ضروری طور پر
اخلاقی قانون کے برخلاف ہوتے ہیں۔ غیر معمولی روپیہ یا جائداد بغیر کسی نہ
کسی قسم کی بددیانتی یا دوسروں کا حق دبا لینے کے اکٹھا نہیں کیا جا سکتا۔ یہ
ممکن ہے کہ جو شخص ایک وقت دولت کا مالک ہے۔ اُس نے بے ایمانی
نہ کی ہو لیکن دولت جمع کرنے کی تاریخ پر غور کرنے سے معلوم ہو گا۔
کہ اُس کے باپ یا دادا نے یا کسی اور پچھلے بزرگ نے اخلاقی قانون کو
توڑ کر ہی اُس کی بُنیاد رکھی ہو گی۔ اس لئے اگر لوگوں کو ناجائز طور پر روپیہ اکٹھا
کرنے کا حق ہے تو سوسائٹی کو بھی اختیار ہے کہ ضرورت کے وقت اُس روپے
کو اپنی بہتری کے لئے اُن سے چھین لے۔ مہاراج رنجیت سنگھ نے اس لئے
اس روپیہ کی ضبطی میں کوئی اخلاقی بُرائی نہیں کی۔
۱۸۲۱ء میں ایک بوڑھا سردار جیل سنگھ مر گیا۔ مہاراج نے اُس کی

ساری جائداد ضبط کرلی۔ اُس کا بہت سارو پیہ امرتسر کے مہاجنوں کے پاس جمع تھا۔ مہاراج نے اُن کو حکم دیا کہ وہ لاہور کے سرکاری خزانہ میں حساب بیکر روپیہ جمع کرادیں۔ ۱۸۲۲ء میں امرتسر کا مشہور صراف راما نند مرگیا۔ مہاراج نے اُسے نمک کی کان کا ٹھیکہ دے رکھا تھا۔ اُس نے مرنے پر تریسٹھ لاکھہ روپیہ چھوڑا۔ مہاراج نے روپیہ ضبط کرکے اُس سے لاہور کی دیوار بنوانے کا حکم دیدیا۔ ۱۸۳۳ء میں اُس کی ساس رانی سدا کور جو امرتسر میں نظربند تھی مرگئی۔ مہاراج نے توشہ خانہ کے افسر بیلی رام کو حکم دیا کہ امرتسر میں جاکر اُس کی سب جائداد کو ضبط کرلے۔ ۱۸۳۴ء میں امرتسر کا ایک کھتری شو دیال مرگیا۔ اُس نے بہت سارو پیہ اکٹھا کیا تھا۔ مہاراج نے اُس کے بیٹے کو گرفتار کرکے اُس سے ایک لاکھہ روپیہ وصول کیا۔ ایک شخص غلام محی الدین نے جو کہ کشمیر کے صوبہ کا نائب رہا تھا۔ بہت ظلم کرکے بہت سارو پیہ اکٹھا کیا۔ مہاراج نے اُسے ہٹاکر اُس کی سب جائداد ضبط کرلی۔ مہاراج کو معلوم ہوا کہ اُس نے ہوشیار پور میں ایک پیر کی قبر کے نیچے لاکھوں روپے گاڑ رکھے ہیں۔ اس قبر پر قرآن پڑھنے کے لیئے مُلّا رکھے ہوئے تھے۔ مصر رُوپ لال نے قبر کو کھود کر نو لاکھہ روپیہ نکالا جس پر مہاراج نے شیخ سے کہا۔ ”تمہارا پیر سچ مچ بڑا ولی ہے۔ اُس کی سب ہڈیاں سونا بنگئی ہیں“۔ ۱۸۳۴ء میں سجان پور کا ایک کاردار رام سنگھہ مرگیا۔ اُس کے بیس ہزار روپیہ جمع تھے۔ مہاراج نے اُن کو ضبط کرنے کا حکم دے دیا۔ اسی طرح ۱۸۳۵ء میں آنند پور کے سوڈھی عطر سنگھہ کی جائداد ضبط کرلی۔ اسی سال سندھیا والا سردار بسّاوا سنگھ کے مرجانے پر اُس کے بیٹے عطر سنگھہ سے پچاس ہزار روپیہ وصول کیا۔

مہاراج کو آدمیوں کے انتخاب میں خاص مہارت تھی۔ ایسا معلوم ہوتا

ہے کہ اُس کی ضمیر میں خاص طاقت پائی جاتی تھی جس سے وہ انسان کے اندر
اُس کی خوبی۔ قابلیت اور ہُنر کو فوراً پہچان لیتا تھا۔ جتنے آدمی مہاراج کی نزدیکی
میں آ گئے قریباً وہ سب کے سب اُس کی زندگی تک دل سے اُس کے وفادار
اور سلطنت کے خیر خواہ رہے۔ جس طرح پارہ ریت میں پڑ کر سونے کے باریک
ذرّوں کو اپنے پاس کھینچ لیتا ہے۔ اس طرح کچلے ہوئے اور گراوٹ کی دلدل
میں پھنسے ہوئے پنجاب کی سر زمین میں سے سُنہری قابلیت کے آدمی مہاراج کی
طاقت سے اُس کی طرف کھچ آئے۔ لوہار لوہے کو اور سُنار سونے کو پرکھنا جانتا
ہے۔ جواہری پتھروں اور کانچ میں سے ہیرے اور موتی کو پرکھ سکتا ہے۔
انسانی خوبیوں کا مالک ہی انسانوں کے گندے ڈھیر میں سے قابل آدمی چُن
سکتا ہے۔ مہاراج رنجیت سنگھ نے اپنے لئے ایسے آدمی چُن لئے۔ عجیب بات
یہ ہے کہ جن بڑے آدمیوں نے پنجاب کی سکھ ایمپائر بنانے میں مہاراج رنجیت سنگھ
کا ساتھ دیا وہ عموماً سکھ نہیں تھے۔ اُسے اپنے سکھ بھائیوں میں ایسا قابل آدمی
نہیں مل سکا۔ جتنے سکھ سردار خالصہ فوج کے افسر تھے اُن میں سے کوئی بھی سوائے
ہری سنگھ نلوہ کے پہلے درجہ کا آدمی نہیں ملا اور سردار ہری سنگھ بھی کھتری
تھا۔ امرتسر لے لینے کے بعد مہاراج نے عہدوں اور خطابوں کو دیتے ہوئے
کئی سکھ سرداروں کو اُن کیلئے منتخب کیا۔ اُن میں سردار دل سنگھ مجیٹھیا، نہال سنگھ
اٹاری والا اور باج سنگھ اور ہری سنگھ نلوہ تھے۔ پھولا سنگھ اکالی سکھوں میں ایک
بڑا بہادر اور اکالیوں کا لیڈر تھا لیکن مہاراج کبھی اُس پر اعتبار نہ کر سکتا تھا۔
کہ وہ باقاعدہ انتظام کے اندر رہ کر اُس کی تابعداری کرلگا۔ ایک دفعہ اُس نے
نہال سنگھ اٹاری والے کو ساتھ لیکر مالوہ میں بغاوت برپا کر دی۔ مہاراج کو دیوان
موتی رام کو فوج دے کر روانہ کرنا پڑا۔ اور وہ اُن دونوں کو کوٹ کپورہ سے

گرفتار کر کے لاہور لایا۔ ہری سنگھ نلوہ کو چھوڑ کر سکھ سرداروں میں سے مجیٹھا کے سردار دیسا سنگھ تھے۔ جس کو نہال سنگھ کے ساتھ پانچ سو کا کمانڈر بنایا گیا تھا۔ جس نے مہاراج کی خدمت کی۔ اُسے کئی مہموں پر مہاراج نے روانہ کیا۔ جن میں سے ایک ۱۸۱۹ء میں پہاڑی راجاؤں سے خراج وصول کرنا تھا۔ کہلور کے راجہ نے جس کا صدر مقام بلاس پور انگریزوں کی جانب پر تھا۔ خراج دینے سے انکار کیا۔ سردار دیسا سنگھ نے اُس کے تین بڑے قلعے اچروٹہ۔ اکال گڑھ۔ بنو بی دیوی کے لیئے۔ راجہ ستلج پار بھاگ گیا۔ سردار دیسا سنگھ نے بلاس پور کا گھیرا ڈال دیا۔ سرکار انگریزی کے دخل دینے پر مہاراج نے اُسے واپس بُلا لیا۔ اپریل ۱۸۳۲ء میں یہ بوڑھا بہادر سردار مر گیا۔ اُس کی جگہ اُس کا بیٹا سردار لہنا سنگھ مقرر ہوا۔ ۱۸۴۳ء تک ستلج اور راوی کے درمیانی علاقے کا افسر تھا اور وہی امرتسر کے دربار صاحب کا نگران بھی تھا۔

مہاراج رنجیت سنگھ نے اپنی سلطنت کے بنانے میں مذہب کی تمیز بالکل اُڑا دی۔ جہاں کہیں قابلیت اُسے نظر آئی اُس نے آدمیوں کو انتخاب کر کے اپنی خدمت میں لے لیا۔ اُس کے لئے زیادہ کام کرنے والے ہندو تھے۔ اپنے مُسلمان افسروں پر بھی مہاراج کو بھروسہ تھا اور وہ بھی سچے دل سے اُس کے وفادار تھے۔ جب اُسے پچھلے حصے میں اپنی فوج کو قواعد دان بنانے کی ضرورت پڑی تو اُس نے یورپین افسروں کو بھی اپنے ہاں ملازم رکھا۔ جن شخصوں نے مہاراج کی اُس کے کام میں مدد دی اُن سب کا مختصر سا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے۔

ان میں سب سے پہلے نمبر پر اور سب سے بڑھ کر گنجاہ کا مشہور دیوان کنبہ تھا۔ مہاراج رنجیت سنگھ کے خاندان سے ہٹ کر اگر کسی دوسرے خاندان نے پنجاب کی سلطنت بنانے میں حصہ لیا ہے تو بلاشبہ وہ یہ کنبہ ہے۔ محکم چند کا بیٹا

دیوان موتی رام تھا جس کو مہاراج نے ۱۸۱۹ء میں لاہور کی دیواریں مضبوط کرنے کے لئے ایک لاکھ روپیہ عطا کیا۔ دیوان محکم چند اپنے زمانے کا بڑا بھاری مدبر اور بہادر سپہ سالار تھا محکم چند کنجاہ کا ایک دوکاندار بساکھی رام نیز بخ کھتری کا بیٹا تھا۔ گجرات کے سکھ حکمران صاحب سنگھ کا صلاحکار بن گیا ایک موقعہ پر صاحب سنگھ نے ناراض ہوکر رام نگر کے قلعہ کی خندق میں ڈالنے کا حکم دیدیا۔ سکھ سپاہی اسے پکڑے ہوئے لیجارہے تھے۔ کنجاہ کے پاس ایک گاؤں سنروکے کے ایک مسلمان چودھری نے اسے چھڑوا کر صاحب سنگھ کے علاقہ سے باہر کردیا۔ مہاں سنگھ کے پاس سکھ جیون کا بیٹا بھولے رہا کرتا تھا۔ سکھ جیون کا قبیلہ اس کے قتل کئے جانے کے بعد گجرات کے ضلع میں ایک گاؤں کمنیہ میں رہنے لگے تھے۔ میا سنگھ نے ان کی دولت کی شہرت سنکر ان کا سب مال واسباب جا لوٹا اور سکھ جیون کے بیٹے بھولے کو اپنے ساتھ لے گیا محکم چند کا حال سنکر اسنے مہاں سنگھ کے پاس اس کی سفارش کی جہاں آہستہ آہستہ وہ میا سنگھ کا دیوان بن گیا۔ رنجیت سنگھ کے وقت اقتدار حاصل کرکے اسنے بھوج اور اس کے رشتہ داروں کو کنجاہ بلا بھیجا۔ ۱۸۰۸ء میں سرکار انگریزی کی طرف سے میدٹ لیگاف خاصد بن کر آیا تو دیوان محکم چند مہاراج کا بڑا صلاحکار تھا اور اسنے مہاراج کو یہ صلاح دی کہ عہد نامہ ہونے سے پہلے جمنا کا علاقہ اپنے قبضہ میں لے آنا چاہیئے۔ اس فتح کے دوران میں مہاراج نے سائیں وال چاندپور۔ جھنڈہ۔ دھاری۔ بہرام پور وغیرہ فتح کرکے دیوان محکم چند کے نام جاگیر کردیے۔ ۱۸۱۰ء میں دیوان محکم چند نے بھمبر۔ راجوری فتح کئے اور اسی سال جالندھر پھلور۔ پٹی۔ ہیت پور پر قبضہ کرکے تین لاکھ کا علاقہ مہاراج کی حکومت میں اِیزاد کیا۔ دیوان محکم چند کو بطور جاگیر دیا گیا۔ دیوان کا خطاب دیا گیا۔ ہاتھی سنہری ہودہ اور ایک زین۔ تلوار انعام دے گئے۔

۱۸۱۲ء میں دیوان محکم چند نے راجوری پر حملہ کیا اور سلطان خاں کو قید کرکے لاہور لے آیا۔ اس کے بعد وزیر فتح خاں کے ساتھ فوج لیکر محکم چند نے کشمیر پر چڑھائی کی۔ فتح خاں نے کشمیر فتح کرلیا اور سکھ فوج کو سب فائدے سے محروم رہ کر خالی ہاتھ لاہور آنا پڑا۔ اسکا بدلہ اتارنے کے لئے مہاراج نے اٹک پر قبضہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ اور دیوان محکم چند فوج لیکر پہنچا حضرو کے مقام پر ۱۳ جولائی ۱۸۱۳ء کو پٹھانوں پر بڑی فتح حاصل کی۔ اٹک کے صوبے کو

مہاراج کی سلطنت کے ساتھ شامل کیا۔ جب ۱۸۱۴ء میں مہاراج نے کشمیر
پر فوجیں روانہ کیں تو دیوان محکم چند بیمار تھا۔ اس لئے اُس کی جگہ اُس کا پوتا دیوان
رام دیال کشمیر بھیجا گیا۔ دیوان محکم چند نے مہاراج سے ایک بات کہی کہ پہلے سامانِ
جنگ اور رسد وغیرہ راجوری میں جمع کر لینی چاہئیں۔ جب مہاراج کی فوج کو اس
بے سرو سامانی کی وجہ سے ناکام واپس ہونا پڑا تو مہاراج کو دیوان کی بات یاد
آئی اور اُس نے اُس کے مشورے کے مطابق عمل نہ کرنے پر بڑا افسوس کیا۔ دیوان
محکم چند اُس بیماری سے اُس سال اکتوبر میں پھلور کے مقام پر اِس جہان سے چل دیا۔
دیوان محکم چند کی موت سے مہاراج کی سلطنت کا ایک بڑا بھاری ستون گر گیا۔
اُس کی دانشمندی، بہادری اور چال چلن ایسے اعلےٰ پائے کے تھے کہ سب سکھ
سردار اُس کی عزت کرتے تھے۔

اُس کی جگہ اُس کا بیٹا موتی رام دیوان مقرر ہوا۔ اُسے جالندھر کا صوبہ دار
بنایا گیا اور پھلور کا قلعہ اُس کے حوالے کیا گیا اور اُس کا پوتا رام دیال فوج کا کمانڈر
انچیف مقرر ہوا۔ کشمیر کی فتح میں دیوان رام دیال کی بہادری سب سے بڑھ گئی
اور دیوان موتی رام کو کشمیر کا پہلا صوبہ دار بنایا گیا۔ اِس کے بعد دیوان رام دیال
اور شام سنگھ اٹاری والا ہزارہ کی مہم پر بھیجے گئے۔ جرنیل الٰہی بخش کو پٹھانوں نے
گھیر لیا۔ دیوان رام دیال نے وقت پر پہنچکر اُس کی امداد کی اور خود سب سے آگے
میدان کو چھوڑا۔ پٹھانوں کو اِس کا پتہ لگ گیا اور سارے اُس پر ٹوٹ پڑے۔
اکیلا نوجوان بڑی بہادری سے پٹھانوں کا مقابلہ کرتا اور دشمنوں کو مارتا ہوا مارا
گیا۔ مہاراج کو اِس نوجوان پر بڑی امیدیں تھیں اور اُس کی موت سے اُسے بڑا
صدمہ پہنچا۔ اُس کا باپ موتی رام اتنا مایوس ہوا کہ وہ دُنیا چھوڑ کر بنارس چلا
جانا چاہتا تھا۔ مہاراج نے اُسے کچھ عرصہ کے لئے لاہور بُلا لیا اور جب اُس کی جگہ

کوئی آدمی کامیاب نہ ہوا تو اُسے پھر کشمیر روانہ کیا۔ اُس کا دوسرا بیٹا کرپارام تھا۔ جسے ہری سنگھ نلوہ اور مصر دیوان چند کے ساتھ پشاور کی مہم پر بھیجا گیا۔ جبکہ نوشہرہ کی مشہور لڑائی ہوئی۔ دیوان کرپارام کو اس کے بعد جالندھر کا گورنر بنا دیا گیا۔ دھیان سنگھ اس وقت مہاراج کی نظروں میں بڑھ رہا تھا۔ وہ اُس سے حسد کرنے لگا اور پھلور جو کہ دیوان محکم چند کی جاگیر تھا۔ اُس نے اپنے سالے رام سنگھ کو دلا دیا۔ دیوان کرپارام اس سے غصے کی آگ میں جل گیا۔ جب مہاراج نے کرپارام کو فوج کے ساتھ دربند کی مہم پر جانیکا حکم بھیجا تو وہ بجائے فوج ساتھ لانے کے صرف پندرہ سوار لے کر حاضر ہو گیا۔ مہاراج اس سے ناراض ہو گئے اور دیوان موتی رام کو کشمیر سے واپس بلا لیا اور اُسے قید کر دیا۔ ستر ہزار روپیہ جرمانہ کیا۔ ڈیڑھ سال تک اس خاندان پر مہاراج کی خفگی کی نظر رہی۔ کشمیر میں پہلے بھیم سنگھ اور پھر چونی لال روانہ کئے گئے۔ دونو کے ناکامیاب ہونے پر مہاراج نے دیوان کرپارام کو کشمیر کا گورنر مقرر کیا۔ وہ وہاں پر بڑا قابل اور ہر دلعزیز ثابت ہوا۔ اُس نے رام باغ کی بنیاد رکھی۔ ۱۸۲۷ء میں دیوان موتی رام اور فقیر عزیز الدین تحفوں کے ساتھ لارڈ ایمہرسٹ کے پاس شملہ بھیجے گئے۔ اُس کے بدلے میں لاٹ صاحب نے مہاراج کو تحفے روانہ کئے جو امرتسر کے رام باغ میں ایک بڑا دربار کر کے لئے گئے جبکہ مہاراج کی فوج بسنتی وردی پہنے ہوئے کھڑی تھی۔ اپریل ۱۸۳۱ء میں دیوان موتی رام فقیر عزیز الدین اور سردار ہری سنگھ کا وفد لاٹ صاحب کے پاس روانہ کیا گیا۔

ڈوگرہ کنبہ

۱۸۱۱ء میں ایک نوجوان گوڑ برہمن خوشحال نامی لاہور آیا اور فوج میں سپاہی بھرتی ہوا۔ پھر باڈی گارڈ میں چلا گیا۔

مہاراج نے اُسے ایک دن گاتے ہوئے سُن لیا اور اُس پر خوش ہوکر اُسے ڈیوڑھی والا بنادیا۔ ۱۸۱۲ء میں وہ سکھ بن گیا اور اُس نے اپنے بھتیجے تیج رام کو بلاکر اپنا نائب بنوالیا۔ اِس کا نام بعد میں تیج سنگھ ہُوا۔ خوشحال سنگھ کا بھائی رام لال مہاراج کی نظر میں بہت چڑھ گیا۔ مہاراج اُس کو سکھ بنانا چاہتا تھا مگر وہ رات کو ہندوستان بھاگ گیا۔ اِس سے مہاراج خوشحال سنگھ سے ناراض ہوگیا۔ اُسے ڈیوڑھی سے ہٹادیا اور اُس کی جگہ ایک راجپوت دھیان سنگھ کو ڈیوڑھی والا مقرر کردیا۔

دھیان سنگھ کے دو اور بھائی گلاب سنگھ اور سوچیت سنگھ تھے۔ یہ سب بطور اردلی کے بھرتی ہوئے اور آہستہ آہستہ ترقی کرنے لگے۔ دھیان سنگھ مہاراج کا بڑا مرضی دان ہوگیا۔ گلاب سنگھ کو جمّوں کشمیر میں بغاوت فرو کرنے کے صلے میں جموں جاگیر عطا کی گئی۔ سوچیت سنگھ درباری کے طور پر ہی رہا۔ تینوں بھائیوں کو یکے بعد دیگرے راجہ کا خطاب دیا گیا۔ راجہ دھیان سنگھ کا بیٹا ہیرا سنگھ ابھی بچہ ہی تھا کہ مہاراج اُس سے اپنے بیٹے کی طرح محبت کرنے لگے۔ اُس کی عمر ابھی بارہ برس کی تھی کہ راجہ دھیان سنگھ کو یہ خواہش ہوئی کہ ہیرا سنگھ کی شادی راجہ سنسار چند کی بیٹی سے کرادی جائے۔ راجہ سنسار چند کا بیٹا انورودھ چند لاہور میں آیا۔ اُس کی دو بہنیں اُس کے ساتھ تھیں۔ انورودھ چند پہلے نہیں مانتا تھا۔ وہ تو دباؤ ڈالنے پر راضی ہوگیا لیکن اُن کی ماں لڑکیوں کو لیکر ستلج پار چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد انورودھ چند اور اُس کی ماں مر گئے اور مہاراج ندادَن گیا تاکہ اُن کی جائداد پر قبضہ کرلے۔ ڈوگرہ سردار کنجاہ کے دیوانوں سے بہت حسد کرتے تھے۔ اور جوں جوں دیوانوں کے خاندان کا تنزل ہوتا گیا۔ ڈوگرہ سردار مہاراج کی حکومت سنبھالتے گئے۔ مہاراج کی زندگی کے پچھلے حصے

ہیں راجہ دھیان سنگھ دربار میں کُلّی اختیار رکھتا تھا۔ اس خاندان کے حالات زیادہ تر ہمارے سامنے آگے چلکر آئینگے جبکہ ہم مہاراج کی موت کے بعد کے واقعات کا مفصّل ذکر کریں گے۔

مصر دیوان چند

ایک شخص جس نے مہاراج کے لئے سب سے بڑھ کر جنگی خدمت ادا کی مصر دیوان چند تھا۔ مصر دیوان چند گوجرانوالہ کے ضلع کا ایک غریب برہمن تھا۔ مصر دیوان چند نے کوئی تعلیم حاصل نہ کی تھی لیکن اُس کا جسم اتنا لمبا چوڑا اور مضبوط تھا جس سے معلوم ہوتا تھا کہ قدرت نے اُسے جسمانی طاقت کا ایک نمونہ بنایا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اپنے گاؤں میں دیوان چند نے ایک سادھو کی سیوا کی جس نے اُسے تیر کمان کا ہُنر اچھی طرح سکھلا دیا۔ تیر چلانے میں اُسے اتنی مشق تھی کہ اُس کا نشانہ کبھی خالی نہ جاتا تھا۔ مصر دیوان چند آکر توپخانہ میں بھرتی ہوا۔ مہاراج نے فوراً اُس کے ہُنر کو پہچان لیا اور اُسے توپخانے کا سب سے بڑا افسر بنا دیا۔ ۱۸۱۶ء میں اُسے دیوان موتی رام۔ بھوانی داس اور ہری سنگھ نلوہ کے ساتھ ملتان روانہ کیا گیا۔ راس سال ان سب کو ناکام واپس آنا پڑا۔ جنوری ۱۸۱۸ء میں مہاراج نے ظفر جنگ کا خطاب اور بیحد جلیس مزانہ فوج دے کر اُسے ملتان روانہ کیا۔ ملتان کی لڑائی کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ صرف اتنا کہنا کافی ہے کہ ملتان کی فتح مصر دیوان چند کے نام تھی۔ مارچ ۱۸۱۹ء میں مصر دیوان چند فوج لیکر کشمیر کی طرف روانہ ہوا۔ پہلے اُس نے پونچھ کے راجہ کو فتح کیا اور جولائی ۱۸۱۹ء میں پٹھانوں کو شکست دے کر کشمیر پر قبضہ کر لیا۔ ۱۸۲۰ء میں مصر کو منگال روانہ کیا گیا اور اُس نے رانی سدا کور سے بٹالہ کا تسلط حاصل کیا۔ روایت یہ ہے کہ اگرچہ دوسرے سرداروں کے حسد کے باعث مصر دیوان چند کو

نوشہرہ کی لڑائی میں پیچھے رکھا گیا لیکن اس لڑائی کی کامیابی بہت سی اُس کے توپخانے کی بدولت ہوئی۔ ۱۸۲۴ء کے آخیر میں مصر دیوان چند لاہور میں ادھرنگ کی بیماری سے مرا۔ سارا دربار اُس کی ارتھی کے ساتھ گیا۔ اُسے صندل کی لکڑی سے جلایا گیا۔ کفن کے لیئے مہاراج نے اپنا شال دیا۔ اُس کی موت پنجاب کی سلطنت کے لیئے ماتم کا باعث تھی۔ اُس نے مہاراج کیلئے ملتان، کشمیر اور منکیرہ فتح کیئے تھے۔ اکیلا ایک مصر دیوان چند تھا جسے مہاراج کے دربار میں حُقّہ پینے کی اجازت تھی۔ مہاراج نے خود اُسے ایک سنہری حُقّہ بنوا کر عطا کیا تھا۔

سردار ہری سنگھ

ہری سنگھ نلوہ گوجرانوالہ میں پیدا ہُوا۔ لڑکپن میں وہ مہاراج کے ساتھ کھیلا کرتا تھا۔ مہاراج کو اُس سے بڑی محبت تھی ۱۸۰۵ء میں معمولی خدمت سے ترقی دے کر اُسے آٹھ سو پیادوں کا سوار بنایا گیا۔ اپنی تمام زندگی وہ مہاراج کی لڑائیوں میں لڑتا رہا۔ سردار ہری سنگھ بالکل ایک جنگی آدمی تھا۔ اُسے ایک موقعہ پر کشمیر کا صُوبہ دار بنا کر بھیجا گیا۔ منتظم کے طور پر وہ کامیاب ثابت نہ ہُوا۔ اُس نے یُوسف زئی کے پٹھانوں کو قابو میں کیا۔ دربند اور جہانگیرہ کے پاس اُن کے ساتھ لڑائیاں کیں۔ اٹک کے میدان میں پٹھانوں کو ایک بڑی شکست دی۔ اُس کا وقت زیادہ تر پٹھانوں کے ساتھ لڑائیوں میں گذرا۔ آفریدیوں کو اُس نے شکستیں دیں۔ ہزارہ کے قبیلوں کے سپرٹ کو اُس نے کچلا۔ کنور نونہال سنگھ کے ساتھ پشاور پر حملہ کر کے شہر پر قبضہ کیا۔ اُس نے جمرود کے قلعے پر قبضہ کیا اور پٹھانوں کو بڑی بھاری شکست دی۔ خیبر کے پاس لڑائی کر کے اُس نے پٹھانوں کو بھگا دیا لیکن اس لڑائی میں ۱۸۳۷ء میں اُسے کاری زخم لگا جس سے وہ جانبر نہ

ہو سکا۔ اُس کی موت اُس کی بہادری کی وجہ سے تھی۔ اُس کی دلیری لاثانی تھی اور وہ اِس کا شکار ہُوا۔ سردار ہری سنگھ پٹھانوں کا سخت دُشمن تھا۔ وہ اُن کو بُزدل اور حقیر سمجھتا تھا۔ پٹھان اُس کے نام سے ڈرتے تھے۔ پشاور۔ کابل وغیرہ میں اب بھی ہریا کا نام بچّوں کو ڈرانے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ سردار ہری سنگھ کے اندر آکر گورو گوبند سنگھ کی پیشینگوئی پوری ہوتی ہے جس میں اُنہوں نے کہا۔

چڑیوں سے میں باز مراؤں ۔ تب ہی نام گوبند سنگھ پاؤں

ہندو چڑیوں کی طرح مرنے اور مارنے سے ڈرتے تھے۔ گورو گوبند سنگھ نے اُن کو مرنے کی تعلیم دے کر اُن کے دِلوں سے موت کا ڈر دُور کر دیا۔ جب وہ بُزدل تھے پٹھان شیر تھے۔ جب موت سے لاپرواہ ہو کر وہ شیر بن گئے۔ پٹھان بُزدلوں کی طرح اُن کے سامنے بھاگنے لگے۔ گورو گوبند سنگھ نے لوگوں کو مرنا سکھایا۔ دیر بیراگی اور اُس کے بعد رنجیت سنگھ نے اُن کو مارنے کی تعلیم دی۔

فقیر بھائی

مُسلمانوں میں دو بھائی فقیر نُورالدین اور عزیزالدین مہاراج کے مرضی دان اور اعتباری تھے۔ لاہور لیتے ہی مہاراج نے انکو اپنے دربار میں لے لیا اور مرتے دم تک اُنہوں نے مہاراج کا ساتھ نہیں چھوڑا فقیر نُورالدین بڑا بھاری حکیم تھا اور ہمیشہ مہاراج کا معالج رہا۔ ۱۸۴۲ء میں اُسے گجرات کا صُوبہ دار مقرر کیا گیا۔ فقیر عزیزالدین ہر ایک انتظامی معاملے میں مہاراج کا صلاح کار تھا اور مہاراج اُس کی صلاح پر چلتے تھے۔ فقیر عزیزالدین بطور قاصد کے کئی بار لاٹ صاحب کے پاس روانہ کئے گئے۔ دونو بھائیوں نے لڑائیوں میں کم حصّہ نہیں لیا۔ جہاں کہیں ضرورت ہوتی تھی۔ فقیر عزیزالدین فوج کے ساتھ جاتے تھے اور مہاراج کی فوج کے ایک افسر کے طور پر اپنا فرض دیتے

ہی ادا کرتے تھے جیسے کہ سکھ سردار۔ دونو بھائی سچے دل سے اور سچے پولٹیکل معنوں میں پنجاب سلطنت کے خیر خواہ تھے۔ فقیر عزیزالدین ۱۸۱۳؁ء میں اٹک کا قلعہ سر کرنے کے لئے بھیجا گیا اور وہ پشاور کی مہم میں بھی مہاراج کے ساتھ تھا جس میں کہ مہاراج کے مقابلے پر امیر دوست محمد خان تھا۔ ہم نے دیکھا ہے کہ کس طرح چالاکی سے امیر دوست محمد نے فقیر عزیزالدین کو قید کر لیا کیونکہ اُس کا یہ خیال تھا کہ فقیر عزیزالدین کو چھڑانے کے لیے مہاراج کسی قسم کی شرائط سے بھی گریز نہ کرے گا۔ فقیر عزیزالدین نے مذہبی طرفداری کا ذرا خیال نہ کیا اور مہاراج کے ساتھ پوری وفاداری کا ثبوت دیا۔ پنجاب سلطنت کے لئے ان بھائیوں کی خدمات حروف زریں میں لکھے جانے کے قابل ہیں۔

پنڈت گنگارام دینا ناتھ اور دوسرے افسر

۱۸۰۸؁ء میں ایک شخص بھوانیداس جو شاہ شجاع کا افسر مال تھا اور احمد شاہ کے مشیر کا پوتا تھا کروانش کابل سے لاہور آیا۔ مہاراج نے اُس کو مال کا بڑا افسر مقرر کیا۔ اُس کے آنے سے پہلے کوئی باقاعدہ حساب نہ رکھا جاتا تھا۔ سارا حساب امرتسر کے ایک صراف رامانند کے سپرد تھا۔ اُسی سال مہاراج نے کرم چند کو مہر کا افسر مقرر کیا۔ کرم چند رتن چند ڈاڑھی والے کا باپ تھا۔ بھوانیداس کئی مہموں پر گیا اور ۱۸۱۹؁ء میں اُس نے جموں فتح کیا۔

۱۸۱۳؁ء میں مہاراج نے سُنا کہ دہلی میں ایک پنڈت گنگارام نامی ہے جو بڑا نیتی کا سمجھنے والا ہے اور جو سندھیا کے پاس بھی نوکر رہ چکا ہے۔ مہاراج نے اُسے بُلا بھیجا اور سرکاری مہر اُس کے سپرد کر دی۔ گنگارام نے اہلکاری کا انتظام بہت اچھا کیا۔ ۱۸۲۶؁ء میں اُس کے مرجانے پر اُس کی جگہ پنڈت دینا ناتھ کو ملی ۱۸۳۴؁ء میں بھوانیداس کے مرجانے پر اُس کی جگہ بھی پنڈت دینا ناتھ کو دی گئی۔

یورپین افسر

مارچ ۱۸۲۲ء میں دو یورپین سیاح ایک اٹیلین وینٹورا اور دوسرا فرانسیسی ایلارڈ ایران سے ہوتے ہوئے لاہور دربار میں آئے۔ اُنہوں نے مسلمانوں کا لباس پہنا ہوا تھا۔ اُنہوں نے پہلے اپنی سب باتیں فارسی زبان میں بتائیں۔ مہاراج نے حکم دیا۔ "تم اپنی زبانوں میں اُسے لکھ کر دو"۔ وہ کاغذ لدھیانہ میں انگریز ایجنٹ کے پاس روانہ کئے۔ اُن کا ترجمہ ٹھیک ملجانے پر مہاراج کو تسلی ہو گئی اور اُس نے اُن کو فوج میں قواعد سکھانے پر مقرر کیا۔ تھوڑے عرصے میں اُنہوں نے فوج کو یورپین طریقے پر ایسا ڈھال دیا کہ مہاراج اُن سے خوش ہو گیا اور اُنہیں مقبرہ انارکلی کے پاس رہائش کے لئے جگہ دی۔ چار سال کے بعد دو اور فرانسیسی کوٹ اور اوی طبیلہ جنہوں نے نپولین کے ماتحت خدمت کی تھی۔ لاہور آئے اور آہستہ آہستہ ترقی کرتے فوج کے جرنیل بن گئے۔ مہاراج کے سپاہی نیا لباس پہننے اور نئے طریقے اختیار کرنے سے جھجکتے تھے۔ مہاراج نے خود وردی پہنی اور قواعد شروع کی تاکہ اُس کے سپاہی اُس کی نقل کریں۔ اُن افسروں کی مدد سے مہاراج کے پاس پچاس ہزار باقاعدہ فوج اور ایک لاکھ دوسرے سپاہی طیار ہو گئے۔ لاہور اور امرتسر میں توپیں ڈھالنے اور بارود کی میگزین بنانے کا انتظام کیا گیا۔ وینٹورا اور ایلارڈ مہاراج کے رسالے کے چارج میں تھے۔ اوی طویلہ پیادہ فوج کے اور کوٹ توپخانہ کے۔ اِن کی تنخواہ دو ہزار اور تین ہزار کے درمیان تھی۔ مہاراج نے اِن یورپینوں کو نوکر رکھتے وقت اقرار کرایا کہ وہ گائے کا گوشت نہیں کھائیں گے۔ ڈاڑھی نہ کٹوائیں گے اور تمباکو نہ پئیں گے۔ پہلی دو باتیں مان جانے پر تیسری بات معاف کردی گئی۔

بیماری اور موت

جس وقت فیروزپور میں آخیر نومبر ۱۸۳۸ء میں مہاراج کی لارڈ آکلینڈ سے ملاقات ہوئی تو اُس کی صحت اچھی

نہ تھی۔ اِس کے بعد دن بدن صحت بگڑتی گئی صحت کی خرابی کی ایک بڑی وجہ مہاراج
[illegible] کی [illegible] تھی۔ مہاراج کے جسم میں برداشت کی غیر معمولی طاقت تھی لیکن پنجاب
کی اُس بگڑی ہوئی اور ابتر حالت میں سے ایک سلطنت کو قائم کرنے کا بوجھ اتنا
بھاری ثابت ہُوا کہ اُس کا جسم اِس کے نیچے دب گیا۔ مہاراج کو اتنے سرداروں اور
خانوں اور نوابوں کو مطیع کرنا پڑا۔ اُسے اپنی حکومت کی خرابیوں اور کمزوریوں کو دُور کرنا
پڑا۔ اُسے اِن سب کاموں کے لیئے اِتنے تفکرات کا اپنی تھوڑی سی زندگی میں سامنا
کرنا پڑا کہ ہم اُن کا خیال کرتے ہوئے اُسے ایک غیر معمولی طاقت کا آدمی سمجھے بغیر رہ
نہیں سکتے۔ بیماری کو دُور کرنے کے لیئے سب قسم کے علاجوں کا امتحان کیا گیا۔ لاہور
اور امرتسر کے سب حکیم اور جوگی اکٹھے کیئے گئے۔ سب جوتشی بُلائے گئے تاکہ وہ بھی اپنے
ہُنر کو اِس موقعہ پر آزمالیں۔ موتیوں وغیرہ سے ایک بڑی اعلیٰ معجون تیار کی گئی لیکن
موت کے سامنے سب کوششیں رائگاں اور بے سُود ثابت ہوئیں۔ دو ہفتے تک
مہاراج زیادہ بیمار رہ کر اِس جہان فانی سے چلدیا۔ اپنی موت سے پہلے مہاراج
نے کھڑک سنگھ کو گدی دیکر تلک لگا دیا تھا اور راجہ دھیان سنگھ کو وزیر بنا کر شہزادہ
کا ہاتھ اُس کے ہاتھوں میں دے کر اُسے سلطنت کا محافظ مقرر کیا اور یہ خبر سب
صُوبوں میں بھیجدی گئی۔ آخری وقت میں ہزاروں روپے امیروں اور محتاجوں
کو بانٹے گئے۔ راجہ دھیان سنگھ نے دس لاکھ روپیہ خرچ کر کے ایک چبوترہ
طیار کیا تھا جس پر شال بچھائے گئے۔ جن کے اُوپر لیٹے ہوئے مہاراج نے پران
دیئے۔ اُس دن پنجاب میں ہمیشہ کے لیئے سُورج غروب ہو گیا اور پنجاب میں
کوئی ایسا بوڑھا۔ جوان۔ یا بچہ نہ ہو گا جس کے دل سے رنج والم کی ایک لمبی آہ نہ نکلی
ہو۔ پنجاب کے لوگوں کے لیئے آزادی اور خوشی کا آخیری دن وہی تھا۔ اُسی دن
سے پنجاب میں وہ غمی اور ماتم شروع ہُوا جس کا انجام دکھائی نہیں دیتا۔

مہاراج کی وصیت کے مطابق کوہِ نور ہیرا جگن ناتھ کو بھیج دینا چاہیئے تھا مگر اس پہ
مصر ہیلی رائے اعتراض کیا کہ یہ ہیرا راجیہ کی ملکیت ہے۔ اسے دان نہیں کیا جا سکتا۔
مہاراج کے جسم کو عطر سے اشنان کرایا گیا۔ اس کے بعد خوبصورت کپڑوں اور
جواہرات سے آراستہ کیا گیا۔ چار رانیاں اور سات گولیاں جو کہ مہاراج کیساتھ
جلنے پر طیار ہوئیں اُس کے سرہانے پر کھڑی ہوگئیں۔ ہندو دھرم کی پترا پک گیتا مہاراج
کی چھاتی پر رکھی گئی اور راجہ دھیان سنگھ نے اس پر ہاتھ رکھکر کھڑک سنگھ سے
وفاداری کی قسم لی۔ ایک سونے کا کشتی نما بیبان تیار کیا گیا جس پر ریشمی بادبان لگائے
گئے۔ اس بیبان پر مہاراجہ کا جسم رکھکر قلعے کے اندر سے نکالا گیا۔ بیشمار آدمی اُس
کے ساتھ تھے پہلی دفعہ رانیاں محلوں سے باہر نکلیں۔ بغیر زیوروں کے سفید ریشم پہنے
ہوئے ننگے پاؤں اُس کے ساتھ چلنے لگیں۔ رانیوں نے اپنے سب زیور غریبوں
میں بانٹ دیئے۔ ہزاروں روپے بیبان کے اُوپر سے پھینکے گئے۔ ہر ایک رانی
سے دو تین قدم آگے ایک مرد اپنے ہاتھ میں شیشہ لیئے ہوئے رانی کی طرف مُنہ
کرکے پیچھے چلتا تھا۔ یہ شیشہ رانی کے سامنے رکھتا تھا کہ وہ اپنے چہرے کو دیکھتی رہے
کہ کہیں اُس میں تبدیلی تو نہیں آئی۔ ان رانیوں میں ایک راجہ سنسار چند کی بیٹی
بھی تھی۔ ان رانیوں کے پیچھے سات گولیاں جا رہی تھیں۔ ڈاکٹر ہانگ برگر کہتا
ہے۔ "ہمارے دل سب سے زیادہ اُن بیچاریوں کے لیئے دھڑکتے تھے جنھوں
نے اپنی قسمت کا فیصلہ خود کر لیا تھا۔" نقاروں کی آواز رنج اور غم کی تھی۔ راگی افسوسناک
گیت گاتے تھے۔ اُن کے سازوں کی آواز سب طرف غم و اندوہ پھیلاتی تھی۔
لاکھوں آدمیوں کے مجمعے جو کہ دل سے راجہ کو پوجتے تھے اور جن کو دل سے وہ
محبت کرتا تھا۔ غم والم میں ڈوبے ہوئے نہایت غمناک نظارہ بنا رہے تھے۔
چھ فٹ مکعب کی ایک چتا بنائی گئی۔ اُس میں صندل کی لکڑیاں بھر دی

گئیں۔ جسم پر سے زیورات اُتار کر غریبوں کو دیدیئے گئے۔ گوروؤں اور براہمنوں نے پاٹھ کیا۔ آدھ گھنٹہ کے بعد سرداروں اور وزیروں نے شریر کو اٹھا کر چتا پر رکھدیا۔ چاروں رانیاں موت سے بےخوف زینہ کے ذریعے چتا پر چڑھ گئیں۔ اور مہاراج کا سر اپنے ہاتھوں میں پکڑ کر بیٹھ گئیں۔ اِن کے بعد سات گولیاں چتا پر چڑھیں اور اپنے مالک کے پاؤں میں جابیٹھیں۔ اِن سب کو بانس کی چٹائیوں کے ڈھانپ دیا گیا جن میں بہت سا تیل ڈالا گیا تھا۔ راجہ دھیان سنگھ رانیوں کے پاس گیا اور کہا کہ وہ نئے راجہ کے لیے پرارتھنا کریں۔ وہ مہاراج کے سر پہ ہاتھ پھیلائے ہوئے آنکھیں بند کر کے موت کے انتظار میں خاموش بیٹھی رہیں۔ راجہ دھیان سنگھ چتا سے نیچے اُتر آیا۔ اُس کو اِتنا رنج تھا کہ وہ ساتھ ہی جل جانا چاہتا تھا۔ دو تین دفعہ آگے بڑھا مگر روک دیا گیا۔ تیل گھی اور عطر ڈالے گئے۔ کھڑک سنگھ نے چاروں کونوں سے آگ لگا دی۔ ایک لمحہ میں مہاراج اور ستیاں سب آگ کے شعلوں میں جذب ہو گئیں۔ نہ راجہ تھا نہ رانیاں تھیں۔ صرف آگ کا ڈھیر تھا۔

دو دن چتا جلتی رہی تیسرے روز راکھ چن لی گئی۔ اور اِن کو سردوار بھیجنے کا انتظام کیا گیا۔ مہاراج کی اور رانیوں کی راکھ علیحدہ پالکیوں میں ڈال کر قلعے سے نکالی گئی۔ اِس کے ساتھ ہاتھی، گھوڑے اور جواہرات تھے۔ سب سردار اور وزیر ہمراہ تھے۔ سونے چاندی کے برتن ساتھ تھے جو کہ براہمنوں کو دیئے جانے تھے۔ مہاراج کا یہ آخری جلوس شہر کے بڑے بڑے گلی، کوچوں اور بازاروں میں پھرایا گیا۔ دیکھنے والوں کے ہجوم چھتوں، باریوں میں، ویرانڈوں میں جمع تھے۔ اور اِن پالکیوں پر پھولوں کی برکھا کرتے تھے۔ دھیان سنگھ مہاراج کی پالکی کے ساتھ تھا۔ اُس کے ہاتھ میں مور کی چوری تھی جو کہ مہاراج کی عزت اور سنمان کے لیے کرتا جاتا تھا۔ دہلی دروازہ سے باہر نکلنے پر توپوں کی آخری سلامی دی گئی۔ سب سردار

اور وزیر پیچھے لوٹ آئے اور راکھہ اُس گارد کے حوالے کر دی گئی جنھوں نے اُسے ہردوار لے جانا تھا۔ جب مہاراج کی راکھہ انگریزی علاقے سے گزری تو وہاں بھی اس کی عزت اور سلامی کی گئی۔ تیرہ دن ماتم کیا گیا۔ تیرہویں دن معمولی رسم ادا کرنے کے بعد براہمنوں اور فقروں کو دان دیا گیا۔

کیریکٹر

مہاراج لکھ پڑھ نہ سکتا تھا مگر عالموں کی عزت کرتا تھا۔ اُس کے سکرٹری دن اور رات ہر وقت اُس کے پاس موجود رہتے تھے اور سب کاغذات فارسی۔ ہندی یا پنجابی میں پڑھ کر اُسے سُناتے تھے۔ اپنے حکموں کو خود وہ باقاعدہ صورت میں لکھاتا تھا اور پھر اُنہیں سُنتا تھا تاکہ وہ درست لکھے گئے ہیں بعض اوقات رات کو اُسے کوئی خیال ہوتا تھا تو اُسی وقت سکرٹری کو بُلا کر نوٹ کرا دیتا تھا۔ اُس کا قد چھوٹا تھا۔ ڈاڑھی لمبی اور سفید تھی۔ وہ کرسی پر انگوٹھ مار کر بیٹھتا تھا اور جب بات کرتا تھا تو ایک ہاتھ گھٹنے پر ہوتا تھا اور دوسرے سے اپنی ڈاڑھی ٹٹولتا تھا۔ اس کی شکل خوبصورت نہ تھی۔ چیچک نے ایک آنکھ بگاڑ کر اُسے اور بدصورت بنا دیا تھا۔ اُس کی دوسری آنکھ تیز اور چمکدار تھی۔ اُس کا چہرہ رعب داب والا تھا اور اُس سے زندگی اور خوشی ٹپکتی تھی۔ اُس کے چہرے کے جاہ و جلال کے متعلق کہا جاتا ہے کہ جب ایک موقعہ پر فقیر عزیزالدین شملے گئے۔ انگریز افسروں نے اُس سے سوال کیا "کیا تمہارا مہاراج کانا ہے"۔ فقیر عزیزالدین نے حیران ہو کر جواب دیا "میں نے آج آپ لوگوں سے ایسا سُنا ہے۔ میرے مالک کے چہرے میں وہ نور اور جلال ہے کہ میں آجتک کبھی بھی اُس کی طرف آنکھ اُٹھا کر نہیں دیکھ سکا"۔

اُس کی خیالی طاقت بہت تیز تھی۔ اُس کی عادات صاف اور خوشدل تھیں۔ لباس سادہ پہنتا تھا لیکن اپنے سرداروں کو اچھے لباس میں پسند کرتا

تھا۔ اُسے دکھاوے اور دل لگی کا بہت شوق تھا۔ پنجاب میں مہاراج کے متعلق
کئی روایات پائی جاتی ہیں جن میں کہیں تو لڑکیوں نے اُسے کانا کہا تو اُس نے خوش
ہو کر اُنہیں انعام دیا۔ کہیں کسی جاٹ نے اُسے نہ پہچان کر مہاراج کے سامنے اُس کو
گالی دی تو وہ اِس سے ہنس پڑا اور اُسے بلا کر انعام دیا۔ اُس کے دربار میں دل لگی کرنے
والوں کی قدر تھی اور اُس نے ایسا برہمن رکھا ہوا تھا جس کا کام اُس کے ساتھ مخول
کرنا تھا اور اُسے سیتجر کہا جاتا تھا۔ مذہبی طور پر گرنتھ ہر روز سُنا کرتا تھا لیکن اُس کے راج
میں تعصّب کا نام و نشان نہ تھا۔ گو روؤں بھائیوں اور سادھوؤں کو دان دیتا
تھا اور اُن کی عزت کرتا تھا۔ جب وہ ۱۸۲۳ء میں بیمار ہوا تو خود دریائے راوی
کے کنارے ایک بیراگی کے پاس جاتا اُسے بھینٹ دیتا اور اپنے لئے پرارتھنا
کراتا تھا۔ روپے کا بہت لالچی تھا لیکن اس کو ہم نے آگے بتا دیا ہے کہ یہ لالچ اُس
کے لئے لازمی اور قدرتی بات تھی۔ اُس کے لالچ میں کسی ذاتی غرض کی بجائے ریاست
کی بہتری پائی جاتی تھی۔ ایک پکّے مدبر کی طرح اُس میں اپنی بات کو چھپانے کی بڑی
طاقت تھی اور اپنے ارادے کی تکمیل میں اُسے اپنے اقرار یا دوستی یا رشتے کا ذرا
لحاظ نہ ہوتا تھا۔ اپنی شادیوں کے متعلق اُس نے ذرا آزادی سے کام لیا لیکن ایک
راجہ کے لئے اِس طرح سے بیویاں کر لینا اور رکھ لینا معمولی اخلاقی معیار سے جانچا
نہیں جانا چاہیئے۔ راجوں کے اخلاق کا معیار معمولی معیار سے مختلف ہوتا ہے۔
۱۸۰۱ء میں لاہور کی ایک مسلمان لڑکی موراں پر فریفتہ ہو گیا۔ اُس سے شادی
کر کے اُسے ہردوار یاترا کو لے گیا اور ایک لاکھ روپیہ غریبوں اور برہمنوں کو
دیدیا۔ اِس طرح بڑے ہو کر بھی ۱۸۳۳ء میں باقاعدہ برات امرتسر لیجا کر ایک عورت
گُل بہار سے شادی کر لی جس پر لاہور۔ امرتسر میں کئی دن خوشیاں ہوتی رہیں لیکن
اِس کے تھوڑی دیر بعد ہی اُس نے خواب میں دیکھا کہ ایک سکھ کالا لباس پہنے

اُسے دھمکی دے رہا ہے۔ اس خواب کی برہمنوں سے تعبیر کرائی گئی۔ اُنہوں نے بتایا کہ یہ کوئی نہنگ ہے جو مسلمان عورت سے شادی کرنے پر خفا ہے۔ مہاراج کو چاہیئے کہ مہاراج نئے سرے سے پاہل لے لے چنانچہ مہاراج نے پھر پاہل لے لی۔ اپنی سونے کی ایک مورتی بنوا کر متھرا کے ایک برہمن کو بھینٹ چڑھائی کئی پولیٹیکل قیدیوں کو رہائی دی جن میں سے ایک جموں کا راجہ بھوپ دیو تھا جو پندرہ سال قید رہا تھا۔ نور پور کا راجہ بیر سنگھ اور بھمبر کا فیض طالب خان بھی ان میں تھے۔

مہاراج جوانی میں بڑا کھلاڑی اور جنگی پریڈ اور کرتبوں کا شوقین تھا۔ ہولیوں میں سرداروں کے ساتھ ملکر خوب موج اڑاتا تھا۔ دسہرے کے جشن کو مناکر عموماً فوج کی تیاری کا حکم دیتا تھا۔ اُس کا سارا وقت فتوحات میں اور نئے علاقوں میں حکومت کو مستحکم کرنے میں خرچ ہو گیا۔ اُسے سلطنت کے اندرونی انتظام کو درست کرنے کے لئے کوئی موقعہ نہ ملا۔ فوج کی تربیت و تنظیم اچھی ہو گئی لیکن ملکی انتظام کے لئے کوئی مناسب بندوبست نہ ہوا۔ نہ اس طرح کی تعلیم کا کوئی انتظام ہوا۔ نہ عدالتوں اور انصاف کا کوئی باقاعدہ انتظام تھا۔ یہانتک کہ مہاراج اور اُس کے صلاح کار اتنا بھی نہ سمجھ سکے کہ سرکاری دفتروں میں صوبے کی زبان پنجابی کو ایک اونچا درجہ دیدیں۔ مہاراج کے کاغذات زیادہ تر فارسی میں کبھی ہندی اور کبھی پنجابی میں لکھے جاتے تھے۔ پنجاب کے لئے وہ ایک بڑی مشکل حل کر جاتا اگر ایک زبان مقرر کر دیتا جس میں لوگوں کی تعلیم اور دفتروں کی کارروائی کی جاتی۔

زیادہ مذہبی جوش رکھنے والے سکھ صاحبان اعتراض کرتے ہیں کہ مہاراج رنجیت سنگھ نے بڑا برا کیا کہ خالصہ کو مٹا کر اپنی ذاتی حکومت قائم کر لی۔ اگر ان میں کوئی مذہبی نقطۂ خیال سے یہ اعتراض کرتے ہوں تو اُن کا ایسا کرنا اُن کے لئے مبارک ہے لیکن پولیٹیکل نقطۂ خیال سے دیکھنے پر معلوم ہو گا کہ مہاراج رنجیت سنگھ کے

پہلے خالصہ بھی کوئی عام سِکھوں کی نمائندہ جماعت نہ تھی۔ ہر ایک مثل میں کوئی نہ کوئی سِکھ سردار تھا جو خالصہ کے نام پر لوٹ مار کرنا اور ذاتی طاقت کو بڑھاتا تھا۔ اگر پنجاب میں خالصہ کی حکومت کی وہ شکل جاری رہتی تو کبھی بھی لوگوں کے لئے باامن اور مفید گورنمنٹ قائم نہ ہو سکتی تھی۔ نہ صرف یہ کہ سکھ سردار آپس میں حسد رکھتے اور لڑتے رہتے تھے بلکہ اُن کا کوئی ایک لیڈر نہ ہونے سے یہ بھی ممکن نہ تھا کہ وہ بہت مدت تک باہر کے حملہ آوروں سے اپنے مُلک یا حکومت کو بچا سکتے۔ اُس حالت میں کوئی بھی شخص جو خالصہ کی اور مُلک کی منشا کہ بھلائی اپنے سامنے رکھتا مہاراج رنجیت سنگھ کے طریقے کے بغیر کوئی اور طریقہ اختیار نہ کر سکتا تھا۔ اُن سرداروں کی طرح مہاراج رنجیت سنگھ نے بھی جو کچھ کیا خالصہ کے نام پر کیا اور کئی بار امرتسر میں دیوالی کے موقعہ پر سِکھ سرداروں کا گُرمتا بُلا کر اُن سے صلاح لی۔ ہماری رائے میں مہاراج کی حکومت سچّے معنوں میں خالصہ کی حکومت تھی اور اِس میں یہ بھی ایک بڑی خوبی تھی کہ مہاراج نے سکھوں کے علاوہ پنجاب کے رہنے والے دوسرے مذاہب کے لوگوں کو بھی اِس خالصہ کے ساتھ شامل کر کے نہ صرف برابر کا بلکہ اُس سے اونچا درجہ دیا۔ مہاراج کی حکومت میں پنجاب کے سب قسم کے لوگوں کا نمائندے تھے اِس لئے اپنے وقت کے لحاظ سے یہ لوگوں کی نمائندہ حکومت کہے جانے کے مستحق ہے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مہاراج کی موت کے بعد یہ غیر سِکھ لوگ تھے جنھوں نے اُس کی حکومت کو تباہ کرایا۔ کسی خاص شخص یا خاص قسم کے لوگوں پر ایسا الزام لگانا بالکل بے بنیاد اور غیر منصفانہ ہے۔ مہاراج کی موت کے بعد جو اندھیر گردی لاہور میں واقع ہوئی اُس کے لئے مہاراج کے جانشین اور سِکھ سردار غیر سِکھ لوگوں سے کہیں بڑھ کر ذمہ وار ہیں۔ راجہ دھیان سنگھ اور اُس کے بیٹے راجہ ہیرا سنگھ نے سچّے دل سے اور اپنی جان پر کھیل کر مہاراج کی حکومت کی حفاظت کی اور یہ کوشش کرتے ہوئے وہ دوسرے

لوگوں کی بدنیتی اور شرارت کا شکار بنے۔ البتہ سکھوں کے انگریزوں کے ساتھ جنگ میں سردار تیج سنگھ اور لال سنگھ نے جو کام کیئے اُن کا دھیان کرکے شرم کے مارے ہماری آنکھیں نیچے ہوجاتی ہیں لیکن اُن کے یہ کام کرانے میں منصوبہ کس کا تھا؟ خالصہ سپاہیوں یا فوج کو بیشک اس کا علم نہ ہو لیکن اس خالصہ فوج کو تباہ کرانے والے تیج سنگھ اور لال سنگھ نہ تھے بلکہ مہاراج کے اپنے جانشین اور ہم مذہب تھے جنکو کہ خالصہ کی طاقت خار نظر آتی تھی۔

انگریزوں کے ساتھ مہاراج کے تعلقات بہت اچھے تھے اور اس میں کچھ شک نہیں کہ مرتے دم تک مہاراج کی یہ خواہش رہی کہ اُس کے انگریزوں کے ساتھ تعلقات اچھے رہیں لیکن یہ خیال ہمیں دل سے دُور کر دینا چاہیئے کہ مہاراج نے اپنے بعد آنے والے خطرے کو سمجھا نہ تھا۔ ایک موقعہ پر ایک انگریز کپتان اُسے نقشہ دکھا رہا تھا۔ ہندوستان کے نقشے پر مہاراج کو بتایا گیا کہ لال رنگ انگریزی حکومت کا نشان ہے۔ مہاراج نے ایک لمبی آہ بھری اور کہا "یہ سب لال ہو جائیگا"۔ مہاراج سمجھتا تھا کہ انگریزی طاقت ایک اژدھا کی طرح ہے جو کہ سب کو نگل کر ہضم کر رہی ہے لیکن کرتا تو وہ کیا کرتا۔ جس وقت مہاراج نے گوجرانوالہ سے چلکر لاہور لیا اُس وقت اُس کے برخلاف پنجاب میں ہی کتنے حاسد اور دشمن موجود تھے اور اُس کے مقابلے پر انگریزوں کی طاقت تھی جنھوں نے مدراس اور بنگال پر قبضہ کرکے اور وہاں سے چل کر مرہٹوں کو شکست دیکر دہلی پر اپنی حکومت آجمائی ہتی۔ اپنے گھر کے دشمنوں سے گھرا ہوا وہ انگریزوں کے برخلاف کیا کرسکتا تھا۔ جب جسونت راؤ ہلکر بھاگ کر مہاراج کے پاس آیا تو اُس کی کیا حالت تھی۔ ایک طرف پنجاب میں بیسیوں حکومتیں موجود تھیں یا تو انگریزوں کے ساتھ لڑائی شروع کر دیتا یا پنجاب میں ان چھوٹی چھوٹی حکومتوں کا خاتمہ کرکے ایک مضبوط اور مستحکم سلطنت قائم کرتا۔ انگریزوں کے ساتھ لڑائی کرکے

اُسے یہی دکھائی دیتا تھا کہ وہ بھی ہُلکر کی طرح پناہ کے لئے بھاگتا پھر لیگا۔ ۱۸۱۹ء میں میٹکاف کے آنے کے وقت اُس کی حالت پہلے سے زیادہ اچھی نہ تھی لیکن پھر بھی مہاراج نے اپنی حُدود جمنا تک بڑھانے کی کوشش کی اور اِسی شرط پر زور دیتا رہا۔ انگریزوں کی طرف سے جنگ کی تیاری بھی ہوگئی۔ جن علاقوں کو مہاراج نے اپنے ساتھ شامل کیا تھا انگریزی فوج آنے پر وہ بڑی خوشی سے انگریزوں کے ماتحت ہونے پر تیار ہو گئے۔ جب پٹیالہ، جیند کے سردار خوشی سے انگریزی تعلّق کو ترجیح دیں تو وہ اُن کی اور انگریزوں کی ملی ہوئی طاقت کے مقابلے پر جنگ کیسے شروع کرتا۔ بعد ازاں جب سندھیا یا امیر خاں اُسے انگریزوں کے خلاف سازش میں شریک ہونے کے لئے کہتے تھے تو وہ اپنے دل میں یہی خیال کرتا تھا کہ جن انگریزوں نے مُغل بادشاہی کو لے لیا یا اُن مرہٹوں کو تباہ کر دیا جن کی دو لاکھ سپاہ تھی اُنکو کھیڑ ڈالنا اتنا آسان کام نہیں ہے۔ سنہ ۱۸۲۰ء میں موداجی بھونسلہ جس نے انگریزوں سے ناگپور کی گدّی پر پہلے بٹھا کر پھر گرفتار کرنا چاہا تھا۔ سادھو کے بھیس میں بھاگا ہُوا امرتسر آیا۔ رنجیت سنگھ نے اُسے چلے جانے کا حکم دیا اور وہ ندا اُن جا کر شاہ زمان کے بیٹے حیدر کے ساتھ ہندوستان فتح کرنے کی تدبیریں کرتا رہا۔ ۱۸۲۳ء کے بعد مہاراج کی فوج یورپین طریقے پر ڈھالی گئی اور آہستہ آہستہ مہاراج نے مُلتان، کشمیر، پشاور وغیرہ فتح کر کے اپنی طاقت کو مضبوط بنا لیا۔ سندھ کی فتح کے مضمون پر مہاراج کا انگریزوں کے ساتھ اِختلاف پیدا ہو گیا۔ کپتان ویڈ کی مُلاقات کے بعد مہاراج نے دیکھ لیا کہ انگریز سندھ کو اپنے قبضے میں کرنا چاہتے ہیں تاکہ وہ اِس راستے سے رُوس کی بڑھتی ہوئی طاقت کو روک سکیں۔ مہاراج خود سندھ لینا چاہتا تھا۔ کنور نونہال سنگھ کی شادی پر اُس نے دعوت کی چٹھی بھیجتے ہوئے یہ لکھ دیا کہ سندھ کی فتح کے لیے اُس کی آنکھیں اسی اپنے پوتے پر لگی ہیں لیکن اِس وقت مہاراج کی طاقت کمزور ہو رہی تھی اور اِس کی بیماری

اُس پر غالب آرہی تھی۔ اُس کو اُس وقت بھی ہمت نہ پڑی کہ انگریزوں کے ساتھ جھگڑا چھیڑ دے۔ مہاراج کو مرتے وقت اگر تسلی تھی تو یہ کہ مہاراج نے اپنی زندگی میں انگریزوں کی سلطنت اور افغانستان کے درمیان ایسی زبردست حکومت قائم کردی ہے جس کو ان دونوں سے کوئی آسانی کے ساتھ اکھیڑ نہ سکے گا اور اُس کے بعد کوئی قابل جانشین پیدا ہوگا جیساکہ وہ اپنے پوتے کو سمجھتا تھا تو وہ اپنی ہستی اور پھیلاؤ کے لئے جیسا مناسب سمجھے گا عمل کریگا۔ مہاراج کے دل میں کیا تھا لیکن اُسے کیا معلوم تھا کہ زمانے نے اُس کے پیچھے آنیوالوں کے مقدر میں کیا لکھ رکھا ہے۔

اندھیر گردی

کھڑک سنگھ کو گدی پر بیٹھتے ہی اس کا پہلا کام ایک شخص چیت سنگھ کو وزیر بنانا تھا۔ اُس نے دھیان سنگھ اور ہیرا سنگھ کو زنانہ میں آنے سے بند کر دیا۔ چیت سنگھ کی لیاقت صرف یہی تھی کہ وہ بڑا خوشامدی تھا اور دھیان سنگھ کو اپنا بڑا مخالف سمجھتا تھا۔ دھیان سنگھ کو قتل کرنے کی سازش کی گئی لیکن اُسے اس کا علم ہوگیا۔ اُس نے نونہال سنگھ کو اپنی طرف کرلیا اور چیت سنگھ کو سزا دینے کا ارادہ کیا۔ شہر میں افواہ مشہور کی گئی کہ کھڑک سنگھ نے انگریزوں سے عہد کرلیا ہے۔ روپیہ میں چھ آنے اُن کو دیا جائیگا۔ سب سکھ سردار ہٹا دیئے جائینگے۔ اِن کی جگہ انگریز افسر مقرر کردیئے جائینگے۔ رانی چند کور اپنے خاوند کے خلاف ہوگئی۔ نونہال سنگھ کو پشاور سے بُلا لیا گیا اور ایک سازش کرکے دھیان سنگھ۔ گُلاب سنگھ اور سندھیانوالہ سردار قلعہ میں داخل ہوئے ننگی تلواریں اُن کے ہاتھوں میں تھیں۔ جو ملا اُسے قتل کر ڈالا۔ چیت سنگھ خوابگاہ میں جا چھپا۔ اُسے ڈھونڈ کر جا پکڑا۔ وہ عورتوں کی طرح رونے اور معافی مانگنے لگا۔ اُسے قتل کر دیا گیا۔ کھڑک سنگھ کو گرفتار کرکے قید کر دیا گیا

نونہال سنگھ

۸ / اکتوبر ۱۸۳۹ء کو نونہال سنگھ کو اُس کی جگہ بٹھا دیا گیا۔ یہ نوجوان بالکل اپنے دادا کے مشابہ تھا۔ خالصہ میں بڑا ہر دلعزیز تھا۔ اِس کا سپرٹ جنگی تھا۔ اِس کے ارادے بڑے بڑے تھے۔ بڑا سمجھدار، دُور بین اور معاملہ فہم تھا۔ اُس پر برہمنوں کا بڑا غلبہ تھا۔ وہ سب کچھ مانتا تھا۔ جو اُسے برہمن یا اوے یا نقیب بتاتے تھے۔ اُس کے دل میں یہ خیال بٹھا دیا گیا کہ وہ افغانستان سے بنارس تک راج کریگا۔ اُسے اس امر کا اِتنا یقین تھا کہ اُس نے خاص آدمیوں کو مختلف علاقوں کی سندیں عطا کر دی تھیں۔ اپنے باپ کے ساتھ اِسے کوئی ہمدردی نہ تھی کبھی اِس کے پاس جاتا تھا تو اُسے گالیاں دیتا تھا۔ اُسے لاہوری دروازہ میں رکھکر ایک مضبوط گارد بٹھا دی گئی۔ یہ خیال تھا کہ وہ اصل میں سرکار انگریزی کو لانا چاہتا ہے اور بیماری کا بہانہ بناتا ہے۔ نونہال سنگھ انگریزوں سے نفرت کرتا تھا اور اُن کے ساتھ جنگ کرنے کی غرض سے فوج جمع کرتا تھا۔ کھڑک سنگھ کا دماغ بدسلوکی کی وجہ سے خراب ہو گیا۔ نو ماہ تک اُسے دردوں کی تکلیف رہی حتےٰ کہ اُس نے ۵۔ نومبر ۱۸۴۰ء کو جان دیدی۔ نونہال سنگھ شاہ بلاول میں شکار کھیل رہا تھا جب اُسے باپ کی موت کی خبر ملی۔ دو گھنٹے تک وہ کھیل میں مشغول رہا۔ کھڑک سنگھ کی دو رانیاں اور گیارہ گولیاں اِس کے ساتھ جلکر مر گئیں۔ سادھو کے سامنے یہ رسم ادا کی گئی۔ ابھی آدھا جلا تھا کہ نونہال سنگھ معہ سرداروں کے وہاں سے چلا گیا اور ساتھ کے نالہ میں اشنان کر قلعہ کی طرف واپس آ رہا تھا۔ جب حضوری باغ کے شمالی دروازہ کے پھاٹک میں پہنچا۔ سادھو سنگھ کے نزدیک اُس نے میاں اودھم سنگھ (گلاب سنگھ کے بڑے بیٹے) کا ہاتھ پکڑ لیا۔ وہ آہستہ آہستہ چلنے لگے۔ نونہال سنگھ اودھم سنگھ سے دل لگی کی باتیں کر رہا تھا۔ جونہی وہ پھاٹک کے نیچے پہنچے۔ ایک اُونچی آواز

ہوئی۔ پتہ لگا کہ اُوپر کی دیوار کا ٹکڑا اگر پڑا اور دو نوجوانوں کو کچل ڈالا۔ اُودہم سنگھ تو وہیں مرگیا اور نونہال سنگھ کو ایسا صدمہ ہوا کہ وہ بے ہوش ہوگیا۔ دھیان سنگھ نونہال سنگھ کو پالکی میں ڈال کر قلعہ کے اندر لے گیا۔ لہنا سنگھ پیچھے آنے لگا۔ دھیان سنگھ نے اُسے ٹھیرا دیا۔ دوسرے سرداروں کو بھی روک دیا گیا۔ مہارانی چند کور دروازہ پر اپنا سر کھٹکھٹاتی رہی تاکہ اپنے بچے کو دیکھ سکے۔ کسی کو اندر نہ جانے دیا گیا۔ صرف دھیان سنگھ اُس کے دو نوکر اور کچھ پہاڑی آدمی تھے۔ سرداروں کو ہٹا دیا گیا کہ کوئی خطرہ نہیں۔ شاہزادہ اچھا ہو جائے گا۔ صرف اس کے دماغ پر چوٹ آئی ہے اور وہ بے ہوش ہے۔ دو گھنٹہ بعد رانی چند کور کو اطلاع دی گئی کہ شاہزادہ مرگیا ہے اور اگر وہ حکومت اپنے ہاتھ میں لینا چاہتی ہے۔ اِسے یہ معاملہ خفیہ رکھنا چاہئے اُس لیے رانی سے اِس بات پر رضامندی لے لی تب اُسے چھوڑا۔ تین دن تک اُس کی موت کو چھپائے رکھا

رانی چند کور اِتنے عرصہ میں دھیان سنگھ نے شیر سنگھ کو مکیریاں سے بُلا بھیجا جسے وہ تخت پر بٹھانا چاہتا تھا۔ شیر سنگھ کے آجانے پر نونہال سنگھ کی موت کی اطلاع دی گئی اور اُسے جلانے کا انتظام کیا گیا۔ بعض لوگ اس معاملہ کو ایک سازش سمجھتے ہیں۔ جموں والے بھائی بالکل اس کے قابل تھے لیکن انہیں دیوار کے گرنے کا وقت کیسے معلوم ہو سکتا تھا۔ دوئم وہ کسی اور کو ساتھی مقرر کرتے۔ دھیان سنگھ اُودہم سنگھ سے بڑی محبت کرتا تھا۔ ڈاکٹر ہانگ برگ کہتا ہے کہ وزیر کا اپنا بازو بڑا زخمی ہوگیا جس کے لئے اِسے پٹی کرنی پڑی۔ اگر سازش ہوتی تو شیر سنگھ کو باہر سے بُلانیکی ضرورت نہ ہوتی۔ اغلب یہ ہے کہ کھڑک سنگھ اور جیت سنگھ کے مددگاروں نے سازش کی ہو۔

رانی چند کور خود تخت پر بیٹھنے کی خواہشمند تھی مگر وہ اور سندھیانوالے سردار

دھیان سنگھ کے دُشمن تھے۔ اِس لیئے اُس نے شیر سنگھ کو تخت پر بٹھانیکا ارادہ کیا اور سرداروں سے کہا کہ عورت کا راج اچھا نہیں ہوتا۔ رانی نے عطر سنگھ سندھانوالیے کو ہرد وار سے بُلا بھیجا۔ سب سرداروں نے رانی کی مدد کی۔ اُسے پنجاب کی مہارانی بنا دیا گیا۔ رانی نے مشہور کیا کہ نونہال سنگھ کی عورت حاملہ ہے اگر اُس کے لڑکی ہوگی تو رانی ہیرا سنگھ کو متبنےٰ بنائیگی کیونکہ مہاراجہ اِسے بیٹے کی طرح سمجھتے تھے۔ دھیان سنگھ ظاہرا طور پر راضی ہو گیا۔ شیر سنگھ مزاحمت پر آمادہ تھا مگر دھیان سنگھ کے سمجھانے پر وہ بٹالہ چلا گیا۔ دھیان سنگھ خود بیماری کے بہانہ سے جموں چلا گیا اور رانی چند کورمائی کا خطاب لے کر راج کرنے لگی اُس نے عطر سنگھ سندھیانوالہ کو وزیر مقرر کیا۔ چار سرداروں کی ایک کونسل قائم کی گئی راجہ گلاب سنگھ نے بُری نیتی کر کے رانی کی طرف لے لی۔ دھیان سنگھ نے سرکار انگریزی کو خبر پہنچادی کہ مہاراج کی رانی چنداں نے دلیپ سنگھ کو جنم دیا تھا جو کہ اصلی وارث تھا۔ بھیا سنگھ کے ایجنٹ لاہور میں کام کرتے تھے۔ اُنہوں نے سکھ فوج اور سرداروں سے اقرار لیا کہ جب دھیان سنگھ اور شیر سنگھ لاہور آئیں گے وہ اِن کی مدد کریں گے۔ شیر سنگھ کوئی تین سو سانڈنی لے کر شالا مار میں آپہنچا اُسے حیرانی ہوئی کہ دھیان سنگھ ابھی جموں میں ہی تھا۔ شیر سنگھ کا صلاح کار سردار جوالا سنگھ تھا۔ اِس نے اُس کے دل میں ڈال دیا کہ دھیان سنگھ اور گلاب سنگھ ایک ہی تھے اور دھیان سنگھ اِس کے ساتھ تھا۔ شیر سنگھ نے جوالا سنگھ کو خالصہ کے ساتھ بات چیت پر مقرر کیا۔ خالصہ شیر سنگھ کو بُدھو کے آوا پر ملنے کیلئے تیار ہو گیا جہاں اوی طیلے نے ایک بارہ دری تعمیر کرائی تھی۔ ۴ر جنوری ۱۸۴۱ء کو یہاں پر خالصہ کے پنج میانہ سے چلکر شیر سنگھ سے ملے۔ اُنہوں نے اُسے راجہ مشتہر کیا۔ توپیں چلا کر وہ لاہور کی طرف روانہ ہوئے۔ لاہور کے لوگ ہزاروں

اس کی طرف دوڑے گئے۔ رانی نے کونسل بُلا کر راجہ گلاب سنگھ کو بچاؤ کے لیے افسر مقرر کیا۔ راجہ کی فوج شاہدرہ سے قلعہ میں لائی گئی۔ خوشحال سنگھ اور سندھیانوالے سردار اُس کے ساتھ تھے۔ ساری فوج قلعہ میں جمع ہو گئی۔ گلاب سنگھ نے چار ماہ کی تنخواہ ان کے درمیان بانٹی اور اُن سے وفاداری کی قسم لی۔

سوچیت سنگھ اور جنرل وینٹورا شیر سنگھ سے جا ملے۔ اس کی سپاہ ستّر ہزار تک پہنچی۔ گلاب سنگھ کے سپاہی زیادہ انعام کے لالچ میں شیر سنگھ کی طرف چلے گئے اور شیر سنگھ کی فوج رات کو دہلی، یکّی اور ٹکسالی دروازوں سے شہر میں داخل ہو گئی۔ صبح سویرے وہ شہر کا مالک تھا۔ گلاب سنگھ نے بادشاہی مسجد میں بہت سی میگزین جمع کی تھی۔ شیر سنگھ کے سپاہیوں نے حضوری باغ میں رشوت دیکر محلوں کے باغ پر اور میگزین پر قبضہ کر لیا۔ سپاہیوں نے دوکانوں کو لوٹنا شروع کر دیا۔ چھتہ بازار کو آگ لگا دی۔ صبح سویرے سپاہیوں نے قلعہ پر دھاوا بول دیا۔ سکھوں کی طرح قلعہ کی دیواروں کے نیچے جمع ہو گئے۔ ارد گرد توپیں رکھدی گئیں۔ ۲۳ توپیں تھیں۔ شیر سنگھ خود نگرانی کرتا تھا۔ محاصرین کی تعداد بہارا جہ گلاب سنگھ کے ڈوگرے اور بارہ سو سکھ تھے۔ توپوں سے گوگوں کی ایسی والی چلائی گئی جس سے معلوم ہوتا تھا کہ اکبر کے قلعہ کی دیواریں ہل جائینگی۔ ڈوگرے ایسی بہادری سے مقابلہ کرتے تھے کہ باغ خالی ہو گیا۔ سب حملہ کرنے والے ادہر اُدہر بھاگ گئے۔

مشرقی دروازہ پر بھی ایسا ہی ہوا۔ مُردے خالصہ مرے ہوئے گھوڑے اور بیل میدان میں چھوڑ لوگوں کے گھروں میں پناہ کے لئے جا گھسے۔ اب خالصہ نے نہایت عجیب حرکت کی۔ کوئی بارہ سو عورتوں کو توپوں کے منہ کے ساتھ

باندھ دیا لیکن ڈوگروں نے ایسی بہادری دکھائی کہ بارہ سو عورتوں میں سے صرف ۱۹ عورتوں کو گولی لگی۔ حالانکہ دو سو توپچی مارے گئے۔

تین دن رات متواتر گولہ باری کرنے پر دیواروں میں سوراخیں ہوگئیں۔ شیر سنگھ نے چالیس موچی کرایہ پر کر کے اُن سے نشانہ لگوائے۔ انکو بیس روپیہ روزانہ دیا گیا۔ کیونکہ وہ بڑے شکاری اور نشانہ باز تھے۔

پانچویں دن خبر آئی کہ دھیان سنگھ شاہدرہ آپہنچا ہے۔ شیر سنگھ نے گولہ باری بند کر دی اور گلاب سنگھ کے ساتھ عہد وپیمان شروع کئے اور پانچ سو سوار دھیان سنگھ کو لاہور لانے کے لیے روانہ کئے۔ شہر کے پاس شیر سنگھ اُسے لینے کیلئے موجود تھا۔ سب لڑائی بند کر دی گئی۔ مُردوں کو جلانا شروع ہوا۔ ۲۸۷۰ آدمی ۶۱۰ گھوڑے ۲۰۳ بیل خالصہ کے مارے گئے۔ قلعہ کے اندر اموات کی تعداد ۱۳۰ تھی۔ شیر سنگھ کے چار پانچ لاکھ روپیہ انعام وغیرہ میں خرچ ہوئے۔ ڈوگروں کو کل سو روپیہ انعام ملا۔ سکھوں نے شہر کے آدھے گھر لگائی لینے کے لیے برباد کر دیئے اور بڑے اپنا چارہ گئے۔ مُردوں کا ڈھیر جمع کر کے آگ لگاری گئی۔ زخمیوں کو اُٹھا کر اس میں ڈال دیا گیا۔ جب وہ رحم کی درخواست کرتے تھے تو جواب ملتا تھا۔ چڑھ جاؤ بھائی، چڑھ جاؤ۔ خوف کاس گُل را ہے۔ یہ اس لیئے کہ اُن کا تھوڑا بہت پیسہ مل جائے۔ راجہ گلاب سنگھ نے میہر سنگھ کو صلح کے لئے مقرر کیا۔ آخر چار شرطوں پر صلح ہوئی۔ مہارانی چند کور قلعہ حوالہ کر دے اور راج کا دعویٰ چھوڑ دے۔

۲۔ اُسے ۹ لاکھ کی جاگیر جموں کے پاس دی جائے۔ جسکا انتظام گلاب سنگھ کرے۔

۳۔ شیر سنگھ رانی سے چادر ڈال لینے کا ارادہ ترک کر دے۔ ۴۔ ان شرائط کو پورا کرنے کی ضمانت دی جائے۔

اس کے بعد رات کو گلاب سنگھ نے قلعہ خالی کیا اور وہاں سے ۱۶ چھکڑے

مہاراجہ کے خزانہ سے ساتھ لیتا گیا اور شیر سنگھ کو سلام کر کے اپنے علاقہ کو چلا گیا۔

شیر سنگھ

۱۸ / جنوری سنہ ۱۸۴۱ء کو شیر سنگھ مہاراجہ بنا۔ سندھیانوالہ کو چھوڑ کر سب نے اُسے سلام کیا۔ دھیان سنگھ کو وزیر بنایا گیا۔ سندھیانوالہ سرداروں کی جائداد ضبط کی گئی۔ اُن کی گرفتاری کا حکم دیا گیا۔ عطر سنگھ اور اجیت سنگھ انگریزوں کے پاس بھاگ گئے۔ لہنا سنگھ قید ہو کر لاہور لایا گیا۔ خالصہ اب بے قابو ہو گیا۔ اُنہوں نے اپنے افسروں کو لوٹنا اور مارنا شروع کر دیا جنھوں نے اُن کو انعام پورا نہ دیا تھا۔ جرنیل کورٹ بھاگ گیا۔ ایک انگریز افسر قتل کر دیا گیا۔ تنخواہ دینے والے افسر وغیرہ لوٹ لیے گئے۔ کشمیر میں جرنیل مہاں سنگھ کو لوٹ لیا گیا۔ پشاور سے اوبی طوبیلہ نے بھاگ کر جلال آباد جا پناہ لی۔ شیر سنگھ خود بڑا شرابی تھا۔ گدی پر بیٹھتے ہی اُس نے شراب شروع کر دی اور سب کچھ دھیان سنگھ کے حوالہ کر دیا۔ بادشاہی مسجد کے سامنے سنگ مرمر اس کے بیٹھنے کی جگہ تھی۔ زمین پر گلاب اور مشک چھڑک دیئے جاتے تھے اور پھولوں کی سیج بنا کر بیٹھ جاتا تھا۔ گانیوالے راگ سُنانے تھے۔ راگی اور خوبصورت عورتیں ہر وقت اس کے پاس حاضر رہتی تھیں۔ دھیان سنگھ جوالا سنگھ کا حسد کرتا تھا۔ جوالا سنگھ دھیان سنگھ کے آجانے پر شیر سنگھ کے حکم کے خلاف ۱۲ گھنٹہ تک گولی چلاتا رہا۔ شیر سنگھ نے خود جا کر سپاہیوں کو سمجھایا تب اُنہوں نے بند کیا۔ دھیان سنگھ نے مہاراجہ کے دل میں اس کے برخلاف زہر بھر دی۔ وہ اپنے پانچ ہزار سواروں کے ساتھ شالامار میں تھا۔ مہاراجہ نے حاضر ہونے کے لئے حکم دیا۔ وہ نہ آیا۔ مہاراجہ فوج لے کر اُدھر روانہ ہوا۔ اور وہ آکر اس کے پاؤں پر گر پڑا۔ اُسے قید میں ڈال دیا گیا چالیس روز تک اذیت دے کر اُس کی جان لے لی گئی۔ شیر سنگھ نے رانی کے چادر ڈالنے کا ارادہ نہ چھوڑا۔ رانی بھی مان جاتی مگر گلاب سنگھ نے اُسے سمجھا دیا کہ وہ

صرف اُسے برباد کرنے کے لیے چادر ڈالتا تھا۔ رانی قلعہ سے پرائیویٹ مکان میں چلی گئی۔ مہاراجہ کو سمجھایا گیا کہ رانی اُسے مہاراج کا لڑکا نہ سمجھکر حقارت کرتی تھی اِس سے شیر سنگھ کو آگ لگ گئی اور اُس نے گولیوں کو رشوت دی کہ رانی کا خاتمہ کردیں خود وزیر آباد چلا گیا۔ اِن گولیوں نے رانی کے سر پر اینٹیں مار کر رانی کا دماغ باہر نکال دیا۔ مہاراجہ کی غیر حاضری میں دھیان سنگھ نے گولیوں کے ناک کان اور ہاتھ کوتوالی میں لوگوں کے سامنے کاٹ لیئے۔ انہیں راوی پار جلاوطن کردیا گیا۔ مہاراجہ اور گلاب سنگھ کو اِس سے خوشی ہوئی۔ افغانستان کی مہم کی کامیابی پر لارڈ ایلن بارو نے فیروزپور میں شاہزادہ پرتاب سنگھ سے ملاقات کی۔ فروری ۱۸۴۳ء میں دوست محمد لاہور آیا۔ اِس کا عزت سے استقبال کیا گیا اور عہد نامہ دوستی کیا گیا۔ دربار میں دو بھائی تھے۔ ایک بھائی رام سنگھ ڈوگرہ پارٹی اور لال سنگھ کے حق میں تھا۔ بھائی گورمکھ سنگھ اور مصر بیلی رام اِن کے اور لال سنگھ کے سخت دشمن تھے۔ شیر سنگھ فیاض دل کا تھا۔ اپنے دشمنوں کو معاف کرنے پر تیار تھا۔ رام سنگھ کی سفارش پر اُس نے سندھیانوالہ سرداروں کو واپس بُلا لیا۔ عطر سنگھ اپنی جاگیر پر چلا گیا۔ لہنا سنگھ اور اجیت سنگھ دربار میں رہنے لگے۔

سندھیانوالے سردار

مہاراجہ اُن پر اِتنا خوش ہوا کہ وہ دن رات اِس کے پاس رہنے لگے۔ یہ سب بات دھیان سنگھ کو ناگوار تھی۔ اُس نے گلاب سنگھ کو بُلا کر مشورہ کیا اور یہ فیصلہ ہوا کہ وہ دلیپ سنگھ کو آگے لائیں۔ جوں جوں دھیان سنگھ دلیپ سنگھ کی خاطر تواضع کرتا تھا شیر سنگھ اِس سے جلتا تھا۔ سندھیانوالہ سردار دل سے دونو کو نفرت کرتے تھے اور اِس موقعہ سے خوش تھے وہ مہاراجہ سے دل لگی کرتے اور اُسے خوش رکھتے تھے۔ اجیت سنگھ نے ہنسی میں کئی بار اُسے مار دینے کی دھمکی دی۔ اُنھوں نے ایک کہانی بنا کر راجہ کو بتایا کہ دھیان سنگھ اُس

کی جان لینا چاہتا تھا اور وہ اُن کو ۶۰ لاکھ کی جاگیر دینے پر تیار تھا اگر وہ ایسا کر سکیں
اُنہوں نے اُسے یقین دلایا کہ دھیان سنگھ دلیپ سنگھ کو تخت پر بٹھانا چاہتا تھا۔
مہاراجہ سے قسم لی کہ وہ اس بھید کو کسی پر ظاہر نہ کریگا۔ مہاراجہ نے جوش میں آکر کہا
"یہ میری تلوار ہے۔ یہ میرا گلا ہے۔ لے لو۔ اور مجھے قتل کر ڈالو مگر یاد رکھو! اگر آج
تم ایسا کرو گے تو وہ دن نزدیک ہے جب تمہارے گلے بھی کاٹے جائیں گے"
اُنہوں نے حیرانی سے کہا۔" آپ کی زندگی۔ آپ ہمارے آقا ہیں۔ ہمارے
سر کس لئے ہیں؟ پہلے یہ قربان ہوں گے۔ پیچھے حضور کی طرف کوئی دیکھ سکے گا۔"
اُنہوں نے تجویز کر کے مہاراجہ سے فرمان پر دستخط کرا لئے کہ راجہ
دھیان سنگھ کو قتل کر دیا جائے اور خود ایسا کرنے کی ذمہ داری لے لی۔ یہ فیصلہ
کیا گیا کہ سردار کچھ دنوں کے لئے اپنی جاگیر راجہ سانسی کو چلے جائیں۔ وہاں سے
وہ فوج لے کر شاہ بلاول (حاضری) میں آئیں۔ مہاراجہ اور وزیر اس کا ملاحظہ
کریں۔ وہاں پر دھیان سنگھ کو بلایا جائے۔ اُسے اور اُس کے بیٹے کو گھیر لیا جائے
یہ سب کچھ قابو کر کے وہ دھیان سنگھ کے پاس گئے اور اُسے قتل کا وارنٹ دکھلایا۔
دھیان سنگھ ایسا چالاک تھا کہ وہ یقین نہ کرتا تھا کہ مہاراجہ ایسا ناشکر گزار ہو سکتا تھا۔
اُس نے کہا "مہاراجہ سے مہر لگالاؤ" وہ گئے اور فوراً مہر لگا لائے۔ اب وزیر سے
کہا "دیکھو ایسا بدمعاش اور ناشکرا آدمی ہے۔ اُسے قتل کر دینا چاہیئے۔ وہ تمہارے
جیسے آدمی کو قتل کرانا چاہتا ہے" الغرض اُسے ایسا پھنسایا کہ اس سے راجہ کے
قتل کا وارنٹ لے لیا۔ اسی طرح سندھیانوالہ سرداروں نے اپنے دو دشمنوں
کے قتل کا انتظام کر لیا جن میں سے ہر ایک اُن کو اپنا ساتھی سمجھتا تھا۔ راجہ
دھیان سنگھ بیمار ہو گیا۔ شکر کے مقررہ دن پر شیر سنگھ شہر سے روانہ ہوا۔ دھیان سنگھ
اور دینا ناتھ اس کے ساتھ تھے۔ اس کا ہمراہی بدھ سنگھ بھی تھا۔ شاہ بلاول کو گیا

سندھیانوالے سردار آگئے۔ پچاس سپاہی اُن کے ساتھ تھے۔ مہاراجہ محل میں بارہ دری کے سایہ میں بیٹھا تھا۔ کُشتی کرنے والوں نے کُشتیاں دکھائیں۔ مہاراجہ اپنے ہاتھ سے اُنکو انعام دیتا رہا۔ وہ اپنی کرسی پر آرام سے لیٹا تھا کہ اجیت سنگھ آیا اور ایک دو نالی بندوق ملاحظہ کے لیئے پیش کی۔ یہ کہا کہ "میں نے چودہ سو روپیہ کو خرید کی ہے۔ اب میں اسے تین ہزار کو بیچنے پر تیار نہیں۔ آپ ملاحظہ کیجیئے"۔ مہاراجہ نے اپنا ہاتھ نکالا۔ اجیت سنگھ نے دو نو گھوڑے چلادیئے۔ گولیاں مہاراجہ کی چھاتی میں سے گزر گئیں۔ وہ اتنا بولا "ایہہ کی۔ دغا"؟ اور مر گیا۔ اِس کا سر فوراً کاٹ لیا۔ بدھ سنگھ پہنچا۔ اُس نے اجیت سنگھ کے دو ساتھیوں کو قتل کیا۔ اُس کی تلوار ٹوٹ گئی۔ دُوسری لینے لگا جب اُس کا پاؤں پھسل گیا اور اُسے قتل کر دیا گیا۔ ڈاکٹر ہانگ برگر پاس ہی تھا اور یہ نظارہ دیکھ رہا تھا کہ اِن کے سپاہیوں نے دالی چلائی اور نوکروں کو مار ڈالا۔ قاتل پاس باغ میں گئے جہاں کہ شاہزادہ پرتاب سنگھ پاٹھ کر کے برہمنوں کو دان دے رہا تھا۔ لہنا سنگھ ننگی تلوار لے کر آگے بڑھا۔ لڑکا بارہ سال عمر کا تھا۔ گھبرا گیا۔ کانپتے ہوئے اُس کے پاؤں پر گر پڑا۔ "چاچا! مجھے جیتا رہنے دو۔ میں تمہارے گھوڑوں کی لید اُٹھایا کروں گا۔" اُس وقت "چچا"! اُسی وقت اُس کا سر جسم سے کاٹ لیا۔ شہر میں ہلچل مچ گئی۔ لوگوں نے ڈر کے مارے بازار بند کر دیا۔ دو سردار اپنے دو چار سپاہی لیئے لاہور آئے۔ آدھے راہ پر اُن سے وزیر ملا جو اپنی پوجا پاٹھ کے بعد آہستہ آہستہ بلوال کو آرہا تھا۔ اجیت سنگھ نے اُسے بتایا کہ کام ہو گیا۔ راجہ شک کرنے لگا۔ جس پر اُسے دو نو سر دکھائے گئے۔ دھیان سنگھ نے کہا بچہ کو مارنا بڑا پاپ تھا۔ اجیت سنگھ نے کہا۔ جو کچھ ہو گیا سو ہو گیا۔ اب مجبوراً دھیان سنگھ کو اجیت سنگھ کے ساتھ قلعہ کو آنا پڑا۔ وہ قلعہ میں داخل ہو گئے۔ جب اندر کے دروازہ پر آئے

تو وزیر کو جانے سے روک دیا گیا۔ اُسے اب شک پڑ گیا۔ اُس نے اپنے پیچھے دیکھا۔ اس کے ساتھی بہت تھوڑے تھے اور وہ بے بس تھا لیکن اُس نے خطرہ کا اعتبار نہ کیا۔ اُس نے اتنا پوچھا کہ "قلعہ پر کون لوگ ہیں"؟ سردار نے جواب دیا۔ دوست ہیں" با اجیت سنگھ نے پاس آکر پوچھا۔ آپ کون راجہ بنانا چاہتے ہو؟" دھیان سنگھ نے کہا۔ "دلیپ سنگھ کا سب سے زیادہ حق ہے۔ اجیت سنگھ نے اس پر کہا۔ "اچھا بڑ وہ راجہ ہو گیا اور تم وزیر۔ ہم کو اس کام سے کیا ملا؟ بھائی گورمکھ سنگھ نے کہا "اس کو بھی راستہ سے ہٹا دو" اجیت سنگھ نے اشارہ کیا۔ پیچھے سے گولی چلائی گئی اور دھیان سنگھ پیچھے دیکھنے لگا تھا کہ گولی نے اس کا کام تمام کر دیا۔ اس کے ایک مسلمان اردلی نے کچھ مقابلہ کرنا چاہا۔ اُسے بھی مار دیا گیا۔ دونو کی لاش توپ کے کارخانہ میں ڈھیر پر پھینک دی گئی۔

سردار لہنا سنگھ آیا وہ اجیت سنگھ سے غصے ہو نے لگا "تم نے اتنی جلدی کی ہے۔ اچھا یہ ہوتا کہ ہیرا سنگھ گلاب سنگھ۔ سوچیت سنگھ سب کو اکٹھے جگہ کر فیصلہ کیا جاتا۔ اب اس کا بیٹا اور بھائی دونوں ہیں اور اُن کا خالصہ فوج پر بڑا رُعب ہے"

راجہ ہیرا سنگھ

سندھیانوالہ سرداروں نے ہیرا سنگھ اور سوچیت سنگھ کو دھیان سنگھ کے نام پر قلعہ میں بُلا بھیجا۔ وہ بدھو کے آوا پر تھے۔ وہ وصو کے میں نہ آ سکتے تھے۔ انہوں نے کہا "دھیان سنگھ کا لکھا ہوا حکم لاؤ"۔ اس پر سرداروں نے پانچ سو سپاہی روانہ کیئے۔ وہ بھی اپنی فوج کے ساتھ تیار تھے۔ سرداروں کے سپاہی واپس چلے آئے۔ راجہ ہیرا سنگھ کو اپنے باپ کی موت کا پتہ نہ تھا۔ جب مصر لال سنگھ اس کے پاس گیا اور اُسے قلعہ میں بُلایا تو اپنے سپاہیوں کو کہہ رہا تھا کہ مہاراجہ کی موت کی کچھ پرواہ نہ کریں۔ ایک گھنٹہ بعد ہیرا سنگھ کو اپنے باپ کی موت کی خبر لگی۔ اس کیلئے

یہ آسمانی گولا تھا۔ وہ زور سے رو دیا اور زمین پر لوٹتا رہا۔ بھائی کیسری سنگھ نے اُسے سمجھایا۔ "یہ کیا بچوّں کی باتیں کرتے ہو۔ مرد بنو۔" اِس سے اِس کا حوصلہ ہوا۔ اِس نے اِن قاتلوں کے خلاف سپاہیوں کو بھڑکایا جنھوں نے مہاراجہ۔ بیگناہ بچے اور وزیر کے خون سے ہاتھ رنگے تھے۔ ابوطبیلہ کے مکان پر چڑھ گیا۔ سب سرداروں کو معہ سپاہیوں کے بُلا بھیجا۔ جو بُدھو کے آوا کے نیچے جمع ہو گئے۔ اپنی ڈھال تلوار کھول کر سپاہیوں کے سامنے تقریر کی "تم جانتے ہو۔ دغابازوں نے مہاراجہ۔ بے گناہ بچے اور میرے بہادر باپ کو قتل کیا ہے۔ وہ تم سب سے ایسی محبت کرتا تھا جیسے مجھ کو۔ ہمارا راجہ نہیں اور میرا باپ بھی نہیں رہا۔ میں تمہاری وفاداری، حب الوطنی اور دلیری سے اپیل کرتا ہوں۔ یا تو میرے ساتھ رہو یا مجھے اپنی تلوار سے قتل کر ڈالو۔ دشمنوں کے ہاتھوں سے مرنا اور اُن کے درمیان رہنا بےعزتی ہے۔ دوستوں کے ہاتھ سے قتل ہونے میں بھی عزت ہے۔" اُس نے یاد دلایا کس طرح بچپن سے مہاراجہ اُسے محبت کرتے تھے۔ اب دغاباز اِس کا گلا کاٹنا چاہتے ہیں اور یہ کہ سندھیانوالہ سرداروں کا انگریزوں کے ساتھ میل ہے اور وہ پنجاب اُن کے ہاتھ میں دینا چاہتے ہیں۔ کیا اگر پنجاب میں انگریزی راج ہو جائے گا تو سکھوں کی سب بہادری اور بڑائی مٹی میں مل جائے گی۔ اُس نے اقرار کیا کہ ہر پیادہ کی تنخواہ بارہ روپیہ اور سوار کی تیس روپیہ کر دی جائے گی۔

ہیرا سنگھ کی خوبصورتی۔ اس کی ماتمی صورت اور اس کی اپیل کا اثر ہوا۔ سب سے بڑھ کر انعام اور تنخواہ کی ترقی کی امید۔ خالصہ نے اِس کی تجویز کو غور سے سُنا اور پسند کیا اور مرنے مارنے پر تیار ہو گئے۔ قلعہ پر حملہ کا فیصلہ کیا گیا۔ اگرچہ ہیرا سنگھ نے تو اتنا ہی کہا کہ حکم ملنے پر تیار ہیں مگر خالصہ تو غصہ سے جلتا تھا۔ یہ سب حال سُنتے ہی جو لوگ اپنا شام کا کھانا پکا رہے تھے اُنہوں نے کھانا

پکانا چھوڑ دیا اور ایک لمحہ میں چالیس ہزار سپاہی ہیرا سنگھ کے حکم پر کوچ کیلئے تیار ہو گئے
اِدھر تو یہ ہو رہا تھا اُدھر سندھیانوالہ سرداروں نے اپنے آپ کو قلعہ میں بند کر لیا اور دلیپ سنگھ کو مہاراجہ مشہور کیا اور اجیت سنگھ کو وزیر۔ ساتھ ہی سرداروں کو اپنے پاس بُلا کر وفاداری کا اقرار کراتے تھے۔ اگر وہ ہمت کرتے اور خود سپاہیوں سے مخاطب ہوتے تو شاید اُن کی کامیابی ہوتی مگر وہ ڈر کے مارے باہر نہ نکلے اور فیل ہو گئے۔ راجہ ہیرا سنگھ فوج لئے شام سے ایک گھنٹہ بعد لاہور آیا۔ قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ ساری رات قلعہ پر گولہ باری ہوتی رہی شہر میں واہگورُو کی فتح کے نعرے گونجتے تھے۔ کچھ سوراخیں ہو گئیں مگر کافی نہ تھیں۔ ہیرا سنگھ نے سرداروں کو بُلا کر قسم کھائی کہ وہ کھانا نہ کھائیگا جبتک اِس کے باپ کے قاتلوں کا سر اِس کے پاؤں میں نہ ہوگا۔ اُدھر اپنی ماں کو باپ کے ساتھ جلنے سے روکا ہُوا تھا جبتک ایسا نہ ہوئے۔ ودھوا اور گولیاں (ستی ہونے والی) فوج کے سامنے کھڑی رکھی گئیں۔ توپچی ایسے زور سے لگے کہ دوسرے دن نو بجے دیوار میں چھید ہو گیا۔ پہلا چڑھنے والا آدمی سپین کا ایک کرنیل مسٹر ہرمن نامی تھا۔ فوراً چالیس ہزار سپاہی اندر داخل ہو گئے۔ بھائی کیسری سنگھ (سوچیت سنگھ کا صلاح کار) سیڑھیوں کے ذریعہ اُوپر چڑھا۔ محاصرین نے مقابلہ کیا مگر ایک گھنٹہ کے اندر سب کام ہو گیا۔ اجیت سنگھ دیوار سے اُتر کر بھاگا مگر ایک مُسلمان سپاہی نے اُسے دیکھ لیا اُس نے سونے کا بازو بند اُس کی طرف پھینکا مگر وہ اِس کا سر کاٹ کر ہیرا سنگھ کے پاس لے آیا۔ سارا قلعہ۔ توپخانہ۔ محل سب لُوٹ لئے گئے۔ شہر بھی خالصہ کی لُوٹ سے نہ بچ سکا۔ راجہ ہیرا سنگھ نے لُوٹ مار بند کی اور اجیت سنگھ کا سر لا کر اپنی سوتیلی ماں کے پاؤں پر رکھدیا۔ اِس پر وہ بولی ”اب مجھے شانتی ہو گئی ہے۔ چتا طیار کی جائے“۔ ہیرا سنگھ نے کہا ”جب میں تمہارے باپ سے ملونگی تو اُسے بتاؤنگی۔

کہ تم ایک بہادر اور وفادار بیٹے ثابت ہوئے ہو"۔ چنانچہ تیار ہو گئی۔ وہ بالکل شانت غریبوں کو روپیہ اور جواہرات بانٹتی جاتی تھی۔ آخر میں اُس نے خاوند کی کلغی ہیرا سنگھ کے سر پر رکھی اور خوشی سے سیڑھی پر چڑھ گئی اور اُونچی اونچی ہوتی آواز سے حکم دیا۔ "اب آگ لگا دی جائے"۔ شعلے جل اُٹھے اور سوائے راکھ کے کچھ نہ رہا۔ اِس رانی کی ایک گولی دس سال کی تھی وہ رانی کے ساتھ جلنا چاہتی تھی تین بار اُس نے اپنے آپ کو چتا پر ڈالا مگر روک لی گئی۔ رانی نے اُسے ہیرا سنگھ کے سپرد کیا کہ اِس کا ہر طرح سے خیال رکھے مگر وہ کہنے لگی "اگر مجھے رانی کے ساتھ جلنے کی اجازت نہ ہوگی تو میں اِس لاش کی قسم کھاتی ہوں میں کسی اور طرح جان کا خاتمہ کر دوں گی" راجہ نے اُس کا ارادہ دیکھ کر اُسے اجازت دیدی۔ وہ خوشی سے چتا پر چڑھ گئی اور اپنی مالک کے پاؤں میں بیٹھ گئی جس نے پتی کا سر گود میں رکھ کر آنکھیں بند کر لیں۔ لہنا سنگھ کا جسم مُردوں میں نہ ملا۔ اِس کے لئے قلعہ کے کونہ کونہ میں تلاش کی گئی۔ آخر ایک تہ خانہ میں ایک ساتھی کے ساتھ چھپا ہُوا پایا گیا۔ لہنا سنگھ لنگڑا ہو گیا تھا۔ اِس کا ساتھی راہ سنگھ ننگی تلوار سے اِس کی حفاظت کر رہا تھا۔ سپاہی اِن پر ٹوٹ پڑے۔ اُس نے مرنے سے پہلے تیرہ کو قتل کیا۔ لہنا سنگھ کا سر کاٹ کر ہیرا سنگھ کے پاس لے گئے اور دس ہزار روپیہ انعام حاصل کیا۔ قلعہ لینے کے بعد ہیرا سنگھ دلیپ سنگھ کے پاس گیا اور اُس کی قدم بوسی کی۔ حضوری باغ کی بارہ دری میں بیٹھ کر سندھیانوالہ سرداروں کے سب رشتہ داروں کو پکڑ بُلایا۔ ان سب کو قتل کروا دیا۔ ان میں بھائی گورمکھ سنگھ اور مصر بیلی رام بھی تھے۔ اجیت سنگھ اور لہنا سنگھ کے جسم بازاروں میں کھینچے گئے۔ ان کی جاگیریں ضبط کی گئیں اور مکان گرا دیئے گئے۔ عطر سنگھ دور کو آ رہا تھا۔ سب حال سُنکر ستلج پار ہو گیا۔ چوتھی ستمبر ۱۸۴۳ء میں حضوری باغ میں سب سرداروں کو بُلا کر مجلس کی گئی جس میں دلیپ سنگھ

مہاراجہ بنا یا گیا اور راجہ ہیرا سنگھ وزیر۔ ہیرا سنگھ نے کہا "میں وزیر نہیں بنتا۔ میرے اور میرے خاندان کے یہاں بہت دشمن ہیں۔ میں یہ کام نہیں کر سکوں گا" خالصہ نے کہا "کوئی تمہارا دشمن نہیں اور جو تمہارا دشمن ہو گا۔ وہ راجہ کا دشمن سمجھا جائے گا اور اُسے سزا دی جائیگی۔" اُسی وقت خالصہ نے اُن کو قتل کا حکم پاس کر دیا جو سندھیا نوالہ سے ملے تھے۔ اِس پر ہیرا سنگھ وزیر بننے پر راضی ہو گیا۔ خالصہ سب کچھ ہو گیا۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے گھوڑے وہ لے گئے۔ سب سامان اُن کے قبضہ میں چلا گیا۔ خزانہ سے تیس چالیس لاکھ روپیہ نکل گیا۔

دلیپ سنگھ

ہیرا سنگھ کو تعلیم دی گئی تھی۔ مہاراجہ کے پاس رہکر دربار کے معاملات میں اِس نے پوری تربیت پائی تھی۔ وہ موقعہ دیکھ سکتا تھا۔ اِس کی عمر ۲۵ سال کی تھی۔ اِس کے سامنے بڑا بھاری مستقبل تھا۔ وہ ایک برہمن کے رُعب میں آگیا۔ جلا پنڈت کو وہ دیوتا مان کر پُوجتا تھا۔ جو اُسے پیشین گوئیوں اور خوابی کہانیوں سے دل بہلاتا تھا۔ اُس کا چچا سوچیت سنگھ اُس سے بڑا حسد رکھتا تھا۔ رانی جنداں سوچیت سنگھ کو اپنا وزیر بنانا چاہتی تھی۔ سوچیت سنگھ کی جلا پنڈت سے دشمنی ہو گئی۔ جنداں کا مددگار اُس کا بھائی جواہر سنگھ تھا۔ ہیرا سنگھ نے ۲ ½ روپیہ تنخواہ زیادہ کر سپاہیوں کو اپنے ساتھ کیا ہوا تھا۔

اُس نے راجہ گلاب سنگھ کو جموں سے لاہور بُلایا۔ ۱۰ نومبر کو وہ آیا۔ اُسے کچھ پرواہ نہ تھی کہ ہیرا سنگھ ہو یا سوچیت سنگھ۔ جواہر سنگھ مہاراجہ کو ہاتھی پر چڑھا کر خالصہ کے سامنے لے گیا اور اپیل کی کہ وزیر کا سلوک مہاراجہ اور اُس کی ماں سے اچھا نہیں۔ اگر ایسا ہی رہے گا تو وہ ستلج پار چلے جائیں گے۔

مطلب یہ تھا یا سوچیت سنگھ وزیر بنے یا وہ خود۔ خالصہ اُلٹا اس تقریر سے شک کرنے لگا۔ ساری رات اُنہوں نے اُس پر گارد لگادی۔ خالصہ کا کمانڈر مصر جودھارام تھا جو جلا کا سُسر تھا۔ اس نے جواہر سنگھ کی بے عزتی کی اور اُس کے منہ پر مُکہ مارا۔ رات کو پنچائت ہوتی رہی جس میں فیصلہ ہوا کہ جواہر سنگھ اور سوچیت سنگھ غدار ہیں۔ افواہ مشہور ہو گئی کہ جواہر سنگھ دلیپ سنگھ کو فیروزپور انگریزوں کے پاس لے جارہا تھا۔ وزیر اُسے ہاتھی پر واپس لے آیا ہے اور ماں کے سپرد کر دیا ہے۔ ۱۰۱ توپیں چلائی گئیں۔ جواہر سنگھ کو بند کر دیا گیا۔ اُس وقت سے سوچیت سنگھ بھی شک سے دیکھا جانے لگا۔ راجہ سوچیت سنگھ کی پلٹنیں قلعہ سے نکال دی گئیں اور اُس کا قلعہ میں داخلہ بند کیا گیا۔ راجہ گلاب سنگھ واپس جموں چلا گیا۔ سوچیت سنگھ بھی اس کے ساتھ چلا گیا۔ وہاں جا کر سوچیت سنگھ نے گلاب سنگھ کے چھوٹے بیٹے کو متبنٰی بنا لیا۔

پشورا سنگھ اور کشمیرا سنگھ

مہاراجہ رنجیت سنگھ کے دو لڑکے اور تھے۔ پشورا سنگھ پشاور میں اور کشمیرا سنگھ سیالکوٹ میں۔ کئی لوگ ان کا حق دلیپ سنگھ سے بہتر مانتے تھے۔ ہیرا سنگھ نے ان کو پھنسانے کے لئے سندھیانوالہ سازشوں سے ان کا تعلق ظاہر کیا۔ اِن کی طرف سے بنائی ہوئی چٹھیاں تیار کی گئیں۔ راجہ گلاب سنگھ کو حکم ملا۔ ان کو بند کر کے ان کی جائداد ضبط کرے۔ پچاس لاکھ جرمانہ کیا گیا جس میں سے صرف بیس ہزار وصول ہوا۔ یہی کافی سمجھ کر ان کی جاگیر انکو دی گئی لیکن اُنہوں نے اس نوکر دکپور سنگھ کو مروا ڈالا جس نے اُن کے بر خلاف معاملہ کھڑا کیا تھا۔ اس پر لاہور دربار نے گلاب سنگھ کو اُن کے بر خلاف فوج کا حکم دیا۔ انہوں نے تھوڑی فوج سے گلاب سنگھ کو شکست دی۔ گلاب سنگھ نے لاہور سے امداد مانگی۔ خالصہ ان

بھائیوں کے برخلاف لڑنے پر تیار نہ تھا۔ ڈوگرہ اور مسلمان فوج بھیجی گئی۔ اُنہوں نے جا کر بھی کچھ نہ کیا۔ اس پر دھیان سنگھ کی فوج روانہ کی گئی۔ سیالکوٹ کا محاصرہ کیا گیا اور گلاب سنگھ کے قبضہ میں آ گیا۔ دونو شہزادے نکلکر ماجھا علاقہ میں پھرنے لگے۔ خالصہ اس وجہ سے وزیر کے ساتھ سخت ناراض ہو گیا۔ چار دن تک ہیرا سنگھ باہر بھی نہ نکلا۔ جواہر سنگھ کو رہا کر دیا گیا۔ جلا کو موقوف اور شاہزادوں کی زندگی کی حفاظت ضروری قرار دی گئی۔ ہیرا سنگھ کی مشکل سے سوچیت سنگھ فائدہ اُٹھانا چاہتا تھا۔ ان سب مشکلات اور جھگڑوں کی وجہ سے پنجاب سے کچھ لگان وصُول نہ ہُوا تھا۔ خزانہ دن بدن خالی ہو رہا تھا۔ ہیرا سنگھ نے جلا کو مال کا حساب پڑتال کرنے کے لئے مقرر کیا۔ پنڈت نے دیکھا کہ بہت سے سردار۔ مُولراج۔ گلاب سنگھ وغیرہ نے کچھ نذر روانہ کیا تھا۔ ان سب سے بگڑنے لگی جس سے وزیر اور جلا پنڈت بدنام ہونے لگے۔

سُوچیت سنگھ

سوچیت سنگھ کے ایجنٹوں نے اُسے لاہور بلا بھیجا۔ ۲۶ مارچ ۱۸۴۴ء کو سوچیت سنگھ شاہدرہ آ پہنچا لیکن اب خالصہ کی رائے بدل گئی۔ سوچیت سنگھ اس خیال سے راوی پار آ گیا کہ کچھ فوج اس کے ساتھ مل جائیگی۔ اُسے واپس چلے جانے کو کہا گیا مگر وہ واپس جانے کا خیال نہ کرتا تھا لہٰذا اُس کے ساتھی اُسے چھوڑ گئے۔ کُل ۴۵ آدمی رہ گئے۔ میاں وادا میں اس کا ڈیرہ تھا۔ لاہور میں ہیرا سنگھ نے خالصہ کو بلا کر تقریر کی۔ تلوار ہاتھ میں لے کر کہا۔ "سوچیت سنگھ فرنگیوں کا دوست ہے۔ اگر تم مجھے مارنا چاہتے ہو۔ یہ تلوار لو۔ مار دو۔ گورو کے لئے مجھے شرم کی موت نہ مرنے دو وغیرہ"۔ سب خالصہ تیار ہو گیا۔ پندرہ بیس ہزار فوج سوچیت سنگھ کے مقابلہ پر گئی۔ مقابلہ کیا تھا۔ اُسے بہتیرا کہا گیا کہ بھاگ جاوے مگر وہ راجپوتی دھرم پر مرنا چاہتا تھا۔ خالصہ

فوج سے کہنے لگا۔ "تم نے مجھے بُلایا ہے۔ اب مارنے پر تیار ہو گئے ہو۔ آؤ۔ میدان میں۔ ایک ایک کر کے تلوار لے سامنے آجاؤ"۔ بڑی بہادری سے وہ اور اُس کے ساتھی لڑ کر مارے گئے۔ جیسے راجپوتوں کو مرنا چاہیئے۔ ان ساتھیوں میں ایک رائے کیسری سنگھ تھا جس جیسا بہادر اُس وقت کوئی نہ تھا کئی بار وہ گرا۔ پھر اُٹھا اور لڑائی کی۔ اکیلے اُس نے بیس دشمنوں کو قتل کیا۔ وہ اُس وقت آخری لمحوں پر تھا۔ اُس نے ہیرا سنگھ سے جے دیا کیا اور پانی مانگا۔ وزیر نے کہا۔ "پانی پہاڑ پر نہیں بہت تھا" اور وہ پیاسا مر گیا۔ اپنے چچا کا جسم زمین پر پڑا دیکھ کر ہیرا سنگھ کی آنکھ میں آنسو آگئے۔ اس کا اور سرداروں کے جسم لا کر عزت کے ساتھ جلائے گئے۔

بیر سنگھ باوا

ماجھا میں ایک شخص باوا بیر سنگھ رہتا تھا۔ اُس کے پاس پندرہ سو آدمی تھے۔ اُس نے کہا کہ پنجاب کی سلطنت گورو گوبند کی ہے دلیپ سنگھ بچہ ہے ہیرا سنگھ نالائق ثابت ہوا ہے۔ خالصہ کو اپنا کوئی آدمی مقرر کرنا چاہیئے۔ اُس نے سندھیانوالہ کے حق میں پرچار شروع کیا۔ اس غرض سے سب سرداروں کو چٹھیاں لکھی گئیں کشمیرا سنگھ اور پشورا سنگھ بھی اس بغاوت میں شامل ہو گئے۔ لاہور سے فوج روانہ ہوئی۔ ایک یہ اقرار تھا کہ وہ باوا کو کوئی نقصان نہ پہنچائینگے۔ لڑائی میں پہلے گولے سے باوا ہی مارا گیا۔ کشمیرا سنگھ بھی مارا گیا۔ جرنیل گلاب سنگھ بھی مارا گیا۔ باوے نے بہت دولت جمع کی تھی۔ باوجود اس کی پاکیزگی کے خالصہ نے اُس کی سب دولت لوٹ لی۔ پشورا سنگھ مطیع ہو گیا اور لاہور دربار میں چلا آیا۔ اُس کی جاگیر اُسے دی گئی اور وہ گوجرانوالہ چلا گیا۔ اب ہیرا سنگھ کی طاقت چوٹی پر تھی لیکن اُس نے اور جلا نے بہت سے دشمن بنائے تھے۔

جلا پنڈت:۔ جلا دھیان سنگھ کے بیٹوں کا اُستاد تھا۔ ہیرا سنگھ اس کے ہاتھ

میں کٹھ پُتلی تھا۔ جلا کا غرور اتنا تھا کہ سب اس سے جلنے لگ گئے۔ وہ جواہر سنگھ کا
دشمن تھا۔ جواہر سنگھ نے امرتسر رہکر ڈوگروں کے برخلاف اکالیوں۔ بھائیوں اور گوڈوؤں
کے دلوں میں زہر بھر دیا۔ لال سنگھ جلا کا پگڑی بند دوست تھا۔ ساتھ ہی رانی کا بڑا
مرضی دان تھا۔ رانی نے اس کے ساتھ ملکر جلا کے برخلاف سازش بنائی۔ دھینہ کے
پہلے دن رانی جنداں غریبوں کو کچھ بانٹ رہی تھی کہ جلا نے اُس کی بے عزتی کی ایسے
سخت بولا۔ رانی نے خالصہ سے اپیل کی۔ جواہر سنگھ نے ہاتھی پر سوار ہو کچھ فوج
ساتھ لے ہیرا سنگھ سے کہا کہ جلا کو اُس کے سپرد کیا جائے۔ ہیرا سنگھ نے انکار کیا۔
لیکن ہیرا سنگھ نے دیکھ لیا۔ اس کا اب لاہور رہنا ٹھیک نہیں ہے۔ اپنا مال جائداد لیکر
جموں کو بھاگ جانا مناسب ہوگا۔ ۲۱ دسمبر ۱۸۴۴ء کو تین چار سو سواروں کے ساتھ ان کا ارادہ
اندھیرے میں چلے جانے کا تھا مگر چلتے دیر ہوگئی اور دن نکل آیا۔ جونہی وہ ٹکسالی دروازہ
سے نکلے۔ سکھ پلٹنوں سے بگل بجنے شروع ہوگئے۔ جواہر سنگھ کو وزیر بنا دیا گیا۔
راوی پار ہوگئے اور صرف ڈوگروں کو ساتھ لے آگے چلے۔ تارگڑھ جا کر گھوڑوں سے
اُتر آرام کرنے لگے۔ انہوں نے اپنے پیچھے سوار آتے دیکھے۔ سوار ہو کر تیزی سے چلنے
شاہدرہ مقبرہ میں پناہ کے لئے گئے مگر پٹھانوں نے وہاں سے نکال دیا۔ ہیرا سنگھ
نے تھیلیوں سے اشرفیاں اِدھر اُدھر پھینکدیں۔ سپاہی اشرفیوں میں لگ گئے۔
شام سنگھ اٹاری والا اور جرنل میوا سنگھ مجیٹھیا کہنے لگے۔ سُوئروں کو قتل کر دو۔ جانے
مت دو۔ سپاہی پہنچے پھر ہیرا سنگھ نے اشرفیاں پھینکیں۔ اس طرح دس بارہ کوس
نکل گئے۔ پنڈت جلا تھک کر گھوڑے سے گر پڑا۔ اُسے کاٹ ڈالا گیا۔ ہیرا سنگھ
پانی پینے کے لئے ایک گاؤں میں داخل ہوا۔ جواہر سنگھ آگیا اور حکم دیا کہ گاؤں کو
آگ لگا دو۔ ہیرا سنگھ نکلکر گھوڑے پر چڑھا۔ بھاگنے کی کوشش کی مگر کاٹ دیا گیا۔
اس کے چھ ساتھی تیز گھوڑوں کی وجہ سے نکل کر بھاگ گئے۔

جواہر سنگھ

جواہر سنگھ خالصہ سپاہیوں کے ساتھ دوپہر کو شہر میں داخل ہُوا۔ راجہ ہیرا سنگھ اور جلّا کے سر ہاتھ میں لئے ہوئے تھا۔ سب لوگ نذرانہ لے کر آگے دَوڑے۔ ہیرا سنگھ کا سر لوہاری دروازہ پر ایک دن تک لٹکایا گیا۔ اکالیوں نے جلّا کا سر اٹھا لیا اور دوکان دوکان پر کوڑیاں لے کر دکھاتے تھے اور کہتے تھے۔ "یہ بدمعاش ہے جس نے ہیرا سنگھ سے اپنے چچا کو ۵۰ آدمیوں کے ساتھ قتل کرا لیا۔ اُن تھوڑے سے آدمیوں کے لئے بیس ہزار خالصہ کی ضرورت نہیں"۔ پھر اُسے کوڑے کے ڈھیر پر پھینک دیا گیا۔ کئی ہفتے وہاں پڑا رہا تب جواہر سنگھ نے اُسے کتوں کے آگے ڈلوا دیا۔

پہلا کام جواہر سنگھ کا یہ تھا کہ توشہ خانہ کے سونے کے برتن پگھلا کر کنٹھا بنوا کر سپاہیوں کو دیئے گئے۔ خالصہ اب امیر ہو گیا اندھیر گردی خالصہ کے مفید مطلب تھی۔ اب خالصہ نے جموں کی طرف توجہ پھیری۔ وہ ہیرا سنگھ اور سوچیت سنگھ کی جائداد کے علاوہ گلاب سنگھ سے تین کروڑ روپیہ مانگتے تھے۔ خالصہ فوج نے جموں پر چڑھائی کر دی۔ لڑائی میں سردار فتح سنگھ مان مارا گیا۔ گلاب سنگھ ڈر گیا اور خود خالصہ پنچایت کے سامنے آکر ہاتھ جوڑ دئے۔ کہا کہ سب کچھ خالصہ کا ہے۔ اِن میں تین لاکھ روپیہ بانٹ دیا۔ وہ اِسے لاہور لے آئے رانی سے ملا اور اُسے ایسا خوش کیا کہ وہ اُسے وزیر بنانے پر تیار ہو گئی۔ اُس نے واپس آنا چاہا۔ اُس پر چھ لاکھ اسّی ہزار جرمانہ کیا گیا اور وہ واپس چلا آیا۔ ستمبر ۱۸۴۴ء دیوان ساون مل کو ایک بدمعاش نے قتل کر ڈالا۔ اس کا بیٹا مولراج اس کی جگہ گورنر بنا۔ پہلے تو اُس نے نذرانہ دینے سے انکار کیا جب فوج تیار ہوئی تو اُس نے ایک لاکھ اسّی ہزار نذرانہ دیدیا۔ گلاب سنگھ سے بہت سی جاگیر بھی لی گئی تھی۔ اُس نے پشورا سنگھ کو جواہر سنگھ کے برخلاف

اَکسایا۔ پشورا سنگھ لاہور گیا۔ خالصہ جواہر سنگھ سے ناراض تھا اُس نے کہا تھا وہ مہاراجہ کو لے کر انگریزوں کے پاس چلا جائیگا۔ خالصہ فوج پشورا سنگھ کو چاہنے لگی۔ جواہر سنگھ نے اپنی بہن سے مشورہ کر کے خالصہ کو بہت اقرار کر کے اپنی طرف لانا چاہا۔ خالصہ نے پشورا سنگھ کو کہا۔ اپنی جاگیر پر جاؤ۔ مناسب موقعہ دیکھو۔ پشورا سنگھ اٹک جا پہنچا۔ پٹھانوں کی مدد سے قلعہ لے کر مہاراجہ بن گیا اور دوست محمد خان سے خط و کتابت شروع کر دی۔ خالصہ فوج اس کے برخلاف بھیجی گئی مگر وہ خالصہ کو اتنا پیارا تھا کہ انہوں نے لڑنے سے انکار کر دیا۔ سردار چتر سنگھ (اٹاری والا) نوشہرہ سے اور فتح خان ٹوانہ ڈیرہ اسمٰعیل خاں سے اٹک بھیجے گئے۔ انہوں نے مقابلہ کی ہمت نہ دیکھ کر صلح سے کام لیا۔ بہت نامہ و پیام کے بعد فیصلہ ہوا کہ پشورا سنگھ کو مہاراجہ کا لڑکا مان لیا جائے وہ عزت سے قلعہ کو خالی کر دے۔ اور اُسے لاکھ کی اور جاگیر دی جائے۔ جب وہ باہر چلا آیا تو اُسے بند کر کے قید خانہ میں ڈال دیا گیا اور گلا گھونٹ کر مار دیا گیا۔ دونو قاتل بجائے لاہور آنے کے اپنے علاقوں کو واپس چلے گئے۔ یہ خبر لاہور پہنچی۔ جواہر سنگھ نے توپوں کی سلامی دی اور رات کو روشنی کی۔ خالصہ کو اس سے آگ لگ گئی۔ بہت سی فوج لاہور سے باہر چلی گئی۔ دوسرے دن کچھ دہلی دروازہ پر آ پہنچی۔ باقیوں نے قلعہ پر حملہ کر دیا اب جواہر سنگھ گھبرایا۔ اُس نے خالصہ سے ترقی کے بڑے اقرار کئے مگر کوئی بات نہ سُنی گئی۔ اُس نے بہن سے صلاح کی۔ اُسے اور مہاراجہ کو ساتھ لے ایک ہزار سوار کے ساتھ خالصہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ فوج نے بگل بجانے شروع کئے۔ ہاتھی کو زبردستی بٹھا دیا۔ دلیپ سنگھ کو اُس کی گود سے چھین لیا جواہر سنگھ ہاتھ جوڑے جُھک گیا کہ اُس کی بات سُن لیں۔ اُسے بائیں طرف سنگینیں لگیں۔

جب وہ دوسری طرف ہُوا تو دوسری طرف سے گولی لگی اور اِس کا کام تمام ہو گیا۔ اِس کے صلاح کار رتن سنگھ اور بھائی جٹو قتل کر دئیے گئے۔ ۲۱ ستمبر ۱۸۴۵ء کو یہ واقعہ ہُوا تمام سونا اور نقدی جو رانی لائی تھی۔ لُوٹ لیا گیا رانی خیموں میں رکھی گئی جہاں وہ رات بھر روتی اور چلّاتی رہی۔ سویرے اِسے بھائی کا جسم دکھایا گیا۔ وہ اِس پر رونے لگ گئی۔ اپنے بال اُکھاڑتی تھی۔ کپڑے پھاڑتی تھی مُشکل سے اُسے ہٹایا گیا۔ لاش کو شہر لے جا کر مستی دروازہ کے سامنے جلایا گیا۔ دو رانیاں اور تین گولیاں ستی ہوئیں۔ راستہ میں جاتے ہوئے سپاہیوں نے اُن سے سب کچھ چھین لیا۔ چِتا پر چڑھتے وقت ناک اور کان سے زیور اُتار لیئے۔ رانی جنداں ہر روز لوگوں کے سامنے روتی ہوئی اپنے بھائی کی سمادھ پر جاتی تھی آخر خالصہ نے اُسے راضی کرنے کی کوشش کی اور جنہوں نے اس کے بھائی کو مارا تھا۔ رانی کے حوالہ کرنے پر تیار ہو گئے۔ رانی راضی ہو گئی۔

انگریزی راجیہ پنجاب میں

انگریزوں کی آمد و ترقی

جس زمانے میں مُغلوں نے ہندوستان پر حملہ کر کے ایک مُستحکم گورنمنٹ کی بُنیاد ڈالی۔ اُس زمانے میں سمندر کی طرف سے یورپی اقوام تجارت کی غرض سے ہندوستان کو آئیں۔ اُسی زمانے میں ہندوستان میں مذہبی اصلاح کی تحریک نے جابجا اپنا اثر پیدا کیا جس کا نتیجہ مہاراشٹر میں اور پنجاب میں دو بڑی ہندو سلطنتوں کی قائمی تھی۔ یورپین اقوام سے چار بڑی قومیں۔ پُرتگیز۔ فرانسیسی ڈچ اور انگریز تجارت کے لئے ہندوستان میں آئے۔ اِن میں سے فرانسیسیوں اور انگریزوں نے مُلکی فتوحات کرنی شروع کر دیں

اور دونوں میں آپس میں مقابلہ ہونے کے بعد انگریز جیت گئے اور اُن کی حکومت آہستہ آہستہ بڑھنے لگی۔ ہندوستان کی بادشاہت کے لیئے انگریزوں کا سب سے زبردست مقابلہ مرہٹوں اور سکھوں سے ہوا۔ ہماری تاریخ کا تعلق سکھوں اور انگریزوں کے مقابلے سے ہے لیکن تاکہ ہم اس مضمون کو اچھی طرح سے سمجھ سکیں ہمیں انگریزوں کے عروج کا تھوڑا بہت ابتدائی حال معلوم ہونا ضروری ہے۔

دنیا کی تاریخ میں پچھلی چار صدیاں وُہ زمانہ ہے۔ جس کے دوران میں یوروپ کے لوگوں کا باقی ساری دُنیا پر غلبہ پایا جاتا ہے۔ اِس غلبے کی ابتداء اُن سمندری سفروں کی بدولت ہوئی جن میں یورپی اقوام نے امریکہ کے دو بڑے براعظم اور افریقہ اور ایشیا کیلئے سمندری راستے دریافت کیے اِن سمندری تحقیقاتوں کی تہ میں تجارت کو فروغ دینے کا خیال کام کر رہا تھا لیکن تجارت کے ساتھ ساتھ ملکی فتح کے خیال کی موجودگی بھی پائی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آجکل یہ ایک کہاوت بن گئی ہے کہ یورپ کے لوگ پہلے اپنے سیاحوں کو سیر اور شکار کے لیئے دُنیا میں بھیجتے رہے ہیں۔ اِن سیاحوں کے بعد مذہب کے پرچار کرنے والے مشنریوں کی باری آئی مشنری اپنے ساتھ تجاروں کو لے گئے اور اِن کے بعد تلواریں لیئے ہوئے سپاہی پہنچے جنہوں نے ملک کو فتح کرنا شروع کیا۔ اگرچہ سمندری سفر تجارت کی غرض سے ہوئے لیکن عیسائیوں اور مسلمانوں کے باہمی عناد کی وجہ سے اِن کو بڑی مدد ملی۔ اِن دریافتوں کے راستے پر چلنے والی سب سے پہلی قوم اہل ہسپانیہ ور اہل پرتگال تھی جو کہ کئی صدیوں تک مور مسلمانوں کی حکومت کے نیچے رہی اور جب اِن کے آزادی کے جذبے نے انقلاب پیدا کیا تو اِن کے دلوں میں مسلمان مالکوں کے برخلاف نفرت کی آگ ایسی بھڑکی کہ انہوں نے اُن کا تعاقب کرکے اُن کی ہستی کو مٹانے کا ہی ارادہ کر لیا۔

قدیم زمانہ میں اہلِ رُوما نے دُنیا کے مختلف حصّوں میں اپنی کالونیاں (بستیاں) آباد کیں۔ اس زمانے میں اہلِ ہسپانیہ اور پُرتگال پہلی قوم ہیں جنھوں نے اپنی بستیاں پُرانی اور نئی دُنیا میں قائم کیں۔ ہسپانیہ والوں کے ساتھ انگریزوں اور ڈچ لوگوں کی سخت دشمنی تھی۔ ہالینڈ ڈچ لوگوں کا وطن ہسپانیہ کی سلطنت کا ایک صوبہ تھا۔ ہسپانیہ نے اُن پر بے جا تعدّی اور دوسرے ظلم کر کے اُن کو اپنا دُشمن بنا لیا انگلینڈ کے پروٹسٹنٹ ہو جانے کی وجہ سے ہسپانیہ نے انگلینڈ پر حملہ کر کے اُس کی طاقت کو توڑنا چاہا تھا۔ ان دونوں قوموں نے ہسپانیہ کی تجارت اور غلبہ کو کم کرنے کے لئے اپنی بستیاں پھیلانے کا خیال کیا۔ ہسپانیہ کی کئی بستیوں پر ڈچ لوگوں نے قبضہ کر لیا۔ انگریزوں نے ہندوستان کی تجارت اپنے ہاتھ میں لانے کی جدوجہد شروع کی اور ملکہ الزبتھ کے وقت میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی بُنیاد رکھی۔ تاکہ ہندوستان کے ساتھ تجارت کا رشتہ قائم کرے۔ اس کمپنی نے ہندوستان کے مغربی اور مشرقی ساحل پر سورت، مدراس، گولکنڈہ وغیرہ مقامات پر تجارتی کوٹھیاں بنائیں۔ کوٹھیاں بنانے کی خاص غرض یہ تھی کہ ان دِنوں انگلینڈ سے چل کر ہندوستان کو جہاز کے آنے میں آٹھ دس ماہ خرچ ہوتے تھے۔ جہاز کے لیے ہندوستان پہنچ کر مال بیچنے اور خریدنے میں جتنا وقت زیادہ لگتا اُتنا ہی کمپنی کو نقصان کا ڈر تھا۔ اس لئے اِن کوٹھی داروں کا یہ کام تھا کہ وہ جہاز کے لئے مال خرید رکھتے تھے اور جہاز کا لایا ہُوا مال بیچنے کے لئے لے لیتے تھے۔ جب یہ کوٹھیاں زیادہ مالدار ہو گئیں تو اُنھوں نے اپنے لئے کچھ محافظ اور اچھے مکان بنوانے شروع کئے۔ ان محافظوں کی تعداد بڑھ جانے سے یہ ایک چھوٹی سی فوج بن گئی اور مکانوں کو زیادہ محفوظ بنانے سے اِن کو آہستہ آہستہ قلعے بنا لیا گیا۔ قلعے موجود تھے۔ سپاہی ساتھ ہو گئے۔ روپیہ موجود تھا۔ یہ سب مل کر پولیٹیکل طاقت بڑھانے کا ایک

ایسا ذریعہ تھا جو کہ موقعہ آنے پر استعمال میں لانا معمولی بات نہیں۔ انگریزوں کے ساتھ ساتھ دوسرے مقامات میں فرانسیسیوں نے بھی اِس طرح اپنی کوٹھیاں قائم کرلی تھیں

ہندوستان کی پولیٹیکل طاقت اورنگ زیب کی حکومت کے پچھلے حصے میں بہت کمزور ہو گئی اورنگ زیب کا مرنا تھا کہ دہلی میں تخت نشینی کے جھگڑوں نے مغل حکومت کا رہا سہا رعب بھی اُڑا دیا۔ جتنے صوبے پایہ تخت سے ذرا دُور تھے خودمختار بن بیٹھے۔ ان کی خود مختاری کسی ملکی یا قومی فائدے کی غرض سے نہ تھی۔ اُس کی بُنیاد صرف اُن کی ذاتی خودغرضی تھی۔ اِس ذاتی خودغرضی کا قدرتی نتیجہ یہ ہوا کہ قریباً ہر ایک جگہ پر جہاں کسی شخص نے خودمختار حکومت قائم کی اُس کے مقابلے پر دوسرے حریف پیدا ہوتے گئے اور جہاں ایسا نہ ہوا وہاں اُس کے مرنے کے بعد اُس کے لڑکوں اور رشتہ داروں میں جانشینی کے متعلق جھگڑے شروع ہو گئے۔ جہاں قومی اور ملکی اخلاق کا معیار صرف ذاتی خودغرضی ہو جاتا ہے وہاں اِن جھگڑوں کا پیدا ہو جانا لازمی امر ہے۔ یہ جھگڑے پہلے پہل کرناٹک اور حیدرآباد میں شروع ہوئے۔ دونو جگہ جھگڑے کرنے والوں کو یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ وہ ان اجنبی تاجروں کی امداد حاصل کریں اِس امداد کا مانگنا اِن لوگوں کو اپنے ملکی معاملات میں دخل دلانا اور اپنی کمزوریوں کو جتلانا تھا۔ ایک جگہ امداد دے کر اُن کو خاص علاقہ حکومت کے لیے مل گیا۔ اب اُن کی اپنی یہ کوشش ہو گئی کہ اِن دیسی حکمرانوں میں پارٹیاں اور جھگڑے پیدا کیے جائیں اور اِس ذریعے سے اپنی پولیٹیکل طاقت کو بڑھایا جائے۔ ہمیں اِس وقت یہ دیکھ کر حیرانی ہوتی ہے کہ اتنے ہزار میل سے ایک چھوٹی سی قوم اتنے بڑے ملک پر کیونکر راجیہ کرسکتی ہے لیکن جب ہم اپنے لوگوں کا اخلاقی حالت اور

خود غرضی کا ایک طرف اور ان غیر ملکی سوداگروں کی لیاقت اور دُور اندیشی کا دوسری طرف مقابلہ کرتے ہیں اور اُس کے ساتھ یہ دیکھتے ہیں کہ کس طرح ان سوداگروں کی آنکھوں کے سامنے کئی معمولی آدمیوں نے حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے لی اور اُن کو کوئی پوچھنے والا بھی نہ تھا۔ یہ دیکھتے ہوئے انہیں یہ کیونکر خیال نہ آتا کہ وہ بھی اس مُلک میں جہاں حکومت کے لئے جُوئے کے داؤ لگائے جا رہے تھے اپنا داؤ لگا دیں۔ چونکہ وہ زیادہ سمجھدار اور دُوربین تھے۔ اُن کے داؤ کا کامیاب ہونا یقینی امر تھا۔ یہ داؤ فرانسیسیوں اور انگریزوں دونوں کی طرف سے لگائے گئے۔ انگریزوں میں اپنے مُلک اور قوم کی ہمدردی فرانسیسیوں کی نسبت زیادہ تھی۔ اُن کو اپنے مُلک سے فرانسیسیوں کی نسبت زیادہ امداد ملتی رہی۔ اسلئے انگریزوں نے فرانسیسیوں کو اس میدان میں پچھاڑ دیا اور دکن میں انگریزوں کی طاقت غالب مانی جانے لگی۔ جو کچھ دکن میں ہوا۔ چند سال بعد وہی بنگال میں ہوا۔ بنگال کے حکمرانوں میں تخت نشینی کے متعلق اُسی خود غرضی کی بنا پر تفرقہ تھا جس میں ہر ایک اپنے ذاتی فائدے کو مُلکی فائدے پر ترجیح دیتا تھا اور ادھر انگریز کمپنی کے افسر وہ لوگ تھے جن کے دلوں میں پہلا خیال اپنے مُلکی فوائد کو مدِ نظر رکھنا تھا اور اس کے ساتھ اپنے لئے فائدہ اُٹھانا دوسری بات تھی۔ جہاں کہیں شخصوں اور آرگنائزیشن کے درمیان باہمی مقابلہ ہوتا ہے۔ شخصوں کی میعاد زندگی تک ہوتی ہے۔ آرگنائزیشن زیادہ دیرپا اور لمبی زندگی والی ہوتی ہے۔ اس لئے مقابلے میں شخص ہار جاتے ہیں اور آرگنائزیشن ہمیشہ کامیاب ہوتی ہے۔ انگریزوں کی کمپنی آرگنائزیشن تھی۔ اُس کے مقابلے پر محمد علی ہو یا چندا صاحب۔ سراج الدولہ یا میر جعفر دیر تک زندہ نہ رہ سکتے تھے۔

مرہٹوں کا عروج

جب بنگال انگریزوں کے ہاتھ میں چلا گیا تو انہیں مرہٹہ طاقت

سے مقابلہ پڑا۔ مرہٹہ طاقت کا بانی شواجی ہوا۔ اس وقت کوئی ہندوستانی ایسا نہ ہوگا جو کہ شواجی کی دیش بھگتی کے متعلق شک کر سکتا ہو۔ شواجی کی غرض بلاشبہ گورو گوبند سنگھ کی طرح دکن میں ہندو راج قائم کرنا تھا۔ اگر شواجی کا مدعا اپنی ذات تک یا اپنے خاندان تک محدود ہوتا تو یہ ممکن نہ تھا کہ شواجی کے مر جانے کے بعد آزادی کی جو جدّ و جہد مرہٹوں نے چالیس سال تک اورنگ زیب کے برخلاف جاری رکھی کبھی جاری رہ سکتی۔ شواجی کی سلطنت کی عظمت اس امر سے ظاہر ہوتی ہے کہ مہاراشٹر کے ہر ایک بچے اور سردار کے دل میں مرہٹہ حکومت سے اتنا پیار ہو گیا تھا کہ وہ اُسے اپنی سمجھنے لگ گیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ مرہٹہ سردار اور سپاہی کسی راجہ یا لیڈر کے بغیر اتنے سال تک لگاتار شاہی فوج سے لڑتے رہے۔ اس چالیس سال کی جدّ و جہد میں مرہٹہ لوگوں میں صبر۔ استقلال مصیبتوں کے برداشت کی طاقت اور دور اندیشی وغیرہ اوصاف پیدا ہو گئے جن سے ان سب کو ایک حکمران جماعت بننے کے لائق بنا دیا۔ اس جدّ و جہد میں ہی ایک اور بڑا لیڈر بالاجی وشوا ناتھ پیدا ہوا جو کہ معمولی پٹواری کی حیثیت سے ترقی کرتا ہوا اپنی لیاقت کی وجہ سے پیشوا بن گیا۔ بالاجی وشوا ناتھ کے خاندان میں پیشوائی عہدہ موروثی ہو گیا اور تھوڑے عرصے میں پیشوا کا درجہ مرہٹہ گورنمنٹ کے پردھان کا ہو گیا۔ بالاجی وشوا ناتھ نے ہی اُن تمام مرہٹہ سرداروں کو جنہوں نے مختلف علاقے فتح کر کے اپنی اپنی ریاستیں بنائی تھیں۔ ایک کان فیڈریشن کے رشتے میں باندھے رکھا۔ شواجی کے خاندان کا کوئی ایک طاقتور راجہ نہ رہنے سے مرہٹہ سردار سندھے۔ ہلکر۔ گائکواڑ۔ بھونسلا وغیرہ اپنے آپ کو اپنی ریاستوں میں خود مختار راجہ سمجھتے تھے۔ مرہٹہ مرکزی گورنمنٹ کا اُن پر صرف اخلاقی دباؤ تھا۔ پیشواؤں کی گورنمنٹ کی بڑی کمزوری ہی یہ تھی کہ اُن کے ہاتھ میں اس اخلاقی دباؤ کے علاوہ اور کوئی طاقت نہ تھی جس سے وہ ان مرہٹہ

سرداروں کو اپنے قابو میں رکھہ سکے۔ یہی کمزوری آخرکار مرہٹہ گورنمنٹ کی تباہی کا باعث ہوئی۔

مرہٹہ سلطنت میں پیشواؤں کی پوزیشن کئی باتوں میں سکھہ گوروؤں سے ملتی ہے۔ ان پیشواؤں میں پہلے چار پیشوا حقیقت میں بڑے انسان ہوئے ہیں۔ بالاجی وشوا ناتھ۔ سیواجی کے بعد مرہٹہ سلطنت کا سچا رکھشک ہوا۔ اُس کے بیٹے باجی راؤ دوسرے پیشوا کے وقت میں مرہٹہ فوجیں دہلی میں جا پہنچیں اور مرہٹوں نے اپنے سامنے ہندوستان میں ہندو راجیہ کی قائمی اپنا آدرش بنا لیا۔ ہم یہ دیکھہ آئے ہیں کہ دہلی سے چل کر مرہٹہ سردار رگھوبا لاہور پہنچا اور تھوڑے عرصے کے لیئے اٹک تک مرہٹوں کا جھنڈا لہراتا رہا۔ ایک طرف مرہٹہ فوج دہلی اور پنجاب تک اپنی حکومت پھیلا رہی تھی۔ دوسری طرف انہیں بنگال کا بھی فکر لگا ہوا تھا۔ بنگال کے انگریزوں کے ہاتھ چلے جانے پر مرہٹہ فوجیں تیاری کر رہی تھیں کہ دہلی سے چل کر بنگال پر حملہ کریں۔ اچانک احمد شاہ ابدالی کے حملے نے اُن کی توجہ بنگال سے ہٹا دی۔ سنہ ۱۷۶۱ء میں پانی پت کی وہ مشہور لڑائی ہوئی جس میں مسلمان نواب احمد شاہ کی مدد میں لڑتے تھے اور راجپوت اور ہندو جاٹ مرہٹوں کی امداد میں۔ پانی پت ہندوستان کے لیئے ہمیشہ مہلک ثابت ہوا ہے۔ اس لڑائی میں بھی نتیجہ ہندوؤں کے برخلاف ہی رہا۔ مرہٹوں کے بڑے بڑے سردار میدان میں مارے گئے اور ساری مرہٹہ فوج تباہ ہو گئی۔ اس شکست کا صدمہ تیسرے پیشوا بالاجی باجی راؤ کے لیئے ایسا سخت ہوا کہ اُس نے اپنی جان دیدی۔ اُس کا بیٹا مادھو راؤ جو اُس کی جگہ جانشین تھا اتنا ذہین ہر دلعزیز اور لیاقت رکھتا تھا کہ اُس کے بیٹھتے ہی مرہٹوں میں نئی جان آگئی اور تھوڑے ہی سالوں میں مرہٹوں نے پھر دہلی پر جا قبضہ کیا۔ لیکن اس عرصہ میں انگریزوں کا رعب وداب بنگال

سے آگے بڑھنا شروع ہو گیا اور ایک لڑائی میں انہوں نے اودھ کے نواب وزیر اور دہلی کے بادشاہ شاہ عالم کو شکست دے کر بادشاہ کو کورہ۔ الہ آباد وغیرہ چار اضلاع دے کر اپنا پنشن خوار بنا لیا تھا۔ مرہٹوں نے دہلی پہنچکر نجیب الدولہ کو اپنے ہاتھ میں کر لیا اور اُس کی معرفت بادشاہ شاہ عالم کو انگریزوں کے پنجے سے چھُڑا کر دہلی آنے کی اجازت دی۔ شاہ عالم اس بات پر راضی ہو گیا۔ بنگال کے انگریز مرہٹوں کی اس چال کو سمجھتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ شاہ عالم کا مرہٹوں کے ہاتھ میں چلا جانا دہلی میں مرہٹہ سلطنت کو مضبوط کر کے انگریزوں کی طاقت کو کم کرنا تھا۔ اُنہوں نے شاہ عالم کو سمجھانے اور اپنے پاس رکھنے کی ہر چند کوشش کی مگر جب شاہ عالم اُن کے ہاتھ سے چلا گیا تو انہوں نے سمجھ لیا کہ اب انہیں مرہٹہ طاقت سے مقابلہ کرنا پڑیگا۔ اِسنے میں وارن ہیسٹنگز گورنر مقرر ہو کر کلکتہ آیا اور آتے ہی اُس نے مرہٹوں کے برخلاف چالیں چلنی شروع کر دیں۔ اِن میں سے سب سے بڑھ کر ناگپور کے بھونسلا راجہ کو پیشوا کے برخلاف کرنا اور اپنے ساتھ دوستی کے لئے طیار کرنا تھا۔ شاید اِن چالوں کے نتیجہ نکلنے میں دیر لگتی لیکن مادھو راؤ پیشوا کی موت نے جو کہ اچانک اس وقت واقع ہو گئی۔ مرہٹہ گورنمنٹ میں ایسا اِنقلاب پیدا کیا کہ اس سے مرہٹہ قوم کی ساری اُمیدوں پر پانی پھر گیا۔ مرہٹہ سلطنت کے لیے مادھو راؤ کی موت پانی پت کی شکست سے زیادہ مہلک ثابت ہوئی۔ مادھو راؤ کا چھوٹا بھائی نارائن راؤ گدی پر بیٹھا۔ اُس کا چچا راگھوبا (رگھوناتھ راؤ) خود گدی پر بیٹھنا چاہتا تھا۔ اُس کی عورت کی نندی بائی نے نارائن راؤ کو قتل کرا دیا اور راگھوبا اُس کی جگہ پیشوا بن بیٹھا۔ مرہٹہ گورنمنٹ کے سب وزیر جنکا لیڈر نانا فرنویس تھا راگھوبا کو قاتل سمجھکر نفرت

کرتے تھے اور جونہی نارائن راؤ کی بیوی نے ایک بچے کو جنم دیا اُنہوں نے اُس بچے مادھو راؤ نارائن کو گدی پر بٹھا کر پیشوا تسلیم کر لیا۔ راگھوبا اِس سے ناراض ہو کر بمبئی میں انگریزوں کے پاس چلا گیا اور اُن سے گدی حاصل کرنے کیلئے امداد طلب کی۔ مدراس اور بنگال میں اِس نیتی پر چلکر انگریزوں نے اپنی تجارت کے ساتھ پولیٹیکل طاقت قائم کر لی تھی۔ بمبئی کے انگریز کسی ایسے موقعہ کی تلاش میں تھے۔ خُدا نے اُنہیں یہ موقعہ دیا۔ وہ اِس سے فائدہ اُٹھانے سے کیونکر محروم رہ سکتے تھے۔ اُنہوں نے راگھوبا کی امداد میں فوج دیکر مرہٹہ گورنمنٹ کے خلاف پُونا روانہ کی لیکن بمبئی کے انگریزوں کے لئے بنگال اور مدراس کی طرح آسان شکار نہ تھا۔ قریبًا بارہ سال تک انگریزوں کا مرہٹوں سے جنگ ہوتا رہا۔ اِس میں حیدر علی، نظام، دہلی کا بادشاہ سب نانا فرنویس کے ساتھ تھے۔ اگر اِس وقت انگریزوں کی حکومت ہندوستان میں بچ رہی تو اِس کی وجہ یہ تھی کہ اِن سب کے مقابلے پر بنگال کا گورنر جنرل وارن ہیسٹنگز نہایت چالاک اور دانشمند تھا جس نے اپنی محنت اور لیاقت سے انگریزی حکومت کو بچا لیا۔ دہلی میں مرہٹوں کی حکومت قائم ہو گئی اور یہ خیال تھا کہ مرہٹے ہندوستان میں ایک غالب طاقت کے طور پر رہینگے لیکن جہاں پر وارن ہیسٹنگز کے چلے جانے پر اُس کے قائم مقام اِس سے بھی زیادہ لیاقت والے اور ہوشیار تھے۔ مرہٹوں کے لیڈروں نانا فرنویس، مہادا جی سندھیا اور تکاجی ہلکر وغیرہ کے مر جانے پر مرہٹہ ریاستوں کی حکومت ایسے ناتجربہ کار نوجوانوں کے ہاتھوں میں آگئی جنکو ایک دوسرے کے برخلاف حسد کے سوا اور کچھ کام ہی نہ تھا۔ پہلا جنگ ۱۷۸۲ء میں ختم ہوا تھا اسکے بعد لارڈ ویلزلی ہندوستان کا گورنر جنرل ہو کر آیا۔ اُس کا بھائی جو بعد میں ڈیوک آف ولینگٹن ہوا، کمانڈر انچیف تھا جبکہ اُنہوں نے پیشوا باجی راؤ ثانی، دولت راؤ سندھیا اور جسونت راؤ

ہلکر کے درمیان تفرقہ پیدا کر کے ایک ایک کے ساتھ جنگ کیا اور انہیں شکست
دیکر ۱۸۰۳ء میں دہلی کی حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی جس سے یہ فیصلہ ہو گیا
کہ ہندوستان کی اعلیٰ حکومت مرہٹوں کی بجائے انگریزوں کے ہاتھ میں چلی گئی

انگریز اور سکھ امپائر

جب ادھر ہندوستان کی حکومت کا فیصلہ انگریزوں کے حق میں ہو رہا تھا پنجاب میں مہاراجہ رنجیت سنگھ سکھ مثلوں کو فتح کر کے سکھ امپائر کی بنیاد ڈال رہا تھا۔ وہ انگریز جنہوں نے آہستہ آہستہ مدراس اور بنگال سے چلکر دہلی پر اپنا قبضہ آجمایا تھا۔ سکھ امپائر کے عروج کو لاپرواہی سے نہ دیکھ سکتے تھے۔ اُس وقت دو باتیں ممکن ہو سکتی تھیں۔ ایک تو یہ کہ اُس وقت تک انگریزوں کے دل میں پنجاب کو فتح کرنے کی خواہش ہی پیدا نہ ہوئی ہو۔ اُن کا ارادہ اپنی حکومت کو دہلی تک ہی محدود رکھنے کا ہو۔ دوسرا یہ خیال ہو سکتا ہے کہ انگریز شمال مغربی حملہ آوروں اور اپنی حکومت کے درمیان میں ایک اور طاقت کا ہونا ضروری سمجھتے ہوں جو کہ حملہ آوروں کے حملے کو روک سکے اور اُن کے لئے حفاظت کا کام کر سکے۔ کچھ ہی وجہ ہو انگریز مہاراج رنجیت سنگھ کی طاقت کو بڑھتے ہوئے چُپ چاپ دیکھتے رہے۔ اُنہیں اگر فکر پیدا ہوا تو ایک موقعہ وہ تھا جب اُن کو ایران اور افغانستان کی طرف سے ہندوستان پر نپولین کے حملے کا ڈر تھا۔ اِس لئے اُنہوں نے اپنے قاصد ایران میں اور مہاراج رنجیت سنگھ کے دربار میں روانہ کئے تاکہ مہاراج کے اور اپنے درمیان حدود کا فیصلہ کر کے مہاراج کے ساتھ دوستی کا ایک مستقل عہد نامہ کرلیں۔ اِس کے ساتھ ہی دوسرا موقعہ اُس وقت ہوا جبکہ ستلج پار کی سکھ ریاستوں کو مہاراج رنجیت سنگھ سے ڈر پیدا ہوا کہ کہیں باقی مثلوں کی طرح مہاراج اُن کو بھی اپنی سلطنت میں شامل نہ کرلے اس لئے پٹیالہ۔ نابھ اور جیند کی ریاستوں نے اپنے سرداروں کی ایک کونسل بنا

بلاکر یہ فیصلہ کرنا چاہا کہ وہ رنجیت سنگھ کے ساتھ اتحاد پیدا کریں یا انگریزوں کیساتھ اُس وقت اُن کے پاس رنجیت سنگھ کی طرف سے اور انگریزوں کی طرف سے قاصد آئے تھے۔ اس کونسل میں کہا جاتا ہے کہ ایک سردار نے اُٹھکر یہ کہا۔ "رنجیت سنگھ ہیضہ ہے اور انگریز تپدق ہیں۔ ہمارے لئے انگریز اچھے ہیں کہ ہم زیادہ دیر تک تو جیتے رہیں گے"۔ اُنہوں نے انگریزوں کے ساتھ دوستی کا فیصلہ کر لیا اور انگریزوں نے ان ریاستوں کو اپنی پناہ میں لے لیا۔ جب کبھی مہاراج رنجیت سنگھ کی فوج ان کے علاقے پر دست اندازی کرتی تھی۔ انگریز ہمیشہ اُن کی حفاظت کے لئے طیار رہتے تھے۔ جب انگریزوں نے سندھ پر اپنا تسلط کرنے کا ارادہ کیا تو مہاراج رنجیت سنگھ کی خواہش خود سندھ کو اپنے قبضے میں لانے کی تھی لیکن انگریزوں کو بضد دیکھکر وہ اُن کے ساتھ لڑنے پر تیار نہ ہوا۔ جب انگریزوں کو افغانستان پر حملہ کرنے کی ضرورت ہوئی تو مہاراج نے اُن کی فوج کو گزرنے کی اجازت اور امداد دی۔

انگریزوں کو یہ یقین تھا کہ شخصی حکومت خاص شخصوں کی لیاقت اور بہادری پر انحصار رکھنے کی وجہ سے بہت دیر پا نہیں ہو سکتی۔ وہ چپکے سے سکھ بکھیڑے کے انجام کا انتظار کرتے رہے وہ انجام مہاراج کی موت کے بعد نزدیک دکھائی دینے لگا اور جب خالصہ نے لاہور میں بے چینی اور گڑبڑ پیدا کر دی تو کون کہہ سکتا ہے کہ انگریزوں کے دل میں پنجاب لینے کی زبردست خواہش پیدا نہ ہو گئی ہو۔ اگرچہ ظاہرا طور پر عہدنامہ بھی موجود تھا اور انگریز کہتے بھی رہے کہ وہ اپنی طرف سے تمام شرائط پر قائم ہیں لیکن اُن کی حرکات سے یہ صاف پایا جاتا تھا کہ وہ خالصہ کے ساتھ نگر کھانے کا موقعہ ہاتھ سے جانے نہ دیں گے۔

مہاراج شیر سنگھ کے وقت میں جب خالصہ بہت جوش میں تھا تو انگریزوں نے

شیر سنگھ کے سامنے یہ تجویز رکھی تھی کہ ہم بارہ ہزار فوج لیکر تمہارے خالصہ کو سیدھا کر سکتے ہیں۔ اگر تم اس کے بدلے چالیس ہزار روپیہ اور ستلج کا جنوبی علاقہ نہیں دیدو۔ شیر سنگھ اسے کیسے منظور کر سکتا تھا۔ اگر وہ اس کا خیال بھی لاتا تو اُسے اپنی جان کے دینے کا ڈر تھا۔ اس وقت خالصہ میں یہ عام افواہ پھیلنی شروع ہو گئی کہ انگریز پنجاب میں اپنا قابو جمانا چاہتے ہیں۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ افغانستان میں انگریز ایجنٹ نے یہ ظاہر کیا کہ پنجاب کے ساتھ انگریزوں کا عہد نامہ ختم ہو چکا ہے اور وہ پشاور کو سکھوں سے چھین کر افغانستان کے حوالے کر دیں گے۔ اگرچہ ۱۸۰۹ء کے عہد نامے میں یہ قرار دیا گیا تھا کہ انگریز سکھ راجیہ کے نزدیک کوئی چھاؤنی نہیں بنائیں گے لیکن تھوڑی دیر پیچھے ہی انگریزوں نے لودھیانہ میں اپنی مستقل چھاؤنی بنالی۔ فیروزپور رنجیت سنگھ کے وقت میں رانی لچھمن کور کے ماتحت تھا۔ لچھمن کور کی موت ہو جانے پر انگریزوں نے اپنا تسلط اس پر جمانا چاہا اور یہ کہا کہ وہاں پر صرف ایک برس کے لئے بارہ ہزار فوج رکھی جائے گی لیکن افغانستان کے جنگ شروع ہو جانے پر انہوں نے یہاں بھی مستقل چھاؤنی بنالی۔ ۱۸۳۸ء میں پنجاب کی سرحد پر انگریزوں کی پچیس سو فوج اور چھ توپیں تھیں۔ لارڈ آکلینڈ کے عہد میں اُسے آٹھ ہزار کر دیا گیا۔ لارڈ ایلن برا نے اسے چودہ ہزار کر دیا۔ لارڈ ہارڈنگ کے آنے پر یہ فوج تینتیس ہزار ہو گئی اور چھ توپوں کی جگہ اڑسٹھ توپیں ہو گئیں۔ اس فوج کے بڑھنے سے بھی یہ شک بڑھتا جاتا تھا کہ کہیں اس کی غرض پنجاب پر حملہ نہ ہو۔ ایسے ایسے کئی اور چھوٹے موٹے واقعات ہوئے مثلاً سندھ کی سرحد پر انگریزوں کی سکھ سرداروں سے چھیڑ چھاڑ اور انگریزوں کا ملتان کے گورنر مولراج کو سکھ دربار کے برخلاف اکسانا سکھوں کو چڑھانے کے لئے کافی تھے لیکن انہی پر اکتفا نہ کر کے میجر براڈفٹ نے لودھیانہ کے پاس

کا کچھ سکھ علاقہ اس بہانے پر دبا لیا کہ انگریزی علاقے کے مجرم وہاں پر بھاگ جاتے ہیں اور اُن کی سزا سے بچ جاتے ہیں۔ ادھر سے یہ سب باتیں سُنکر خالصہ کا خون اُبل رہا تھا اور دوسری طرف لاہور دربار میں ایسے سرداروں کی کمی نہیں تھی جو کہ خالصہ کی طاقت سے ڈرتے تھے اور اُن کو تباہ کرنے کا بہانہ ڈھونڈتے تھے۔ مہارانی جنداں کی اپنی حالت نازک ہو رہی تھی۔ روپیہ کی آمد بند ہو چکی تھی۔ خزانہ خالی تھا اور خالصہ کو قابو میں رکھنا اُس کے لئے ناممکن ہو گیا۔ اس لیے اُسے بھی خالصہ سے بچنے کا ایک ہی علاج سُوجھتا تھا کہ اُسے انگریزوں کے ساتھ جنگ میں لگا دے۔ اس لئے یہ جھوٹی افواہیں پھیلائی شروع کر دی گئیں کہ انگریزی فوج ستلج کے جنوب اور مشرق کی طرف بڑھ رہی ہے اور اُس طرف کے سکھ سرداروں کی جعلی چٹھیاں بنا کر دکھلائی گئیں کہ انگریز افسر اُس علاقے کی سکھ رعیت کو تنگ کر رہے ہیں۔ ان افواہوں کا چرچا لاہور میں اس قدر ہو گیا کہ لاہور شہر میں انگریزوں کے آجانے کا ڈر ہر وقت محسوس ہونے لگا۔ ان سب باتوں کو مدِنظر رکھتے ہوئے شالامار باغ میں نومبر ۱۸۴۵ء میں خالصہ سرداروں اور پنچائتوں کا ایک اجلاس کیا گیا جس میں دیوان دینا ناتھ نے ایک چٹھی پڑھکر یہ سب حالات اُن کے سامنے رکھے اور مہارانی جنداں وزیر لال سنگھ اور سپہ سالار تیج سنگھ کی تجویز اُن کے سامنے رکھی کہ انگریزوں سے جنگ کرنا ضروری ہے۔ سب سرداروں اور پنچوں نے اس تجویز کو منظور کر لیا۔ سب سردار اور سکھ لوگ مہاراج رنجیت سنگھ کی سمادھ پر اکٹھے ہوئے۔ وہاں راجہ لال سنگھ اور سردار تیج سنگھ کو اس جنگ کے لئے کُلی اختیار ملے۔ سپہ سالار مقرر کیا گیا۔ سب سرداروں اور پنچوں نے مہاراج کی سمادھ پر قسم اٹھائی کہ ہم سب مہاراج دلیپ سنگھ کے وفادار رہیں گے اور راجہ لال سنگھ اور تیج سنگھ کی ہر حالت میں فرمانبرداری کرینگے اور مہاراج کے

ملک میں انگریزوں کا قدم آنے سے پہلے ہی اُن کے ساتھ جنگ کریں گے۔ ۱۷ نومبر ۱۸۴۵ء کو مندرجہ ذیل چار وجوہات لکھکر انگریزوں کے خلاف جنگ کا اعلان کیا گیا ۱۔ انگریزوں نے پنجاب پر چڑھائی کرنے کی تجویز کی ہے اور پہلے اُن کی فوج ستلج کی طرف بڑھی ہے ۲۔ فیروزپور کے انگریزی خزانے میں راجہ سوچیت سنگھ کا اٹھارہ لاکھ روپیہ جمع ہے اور لاہور دربار کے مانگنے پر انگریز افسروں نے اُسے دینے سے انکار کر دیا ہے۔ ۳۔ مرحوم راجہ سوچیت سنگھ کی سب جائداد پر لاہور کا حق ہے۔ ۴۔ ستلج کے جنوب میں جو علاقے ہمارے ماتحت ہیں اُن میں انگریزی سرکار نے سکھ فوج کو آتے جانے سے منع کر دیا ہے۔ خالصہ کے دل میں مدت سے انگریزوں کے برخلاف نفرت کی آگ سُلگ رہی تھی۔ خالصہ نے یہ قدم اٹھا کر اس پر چنگاری ڈالنے کا کام کیا۔ اس سے جنگ کے شعلے بھڑک اُٹھے۔

انگریزوں سے جنگ

جنگ کو شروع کرتے ہوئے خالصہ میں غیر معمولی جوش پایا جاتا تھا۔ خالصہ سپاہیوں نے عزت اور بے عزتی کی پرواہ نہ کرکے چھوٹے سے چھوٹے اور بڑے سے بڑے کام خود اپنے ہاتھوں سے کئے۔ اپنے ہاتھوں سے اُنہوں نے گاڑیوں پر رسد لادی۔ گھوڑوں کی جگہ آپ ہی بیلوں کی گاڑیوں کو کھینچا۔ خالصہ نے خود ہی سڑکیں صاف کیں۔ آپ ہی جا کر دریا پر کشتیوں سے پل باندھے۔ وہ آپ ہی پاینیر تھے وہی کیسریٹ تھے اور وہی لڑنے والے سپاہی تھے۔ ۱۹ تاریخ کو اُنہوں نے جنگ کا اعلان کیا۔ ۱۱ دسمبر کو وہ ستلج پار ہو گئے اور ۱۶ دسمبر کو اُنہوں نے اپنے آنے کی اطلاع انگریزوں کو دی۔ انگریزوں نے سکھوں کے اعلان کا جواب ایک اور اعلان میں دیا جس میں یہ کہا گیا کہ سکھ فوج نے بغیر کسی وجہ کے انگریزی علاقے پر حملہ کیا ہے۔ سرکار انگریزی کی عزت اس بات کی مقتضی ہے کہ اقرار توڑنے والوں کو اچھی طرح سے سزا دے

اُس وقت سے ستلج کے بائیں طرف کا جتنا علاقہ مہاراج دلیپ سنگھ کے ماتحت سمجھا جاتا تھا۔ اُسے سرکار انگریزی کے ماتحت سمجھا جائے گا۔ اِس اعلان سے پہلے ہی انگریز آنے والے خطرے سے خبردار تھے اور جنگ کی پوری طیاری کر رکھی تھی۔ انبالہ سے ستلج تک تیس ہزار فوج آ گئے موجود تھی اور سکھوں کے پار اُترنے کی خبر سُنکر انبالہ۔ لُودھیانہ اور فیروزپور کے انگریزوں نے اپنی اپنی فوجیں بھیجدی تھیں لیکن انگریزی فوج سکھوں کے مقابلے میں آئی نہ تھی اور وہ یہ سمجھتے تھے کہ خالصہ صرف گھمنڈی ہے۔ لڑائی کا بہادر نہیں ہے۔ انگریزوں کی تھوڑی سی قواعددان فوج اُن کو مار کر بھگا دے گی۔ ابھی دو اِن کے اندر ہی انگریزوں کو پتہ لگتا تھا کہ انگریزوں کا خیال بالکل ایک وہم سا تھا۔ خالصہ کی بہادری اور قربانی میں کوئی فرق نہ تھا اگر اُن کی قسمت میں کوئی پھیر تھا تو اُس کا سبب اُن کے سالاروں کی غداری تھی۔ یہ امر اگرچہ اُس وقت کے خالصہ سے بالکل پوشیدہ ہو۔ آج دن کی طرح عیاں ہے کہ فوج کے دونو افسروں لال سنگھ اور تیج سنگھ کا مدعا یہ لڑائی کرکے صرف خالصہ کو تباہ کرنا تھا اور اس میں بھی کوئی شک نہیں ہے کہ مہارانی جنداں اُن کی خواہش اور عمل میں بالکل شریک تھی۔ جس فوج کے اپنے مالک اُس کی تباہی پر تُلے ہوئے ہوں۔ اُن کو کسی طرح کی بہادری اور قربانی بچا نہیں سکتی فیروزپور میں سرلٹر کے ماتحت آٹھ ہزار انگریزی فوج موجود تھی۔ جب لال سنگھ اپنی سکھ فوج کو لئے ہوئے ستلج پار اُترا تو اُس نے فوراً انگریزی ایجنٹ مسٹر نکلسن کو ایک خُفیہ چٹھی لکھی۔ " آپ جانتے ہو گے کہ میں انگریزوں کا دوست ہوں۔ میں سکھ فوج کے ساتھ ستلج پار آ گیا ہوں۔ اب آپ مجھے کہئیے کیا کرنا چاہئیے ؟" اِس کا جواب نکلسن نے دیا۔ " اگر آپ انگریزوں کے دوست ہیں تو آپ فیروزپور پر حملہ مت کیجیئے۔ جتنے دن دیری ہو سکے اُتنی دیری کرکے اپنی فوج کو گورنر جنرل کے مقابلے پر

ے جائیے۔" لال سنگھ نے ایک فرمانبردار نوکر کی طرح اس ہدایت پر عمل کیا۔ خالصہ بار بار فیروزپور پر حملہ کرنے کے لئے کہتا تھا۔ لال سنگھ اور تیج سنگھ دونو نے اُن کے کہنے کو یہ کہکر ٹال دیا۔ "گورنر جنرل کو قید کرنے پر اُسے مار ڈالنے پر ہی خالصہ فوج کی شہرت تمام اطراف میں پھیل جائے گی۔ انگریزوں کے بڑے سپہ سالار کے بغیر کسی اور سے لڑنا ہم اپنی بے عزتی سمجھتے ہیں۔" سیدھے سبھاؤ والا خالصہ اس دھوکے کی چال کو سمجھ نہ سکا۔ اگر تیج سنگھ اور لال سنگھ اپنی فوج اور اپنے راج سے غداری کرنے پر طیار نہ ہوتے تو اس لڑائی کا نتیجہ کچھ اور ہی ہوتا۔ ۱۸ دسمبر کا دن سکھوں کی تاریخ میں یاد رکھنے کے قابل ہے جبکہ فیروزپور سے بیس میل کے فاصلے پر مُدکی کے میدان میں انگریزی اور سکھ فوج کا آپس میں مقابلہ ہوا۔ دو ہزار سکھ سوار اور آٹھ ہزار پیادہ فوج کو بائیس توپوں کے ساتھ انگریزی فوج کے مقابلے پر کھڑا کر کے لال سنگھ خود میدان سے پیچھے ہٹ گیا۔ اُس کا دلی منشا یہ تھا کہ بغیر افسر کے سکھ فوج لڑکر انگریزی فوج کے ہاتھ سے کٹ کر مر جائے گی۔ سکھ فوج نے بغیر اپنے افسر کے لڑائی میں ایسی بہادری دکھلائی کہ انگریزی فوج کے چھکے چھوٹ گئے۔ انگریز افسر تعجب میں تھے کہ کس طرح سکھ فوج کے بغیر کسی لیڈر کے ایسی جانبازی سے لڑ رہی ہیں کہ اُن کے سپاہیوں کو پیچھے بھاگ کر اپنی جان بچانی پڑتی ہے۔ انگریز افسروں کو اپنے سپاہیوں کو آگے لے جانے میں بڑی مشکل پیش آتی تھی۔ یہانتک بیان کیا جاتا ہے کہ سکھوں کی بہادری کو دیکھ کر انگریزی فوج میں ایسی گڑبڑ مچ گئی کہ اُنھوں نے آپس میں ہی ایک دوسرے پر گولی چلانی شروع کر دی۔ اس گڑبڑ میں انگریز افسر نے سنگین کے ساتھ دھاوا کا حکم بول دیا۔ بغیر اپنے افسر کے سکھ فوج نے اس حملے کے مقابلے پر بے نظیر بہادری کا ثبوت دیا۔ میدان سے پیچھے ہٹتے ہوئے وہ اِدھر اُدھر تتر بتر نہیں ہوئے

بلکہ برابر اڑھائی کوس تک پیچھے ہٹتے گئے اور لپے حملہ آور دشمن کا مقابلہ کرتے گئے اور رات آجانے پر لڑائی کو ختم کرنا پڑا۔ اس لڑائی میں انگریزی فوج کا بہت نقصان ہوا اور جو گورے سپاہی یا افسر سکھوں کے ہاتھ میں گرفتار ہوئے انہیں بڑی عزت کے ساتھ سکھوں نے انگریزی فوج میں پہنچا دیا۔ ان میں سے ایک لفٹیننٹ وڈلف تھا۔ واپس جانے پر اُسے یہ ڈر معلوم ہوا کہ شاید اُسے راستے میں مار دیا جائے۔ ایک سکھ سپاہی چھاؤنی سے پانچ کوس دُور تک اُسے پہنچانے آیا۔ سکھوں کی اس فراخ حوصلگی پر لارڈ ہارڈنگ بہت خوش ہوا اور اُس نے ڈلف کو لڑائی میں حصہ لینے سے روک دیا۔ ایک بارکٹی گورے راستہ بھول کر سکھ فوج میں آگئے۔ سکھوں نے ایک ایک روپیہ راہ خرچ دیکر روانہ کر دیا۔

۱۲ دسمبر کو لارڈ گف نے جو کہ انگریزی فوج کا کمانڈر انچیف تھا اپنی فوج مسٹر لٹلر کی فوج سے ملا دی۔ یہ دونو فوجیں پھیروشہر پر اکھٹی ہوئیں جو مقام فیروزپور اور مدکی کے درمیان پانچ کوس کے فاصلے پر واقعہ ہے۔ لارڈ ہارڈنگ نے جو کہ ہندوستان کا گورنر جنرل تھا۔ اپنے درجے کی کچھ پرواہ نہ کرکے اپنے آپ کو لارڈ گف کے ماتحت کام کرنے کے لئے پیش کر دیا تاکہ ایسا کرکے اپنی فوج کے حوصلے کو بڑھاوے۔ انگریزی فوج میں اٹھارہ ہزار سپاہی اور ۶۵ توپیں تھیں جس سے اُنہوں نے پھیروشہر پر حملے کرنے کا ارادہ کیا۔ اِدھر سکھ بہادروں کے دل میں بھی ایک ہی خیال کام کر رہا تھا۔ یا تو فتح حاصل کریں نہیں تو دیوی کے سامنے اپنے آپ کو قربان کر دیں۔ انگریزی حملوں اور توپوں کی مار سکھوں کی فوج کا کچھ بگاڑ نہ سکی۔ جب سکھوں کی توپوں کا نشانہ لگنے لگا تو اس سے ایک تو انگریزی رسد کی بھری ہوئی گاڑیاں چکنا چور ہو گئیں اور بارود کے ڈھیر میں آگ لگ جانے سے بہت سے سپاہی مارے گئے۔ گھمسان یُدھ رات تک جاری رہا اور دونو فوجیں

اپنی جگہ پر ڈٹی رہی لیکن رات پڑتے پڑتے انگریزوں کی فوج کا بایاں حصہ ٹوٹ گیا اور لٹلر کو اپنی فوج کے ساتھ بھاگنا پڑا۔ گلبرٹ کی فوج کو بھی اپنی جگہ چھوڑنی پڑی لارڈ ہارڈنگ کے لئے یہ حالت ناقابلِ برداشت تھی۔ اُس نے اپنی گھڑی اور تمغے اپنے بیٹے کے ہاتھ میں دے کر یہ ارادہ کیا کہ وہ لڑائی میں اپنی جان دیدیگا یا فتح حاصل کرکے انگریزی قوم کی عزت رکھیگا۔ سکھوں کی ایک توپ ہر لحظہ گولہ باری کرتی تباہی مچا رہی تھی۔ لارڈ ہارڈنگ جان کی پرواہ نہ کرکے کچھ ساتھیوں کو لے کر دوڑا ہوا اُس توپ کے پاس پہنچا اور کیل سے اُس کا مُنہ بند کر دیا۔ ایک طرف تو انگریزی فوج کے افسر اپنی قوم کے لئے جان ہاتھ میں لئے ہوئے میدان میں آئے تھے اور دوسری طرف سکھوں کی فوج کے افسروں کی غداری کا کیا کہیں۔ تھوڑے ہی فاصلے پر سکھ فوج کا ایک حصہ کھڑا تھا۔ اگر وہ اِس موقعہ پر سکھ فوج کے ساتھ شامل ہو جاتا تو انگریزی فوج کا ایک سپاہی بھی بچنے نہ پاتا۔ لال سنگھ نے اُس کو لڑنے کی اجازت نہیں دی اور جب سکھ فوج نے اُن کو بلانے کے لئے بار بار کہا تو جواب دیا کہ اُس فوج پر انگریزی فوج کا حملہ ہونیوالا ہے۔

رات آنے پر لڑائی بند ہو گئی لیکن اُس رات کو انگریزوں کے دلوں میں کیا خیال گزر رہے تھے۔ اُس چٹھی سے ظاہر ہوتے ہیں جو کہ لارڈ ہارڈنگ نے انگلینڈ کے وزیر اعظم لارڈ پیل کو اُس رات کے متعلق لکھی۔ لارڈ ہارڈنگ لکھتا ہے۔

"۲۱ کی رات میری زندگی میں ایک غیر معمولی رات تھی۔ میں بغیر کھانے اور بغیر کپڑے کے اپنے آدمیوں کیساتھ لیٹا رہا۔ راتیں اُس وقت بہت سرد تھیں اور ایک آگ پھینکنے والا دشمن ہمارے سامنے تھا۔ ہمارے بہادر سپاہی رات بھر گولہ باری کے نیچے پڑے رہے۔ کبھی کبھی سکھوں کے نعرے کی آواز بھی آتی تھی یا مرتے ہوئے آدمیوں کی چیخ پکار سنائی دیتی تھی۔ اِس حالت میں تھوڑے سے آدمیوں

کے ساتھ میں صبح تک گاہے بگاہے تھوڑا تھوڑا آرام کر کے وقت گذارتا تھا۔ کبھی میں ایک پلٹن کے پاس جاتا تھا اور کبھی دوسری کے تاکہ اُن کے حوصلے کو قائم رکھ سکوں۔ جو کوئی مجھ سے پوچھتا تھا میں یہی جواب دیتا تھا کہ ہمیں صبح ہوتے ہی دشمن پر ایسا حملہ کرنا چاہیئے کہ یا ہم دشمن کو پچھاڑ دیں یا میدان میں جان دیکر سرخروئی حاصل کریں۔ جب صبح ہوئی ہم نے ٹھیک انگریزی طریقے پر اپنا کام شروع کیا۔ صبح ہوتے ہی جنگ چھڑ گئی۔ انگریزی فوج نے لال سنگھ کی فوج کی بُری گت بنائی۔ پاس میں ہی تیج سنگھ فوج لئے ہوئے کھڑا تھا لیکن اُس نے اپنی فوج کو لڑنے کی اُس وقت تک اجازت نہ دی جبتک انگریزوں کا ایک نیا دل طیار ہو کر سکھوں پر نہ ٹوٹ پڑا۔ تیج سنگھ کی فوج آتے ہی انگریزی فوج کے دل ایسے گھبرائے کہ اُن کا قدم میدان سے اکھڑ گیا۔ سکھوں کا مورخ کننگھم لکھتا ہے کہ اُس واقعہ نے جو کہ کسی سچے آدمی کو لڑائی جاری رکھنے کے لئے حوصلہ دیتا غدار تیج سنگھ پر جو کہ سکھ فوج کا افسر تھا اُلٹا اثر پیدا کیا۔ اُس نے اچانک گولہ باری بند کرنے کا حکم دے دیا اور اپنے گھوڑے کا منہ موڑ کر نہایت تیزی سے بھاگ پڑا اور یہ ایسے وقت میں جبکہ فتح اُس کے ہاتھ میں تھی کیونکہ انگریزی فوج کا ایک حصہ میدان سے بھاگ رہا تھا۔ تیج سنگھ نہ صرف خود بھاگا بلکہ اُس نے اپنی فوج کو اپنے ساتھ چلے آنے کا حکم دیا۔ تیج سنگھ تو دل سے خالصہ فوج کو تباہ کرنے آیا تھا۔ انگریز افسر اس سے خبردار ہو گئے اور بھاگتی ہوئی فوج پر حملہ کر کے فتح حاصل کر لی۔ پھیرو شہر میں انگریزوں کو فتح ہوئی لیکن یہ فتح شکست سے بھی مہنگی پڑی۔ اُن کی فوج کا ساتواں حصہ میدان میں مارا گیا۔ انگریزوں نے اس کا بدلہ لینے کے لئے اور فوج بڑھانی شروع کی لیکن بارود سکہ کے نہ ہونے سے کچھ دنوں تک لڑائی ملتوی کرنی پڑی۔ اس حالت کو دیکھ کر سکھ فوج پھر ستلج پار

اُڑ آئی۔ اِن دِنوں کے اندر سکھوں کی ایک انگریزی بریگیڈ سے جو دھرم کوٹ جا رہا تھا مٹھ بھیڑ ہوئی اور اِس کے بعد دوسرا مقابلہ علیوال میں ہُوا۔ دونو جگہ سکھوں نے بہادری میں کمی نہیں کی لیکن اُن کی قسمت اُن کے برخلاف تھی علیوال کی لڑائی کے بعد سکھوں نے جموں کے راجہ گلاب سنگھ کو دربار کا بڑا وزیر مقرر کیا۔ اگرچہ خالصہ گلاب سنگھ سے نفرت کرتا تھا لیکن بہادری اور پولٹیکل دُور اندیشی میں اُس کے برابر کوئی اور آدمی دکھائی نہ دیتا تھا۔ گلاب سنگھ کا وزیر ہونا سکھوں کے لیے ڈوبتے کے لیے تنکے کا سا سہارا معلوم ہُوا جس وقت سکھ فوج ستلج پار ہوئی تو انگریزی فوج کی بڑی نازک حالت تھی۔ نہ تو اُن کے پاس لڑائی کا کافی سامان تھا نہ کافی رسد تھی۔ اگر اِس وقت سکھ افسر صرف دہلی سے آتی ہوئی رسد کو لُوٹ لیتے تو اِس جنگ کا انجام بالکل اور طرح ہوتا لیکن سکھ فوجی افسروں کے ارادے دُوسرے تھے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ گلاب سنگھ کے وزیر بنتے ہی لارڈ ہارڈنگ نے اُس سے خُفیہ عہد نامہ کر لیا جس کا مدعا یہ تھا کہ انگریزوں کے پنجاب آنے میں کوئی رُوکاوٹ نہ ہو

کئی چھوٹی لڑائیوں کے بعد انگریزوں اور سکھوں کے درمیان سبراؤں میں فیصلہ کُن لڑائی ہوئی۔ اِس لڑائی میں بھی وہی کچھ ہُوا جو اِس سے پہلے ہُوا تھا سکھوں کے افسر اپنی پُرانی چال پر تُلے ہوئے تھے۔ انگریزوں کو دہلی سے خوراک اور سامان آ گیا۔ صرف سکھ فوج کو دلیری دینے کے لیئے اِس موقعہ ایک بوڑھا بہادر میدان میں نکلا۔ یہ سکھ رنجیت سنگھ کا بچپن کا ساتھی اور نونہال سنگھ کا سُسر سردار شام سنگھ اٹاری والا تھا۔ بڑھاپے میں بھی اِس کی خُشک ہڈیوں میں اپنے دھرم اور ملک کا جوش لہریں مارنے لگا۔ اُس نے زوردار الفاظ میں سکھوں سے اپیل کرتے ہوئے کہا۔ "آؤ! خالصہ کے بہادرو۔ دیش کی بھلائی کے لیئے دشمن کیساتھ

میدان میں لڑ کر مرو۔ میں بھی تمہارے ساتھ سُورگ جاؤنگا اور اپنے دل کا خون بہا کر گورُو گوبند سنگھ کی آتما کو پرسن کرونگا اور خالصہ کے نام کو روشن کروں گا"۔ صرف یہی کہکر وہ چُپ نہ ہوا بلکہ گرنتھ صاحب پر ہاتھ رکھکر یہ قسم اُٹھائی کہ میدان جنگ سے وہ کبھی پیچھے نہ ہٹے گا۔ سفید کپڑے پہن سفید گھوڑے پر سوار ہو میدان میں کُود پڑا اور جاتے ہوئے یہ کہتا گیا۔ "آؤ! خالصہ کے پُترو، غلامی کی نسبت موت کو قبول کرنے پر تیار ہو جاؤ"! بس پھر کیا تھا۔ ست سری اکال کے نعرے لگا کر سکھ انگریزی فوج پر ٹوٹ پڑے۔ اپنے سفید گھوڑے پر سوار شام سنگھ جگہ جگہ سکھوں کو دلیری دیتا تھا اور جب دیکھا کہ اب بہت دیر تک کام نہ چلے گا۔ ہوا میں اپنی تلوار گھماتے ہوئے انگریزی فوج کی پچاسویں پلٹن پر حملہ کرنے کے لیئے گھوڑے کو ایڑی لگائی۔ اُس کے پچاس ساتھی بھی اُس کے پیچھے گئے۔ سردار شام سنگھ کے جسم میں سات گولیاں لگیں اور اُن کی رُوح اُن کے دائمی نام کو پیچھے چھوڑ کر اُن کے جسم سے پرواز کر گئی۔ اِس شکست اور تباہی کی ذمہ واری بھی لال سنگھ کے سر پر ہے۔ لال سنگھ نے پہلے سے ہی انگریزوں کو سب حال لکھ بھیجا تھا اور یہ کہا کہ "اِس جنگ کا سپہ سالار تیج سنگھ بنا ہے لیکن اِس میں کچھ فرق نہ پڑیگا تیج سنگھ اپنے اقرار میں پکا ہے وہ جہانتک ہو سکے گا انگریزوں کی بہتری میں کوشاں رہیگا۔ میں نے گھوڑ سوار کی ذمہ واری لے کر اُسے اِدہر اُدہر تتر بتر کر رکھا ہے اس کے علاوہ سکھ چھاؤنی کا دایاں حصہ بڑا کمزور ہے اور اُدہر کی دیوار بھی بڑی کمزور بنائی گئی ہے"۔ صرف اتنی اطلاع دے کر ہی وہ خاموش نہیں رہا بلکہ اُس نے گول اندازوں کو بارُود دینا بند کر دیا۔ یہانتک ہی نہیں بلکہ تیج سنگھ بڑی فوج کو لے کر خود بھاگ گیا اور باقی فوج کو بھگا کر دوبارہ دشمن پر حملہ کرنے کا راستہ روک دیا اور واپس جاتے ہوئے ستلج کے اوپر کا پُل تڑوا دیا تاکہ سکھ فوج کا

کوئی سپاہی بچکر واپس نہ آسکے۔ سکھوں کے واسطے لڑنا ہی ایک باقی رہ گیا تھا لیکن وہ لڑیں کیسے ؟ لڑنے کے لئے حکم دینے والا افسر تو موجود ہی نہ تھا۔ گولے بارود بغیر توپ کے بند پڑے تھے۔ ان سب کے باوجود سکھ فوج مایوس نہیں ہوئی۔ وہ تلواروں کا آسرا لے کر سردار شام سنگھ کا ساتھ دینے پر طیار ہو گئے لیکن تلوار گولے اور بارود کے سامنے کہاں ٹھیر سکتی تھی ؟ اُسی دن آٹھ ہزار سکھ بہادروں نے اپنے وطن کے لئے لڑکر اپنی جانیں دیں اور اپنا نام پیچھے چھوڑ گئے۔ اُنہوں نے دشمن کے اندر گھیرے جاکر بھی کبھی اپنی جان کے لئے پناہ نہیں مانگی۔ اسی لڑائی کے ساتھ پنجاب کی آزادی کا باب ختم ہوا۔ اس لڑائی میں انگریزوں کی فوج کے دو ہزار تراسی سپاہی مارے گئے۔

پنجاب کا نیا انتظام

کچھ دن آرام کرنے کے بعد تھوڑی سی انگریزی فوج ستلج پار ہو گئی۔ اُس کے تین دن بعد ۲۰ فروری ۱۸۴۶ء کو لارڈ ہارڈنگ قصور پہنچا اور وہاں پہنچکر اعلان کیا کہ انگریزوں کو پنجاب اپنے ساتھ ملانے کی کوئی خواہش نہیں ہے لیکن چونکہ سکھوں نے عہدنامہ کو توڑا ہے۔ اُن کو اس کی سزا دینے کے لئے پنجاب انگریزوں کے ہاتھ میں رہے گا اور آئندہ امن قائم رکھنے اور جنگ کا خرچ وصول کرنے کیلئے سکھ راجہ کو کچھ علاقہ سرکار انگریزی کو دینا پڑیگا۔ اگرچہ لاہور دربار کو عہدنامہ توڑنے کی پوری سزا ملنی چاہئیے لیکن پھر بھی لاٹصاحب دربار اور سرداروں کو اپنا انتظام سدھارنے کا موقعہ دینا چاہتے ہیں اور دربار اور سرداروں کی امداد سے انگریزوں کے بڑے دوست مہاراج رنجیت سنگھ کے بیٹے کے راج کو قائم رکھنے کی ان کی بڑی خواہش ہے لیکن اگر سکھ لوگوں کو کم فہمی سے بدامنی کرکے کا نیا انتظام منظور نہ ہوا اور انہوں نے پھر انگریزوں کے ساتھ لڑائی کی تیاری کی تو جس طریقے سے انگریزوں کو پنجاب کے انتظام میں بہتری

معلوم ہوگی۔ اس طریقے سے لاٹ صاحب گورنمنٹ کا انتظام کریں گے" یہ اعلان کیا تھا۔ پنجاب کے لوگوں کے لیے آسمان سے بجلی کا گرنا تھا۔ انہیں یہ ہرگز خیال نہ تھا کہ سبراؤں کی لڑائی کے بعد اتنی جلدی انگریز پنجاب میں گھس آئیں گے۔ اب وہ سردار بھی جنھوں نے اپنے ملک اور قوم کے ساتھ غداری کرکے انگریزوں کی مدد کی تھی۔ افسوس کے ساتھ ہاتھ ملنے لگے اور یہ سوچنے لگے کہ کسی طرح سے انگریزوں کا لاہور میں آنا روکدیں۔ ان سرداروں میں سب سے بڑے جموں کے راجہ گلاب سنگھ تھے۔ وہ خود قصور جاکر لارڈ ہارڈنگ کے پاس رونے لگے اور ان سے آگے نہ بڑھنے کے لیے بہت منت سماجت کی۔ جب لاٹ صاحب نے ان کی کوئی بات نہ سنی تو ان کو یہ سوجھا کہ اگر وہ مہاراج دلیپ سنگھ کو لاٹ صاحب کے پاس لے جائیں تو شاید لاٹ صاحب کا دل پگھل جائے۔ یہ سوچ کر گلاب سنگھ اور کئی سردار مہاراج دلیپ سنگھ کو لاٹ صاحب کے پاس لے گئے۔ لاٹ صاحب نے ان کی بڑی آؤ بھگت کی اور ساتھ میں کہا "پنجاب کو انگریزی راجیہ کے ساتھ ملانے کی ہماری صلاح نہیں ہے۔ دلیپ سنگھ اپنے باپ کی جگہ پر قائم رہیں۔ لیکن بیاس اور ستلج کے درمیان کا علاقہ سرکار انگریزی کو دینا ہوگا اور اس کے علاوہ ڈیڑھ کروڑ روپیہ بطور جنگ کے خرچ کے دینا ہوگا اور یہ عہد نامہ لاہور پہنچکر ہی کیا جائیگا اور کسی جگہ نہیں"۔ یہ سنکر سب سرداروں کو اپنا سا منہ لے کر واپس آنا پڑا۔ لاہور پہنچکر انگریزوں نے اس طرح کا رنگ ڈھنگ دکھلایا کہ لوگ یہ صاف سمجھ گئے کہ انگریزوں نے بڑی کرپا کرکے پنجاب کو اپنے ساتھ نہیں ملایا اور جب لاٹ صاحب نے مہاراج دلیپ سنگھ کو گدی پر بٹھایا تو یہ صاف نظر آتا تھا کہ دلیپ سنگھ پر انگریزوں نے بڑی کرپا کرکے پنجاب کا راجیہ پھر عطا کیا ہے۔

جب ہم اس جنگ میں حصہ لینے والی مختلف پارٹیوں پر نظر ڈالتے ہیں تو

ہمیں ایک طرف انتہائی دُوراندیشی اور دوسری طرف غائت درجے کی بیعقلی کا مقابلہ دکھائی دیتا ہے۔ لارڈ ہارڈنگ نے اگر آتے ہی پنجاب کو اپنی حکومت میں شامل نہیں کیا تو اِس کی وجہ یہ نہ تھی کہ وہ مہاراج دلیپ سنگھ پر رحم کرنا چاہتا تھا۔ رحم ایک ایسا وصف ہے جس کی راج نیتی میں کوئی جگہ نہیں ہے۔ رحم کا دکھلانا پالیٹکس میں اپنی کمزوری کا اقبال کرنا ہے۔ لارڈ ہارڈنگ نے پنجاب کو اپنی سلطنت میں شامل نہیں کیا۔ اُس کی وجہ یہ تھی کہ اُس نے پچھلے جنگ میں سکھ فوج کی طاقت کو اچھی طرح جانچ لیا تھا۔ خالصہ کی طاقت کو کُچلے بغیر پنجاب کی حکومت کو سنبھالنا ایک بالکل ناممکن امر تھا۔ لارڈ ہارڈنگ جانتا تھا کہ اگرچہ خالصہ فوج ہار گئی ہے لیکن وہ مغلوب نہیں ہوئی ہے اور اِس کے ساتھ یہ بھی خبر تھی کہ امرتسر کے پاس لگ بھگ بیس ہزار سکھ سپاہی جمع ہو چکے ہیں۔ اِن حالات میں پنجاب کی حکومت کو اپنے ہاتھ میں لے لینا اپنے سر پر ایک پہاڑ اُٹھا لینا ہوتا۔ جن سرداروں کی مدد سے لارڈ ہارڈنگ نے خالصہ فوج کو ہرایا تھا۔ اُنہی سرداروں کو اپنا اوزار بنا کر خالصہ کی سپرٹ کو کُچلنا چاہتا تھا۔ پیشتر اِس کے کہ پنجاب کو قلمرو انگریزی میں شامل کیا جائے ساتنی بڑی گہری دانشمندی کے مقابلے پر ہم سکھ سرداروں کو کیا پاتے ہیں؟ اُنہیں راج نیتی کے اصولوں سے مَس بھی نہیں ہے۔ وہ سمجھتے تھے کہ خالصہ فوج اُن کے قابُو میں نہیں رہی۔ اگر وہ انگریزوں کے ساتھ جنگ کر کے خالصہ کی فوج کو کُچل ڈالیں گے تو پنجاب میں سب اختیار اُن کے ہاتھ میں آ جائے گا۔ خالصہ کی سادگی اور بے سمجھی پر حیرانی ضرور ہوتی ہے کہ اُنہوں نے اپنے سرداروں کی غدّاری کے صریح ثبوت دیکھکر بھی اُن پر شک نہ کیا اور اُن کی فرمانبرداری کرتے رہے۔ خالصہ کے قصور اور بے سمجھی کو ہم معاف کر سکتے ہیں لیکن اُن بے وفا سرداروں کی بے سمجھی کو کیا کہیں جو یہ سمجھ رہے تھے

کہ انگریز اُن کے کہنے پر اپنے آپ کو خطرے میں ڈال کر خالصہ کی طاقت کو تباہ کریں گے اور اس کے بعد راجیہ کا سب انتظام وہ ان سرداروں کے ہاتھ میں سونپ دیں گے ۔ انگریزوں کو ایسا کرنے کی کیا ضرورت پڑی تھی ؟ لیکن بڑی بات اور تھی ۔ یہ سردار اتنا بھی نہ سمجھ سکے کہ دُنیا میں راج ہمیشہ بازو کی طاقت سے ہوتا ہے ۔ فوج بازو کی طرح ہے ۔ جس کے پاس فوجی طاقت نہیں ہوتی اُس کے بازو کٹ جاتے ہیں اور وہ کنگلا ہو کر راجیہ کو کس طرح اپنے ہاتھ میں رکھ سکتا ہے ؟ اس وقت پر بھی اگر سکھ سردار چاہتے تو خالصہ کو پھر اکٹھا کر کے انگریزوں کا مقابلہ کر سکتے تھے لیکن خالصہ کو تو وہ اپنا دُشمن سمجھتے تھے اور اس بات کو انگریزوں سے بڑھکر اور کوئی زیادہ نہ جانتا تھا ۔

مارچ ۹ تک صلح کی شرائط طے ہو گئیں ۔ ان کے مطابق لاہور دربار کو بارہ ہزار سوار اور بیس ہزار پیدل فوج رکھنے کی اجازت ملی ۔ باقی سب خالصہ کو تنخواہ دے کر علیحدہ کر دیا گیا ۔ لاہور دربار کو صرف تیس توپیں رکھکر باقی سب توپیں انگریزوں کے حوالے کرنی پڑیں ۔ بیاس اور ستلج کے جنوبی علاقے کو سرکار انگریزی کو دینا پڑا اور جنگ کے خرچ کا ڈیڑھ کروڑ روپیہ ادا کرنے کے ناقابل ہونے پر ایک کروڑ کے بدلے کشمیر اور ہزارہ دے کر باقی پچاس لاکھ لاہور دربار نے کچھ دن بعد دینے کا وعدہ کیا ۔ انگریزوں نے پنجاب کے اندرونی انتظام میں دخل نہ دینے کا اقرار کیا اگرچہ یہ بھی فیصلہ ہُوا کہ جب کبھی ضرورت پڑیگی گورنر جنرل موقعہ بموقعہ انتظام میں لاہور دربار کی مدد کریں گے ۔ پچاس لاکھ روپے کے لیے سرداروں سے کہا گیا لیکن اُن سب نے اپنی ناقابلیت ظاہر کی ۔ اٹاری کے سردار چتر سنگھ نے اپنے پاس سے ادا کر دیا ۔

مہارانی جنداں کو خالصہ کی پہلی شورش کا حال اچھی طرح یاد تھا ۔ اُس نے

لاٹ صاحب سے یہ درخواست کی کہ "مجھے اور میرے بیٹے کو سکھوں کے ہاتھ میں رکھنے کی نسبت سرکاری راج کی حد میں رکھنا یا اپنے ساتھ گورنمنٹ ہوس میں لے جانا ہمارے حق میں بہتر ہوگا۔" اس کے تھوڑی دیر پیچھے مہاراج دلیپ سنگھ کے دستخطوں سے ایک چٹھی راجہ رام سنگھ۔ راجہ لال سنگھ۔ سردار تیج سنگھ۔ دیوان دینا ناتھ اور فقیر عزیز الدین کی معرفت گورنر جنرل کے پاس پہنچائی گئی جس کی غرض یہ تھی کہ ایسا انتظام کرنا لازمی ہے کہ پنجاب میں آگے کو پھر وہی پرانی گڑبڑ نہ پڑ جائے اس کے لیے یہ اچھا ہوگا۔ اس کے لیے بہتر یہی ہوگا کہ کچھ عرصہ تک انگریزی فوج لاہور دربار کی حفاظت کے لیے لاہور میں رہے۔ گورنر جنرل نے مہارانی اور سرداروں کی اس تجویز کو خوشی سے منظور کر لیا اور اُس نے ایک دربار میں اکٹھا کر کے کہا۔ "میں لاہور سے ہر ایک برٹش سپاہی کو ہٹانے کے لیے طیار ہوں لیکن سکھ دربار کی خاص درخواست کرنے پر میں یہاں برٹش فوج کو رکھنے کے لیے راضی ہوا ہوں۔ گورنمنٹ کے اس نئے کام میں کامیابی یا ناکامیابی آپ لوگوں کے ہاتھ میں ہے اگر آپ لوگوں نے کسی طرح سے انتظامی معاملات میں غفلت کی تو برٹش گورنمنٹ سکھ دربار کی کسی طرح سے حفاظت نہیں کر سکیگی اور اگر سکھ دربار اچھی طرح سے کام چلائے گا اور محکم کی شرائط پر قائم رہیگا۔ تو اُس کی آزادی کی حفاظت کی جائے گی۔

چالیس برس سے جب مہاراج رنجیت سنگھ کے وقت میں دو نو سرکاروں میں دوستی ہوئی تھی۔ انہوں نے راجیہ کے انتظامی طاقت کا غیر معمولی ثبوت دیا۔ اس لیے سکھ قوم آزاد اور خوش رہی۔ اُن کا انتظام اور راج نیتی آپ لوگوں کے لیے مثال کے طور پر ہونی چاہیئے۔" دوسرے دن لاٹ صاحب اور انگریز افسر محلوں میں گئے اور مہاراج دلیپ سنگھ سے بھینٹ

کی۔ اُس وقت دیوان دینا ناتھ نے گورنر جنرل کی تعریف میں ایک لکھا ہُوا ایڈریس پڑھا۔ اُس میں لکھا تھا کہ لاٹصاحب نے پنجاب کی آزادی قائم رکھنے کے لیے جو کچھ کیا ہے۔ اُس کے لیے شکریہ ادا کرنے کے واسطے ہمارے پاس لفظ نہیں ہیں اور زبان سے شکریہ اظہار کرنا ناممکن معلوم ہوتا ہے۔ لاٹصاحب نے بالک مہاراج کی درخواست پر لاہور کے لوگوں کی حفاظت کے لیے جو برٹش فوج رکھی ہے اُس کے لیے ہم مشکور ہیں۔

گورنمنٹ کا سارا انتظام لال سنگھ کو وزیر بنا کر اُس کے سپرد کیا گیا۔ تیج سنگھ کو سکھ فوج کا کمانڈر انچیف بنایا گیا۔ یہ بات راجہ گلاب سنگھ کو جو کہ وزیر کا کام کر رہے تھے بہت بُری لگی۔ جنگ کے وقت میں لاٹصاحب نے گلاب سنگھ کی طاقت اور لیاقت کو اچھی طرح جان لیا تھا۔ اُسے اب گلاب سنگھ کو راضی رکھنے کا فکر ہُوا۔ اس لیے اُس نے گلاب سنگھ کو خوش کرنے کے لیے بہتر لاکھ روپیہ لے کر کشمیر کا علاقہ اُن کے ہاتھ بیچ دیا اور اُس کو خودمختار۔ راجہ تسلیم کر لیا۔ گلاب سنگھ لاہور دربار کے جھگڑوں سے آزاد ہو کر بہت خوش ہوئے۔ لال سنگھ بہت دیر تک وزیر نہ رہا۔ سکھ لوگ اُس سے پہلے سے ہی ناراض تھے۔ انگریزوں کا بھی ایسے بے وفا شخص پر اعتبار نہ جمتا تھا لیکن اُس کے ہٹائے جانے کی خاص وجہ یہ ہوئی کہ اُسے کشمیر کا گلاب سنگھ کو دیا جانا بُرا معلوم ہُوا اور اُس نے امام الدین کے ساتھ ملکر کشمیر میں گلاب سنگھ کے برخلاف بغاوت برپا کر دی۔ یہ بغاوت فرو ہو گئی اور انگریز افسروں کے ایک کمشن نے جو تحقیقات کے لیے مقرر ہُوا اس میں لال سنگھ کا ہاتھ پایا۔ لال سنگھ کو دو ہزار روپیہ ماہوار پنشن دیکر لاہور سے نکال دیا گیا جو کہ آگرہ میں کچھ سال رہنے کے بعد ڈیرہ دون میں جا مرا۔ لال سنگھ کے نکالے جانے پر لارڈ ہارڈنگ پنجاب

آیا اور بھیروال کے مقام پر ۱۶ دسمبر ۱۸۴۶ء کو ایک نیا عہد نامہ کر کے یہ فیصلہ کیا کہ لاہور میں انگریزوں کی طرف سے ایک ریذیڈنٹ رکھا جائے گا جسے انتظام کا پورا اختیار حاصل ہوگا اور اُس کی مدد کے لئے سکھ سرداروں کی ایک کونسل ہوگی جس کے ممبر سردار تیج سنگھ۔ اٹاری کا سردار شیر سنگھ۔ دیوان دینا ناتھ۔ فقیر نورالدین۔ سردار رنجور سنگھ۔ بھائی ندھان سنگھ۔ سردار عطر سنگھ اور سردار شمشیر سنگھ وغیرہ کئی اصحاب مقرر ہوئے۔ اس کونسل کے ممبروں میں ریذیڈنٹ کی مرضی کے بغیر کوئی تبدیلی نہ ہوگی۔ لاٹ صاحب کو اختیار رہوگا کہ امن قائم رکھنے کے لئے جتنی فوج چاہے رکھے۔ مہاراج دلیپ سنگھ کی ماں کو اپنے پرائیویٹ خرچ کے لئے ڈیڑھ لاکھ روپیہ سالانہ دیا جائے گا۔ ۱۸۵۴ء کے دسمبر میں جب دلیپ سنگھ سولہ برس کے ہونگے تو اُس وقت نیا عہد نامہ کیا جائیگا اس عہد نامہ کے مطابق گورنر جنرل سر ہنری لارنس کو پنجاب کا ریذیڈنٹ مقرر کیا گیا۔

اگرچہ سر ہنری لارنس بہت دُور اندیش اور فراخدل تھا لیکن وہ پنجاب کی آتما کو شانت نہ کر سکا لیکن ۲ جولائی ۱۸۴۷ء کی لاٹ صاحب کی چٹھی میں ریذیڈنٹ کو پنجاب پر پُورا اختیار دیدیا گیا اُس چٹھی کا مطلب یہ تھا کہ بھیروال کے عہد نامہ کے مطابق ریذیڈنٹ کو تمام معاملات میں اپنی مرضی سے کام کرنے کا پُورا اختیار ہے اگر ریذیڈنٹ دیسی ممبروں کی اتفاق رائے سے کام کرے تو اچھا ریذیڈنٹ چاہے تو اُن ممبروں میں سے کسی کو ہٹا کر دوسرے کو کر سکتا ہے فوج کے متعلق بھی ریذیڈنٹ کو اختیار ہے۔ جہاں چاہے سکھ فوج کو ہٹا کر انگریزی فوج رکھدے۔ راج نیتی کے داؤ پیچ ایسے تھے جنکے ذریعے پنجاب کے سردار کٹھ پُتلی کے طور پر ایک ریذیڈنٹ کے ہاتھ میں ناچنے لگے۔ یوں تو وہ بیچارے

راج نیتی کی چال کو سمجھتے ہی نہیں تھے اور جو کوئی سمجھتا تھا کچھ کر نہ سکتا تھا۔ ۲۲ اکتوبر ۱۸۴۶ء کی چھٹی نے پریذیڈنٹ کے اختیار کو اور بھی بڑھا دیا۔ اس میں لکھا تھا کہ دلیپ سنگھ کی نابالغی تک ہم لوگوں کو یہ یاد رکھنا چاہئیے کہ پہلے عہد نامہ کے مطابق پنجاب پورا آزاد نہیں ہے۔ کوئی بھی سردار یا افسر نہ صلح یا جنگ کر سکتا ہے اور نہ سرکاری زمین بیچنے یا بدلنے کا اختیار رکھتا ہے۔ ایسا کوئی کام ہماری اجازت بغیر نہ ہوگا اور دل کی بات تو جانے دیجئیے۔ مہاراج خود اس وقت تک ہمارے اختیار میں ہیں۔ اُن کو بھی اپنی مرضی سے کوئی ایسا کام کرنے کا اختیار نہیں ہے۔

ادہر تو لاٹ صاحب کی چٹھیوں کیسے سرداروں میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں اُدہر پریذیڈنٹ کو مہارانی جنداں کے ہر ایک کام میں شک پڑنے لگا۔ اس شک کی حالت اُس چٹھی سے ظاہر ہوتی ہے جو سر ہنری لارنس نے مہارانی کو لکھی "بھیروال کے عہد نامے کے مطابق مہارانی کو راج کے انتظامی معاملات میں دخل دینے کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ وہ اپنی زندگی خوشی سے گذار سکتی ہے جس کے لئے انہیں ڈیڑھ لاکھ روپیہ دیا جاتا ہے لیکن افواہ ہے کہ مہارانی کبھی پندرہ اور کبھی بیس سرداروں کو گھر میں دعوت دے کر اُن سے صلاح مشورہ کرتی ہے اور کئی کئی سرداران سے خفیہ ملاقات بھی کرتی ہیں۔ یہ بھی سُنا جاتا ہے کہ پچھلے ماہ سے مہارانی ہر روز محل میں پچاس برہمنوں کو کھانا کھلاتی ہیں اور خود اُن کے پاؤں دھوتی ہیں۔ اس کے علاوہ پرمنڈل میں بھی سو برہمنوں کے بھیجنے کی خبر سُنی جاتی ہے۔ مہاراج رنجیت سنگھ کے کنبے کی عزت کی ذمہ واری میرے سر پر ہے۔ اس لئے مجھے یہ کہنا پڑتا ہے کہ یہ سب کام مہارانی کی عزت میں بڑھانے والے نہیں۔ آگے سے مہارانی اپنی سکھی سہیلی اور اپنی داس داسیوں کے علاوہ کسی سے ملاقات نہ کیا کریں۔ اس میں اُن کی موجودہ اور آئندہ بہتری ہے

اگر مہارانی کو غریب اور دھارمک اشخاص کو بھوجن کرانے کی خواہش ہو تو ہر ماہ کی پہلی تاریخ یا کسی اور دن یہ کام کیا کریں۔ مطلب یہ ہے کہ مہارانی کو مہاراج رنجیت سنگھ کی مثال کے مطابق چلنا چاہیئے اور اگر مہارانی کو کسی سردار کو بلانے یا اُس کا سمان کرنے کی ضرورت ہو تو مہارانی کو عورتوں کی طرح نرمی اور اخلاق سے اُس کے ساتھ برتاؤ کرنا چاہیئے اور کسی ماہ میں پانچ یا چھ سے زیادہ سرداروں سے ملاقات نہ کرنی چاہیئے اور ان سرداروں سے ملتے وقت مہارانی کو جودھ پور۔ جے پور اور نیپال کی رانیوں کی طرح پردے میں بیٹھکر بات کرنی چاہیئے۔ اگر مہارانی مہربانی کر کے کسی اجنبی کو محلوں میں نہیں آنے دینگی تو سرداروں اور دوسرے افسروں کی طرف سے انتظامی معاملات میں بہت کم بکھیڑے ہونگے"۔ اس کے جواب میں مہارانی نے ۹ رجون کو ایک چٹھی لکھی۔ "میں نے آپ کی چٹھی کو شروع سے آخیر تک غور سے پڑھا ہے۔ آپ نے یہ لکھا ہے کہ مجھے انتظامی معاملات میں کچھ بھی دخل دینے کا اختیار نہیں ہے۔ میں نے برٹش اور سکھ سرداروں میں شدت کی دوستی ہونے سے اپنے مہاراج کی اور لوگوں کی حفاظت کے لئے لاہور میں انگریزی فوج کے رکھے جانے کی درخواست کی تھی لیکن اُس وقت کہیں یہ فیصلہ نہ ہوا تھا کہ میرا راجیہ کے انتظام کے ساتھ کسی قسم کا تعلق نہیں رہے گا۔ ہاں یہ بات ضرور ہوئی تھی کہ تمام راجیہ کے کام میرے افسروں کی صلاح کے بغیر نہیں کئے جائیں گے جبتک بچہ دلیپ سنگھ پنجاب کے راجہ بنتے ہیں۔ اتنے دنوں تک میں پنجاب کی رانی ہوں لیکن اگر اس پر بھی راجیہ کی بہتری کے لئے نئے عہد نامے کے مطابق کوئی اور انتظام کر دیا گیا ہے تو میں اس میں بھی رضامند ہوں۔ مجھے اپنے ڈیڑھ لاکھ سالانہ خرچ کے متعلق اتنا کہنا ہے کہ اب اس مضمون پر ذکر کرنا فضول ہے۔ وجہ یہ کہ انسان کی جیسی حالت ہوتی ہے اُسی کے مطابق اپنے دن

جانتا ہے۔ پھر اس بات کے جاننے سے مطلب ہی کیا کہ اُس کی زندگی کس طرح سے گزر رہی ہے؟ تو بھی مہاراج کے بالغ ہونے تک راجیہ کی بہتری کے لیے یہ نیا انتظام کیا گیا ہے اس لئے میں اس میں بھی راضی ہوں۔

سرداروں سے اکیلے ملنے اور صلاح کرنے کے متعلق اصلی بات یہ ہے کہ میں نے صرف دو بار سرداروں کو بُلا کر صلاح مشورہ کیا۔ ایک بار امرتسر سے لاہور آتے وقت میں نے اُن کو یہ رائے دی تھی کہ پرما نند سنگھ کا بڑا دشمن تھا) کے لاہور آنے میں کوئی بھلائی نہیں ہے۔ دوسری دفعہ مہاراج کے پرائیویٹ خرچ کے متعلق کچھ صلاح کرنے کے لئے سرداروں کو بُلایا تھا۔ اس کے علاوہ میں کبھی کبھی سردار تیج سنگھ اور دیوان دینا ناتھ کو بُلا لیتی ہوں۔ آگے کو آپ کے کہنے کے مطابق پانچ چھ سرداروں کو ہی بُلایا کرونگی۔ میرے پاس چار پانچ معتبر نوکر ہیں جنکو میں نہیں چھوڑ سکتی۔ اُس وقت مُلاقات کرنے کے وقت میں نے آپ سے یہ بھی کہدیا تھا کہ سوائے ان لوگوں کے مجھے اور کسی سے مُلاقات کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ نے پچاس برہمنوں کو بھوجن کرانے اور اُن کے پیر دھونے کے متعلق لکھا ہے۔ اس بارے میں مجھے اتنا ہی کہنا ہے کہ شاستروں کی ریتی کے مطابق یہ معمولی بات ہے۔ اس ماہ اور اس سے پہلے ماہ میں میں نے یہ کام کیا تھا لیکن جس دن سے آپ کی چٹھی ملی ہے اُس دن سے میں نے یہ بند کر دیا ہے۔ آگے سے آپ کے مقرر کئے ہوئے وقت پر ہی میں دان پُن کیا کرونگی۔ پرمنڈل کے برہمن بھوجن کے متعلق بھی یہی کہنا ہے کہ وہ جگہ بہت پوتر کہی جاتی ہے اس لئے وہاں برہمن بھیجا تھا۔ آپ لکھتے ہیں کہ آپ پنجاب میں اچھا انتظام کرتے ہیں۔ مہاراج رنجیت سنگھ کے خاندان اور ہماری عزت کی حفاظت کے لئے ذمہ وار ہیں۔ ہماری عزت کے لئے انگریز سرکار جو کچھ کرے گی اُس کے لئے ہم

سرکار کے مشکور رہیں گے۔ آپ نے جے پور۔ جودھپور اور نیپال کی رانیوں کی مانند مجھے بھی پردے میں رہنے کے لئے کہا ہے۔ اس بارے میں صرف اتنا ہی کہنا ہے کہ وہ رانیاں راجہ کے کام میں حصہ نہیں لیتی ہیں۔ اس لئے اُن کا پردے میں رہنا آسان ہے کیونکہ اُن کے راجہ ہیں وفادار۔ لائق اور معتبر افسر اپنے راجہ کی بھلائی کے لئے جان و تن سے کوشش کرتے ہیں لیکن یہاں جس وفاداری سے ہمارے افسر کام کرتے ہیں وہ آپ سے پوشیدہ نہیں ہے۔ یہ آپ یقین رکھیئے کہ کوئی اجنبی شخص ہمارے زنانخانے میں نہیں آتا ہے اور نہ کوئی ایسا آدمی آنے پاویگا۔ تاہم میری آپ سے درخواست ہے کہ آپ کوئی ایسے معتبر سردار مقرر کر دیجئیے جو آپ کو میرے متعلق خبر دیتے رہیں لیکن دربار کا کوئی سردار اس کام کے لئے مقرر نہ کیا جائے۔ یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ مہاراج رنجیت سنگھ انگریزوں کے ساتھ دوستی قائم کر گئے ہیں جس کا اعلیٰ نتیجہ میں اور بالک مہاراج دونو بھوگ رہے ہیں۔ جب کبھی آپ ضروری سمجھیں مجھے نصیحت سے نہ چوکیں۔

باوجود اس کے ریذیڈنٹ کا مہارانی کے اُوپر شک بڑھتا گیا۔ یہانتک کہ جب اُس کی ایک سہیلی مُلتان سے ایک سفید گنّا لائی تو ریذیڈنٹ کو اس میں بھی سازش کا بھوت دکھائی دینے لگا اور جب پرمانے سردار تیج سنگھ کو قتل کرنے کا منصوبہ باندھا تو اُس میں بھی مہارانی کا ہاتھ سمجھا گیا۔ آخیر میں مہارانی پر یہ الزام لگایا گیا کہ وہ بالک مہاراج کو بہکاتی ہیں۔ اس کا معاملہ اسطرح ہوا کہ ۷ اگست ۱۸۴۷ء کو دربار کر کے کچھ سرداروں کو خطاب دیئے گئے۔ ان میں سے سردار تیج سنگھ کو راجہ کا خطاب دیا گیا۔ پُرانے رواج کے مطابق قاعدہ یہ تھا کہ جس کو راجہ کا خطاب دیا جائے اُسے مہاراج اپنے ہاتھ سے ٹیکا کرتے تھے لیکن تیج سنگھ اور مہارانی میں اَن بن تھی۔ اس لئے مہارانی نے اُس دن دلیپ سنگھ کو بہت دیر کے بعد دربار

میں بھیجا۔ سر ہنری لارنس نے بہت عزت کے ساتھ مہاراج سے تیج سنگھ کو ٹیکا کرنے کے لئے کہا لیکن مہاراج نے اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھ پیچھے کر کے ٹیکا کرنے سے انکار کر دیا۔ اُس دن اِن خطابوں کی وجہ سے رات کو آتشبازی کا تماشہ تھا۔ مہارانی نے دلیپ سنگھ کو اُس میں بھی آنے نہ دیا۔ یہ باتیں ریذیڈنٹ کو بہت بُری لگیں۔ ریذیڈنٹ کے دل میں یہ یقین ہو گیا کہ اگر دلیپ سنگھ اپنی ماں کے پاس بہت دن تک رہیگا تو وہ انگریزوں کے برخلاف ہو جائیگا۔ اِس لئے اُسے مہارانی سے جتنی دُور رکھا جائے اُتنا ہی اچھا ہو۔ اِس لیے لارڈ ہارڈنگ نے ۱۶ اگست کو سر ہنری لارنس کو لکھ بھیجا کہ مہارانی کو لاہور سے نکالنے کے متعلق دربار سے کھلے طور پر رائے لی جائے۔ کونسل کے سب ممبروں نے لارڈ ہارڈنگ کو تائید کی اور لاہور سے سولہ کوس کے فاصلے پر شیخو پورہ میں چار ہزار روپیہ ماہوار تنخواہ پر رانی جنداں کو نظر بند رکھنے کا فیصلہ کیا گیا۔ جب رانی کو یہ خبر ملی تو اُس کے چہرے پر کسی قسم کا رنج یا ملال دکھائی نہیں دیا۔ اُس نے بڑے گمبھیر لفظوں میں کہا۔ "جس میں اُنہیں بھلائی سُوجھے میں اُسے کرنے پر طیار ہوں"۔ مہارانی کو اپنے سب زیور جواہرات لے جانے کی اجازت دی گئی۔ جب رانی نے ریذیڈنٹ کو ملنے کی درخواست کی تو ریذیڈنٹ نے ملنے سے انکار کر دیا۔ جس دن رانی کو لیجانا تھا۔ اُس سے پہلی شام کو دلیپ سنگھ کو سیر کے بہانے شالامار باغ لے جایا گیا اور وہیں اُس کے رہنے اور کھانے کا بندوبست کر دیا گیا۔ ۱۹ اگست کو مہارانی شیخو پورہ میں پہنچا دی گئی۔ دوسرے دن گورنر جنرل کا اعلان نکلا کہ لاہور دربار اور سرکار انگریزی کے درمیان دوستی ہے۔ بچہ دلیپ سنگھ کی تربیت کے لئے کوشش کی جاتی ہے۔ اِس لئے گورنر جنرل کو یہ ضرورت محسوس ہوئی ہے کہ اُسے اپنی ماتا سے الگ رکھا جاوے اِس لئے مہارانی لاہور سے ہٹا کر شیخو پورہ میں بھیجی

گئی ہیں۔

اس واقعہ کے تھوڑے دن پیچھے سر ہنری لارنس کی صحت بگڑ گئی اور وہ ڈاکٹروں کے صلاح مشورے سے ولایت چلا گیا اور اُس کی جگہ سر فریڈرک کری پنجاب کا نیا ریذیڈنٹ مقرر ہوا۔ اس وقت لارڈ ہارڈنگ کا عہد بھی پورا ہوا اور اُس کی جگہ لارڈ ڈلہوزی گورنر جنرل مقرر ہوا۔

مُلتان کی بغاوت

مُلتان لاہور دربار کے نیچے ایک صُوبہ تھا۔ اس کا گورنر پہلے دیوان ساون مل تھا اور اب اُس کا بیٹا دیوان مُولراج تھا۔ مُولراج نے کئی سال تک خالصہ کو خراج نہ دے کر اپنے آپکو خود مختار بنا لیا تھا۔ اس لئے ۱۸۴۵ء میں خالصہ نے اُس پر چڑھائی کر دی جس کے مُولراج نے لاہور دربار کو اٹھارہ لاکھ روپیہ دینا منظور کر لیا لیکن جلدی ہی سکھوں اور انگریزوں کی جنگ ہو گئی۔ اس لئے مُلتان کا معاملہ ویسے کا ویسا رہا۔ جنگ ختم ہونے پر وزیر لال سنگھ نے کچھ فوج مولراج کے برخلاف بھیجی لیکن جھنگ کے نزدیک مولراج کی فوج نے دربار کی فوج کو شکست دی۔ سر ہنری لارنس نے دونو کے بیچ میں پڑ کر جھگڑا مٹا دیا اور یہ فیصلہ کیا کہ مولراج ایک تو جھنگ کو چھوڑ دے اور بقایا سب خراج اور دیوانی درجہ حاصل کرنے کا نذرانہ لاہور دربار کو کرے اس کو پورا کرنے کے لئے مالگذاری اور چُنگی کو بڑھا دیا جائے۔ اس کے مطابق مُولراج کو پندرہ لاکھ سینتالیس ہزار ایکسو اسی روپیہ سالانہ کی جگہ سولہ لاکھ اٹھ ہزار دینا پڑتا تھا۔ اُس وقت تو مُولراج بہت راضی ہو گئے لیکن پیچھے اُنہیں اتنا روپیہ دینا مشکل ہو گیا۔ اس لئے ۱۸۴۷ء میں لاہور آ کر اُنہوں نے اپنے عہدے سے استعفا دیدیا جس کی اُنہوں نے دو وجہ بتائیں۔ ایک تو مالگذاری زیادہ ہونے کی وجہ سے اُس کے وصُول کرنے میں دقت ہوتی ہے اور دوسرا اُن کے

دیوانی اور فوجداری مقدمات کی لاہور دربار کے پاس اپیل ہونے کی وجہ سے مُلتان میں اُن کی عزت کم ہو گئی ہے۔ استعفٰے کے ساتھ اُنہوں نے ایک یہ درخواست کی کہ گذارہ کے لئے اُنہیں ایک جاگیر دی جائے اور دوسرا اِس استعفٰے کو دربار سے پوشیدہ رکھا جائے۔ جب دیوان مُولراج لاہور گئے۔ اُس وقت سر ہنری لارنس ولائت چلا گیا تھا اور اُس کی جگہ اُس کا بھائی جان لارنس عارضی طور پر کام کرتا تھا۔ جان لارنس نے مُولراج کو بہترا سمجھایا کہ وہ اپنا استعفٰے واپس لے لے لیکن مُولراج نے اِسے منظور نہ کیا۔ اُن کے مُلتان واپس جانے پر جان لارنس نے پھر اُن کو لکھا لیکن اِس کا بھی کچھ اثر نہ ہُوا۔ فریڈرک کری کے لاہور آجانے پر اُس نے بھی مُول راج کو ایسی ہی چٹھی لکھی لیکن مُولراج اپنے استعفٰے پر بضد رہے اِس پر نئے ریذیڈنٹ نے کہا کہ استعفٰے منظور ہونے پر مولراج کو کوئی جاگیر وغیرہ نہ دی جائے بلکہ اُسے پچھلے دس برس کا حساب دینا ہوگا جس کے جواب میں مُولراج نے لکھا "میں کسی نہ کسی طرح اپنے باپ کے وقت کے کاغذ بہتر اکٹھا کروں گا لیکن اِن سب کاغذوں کو تو کیڑا کھا گیا ہے۔ اُن سے کچھ مطلب پورا نہ ہوگا۔" اِس پر ریذیڈنٹ نے سردار کاہن سنگھ کو صوبہ دار مقرر کرکے مُلتان کو روانہ کیا اور اُس کے ساتھ بارنس اگنیو اور لفٹیننٹ اینڈرسن کے ماتحت کچھ فوج اور چھ توپیں روانہ کیں۔ مُول راج نے بڑی عزت سے سلوک کیا۔ اگرچہ دوسرے دن مُول راج اور انگریزی افسروں کے درمیان حساب کتاب کے متعلق کچھ اختلاف ہو گیا تھا لیکن آخیر میں سب ٹھیک ہو گیا تیسرے دن صبح مُولراج نے کاہن سنگھ اور انگریز افسروں کو قلعے کے سب مقامات دکھلا کر چابیاں اُن کے حوالے کردیں اُسی وقت گورکھوں کی دو پلٹنیں قلعے میں تعینات کر دی گئیں اور قلعے میں جتنے پہلے ملازم تھے۔ سب کو اُن کی ملازمت پر بحال رکھا گیا جس سے وہ سب راضی ہو گئے

اس کے بعد کاہن سنگھ اور دو انگریز افسر اپنے ڈیرے پر جانے کے لئے قلعے سے باہر نکلے۔ دیوان مولراج بھی اُن کے ساتھ ساتھ جا رہے تھے کہ قلعے کے دروازے سے باہر نکلتے ہی ایگنیو کو برچھا اور تلوار سے گھائل کر دیا گیا تھوڑی دُور جا کر اینڈرسن پر بھی ایسا ہی وار کیا گیا۔ حملہ کرنے والے سپاہی تو کہیں بھاگ گئے۔ زخمی انگریزوں کو سردار کاہن سنگھ اور مول راج کے سالے رنگا رام نے اُن کے ڈیرے پر پہنچا دیا۔ مولراج پہلے اس بغاوت میں شامل نہیں تھا لیکن لوگوں نے رنگا رام سے چھٹکر اُسے زخمی کر دیا۔ مولراج کو اس سے باغیوں کے ساتھ شامل ہونے کے علاوہ کوئی علاج نہ سُوجھا۔ اُس کے شامل ہوتے ہی ملتان کے چاروں طرف بغاوت کی آگ پھیل گئی۔ دوسرے سویرے ہی انگریزی فوج پر گولے برسنے شروع ہو گئے باغیوں نے سردار کاہن سنگھ اور اُس کے بیٹے کو قید کر لیا۔ شام ہوتے ہوتے تیس آدمیوں کو چھوڑ کر باقی سب سکھ فوج باغیوں سے جا ملی۔ ایگنیو اور اینڈرسن نے زخموں کے باوجود ایک چٹھی بنوں میں میجر ایڈورڈز کو لکھی۔ چٹھی پاتے ہی وہ توپیں بارہ سو پیادہ اور تین سو پچاس سوار لے کر ملتان کی طرف چل پڑا لیکن ایگنیو اور اینڈرسن کو دوسرے باغیوں نے مار ڈالا۔ ایڈورڈز نے روانہ ہوتے وقت لاہور کے ریذیڈنٹ کو سب حال سے اطلاع دیدی۔ دریائے سندھ پر پہنچ کر اُس نے پھر ریذیڈنٹ کو امداد کے لئے لکھا لیکن ریذیڈنٹ نے اُن کی چٹھیوں پر کوئی دھیان نہ دیا۔

لاہور میں اس بغاوت کی خبر ملنے پر کونسل اکٹھی ہوئی۔ سب سرداروں نے ریذیڈنٹ سے کہا کہ اس وقت سکھ فوج کا ملتان بھیجنا ہرگز مناسب نہ ہوگا۔ بلکہ اُس کی بجائے جتنی جلدی ہو سکے انگریزی فوج روانہ کرنی چاہیے لیکن ریذیڈنٹ نے سرداروں کے بار بار کہنے پر کوئی دھیان نہ دیا۔ جب اُنھوں نے دیکھا

کہ ریذیڈنٹ کچھ کرنے پر طیار نہیں ہے۔ وہ اپنی اپنی فوج لے کر ملتان روانہ ہوئے۔ ریذیڈنٹ ہی کیا۔ لارڈ ڈلہوزی اور لارڈ گف بھی اس وقت ملتان کو فوج بھیجنے پر طیار نہ تھے۔ لارڈ گف نے کہا کہ "اس وقت ایک بریگیڈ بھیجنا بھی ٹھیک نہ ہوگا" ملتان کی بغاوت برسات میں شروع ہوئی تھی اور لارڈ ڈلہوزی نے کہا کہ اگرچہ یہ درست ہے کہ انگریزی فوج کے بھیجے بغیر یہ بغاوت فرو نہ ہوگی اور سارے پنجاب میں بھی اس کے پھیل جانے کا ڈر ہے لیکن ہم پنجاب کی حفاظت کے لیئے اپنی فوج نہیں بھیج سکتے ہیں۔ موسم برسات کی وجہ سے ہماری فوج کی صحت بگڑ جائیگی"

لارڈ ڈلہوزی کی اس لاپرواہی پر کئی رائیں لگائی گئی ہیں۔ اگر یہ دلیری موقعہ کو غلط سمجھکر سادہ دلی سے کی گئی ہو تو یہ قصور ضرور ہے۔ یہ قصور قابلِ معافی ہے لیکن لارڈ ڈلہوزی جیسے آدمی سے ایسی غلطی ہونا ممکن نہیں ہو سکتا اسلیئے اس رائے کا اظہار بھی کیا گیا ہے کہ لارڈ ڈلہوزی نے ارادۃً یہ دلیری کی تاکہ پنجاب میں سلسلۂ بدانتظامی پھیل جائے اور اُسے پنجاب کو اپنے ساتھ مِلا لینے کا موقعہ حاصل ہو لیکن اس کے باوجود میجر ایڈورڈز اکیلا ہی اِدھر اُدھر جہاں سے اُسے مدد مل سکی اس بغاوت کے فرو کرنے میں لگا رہا ۱۸۴۸ء مئی کو اُس نے منگروٹہ کے قلعے پر قبضہ کر لیا۔ اگرچہ پہلے پہل ڈیرہ غازی خاں سے کورٹ لینڈ مدد کے لئے آپہنچا لیکن تھوڑی دیر بعد اُسے چھوڑ کر واپس چلا گیا۔ ایڈورڈز نے اپنی ذمہ داری پر نواب بہاول پور سے امداد کی درخواست کی۔ نواب نے بارہ ہزار فوج مدد میں بھیجی۔ نواب کی اس حالت کو دیکھکر اور بھی بہت سے زمیندار انگریزوں کی مدد پر طیار ہو گئے۔ کیسری کے گھاٹ پر دیوان مولراج اور ایڈورڈز کی فوج میں لڑائی ہوئی جس میں رنگارام کے حملے سے انگریزی فوج کے پیر اکھڑنے

لگے۔ اُس وقت کورٹ لینڈ کی دو پلٹنیں اور چھ توپیں مدد کو آپہنچیں۔ مُولراج کو میدان چھوڑ کر پیچھے ہٹنا پڑا۔ اِس سے سندھ اور چناب کا علاقہ اُس کے ہاتھ سے جاتا رہا۔ اِس وقت لاہور دربار سے چار ہزار فوج آجانے پر ایڈورڈز کے پاس اٹھارہ ہزار سپاہی ہو گئے۔ مُلتان سے آٹھ میل کے فاصلے پر دیوان مُولراج نے ایڈورڈز پر حملہ کیا۔ پھر انگریز فوج کے پیر اُکھڑ گئے لیکن بدقسمتی سے مُولراج کے ہاتھی پر ایک گولہ آگرا جس سے مُولراج کو ہاتھی سے اُترنا پڑا۔ اُس کی فوج نے اُسے مرا ہُوا سمجھ کر بھاگنا شروع کر دیا۔ یہ لڑائی پہلی جولائی کو ہوئی۔ اِس میں مُولراج کو بھاگ کر مُلتان کے قلعے میں پناہ لینی پڑی۔ اگر ایڈورڈز سیدھا مُولراج کا پیچھا کرتا تو ممکن تھا کہ اُسے پُوری فتح نصیب ہو جاتی لیکن جب مُولراج قلعے میں داخل ہو گیا۔ مُلتان کے قلعے کا لینا آسان کام نہ تھا۔ ایڈورڈز ریذیڈنٹ کو لکھتا رہا لیکن وہاں سے کچھ زیادہ مدد نہ آئی۔ سکھ لوگ پہلے ہی انگریزی گورنمنٹ سے ناراض ہو رہے تھے۔ جب مُلتان کی بغاوت کی خبر پنجاب میں پھیلنے لگی تو سب جگہ خالصہ جاگ اُٹھا۔ اُنہیں خیال ہُوا کہ اگر انگریز اتنی سی بغاوت کو دبا نہیں سکتے تو اُن کی طاقت کا گھمنڈ محض دکھاوا ہی ہے اِسلئے سکھوں کے جھُنڈ کے جھُنڈ مُولراج کے جھنڈے کے نیچے اکٹھے ہونے لگے

مہارانی جنداں کی جلاوطنی

مُلتان کی اِس بغاوت کا اثر بیچاری مہارانی پر آپڑا مہارانی جنداں شیخو پُورے میں قید تھی۔ ہنری لارنس کے چلے جانے کے بعد اُس کے دُکھ اور بھی بڑھنے شروع ہوئے نئے ریذیڈنٹ کو ایک بار یہ پتہ لگا کہ راجہ لال سنگھ کا اردلی صاحب سنگھ خفیہ طور پر مہارانی سے ملا ہے۔ ریذیڈنٹ نے مہارانی کو کہلا بھیجا کہ اِس قسم کی مُلاقات سے آگے کو خبردار رہے۔ ساتھ ہی صاحب سنگھ کو حکم دیا کہ اگر وہ قلعے کے

نزدیک دیکھا گیا تو اُسے سخت سزا دی جاوے گی"۔ اس کے کچھ دن بعد مہارانی
نے قلعے کے محافظوں کو ساٹھ ساٹھ روپے کی ایک ایک کنٹھی انعام کے طور
پر دی۔ ریذیڈنٹ کو اس بات کا پتہ لگ گیا وہ بہت ناراض ہوا اور سب کو وہ
کنٹھی لوٹا دینے کا حکم دیا اور اُن کو ہٹا کر دوسرے آدمی رکھے گئے۔ اُسے یہ بھی
خبر ملی کہ مہارانی نے ایک آدمی مہاراج گلاب سنگھ کے پاس اور دوسرا مہاراج
دلیپ سنگھ کے پاس بھیجا ہے۔ ان آدمیوں کا کچھ پتہ نہ لگا لیکن اس سے
مہارانی کی قید اور سخت کر دی گئی اور یہ حکم ہوا کہ وہ اپنے نوکروں کے بغیر اور کسی
سے بات چیت نہ کیا کرے اور رانی کوئی چٹھی بھیجنی ہو تو قلعے کے محافظ کو بغیر
دکھلائے نہ بھیجا کرے۔ مہارانی نے تنگ آ کر اپنے ایک وکیل سردار جیون سنگھ کو
فروری ۱۸۴۹ء میں لارڈ ڈلہوزی کے پاس کلکتے روانہ کیا۔ جیون سنگھ نے لاٹ صاحب
سے کہا کہ میں مہارانی کی طرف سے وکیل ہو کر آیا ہوں۔ مہارانی کے ساتھ بہت
بے انصافی سے سلوک کیا جا رہا ہے۔ جس سے مہارانی کو بہت سخت تکلیف
ہے۔ اُس کے ساتھ معمولی قیدی کی طرح برتاؤ کیا جاتا ہے اور یہ تکلیف بغیر
کسی قصور کے دی جا رہی ہے۔ مہارانی کی یہ عرض ہے کہ اُس کے قصور کی غیر
جانبدارانہ تحقیقات کی جائے اور جب تک اُس کا قصور ثابت ہو جائے
اُس کے ساتھ رانیوں کا سا سلوک کیا جائے۔ لارڈ ڈلہوزی نے صاف
جواب دیا کہ سرکار تم کو مہارانی کا وکیل نہیں مانتی ہے۔ مہارانی کو جو کچھ کہنا ہو وہ
ریذیڈنٹ کی معرفت کہلائے۔ جیون سنگھ نے دوبارہ ملاقات کی اور رانی کی
تکلیفات کو زور سے بیان کیا۔ یہاں تک کہہ دیا کہ اُس کی ساری تکلیف اُس
کے اپنے سرداروں کی وجہ سے ہے۔ اس لئے اُس کی درخواست ہے
کہ اُس کا چارج کسی انگریز افسر کو دیدیا جائے۔ لارڈ ڈلہوزی نے کسی بات کی

طرف دھیان نہ دیا اور کہا کہ "مہارانی نے اپنے آپ کو رنجیت سنگھ کی بیوہ اور موجودہ مہاراج کی ماں کہکر درخواست کی ہے اس لئے وہ مجھ سے کسی قسم کی امید نہ کرے۔" اس کے دو تین ماہ بعد مئی میں ریذیڈنٹ کو پتہ لگا کہ ملتان کی بغاوت کی تہ میں ایک سازش پائی جاتی ہے۔ اس سازش کے متعلق مہارانی کے وکیل گنگارام اور ایک سکھ کو پھانسی دی گئی اور دو اور کو جلاوطن کیا گیا۔ اس سے ریذیڈنٹ کو یہ بھی شبہ ہوا کہ مہارانی کا بھی اس میں ہاتھ ہے۔ یہانتک بھی خیال ظاہر کیا گیا کہ کھلی عدالت میں مہارانی کے قصور پر غور کیا جائے لیکن اس کو مناسب نہ سمجھکر یہ فیصلہ کیا گیا کہ مہارانی کو پنجاب سے باہر کسی جگہ رکھا جائے۔ اس پر کونسل کے تین ممبروں کے دستخط کرلئے گئے جن میں سے ایک راجہ تیج سنگھ تھا اور سردار شیر سنگھ کی غیر حاضری میں اس کے بھائی گلاب سنگھ کے بھی دستخط کرائے گئے۔ اور اس فیصلے میں یہ بھی لکھا گیا کہ اگر کاشی .. ن مہارانی کے کسی اور سازش میں شامل ہونے کی خبر لگی تو اسے چنار میں بند کرکے قید کو بہت سخت کر دیا جائے گا۔

۱۴ر جون کو ریذیڈنٹ نے مہارانی کو ایک چٹھی لکھی جس میں یہ کہا کہ میں کپتان لمسڈن اور لفٹیننٹ ہڈسن کے ساتھ کچھ سردار بھیجتا ہوں۔ یہ لوگ شیخو پورہ سے باہر جانے کے متعلق آپ سے جو کچھ کہیں آپ اس پر عمل کرنے میں دیری نہ کریں۔ یہ لوگ آپ کو عزت سے لے جائیں گے۔ آپ کو کسی قسم کی جسمانی تکلیف دینے کا خیال نہیں ہے۔" اس چٹھی پر مہاراج دلیپ سنگھ کی مہر لگا دی گئی تھی۔ مہارانی نے اسے دیکر صرف ایک ہی سوال کیا۔ "مجھے کہاں لے چلو گے؟" کپتان نے کہا، میں یہ بات مہارانی کو نہیں بتا سکتا۔ صرف اتنا بتا سکتا ہوں کہ مہارانی کو کسی قسم کی تکلیف کا سامنا نہ ہوگا اور کسی قسم کی بےعزتی نہ اٹھانی ہوگی۔ مہارانی نے پھر وہی سوال کیا لیکن اسے اس کا کوئی جواب نہ دیا گیا۔ مہارانی لاہور جانے کے

خیال سے شیخوپورہ سے روانہ ہوئی تھی لیکن جب لاہور سے آگے جانے پر اُس نے کپتان کو پھر بلایا اور کہا "میں تم سے اب بھی پوچھتی ہوں کہ کیا مجھے پنجاب سے ہٹا انگریزی علاقے میں لے جا رہے ہو؟ میں تم سے یہ درخواست کرتی ہوں کہ میری طرف سے ریذیڈنٹ کو کہنا کہ اُنہوں نے مجھے انگریزی راجیہ میں رکھا ہے۔ اس کے لئے میں اُن کی بہت مشکور ہوں۔ انگریزی راجیہ میں مجھے سُکھ ملیگا۔" بنارس میں میجر میکر یگر مہارانی کے محافظ مقرر ہوئے۔ بنارس پہنچنے پر مہارانی سے سب زیورات جو کہ پچاس لاکھ روپے کے تھے اور دو لاکھ نقد روپے لیے گئے اور بجائے چار ہزار ماہواری خرچ کے ایک ہزار مقرر کر دیا۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ دو عورتوں کو مقرر کر کے مہارانی اور اُس کی سب داسیوں کے ایک ایک کپڑے کی تلاشی لی گئی۔ اس تلاشی میں مہارانی کے بکس سے کچھ چٹھیاں ملیں۔ ان چٹھیوں کو پڑھکر میجر میکر یگر نے گورنر جنرل کو لکھا کہ "مہارانی کی چٹھیوں میں کہیں بغاوت کی بو نہیں پائی جاتی ہے۔ خرچ کی کمی سے مہارانی کو اتنی تنگی ہوئی کہ اُس نے پھر اپنے وکیل جیون سنگھ کو کلکتے بھیجا۔ اُس نے کلکتے جا کر ایک انگریز نیو مارچ کو مہارانی کی طرف سے وکیل مقرر کیا۔ نیو مارچ نے مہارانی سے ملنے کی درخواست کی اور اس کے منظور ہونے پر آٹھ دن وہاں رہا اور کئی بار مہارانی سے ملاقات کر کے ہر ایک مضمون کی خوب جانچ پڑتال کی۔ اُس نے مہارانی کے خرچ کے متعلق میکر یگر سے خط و کتابت کی۔ گورنر جنرل نے آخیر میں یہ جواب دیا کہ "جو رقم مہارانی کو مل رہی ہے اُس سے اس کا گذارہ اچھی طرح ہو سکتا ہے۔" نیو مارچ نے مہارانی کو کلکتہ سُپریم کورٹ میں اپیل کرنے کے لئے لکھا۔ سُپریم کورٹ نے بھی لاٹ صاحب کے فیصلے کی تائید کی۔ مہارانی کی اب یہ خواہش ہوئی کہ نیو مارچ کو انگلینڈ بھیجا جائے لیکن اس کے لئے نیو مارچ پچاس ہزار فیس مانگتا تھا۔ مہارانی کے پاس اب کیا تھا کہ جس سے وہ

پچاس ہزار فیس ادا کرتی رہیں۔ سب طرف سے نا امید کر کے وہ چپ ہو گئی۔

اٹاری کے سردار

مہارانی کے اس دیش نکالے کی خبر جوں جوں پھیلتی گئی سکھوں کے دلوں میں ایک قسم کا دھواں سلگنے لگا۔ ایک تو یوں بھی سکھ لوگ مہارانی کو ماتا کے برابر سمجھتے تھے اور اُس کے بے قصور جلا وطن کئے جانے پر اُن کے دلوں میں بے چینی ہونی لازمی تھی لیکن اس کے ساتھ ہی یہ خوف بھی پیدا ہونے لگا کہ مہارانی کو نکال دینے کا کہیں یہ نتیجہ نہ ہو کہ پنجاب راج اُس کے بیٹے سے بھی چھین لیا جائے۔ اس آگ کے سُلگانے کا مصالحہ مُلتان میں پایا جاتا تھا۔ دیوان مُولراج کی بغاوت ہر وقت سکھوں کے دلوں میں ایک ولولہ سا پیدا کرتی تھی۔ ریذیڈنٹ نے اپنی رپورٹ میں لاٹ صاحب کو لکھا کہ سردار شیر سنگھ کے ڈیرے سے یہ خبر آئی ہے کہ خالصہ فوج مہارانی کے دیش نکالے کی سزا کی خبر سُن کر بہت بے چین ہو رہی ہے۔ سپاہی لوگ کہتے ہیں کہ مہارانی خالصہ کی ماتا ہے۔ جب وہی دیش سے نکالی گئی اور بچہ مہاراج ہمارے ہاتھ میں نہیں تو اب کس کی حفاظت کریں۔ ہمیں اب کسی دوسرے کے لیے کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم لوگ اب مُول راج کی مخالفت چھوڑ اپنے سرداروں کو قید کر اُس کے ساتھ ملجائیں گے۔ اس کے علاوہ کئی انگریز افسروں کی شہادت موجود ہے کہ مہارانی کی سزا پر لوگوں میں بہت سی بے چینی پیدا ہوئی مگر لارڈ ڈلہوزی نے لوگوں کی چیخ و پکار کی طرف دھیان تک نہ دیا۔ یہ شور و غل عام لوگوں میں موجود تھا لیکن بڑے سردار اس سے باوجود سرکار انگریزی کے ساتھ تھے۔ اُن بڑے سرداروں میں سب سے اُونچا درجہ اٹاری کے بوڑھے سردار چتر سنگھ کا تھا جو کہ ہزارہ کے جاگیر دار تھے۔ ان کے بڑے بیٹے سردار شیر سنگھ سکھ فوج کے سپہ سالار تھے۔ انکے دوسرے بیٹے بھی لاہور دربار کی کونسل کے

ممبر تھے۔
سردار چتر سنگھ کی لڑکی کی سگائی مہاراج دلیپ سنگھ کے ساتھ ہوئی تھی۔ بوڑھے سردار چتر سنگھ کے دل میں اب دو خواہشیں تھیں۔ ایک تو لڑکی کا بیاہ ہو جائے اور دوسرے ایک سال وہ تیرتھ یاترا میں گذارے۔ اُنہوں نے ریذیڈنٹ کو چٹھی لکھی کہ اُن کو اپنی لڑکی کا مہاراج کے ساتھ بیاہ کرنے کی اجازت دیجائے۔ اور اُس کیلئے کوئی جیوتشی مقرر کیا جائے جو کہ اچھی لگن اور مہورت نکالے اور اگر سرکار بیاہ کی اجازت نہ دے تو اُن کو دو سال کے لیٔے اپنے عہدے سے سُبکدوش کیا جائے تاکہ وہ تیرتھ یاترا کر سکیں۔ سردار شیر سنگھ نے بھی ریذیڈنٹ سے اس معاملے پر بات چیت کی کہ جس طرح اُن کے باپ کا بواہ کرنے کا ارادہ ہے رائس کے لئے کم از کم ایک برس تیاری میں لگیگا۔ اس لئے انہیں دس دن کے اندر جواب ملجانا چاہیئے۔ اس بیاہ سے ایک اور فائدہ یہ ہو گا کہ لوگوں کے دلوں میں جو شک پنجاب لینے کے متعلق پیدا ہو گیا ہے وہ بھی دُور ہو جائیگا۔ اس کا جواب ریذیڈنٹ نے ٹال مٹولے میں دیدیا کہ مہاراج کا بیاہ ریذیڈنٹ کی منظوری کے بغیر نہیں ہو سکتا اور ریذیڈنٹ اس مضمون پر کونسل سے خفیہ مشورہ لینگے۔ اس جواب سے سردار چتر سنگھ اور شیر سنگھ ناراض ہو گئے۔ اس ناراضگی کے ساتھ ایک اور واقع ہوا جس نے جلتی ہوئی آگ پر تیل ڈالنے کا کام کیا۔ ہزارہ کی مُسلمان آبادی دل سے سکھ حکومت سے سخت نفرت کرتی تھی۔ سردار چتر سنگھ کو صلاح مشورہ دینے کے لئے ریذیڈنٹ نے ایک انگریز افسر کپتان ایبٹ کو مقرر کیا ہُوا تھا۔ کپتان ایبٹ عجیب قسم کے سوبھاؤ کا آدمی تھا۔ اُس کی طبیعت میں اتنا شک پایا جاتا تھا کہ وہ ہر ایک کام کو شبہے کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ اتفاق یہ ہُوا کہ ایک سردار جھنڈا سنگھ کے ماتحت کچھ سپاہی

بغاوت کی صلاح کرتے تھے۔ ان سپاہیوں کو سزا دی گئی لیکن کپتان یہ چاہتا تھا
کہ سردار جھنڈا سنگھ کو بھی سازشی ٹھیرا کر سزا دی جائے۔ اس معاملے کی کپتان ایبٹ
اور سردار چتر سنگھ دونوں نے ریذیڈنٹ کو رپورٹ کی۔ ریذیڈنٹ نے یہ فیصلہ
کیا کہ سردار جھنڈا سنگھ کا کوئی قصور نہیں ہے۔ اُس پر کسی قسم کا شک کرنا بالکل فضول
ہے اور اُس کے ساتھ ہی بوڑھے سردار چتر سنگھ کے خاندان کی وفاداری کی
بہت تعریف کی۔ اتنے میں ہی سردار چتر سنگھ کی فوج کے سپاہی بغاوت کی سپرٹ
دکھلانے لگے۔ اگرچہ اُس کے افسر اس رپورٹ کو دبانے میں لگے تھے کپتان
ایبٹ کے دماغ میں یہ بات سما گئی کہ سردار چتر سنگھ دل سے اُن کی امداد کر رہا
ہے اور جلدی ہی لاہور پر حملہ کر کے پنجاب سے اُنکو نکالنا چاہتا ہے۔ اس شک
کے اثر میں آکر کپتان ایبٹ وہاں سے چھبیس میل کے فاصلے پر مقام سرورن میں چلے
گئے۔ سردار چتر سنگھ اُس کی اس حرکت سے حیران رہ گیا اور اپنا وکیل کپتان کے
پاس بھیجا۔ کپتان ایبٹ نے اُسے رُوکھا سا جواب دیا۔ "میں تمہارے مالک کا
اعتبار نہیں کرتا ہوں"۔ اس پر چتر سنگھ بالکل شانت رہا اور کپتان کو یہ کہلا بھیجا کہ
اگر اُن کو وہیں رہنا ہے تو وہ سردار کو یا اُنکے بیٹے کو اپنے پاس رہنے کی اجازت
دے۔ کپتان ایبٹ نے اس کے بجائے مسلمان لوگوں کو لالچ دیکر سردار
کے برخلاف اُبھارنا شروع کیا۔ ۶ اگست ۱۸۴۸ء کو مسلمانوں کے دل کے
دل سردار چتر سنگھ کے مکان کے گرد جمع ہو گئے ہزارہ کی فوج ہلکھی میں تھی۔ سردار
چتر سنگھ نے شہر کے سپاہیوں کو اکٹھا کر کے توپ لیکر اُن کو ہٹا دینے کا حکم دیا۔ اس
توپخانے میں کنور نام کا ایک شخص امریکہ کا تھا۔ جب اُسے ساتھ جانے کو کہا گیا
تو اُس نے جواب دیا کہ میں کپتان ایبٹ کے حکم کے بغیر نہیں جاؤں گا۔ اُسے سمجھا
بھیجا کہ اگر تم توپخانہ لیکر نہ پہنچو گے تو دشمن ہری پور پر قبضہ کر لیں گے اور ہماری حکومت

تباہ ہو جائے گی۔ کنورا نے نہ صرف حکم ہی نہیں مانا بلکہ توپ لے کر بیچ میں کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا کہ جو کوئی میرے سامنے آئیگا اسی کو گولے سے اڑا دونگا یہاں تک ہی نہیں اُس نے ایک سکھ حوالدار کو دیسی فوج پر گولہ چلانے کا حکم دیا۔ اُس حوالدار کے انکار کرنے پر کنورا غصے میں آگیا اور اس بیچارے کو تلوار سے کاٹ ڈالا اور پستول نکال کر دو سپاہیوں کو مار ڈالا۔ یہ دیکھ کر سکھ سپاہیوں نے کنورا کو کاٹ ڈالا

اس پر کپتان ایبٹ نے ریذیڈنٹ کو رپورٹ کی کہ سردار چتر سنگھ نے کنورا کو قتل کروا دیا ہے۔ ریذیڈنٹ نے سردار سے کیفیت طلب کی اور فیصلہ کیا اس سارے معاملے میں کپتان ایبٹ کا قصور ہے اور اپنی چٹھی میں اُس کی ہر ایک بات کی تردید کی اور اُس سے جواب طلب کیا کہ وہ کسطرح سے کنورا کے قتل کا الزام سردار چتر سنگھ پر لگاتا ہے۔ کیونکہ سردار چتر سنگھ نے جو کچھ کیا ہے اپنی حفاظت اور حکومت کے بچاؤ کے لئے کیا ہے۔ باوجود اس کے کپتان ایبٹ نے سردار کو لکھ بھیجا کہ اگر سردار چتر سنگھ کنورا کے قاتل کو میرے سپرد کر دیں تو اُن کی جاگیر اور فوج بنی رہیگی۔ اُن کا یہ کام قانون کے مطابق جانچا جائیگا اور میں اُسی وقت ہزارے کے ضلع میں امن کرا دونگا۔" سردار چتر سنگھ ایبٹ کی اس بات کو کیسے مان سکتے تھے انہوں نے کنورا کے قاتل کو انعام دینا مناسب سمجھا تھا۔ اگر سردار چتر سنگھ اس کو دے دیتا تو اُس کی ساری فوج اس سے بگڑ جاتی۔ سردار چتر سنگھ ایبٹ سے ملنا چاہتے تھے لیکن اُس نے ملاقات کرنی بھی گوارا نہ کی۔ کپتان نے اب سردار پر ایک اور الزام لگایا کہ سردار چتر سنگھ نے جموں کے راجا گلاب سنگھ اور اُس کے بیٹے شیر سنگھ کو لاہور پر حملہ کرنے کے لئے چٹھیاں لکھی ہیں۔ ریذیڈنٹ نے کپتان نکلسن کو اس بات کی تحقیقات کے لئے مقرر کیا جس نے یہ لکھا کہ ان چٹھیوں میں صرف مسلمانوں کی بغاوت دبانے کے لئے چار پلٹنیں بھیجنے کی درخواست کی گئی تھی لیکن نہ معلوم

کیا سبب ہؤا۔ دونو کپتانوں کی یہ رائے ہوگئی کہ نکلسن نے بھی سردار چتر سنگھ کو لکھ بھیجا کہ "آپ بغیر دیری کے اپنے آپ کو حوالہ کریں اور کنورا کے قاتل کو میرے پاس لے آویں تب آپ کی عزت اور زندگی کی ذمہ داری میں لے سکتا ہوں لیکن اپنی نظامت اور جاگیر کی کوئی امید نہ رکھیئے" اور ایک چٹھی ریذیڈنٹ کو لکھی کہ چتر سنگھ کو نظامت اور جاگیر سے علیحدہ کر دینا چاہیئے۔ اس سے بڑھکر تعجب یہ ہے کہ ریذیڈنٹ نے جو اتنک چتر سنگھ کو بے قصور سمجھتے تھے نکلسن کی تجویز کی تائید کر دی ریذیڈنٹ خوب جانتے تھے کہ نکلسن اس معاملے میں کنورا کے قتل کی وجہ نہ جانکر غلطی کر رہا ہے۔ ۲۴ اگست کو ریذیڈنٹ نے ایبٹ کو لکھا تھا کہ "کنورا کی سزا کو تم ہرگز قتل نہیں کہہ سکتے۔ تمہارا ایسا کہنا انصاف کے بالکل برخلاف ہے" لیکن یہ سب جانتے ہوئے ریذیڈنٹ نے اُس کی جاگیر اور نظامت کی ضبطی کی اجازت دیدی۔ سردار چتر سنگھ کے لئے اب کوئی چارہ نہ تھا لاچار اُس نے تلوار کا آسرا لیا اور اُس کے ساتھ اپنے بیٹے سردار شیر سنگھ کو بھی اس بات کی اطلاع دیدی۔

جس وقت سردار چتر سنگھ کے ساتھ یہ حال ہو رہا تھا اُس کا بیٹا سردار شیر سنگھ میجر ایڈورڈز کے ساتھ ملتان کی بغاوت فرو کرنے میں مشغول تھا۔ ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں کہ اگرچہ سکھ سرداروں نے ریذیڈنٹ سے یہ کہدیا تھا کہ ملتان کی بغاوت دبانے کے لئے سکھ فوج پر پورا اعتبار نہیں کیا جا سکتا تاہم سب کے سب سردار انگریزوں کی پوری طرح امداد کر رہے تھے۔ جون ۱۸۴۸ء میں گورو مہاراج سنگھ نے پانچ ہزار کے قریب سکھ جمع کر کے ہوشیارپور کے علاقے میں غدر مچا دیا مصر صاحب دیال ایک ہزار سپاہی لیکر وہاں پہنچے اور اسے دبا دیا۔ کچھ پہاڑی راجوں نے بھی غدر کا جھنڈا اُٹھایا لیکن سکھ سردار اُن کے برخلاف جانے پر طیار ہو گئے میجر ایڈورڈز نے ۱۳ جولائی کو شیر سنگھ کے متعلق لکھا کہ "اگرچہ اُس کے ماتحت فوج کے کچھ حصے

قابل اعتبار نہیں ہیں لیکن راجہ شیر سنگھ کا زبردست اثر ہے اور سب لوگ اُس کی حکومت کو مانتے ہیں۔ اُن کی فوج کے دو ایک آدمیوں نے کچھ شور مچایا تھا لیکن سردار شیر سنگھ نے اُن کو سخت سزا دیکر دوسرے کے دلوں میں ڈر پیدا کر دیا" شیر سنگھ کے پہنچنے تک ایڈورڈز چپ چاپ بیٹھے رہے۔ اس عرصہ میں دیوان مولراج قلعے کو مضبوط کرتا گیا اور نئی فوج بھرتی کرتا گیا۔ باوجود مضبوطی کے شیر سنگھ کے آنے پر اُسے ڈر پیدا ہو گیا اور اُس نے اپنا ایک قاصد سردار شیر سنگھ اور دوسرے سرداروں کے پاس روانہ کیا تاکہ وہ اُس کی مدد کریں لیکن سردار شیر سنگھ نے اُس کا منہ کالا کر کے گدھے پر سوار کر کے واپس بھیجدیا۔ مولراج نے ادہر سے مایوس ہو کر لاہور کی سکھ فوج کو بھکانے کی کوشش کی اور فوج کا ایک حصہ اُس کے ساتھ جا کر مل بھی گیا۔

۲۰ر جولائی کو مولراج نے قلعے سے انگریزی فوج پر گولے برسانے شروع کئے۔ سردار شیر سنگھ نے قلعے کے اُوپر حملہ کر کے گولہ باری کو روکدیا۔ مولراج نے پھر ایک بار اپنی کچھ فوج بھیجکر سردار شیر سنگھ کی فوج کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی لیکن شیر سنگھ نے اُس کی تدبیر کو کارگر نہ ہونے دیا۔ دیوان مولراج نے تنگ آ کر شیر سنگھ کو قتل کرنے کیلئے سُجان سنگھ نامی ایک سپاہی کو روانہ کر دیا لیکن سُجان سنگھ اور اُس کے ساتھی پکڑے گئے اور سُجان سنگھ گولے سے اُڑا دیا گیا لیکن ان باتوں سے سردار شیر سنگھ کی فوج میں بےچینی سی پھیل گئی اور سردار شیر سنگھ کو فوج سنبھالنے میں بڑی مشکل پیش آئی۔ ان سب باتوں کے باوجود انگریز افسروں کے دلوں میں شیر سنگھ کے برخلاف شکوک پیدا ہو رہے تھے۔ ۱۸ اگست کو سردار شیر سنگھ نے میجر ایڈورڈز سے اپنے باپ کے ساتھ بدسلوکی کا ذکر کیا لیکن جب کبھی مولراج کی طرف سے حملہ ہوتا تھا شیر سنگھ برابر انگریزی فوج کی حفاظت میں موجود رہتا تھا۔ میجر ایڈورڈز اپنی چٹھی میں اُس کے کام کی تعریف کرتے ہوئے یہ بھی ذکر کرتا ہے کہ سکھ لوگ شیر سنگھ

سے بہت بگڑے ہوئے تھے وہ اُسے سکھوں کا گھاتک اور مسلمانوں کا پیدا کیا
ہُوا کہا کرتے تھے اُنہوں نے اُس کا نام بجائے شیر سنگھ کے شیخ سنگھ رکھا ہُوا تھا۔"
ستمبر کے مہینے میں لاٹ صاحب نے میجر ایڈورڈز کی امداد میں مُلتان فوج بھیجی
اس کے ساتھ اُس کے سپہ سالار ہیویس اور نیپیر صاحب انجنیر تھے ہیویس کے ماتحت
آٹھ ہزار پیدل ڈیڑھ ہزار سوار اور چوالیس توپیں تھیں۔ اُن کی امداد میں میجر ایڈورڈز کے
نیچے قریباً دس ہزار پیدل تین ہزار سوار اڑتالیس چھوٹی بڑی توپیں تھیں۔ اس کے علاوہ
نواب بہاول پور کے پانچ ہزار پیدل اور دو ہزار سوار اور کچھ توپیں اور راجہ شیر سنگھ کی تین
ہزار تین سو سوار اور ایک ہزار کے قریب پیدل فوج اور بارہ توپیں تھیں۔ مُولراج کے
پاس دس ہزار فوج اور اکسٹھ توپیں تھیں۔ ۹ ستمبر کی رات کو کچھ انگریزی اور دیسی فوج نے
قلعے پر حملہ کیا لیکن انہیں کچھ کامیابی نہ ہوئی اور اُن کے دو تین سو سپاہی مارے گئے
لیکن دھرم سالہ کی لڑائی میں مُولراج کے پانچ سو سپاہی مارے گئے۔ اس کامیابی کے
بعد انگریزی فوج قلعے سے سولہ سو ہاتھ کے فاصلے پر پہنچ گئی۔ اس وقت سردار شیر سنگھ
کو اپنے باپ کی طرف سے خبر لگی کہ اُس کی جاگیر ضبط کر لینے کا حکم ہو گیا ہے۔ وہ اپنے
باپ کی اس بےعزتی کو سہار نہ سکا۔ اُس کا دل غُصّے سے جلنے لگا اور اُس نے اُسی
تلوار کو جس سے وہ مُلتان بغاوت فرد کرنے میں لگا تھا انگریزوں کے برخلاف چلانے پر
تیار ہو گیا۔ ۱۲ ستمبر کی رات کو اُس نے اپنے بھائی گُلاب سنگھ کو ایک خفیہ چٹھی لکھی جس
کا مطلب یہ تھا کہ سنگھ صاحب (پتاجی) لکھتے ہیں۔" وہ کپتان ایبٹ کا حکم مانتے
رہے لیکن اُس نے ہزارہ کے مسلمانوں سے مل کر پتاجی کو سخت تکلیف دی اور اُس نے
سکھ فوج کو تباہ کرنے کے لئے اپنی طرف سے بہت کوشش کی ہے پچھلے ہفتے سے میجر ایڈورڈز
کا خیال بھی بدلا ہُوا ہے۔ اس لئے میں نے سنگھ صاحب سے ملنے کا پُورا ارادہ کر لیا ہے
اگر تم کو سنگھ صاحب کا حکم اور میری رائے کا کچھ لحاظ ہے تو اس چٹھی کے پاتے ہی فوراً

سنگھ صاحب کے پاس پہنچ جانا نہیں تو جلدی ہی جموں یا کسی اور جگہ چلے جانا۔ اس میں لمحہ بھر بھی دیری نہ کرنا اگر تمہیں میری رائے منظور نہ ہو تو جو تمہاری مرضی ہو کرو لیکن اس بات کو یاد رکھو کہ باپ کا حکم ماننا اولاد کا سب سے بڑا فرض ہے۔ یہ زندگی دو دن کی ہے اگر جیتے رہے تو پھر ملیں گے۔ نہیں تو جو ایشور کو منظور ہے وہ ہوگا۔ اس چٹھی کے لکھنے کے بعد شیر سنگھ نے ایک اعلان مشتہر کیا۔ "پنجاب کے لوگوں سے یہ پوشیدہ نہیں ہے کہ مہاراج رنجیت سنگھ کی رانی کے ساتھ فرنگیوں نے کس قسم کا برتاؤ کیا ہے۔ اُن کی جو بےعزتی ہوئی یا اس کی وجہ سے لوگوں کے ساتھ جو برتاؤ کیا گیا اُس کے لکھنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ پنجابیوں کی ماتا کے برابر مہارانی جنداں کو دیش نکالا دیکر ایک تو اُنہوں نے عہد نامہ توڑا ہے اور دوسرا مہاراج رنجیت سنگھ کی اولاد کے اور ہم سب سکھوں کے ساتھ ایسا ظلم اور اتیاچار کیا گیا کہ ہم دھرم سے محروم ہو گئے ہیں۔ تیسرا راجیہ کی سب پرانی بزرگی بھی دُور ہو رہی ہے۔ بس اب دیکھنے کیا ہو؟ آؤ سب اپنی عزت اور جان و مال کی حفاظت کے لئے ایک ہو جاؤ۔"

۱۴ ستمبر کی صبح کو ہی شیر سنگھ انگریزی فوج سے علیحدہ ہو کر ملتان قلعے کی طرف گیا۔ اس سے پہلے دن اُس نے مولراج کو لکھ بھیجا تھا کہ میں کل آپ سے ملنا چاہتا ہوں۔ مولراج کو شیر سنگھ کی باتوں کا یقین نہ آیا۔ اُس کو یہ خیال ہوا کہ شیر سنگھ اُسے کسی دھوکے میں پھنساتا ہے۔ اس لئے اُس نے سردار شیر سنگھ کیلئے قلعے کے باہری حصے میں توپوں کے سامنے خیمے کھڑے کروائے۔ اس کے علاوہ شیر سنگھ سے ایک دھرمسالہ میں لیجاکر گرنتھ صاحب پر ہاتھ رکھوا کر قسم لی کہ میرے ساتھ کسی قسم کا دغا نہیں کیا جائے گا۔ شیر سنگھ کے ایسا کرنے پر بھی مولراج کے دل سے شک دُور نہیں ہوا۔ وہ اپنی فوج لیکر قلعے کے اندر

داخل ہو گئے۔ جب شیر سنگھ نے دیکھا کہ مولراج کا شک دُور نہیں ہوتا تو اُسے اور کوئی راستہ نظر نہ آیا اور اُس نے ملتان چھوڑ کر اپنے باپ کو ملنے کا ارادہ کر لیا۔

دیوان مولراج کی یہی بڑی غلطی تھی۔ اُس کا شیر سنگھ پر شک کرنا نامناسب نہ تھا لیکن اس شک پر بالکل اڑے رہنا ایسی بھول تھی جو کہ مولراج کے لئے اور سکھ سرداروں کے لئے مہلک ثابت ہوئی۔ اگر مولراج شیر سنگھ پر بھروسہ کر لیتا تو پنجاب کی تاریخ کا ورق بالکل پلٹ جاتا۔ شیر سنگھ کے الگ ہو جانے پر انگریزی فوج میں گھبراہٹ پیدا ہو گئی۔ دو دن تک انہوں نے سب کام بند رکھا لیکن جب لاہور کی باقی سب فوج انگریزوں کے ماتحت برابر مستعد رہی تو انہیں کچھ ہوش تو آئی لیکن ستمبر کا باقی کا نصف انہوں نے سوچ بچار میں ہی گذار دیا۔ مولراج کی طاقت دن بدن بڑھتی گئی۔ اسی عرصہ میں مولراج نے کابل کے امیر دوست محمد خاں کو لکھا اس پر امیر دوست محمد نے اپنے بیٹے کو فوج دے کر ملتان روانہ کیا۔ اسطرح اکتوبر کا سارا ماہ گذر گیا۔ ۴ نومبر کو جرنیل ہویس نے مولراج کی بڑھتی ہوئی فوج کے برخلاف توپیں گاڑیں اور قلعے پر گولہ باری شروع کر دی لیکن جب مولراج کی فوج بڑھتی چلی آئی تو جرنیل نے سنگینوں سے حملے کا حکم دیا جس سے ملتانی فوج مقابلے میں نہ ٹھیر کر پیچھے ہٹنے لگی۔ دسمبر کے ماہ میں بمبئی سے اور انگریزی فوج آ گئی جس سے اُن کے اور بھی حوصلے بڑھ گئے۔ اور ۲۷ دسمبر کو انگریزی فوج نے حملہ کر کے ملتان کا بہت سا باہری حصہ لے لیا اور مولراج کو اندر کے قلعے میں بند ہونا پڑا۔ اس سے بڑھ کر بدقسمتی کی بات یہ ہوئی کہ ۳۰ دسمبر کو ایک گولہ قلعے کے بارود خانے میں جا گرا جہاں پر پانچ ہزار من کے قریب بارود پڑی تھی بارود میں آگ لگ جانے سے دھوئیں کے ایسے بادل چھا گئے کہ رات کا سا اندھیرا ہو گیا۔ اس موقعہ پر سردار کاہن سنگھ اور اُس کا بیٹا دونوں مر گئے۔ ۲ جنوری کو بنگال

فوج نے دہلی دروازے پر دھاوا بولا لیکن اُس میں کامیاب نہ ہو کر وہ بمبئی فوج کو آملی جو کہ خونی بُرج پر حملہ کر رہی تھی۔ دونوں نے ملکر اُس بُرج پر فتح حاصل کر لی مُولراج یہ دیکھکر گھبرا گیا اور صرف تین ہزار سپاہی لے کر قلعے کے اندر چلا گیا اور دروازہ بند کر لیا۔ اُس کی باقی کی فوج شہر چھوڑ کر بھاگ گئی۔ ۲ر جنوری کو انگریزی فوج شہر میں داخل ہوئی اور قلعے کو چاروں طرف سے گھیر ڈال دیا۔ مُولراج نے جرنیل کے پاس اپنا آدمی بھیجا کہ وہ مطیع ہونے پر طیار ہے لیکن جرنیل نے یہہ جواب دیا کہ جبتک تم خود حاضر نہ ہو تمہاری کوئی بات نہیں سُنی جائیگی۔ ۱۲ر جنوری کو مُولراج نے اپنی قسمت آزمائی کرنے کیلئے انگریزی فوج پر حملہ کیا لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ ۱۶ر جنوری تک قلعے میں جانے کے لئے دو راستے ہو گئے۔ مُولراج نے پھر اپنا آدمی بھیجا لیکن اُسے وہی جواب ملا۔ ۱۲ر کو جرنیل ہیویس نے قلعے پر قبضہ کرنے کے لئے فوج کو حکم دیا۔ اس سے مُولراج کو سوائے اپنے آپ کو حوالے کرنے کے کوئی علاج نظر نہ آیا۔ اُس نے کہلا بھیجا کہ میں حاضر ہونے پر طیار ہوں اگر میری جان اور میرے کُنبے کی عزت کی حفاظت کی جائے۔ جرنیل ہیویس نے جواب دیا کہ آپ کی جان کے متعلق میرا کوئی اختیار نہیں ہے۔ ہاں آپ کے بال بچوں کی حفاظت کا اقرار کر سکتا ہوں۔ دوسرے دن قلعے پر حملہ ہونے لگا۔ ۹ بجے مُولراج نے اپنے آپ کو حوالے کر دیا۔ دیوان کو لاہور لایا گیا اور تین انگریزوں نے عدالت میں مقدمہ کر کے پہلے اُسے پھانسی کی سزا سُنائی پیچھے تبدیل کر کے کالا پانی کر دیا گیا۔ لاہور سے کالا پانی جاتے ہوئے راستے میں دیوان کی موت ہو گئی اور وہ آنے والی بے عزتی سے بچ گیا۔

انگریزوں اور سکھّوں کا دوسرا جنگ

کچھ عرصہ سے سکھّوں کے دلوں میں آگ سُلگ رہی تھی۔ اُنکو اپنا کوئی لیڈر نہ دکھائی دیتا تھا۔

پشاور وغیرہ اور مقامات پر سکھ فوج نے اُٹھنے کا ارادہ کیا لیکن اُن کو دبا دیا گیا۔ شیر سنگھ کے اعلان نکلنے پر اُن لوگوں کو سکھوں کا سب سے بڑا سردار لیڈر کے طور پر مل گیا۔ ۱۵؍ نومبر کو ریذیڈنٹ نے ایک اعلان نکالا جس میں اُن سب لوگوں کی جان و مال کی حفاظت کا اقرار دیا جو انگریزوں کے برخلاف ہتھیار نہ اُٹھائیں گے۔ ساتھ ہی سرداروں سے درخواست کی کہ وہ جنگ میں انگریزی فوج کو رسد وغیرہ سامان سے مدد کریں اور ہتھیار اُٹھانے والوں کو دھمکی دی گئی۔ لیکن اس اعلان سے پہلے ہی لارڈ گف پچیس ہزار اور ایک سو ایک توپ لیکر فیروزپور آ گئے اور نومبر ۱۳ کو لاہور پہنچ گئے۔ آتے ہی وہ شیر سنگھ کے برخلاف میدان لینے کیلئے طیار ہو گئے۔ ۲۲ نومبر کو کیمبل اور کوٹ ہیں صاحب کو رام نگر جانے کا حکم دیا۔ اُن کو معلوم ہوا تھا کہ شیر سنگھ کے پاس رام نگر کے قریب بہت سی سکھ فوج اکٹھی ہو گئی تھی۔ رام نگر پہنچنے پر انہوں نے سکھ فوج کا کوئی پتہ نہ پایا اور جب بہت دیر کے بعد سکھ فوج نظر آئی تو اُن پر گولہ چلانے کا حکم دیا گیا۔ اُن کو یہ دیکھکر بڑا تعجب ہوا کہ کوئی گولہ بھی سکھ فوج پر نہیں پڑا۔ انگریزی فوج اور آگے بڑھی لیکن آگے سے گولوں کی ایسی بوچھاڑ پڑی کہ انگریزی فوج دو توپیں اور رسد کے چھکڑے وہیں چھوڑ کر بھاگ آئی۔ لارڈ گف اس سے اتنے گھبرائے کہ انہوں نے پیچھے ہٹنے کا فیصلہ کر لیا۔ انگریزی فوج کو پیچھے ہٹتے دیکھکر سکھوں نے انکا تعاقب کیا اور جنگ کے لئے للکارا۔ ایک انگریز ولیم ہیولاک جو کہ نپولین کے ساتھ جنگ میں بہار ری دکھا چکا تھا یہ للکار برداشت نہ کر سکا اور لارڈ گف سے لڑائی کرنے کی اجازت مانگی۔ گھوڑے پر سوار ہوا اپنے ساتھ سواروں کے دو ٹرپ لیکر سکھ فوج پر جا پڑا۔ اُس نے خود سکھوں کی لائن توڑ دی اور اپنے ساتھیوں کو پیچھے آنے کے لئے کہتا گیا

سکھوں نے ایسی گولی چلائی کہ ہیولاک وہیں کھیت رہا اور بہت سے انگریز سوار مارے گئے۔ اس لڑائی میں بہت سے انگریزوں کو گرفتار کیا گیا۔ سردار شیر سنگھ نے اُنکے ساتھ بڑی عزّت سے سلوک کیا اور اُن کے آرام اور خوراک کے لئے انتظام کیا گیا۔

رام نگر میں یہ ہزیمت اُٹھاکر لارڈ گف نے تین کوس کے فاصلے پر اپنی چھاؤنی ڈالی اور بڑی بڑی توپیں منگوائیں۔ ۲ دسمبر کو شیر سنگھ پر دو مختلف جانب سے حملے کی تدبیر کی۔ شیر سنگھ کے سامنے تو خود لڑنے کے لئے ٹھیرے اور نپولین کی جنگ میں بہادری دکھلائے ہوئے سر جوزف تھیکول کو چناب کی بائیں طرف سے شیر سنگھ پر حملہ کرنے کے لئے مقرر کیا۔ تھیک وِل اُس دن چناب پار ہوکر وزیرآباد پہنچے اور رات چُپ چاپ رہکر دوسری صبح اُن کا حملے کا ارادہ تھا۔ سردار شیر سنگھ کو اس چال کی خبر لگ گئی۔ اُس نے کچھ فوج لارڈ گف کے لئے رام نگر میں چھوڑ دی اور خود فوج لے کر تھیک وِل کے برخلاف روانہ ہوگیا۔ یہ خبر سنتے ہی اُس نے لارڈ گف کو اِس سے اطلاع دی۔ لارڈ گف نے جواب میں کہلا بھیجا کہ میں بریگیڈیئر گوڈوی کو تمہاری مدد کے لیے بھیجتا ہوں۔ تھیک وِل صاحب تو گوڈوی کی انتظار کر رہے تھے کہ شیر سنگھ نے حملہ کیا۔ اُس نے پیچھے ہٹنا شروع کیا۔ جدھر سے گوڈوی کے آنے کی اُمید تھی۔ سردار شیر سنگھ نے سہدولا پور کے پاس تھیک وِل کو جا گھیرا۔ تھیک وِل نے اپنی ساری فوج کو گنّے کے ایک کھیت کے پیچھے کر لیا اور لڑائی کے لئے تیار ہوگئے۔ دن کے دو بجے سے لڑائی شروع ہوئی۔ دو گھنٹے تک ایک دوسرے پر حملے ہوتے رہے جس میں زیادہ تر انگریزی فوج کو نقصان اُٹھانا پڑا۔ اتنے میں شام ہوگئی اور تھیکول صاحب نے امداد کی راہ دیکھتے دیکھتے وہاں سے ہٹ جانا ہی مناسب سمجھا

شیر سنگھ نے بھی انکو تعاقب کرنا مناسب سمجھا اور فتح کی خوشی میں چناب کے جنوبی پُل سے پار ہو گیے۔ لارڈ گف کو اس لڑائی سے ایسا صدمہ پہنچا کہ اُسے چالیس دن تک پھر حملہ کرنے کی جُرأت نہ ہوئی۔ ۱۰ / جنوری کو لسوڑی پہنچکر وہاں بہت سی فوج اکٹھا کرنے کا انتظام کیا۔ یہاں سے چار کوس کے فاصلے پر رسُول نام ایک گاؤں میں سردار شیر سنگھ نے اپنی چھاؤنی بنائی۔ اِس کے سامنے ایک جنگل ایسا تھا۔ اور انگریزوں کو اس تیاری کا کچھ پتہ نہ لگ سکتا تھا۔

۱۳ / جنوری کو انگریزی فوج دشمن پر حملہ کرنے کے لیے آگے بڑھی۔ کئی کوس چلنے کے بعد چیلیانوالا کے میدان میں آپہنچی۔ دوسرے دن حملے کا ارادہ تھا۔ لیکن شیر سنگھ نے یہ خبر پاکر آہستہ سے اپنی فوج لے کر دھاوا بول دیا۔ لارڈ گف شیر سنگھ کی اِس چالاکی پر حیران ہو گیا اور سکھوں پر گولہ باری کا حکم دیا۔ دو گھنٹے تک گولہ باری کرنے کے بعد ساڑھے تین بجے فوج کو آگے بڑھنے کا حکم ہوا۔ کیمبل صاحب کی فوج سب سے آگے تھی۔ اس فوج کے ایک حصّے کا افسر پینی کوک تھا۔ اِن دونو حصّوں نے سکھ فوج پر حملہ کیا۔ اُنھوں نے جاکر سکھوں کی توپوں کے اندر کیلیں گاڑ دیں۔ سکھ سپاہی "تلواریں" لیکر اُن پر جا پڑے اور سب کا کام تمام کر دیا۔ اُن میں کیمبل صاحب خود بھی موجود تھے۔ ایک سکھ نے "تلوار" سے اُنکو زخمی کر دیا۔ لیکن ایک گورے سپاہی نے اپنی تلوار اُٹھا کر اپنے جرنیل کو بچا لیا۔ سِکھوں نے توپوں سے کیلیں اُکھاڑ دیں اور گولے برسانے شروع کیے۔ آخر میں کیمبل صاحب جیت ہی گیے اور سکھوں کی چار توپیں اُن کے ہاتھ لگیں۔

کیمبل تو جیت گیے لیکن اُن کے ساتھی افسر پینی کوک کی بڑی گت بنی۔ پینی کوک نے بڑی فوج کے ساتھ سکھوں پر حملہ کیا۔ لیکن سکھوں نے تلوار اور گولی سے ایسا جواب دیا کہ انگریزی فوج ان کے مقابلے پر ٹھہر نہ سکی۔ پینی کوک بمعہ

پانچ سو ساتھیوں کے مارے گئے اور اُن کی فوج کے جھنڈے سکھوں کے ہاتھ آ گئے۔

ایک اور مقام پر گلبرٹ صاحب نے سکھوں پر حملہ کیا اور اس میں سکھوں کی چار توپیں اُن کے ہاتھ لگیں۔ گلبرٹ نے بجائے سکھوں کا پیچھا کرنے کے اپنے زخمیوں کو اُٹھانا مناسب سمجھا۔ جب وہ اس کام میں لگے تھے۔ سکھوں نے پیچھے سے آ کر گلبرٹ کی فوج پر حملہ کر کے اُس کی خوب گت بنائی اور اگر کپتان ڈین ان کی مدد کو نہ پہنچتے تو معلوم نہیں۔ اُن کا کیا انجام ہوتا۔ اب سکھ گھبرائے اور لڑائی سے بھاگنے لگے اور ان کی تین توپیں انگریزوں کے ہاتھ لگیں۔ اُدھر سکھ سپاہیوں نے گوڈوی کی فوج کو میدان سے بھگا دیا۔ اس لڑائی میں انگریزوں کے اُنیس افسر اور چھ سو سپاہی مارے گئے۔ جہاں ایک طرف پیدل فوج کی لڑائی ہو رہی تھی۔ اُدھر سواروں کی بھی لڑائی کم گرم نہ تھی۔ کیمبل نے خود اپنے ایک افسر سردار عطر سنگھ کے اُوپر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ سکھوں نے بھی اس بہادری سے تلوار چلائی کہ بہت سے انگریز بہادر اُن کی تلوار کا شکار ہوئے۔ یونٹ صاحب بھی ایک تلوار کے زخم سے موت کے مُنہ میں چل دیئے۔ سکھوں کی بہادری اس قسم کی تھی کہ مسٹر ٹھیک وِل نے اپنی کتاب میں یہانتک لکھا کہ "مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہمارا ایک آدمی بھی زندہ نہ رہے گا"۔ انگریزوں کی ہمت اس سے نہیں ہری۔ کرنل پوپ کی چار سوار رجمنٹوں نے سکھوں پر بڑی تیزی سے حملہ کیا۔ ایک رجمنٹ بھالوں سے حملہ کرتی تھی۔ سکھوں نے اپنی ڈھالوں سے ان بھالوں کو نکما کر دیا اور تلواروں کے حملے سے انگریزی سواروں کو زمین پر سُلانے لگے۔ اُسی مسٹر ٹھیک وِل نے سکھوں کی بہادری کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ایک سپاہی انگریزی فوج کے تین سواروں کو کاٹتا تھا۔ سکھوں کی اس بہادری سے

انگریزوں کے چھکے چھوٹ گئے۔ میدان میں اُن کے سپاہیوں کی لاشوں کے ڈھیر لگ گئے۔ کرنل پوپ بھی وہاں ہی مارے گئے۔ اس سے انگریزی فوج بھاگنے لگی۔ سکھوں نے تعاقب کر کے جو کوئی آدمی ملا۔ اُسے ہی تلوار سے پار کیا۔ انگریزی فوج کو اپنی توپوں کی بھی سُدھ بُدھ نہ رہی۔ میجر کرسٹی توپیں لیکر بھاگے لیکن سکھوں نے اُس کا راستہ میں ہی کام تمام کر دیا اور سب توپیں چھین لیں۔ کتنے ہی انگریز سپاہی جان بچانے کے لئے جنگل کو بھاگ گئے۔ سکھ سپاہی بڑے زور سے آگے بڑھے آرہے تھے کہ لارڈ گف کو بھی اپنا ڈیرہ چھوڑ کر بھاگ جانے کا مشورہ دیا گیا۔ لارڈ گف نے ایسا کرنا مناسب نہ سمجھا اور وہاں سے بڑھتی ہوئی فوج پر توپوں کا وار کرنا شروع کیا۔

سکھوں کیلئے سچ مچ یہ دن بڑی خوشی اور فخر کا تھا جب اُنہوں نے اُن سواروں کی فوج کو مار بھگایا۔ جس فوج نے نپولین کے ساتھ جنگ میں فتح حاصل کی تھی اور جو جھنڈے اُنہوں نے وہاں سے حاصل کئے تھے۔ آج سکھوں کے ہاتھ میں چلے گئے تھے۔ تاہم لارڈ گف نے ہمت نہ ہاری اور پھر ایک بار سکھوں پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ برائنڈ اور وائٹ کو سکھوں کے دائیں حصے پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ کچھ دیر کے لئے سردار عطر سنگھ کی توپیں چلنی بند ہوگئیں۔ برائنڈ نے یہ سوچا کہ اُس کی توپیں چلنے سے ہی عطر سنگھ کی توپیں بند ہوگئی ہیں۔ لیکن تھوڑی دیر نہیں گذری کہ عطر سنگھ کی توپوں سے وہ تیز گولہ باری ہوئی کہ انگریزی فوج اُس کو برداشت نہ کر سکی۔ اُن کے سپاہی مارے گئے۔ اور اُن کی توپیں چلنی بند ہوگئیں۔ اُن کی رسد کی بھری ہوئی گاڑیاں سب چکنا چور ہوگئیں۔ شام ہونے لگی۔ بہادروں کے خون سے تر ہوئی زمین پر اندھیرا چھا گیا اور اُس دن کی لڑائی ختم ہوگئی رات کے وقت انگریز افسر صلاح مشورہ کرتے رہے کہ آیا اُن کو

رات کو حملہ کرنا چاہیئے یا کہ نہیں بعضوں کی رائے تھی کہ لارڈ گف کو میدان سے پیچھے ہٹ جانا چاہیئے اس پر کیمبل صاحب بڑے ناراض ہوئے۔ لارڈ گف بھی یہ کہنے لگے "کیا میں اپنے مرے ہوئے سپاہیوں کو چھوڑ دوں اور چلا جاؤں۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔" لیکن رات آہستہ آہستہ بڑھتی جاتی تھی۔ پیاس اور بھوک فوج کو بہت ستا رہی تھی۔ آخر لارڈ گف نے میدان کو چھوڑ دینا ہی مناسب سمجھا۔ جاتے ہوئے انگریزی فوج اپنی چھ بڑی اور بارہ چھوٹی توپیں میدان میں چھوڑ گئے۔ اُن کی رسد اور جھنڈے بھی وہیں رہ گئے۔ جاتے ہوئے اُنہیں یہ بھی بڑا ڈر رہا کہ کہیں پیچھے سے سکھ حملہ نہ کریں۔ حقیقت میں یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ شیر سنگھ کیونکر اس حملے سے باز رہا۔ صرف وہاں سے اپنے مُردے سپاہیوں کو جلایا اور توپیں اور سامان رسد اُٹھا کر لے گئے۔ اس اڑھائی گھنٹے کی لڑائی میں نواسی افسر اور دو ہزار تین سو سپاہی مارے گئے۔ چیلیاں والے کی لڑائی نہ صرف سکھوں کی بلکہ ہندوستان کی تاریخ میں ایک بڑی بہادری کا دن ہے۔ جو فخر راجپوتانے کے راجپوت ہلدی گھاٹ کی لڑائی میں لے سکتے ہیں۔ اُس سے بھی بڑھ کر فخر پنجاب کے لوگوں کو چیلیانوالہ کے میدان میں ہونا چاہیئے۔ جب تک سکھ قوم اور اُس کی تاریخ زندہ رہے گی۔ چیلیانوالے کا میدان اُس کا ایک نہایت مبارک صفحہ بنا رہیگا۔ اس فتح حاصل کرنے میں شیر سنگھ نے توپوں کی آواز سے آسمان کو ہلا دیا۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ لارڈ گف نے اور لارڈ ڈلہوزی نے ہر ایک توپخانے میں ایک سو ایک توپ چلانے کا حکم دیا تاکہ چیلیانوالہ کے میدان میں اُن کی فتح سمجھی جائے۔ ایڈون نے تو یہاں تک لکھ دیا کہ اگر سکھ لوگ انگریزوں پر ایک اور فتح حاصل کر لیتے تو پنجاب کا ہی نہیں بلکہ ہندوستان سے بھی انگریزوں کو ہاتھ دھونے پڑ جاتے اور دوسرے کئی انگریزوں نے تسلیم کیا

کہ چیلیانوالہ کی لڑائی انگریزوں کے لئے ہندوستان کی تمام لڑائیوں سے زیادہ خطرناک تھی۔ انگلینڈ میں اس کا اتنا چرچا ہوا کہ لارڈ گف کو ہٹا دینے کے سوائے اور کوئی علاج نظر نہ آتا تھا۔ مشہور ڈیوک آف ویلنگٹن نے نیپیئر صاحب کو سپہ سالار مقرر کرتے ہوئے کہلا بھیجا کہ "اگر تم نہیں جانا چاہتے ہو تو مجھے خود ہندوستان جانا پڑیگا"۔ لیکن گف کی خوش قسمتی تھی کہ کسی اور سپہ سالار کے پہنچنے سے پہلے ہی گجرات کی لڑائی ہوئی اور جنگ کی فتح کا سہرا لارڈ گف کے سر ہی رہا۔

چیلیانوالہ کے بعد انگریز چیلیانوالہ میں اور سکھ رسول میں پچیس دن تک پڑے رہے۔ دونو طرف سے فوجیں بڑھا کر لڑائی کی طیاری کی جاتے لگی۔ لڑائی کے دو دن بعد سردار چتر سنگھ بھی اپنے بیٹے کے پاس پہنچ گئے اور وہ پشاور اور قلعہ اٹک سے میجر لارنس، لفٹیننٹ ہرٹ وغیرہ کئی انگریزوں کو قید کر کے اپنے ساتھ لے آئے۔ سکھ سردار انگریز قیدیوں کے ساتھ بڑا اچھا سلوک کرتے تھے اور اُنہیں اپنے بھائیوں کے ساتھ ملنے کی اجازت دے دیتے تھے۔ اس کا نتیجہ سکھوں کے حق میں دو طرح سے بُرا ہُوا۔ ایک تو ان انگریزوں نے سکھوں کی باتیں سُنکر یہ خبر دیدی کہ سکھ لوگ انگریزوں کی بڑی توپوں کے چلنے سے ڈرتے ہیں۔ اس سے لارڈ گف نے بڑی توپیں منگوانے کا انتظام کیا۔ دُوسرا سردار شیر سنگھ نے ان کی معرفت لارڈ گف کو صُلح کا پیغام بھیجا۔ اُنہوں نے واپس آ کر چال سے یہ کہدیا کہ اُنہوں نے سپہ سالار سے صُلح کے اوُپر بات چیت کی ہے۔ صرف اتنی بات ہی سُنکر سردار شیر سنگھ صُلح کے بھروسہ پر زیادہ تیاری سے بے پرواہ ہو گئے۔ انگریزوں کو بڑا فائدہ یہ ہُوا کہ اس عرصہ میں انگریزی فوج مُلتان کو فتح کر کے چیلیانوالہ کی انگریزی فوج کے ساتھ آ ملی جس سے انگریزی فوج کے حوصلے بہت بڑھ گئے۔

۶ فروری ۱۸۴۹ء کو انگریزوں کو یہ خبر لگی کہ سکھ فوج رسُول سے چلدی
ہے۔ پہلے تو لارڈ گف سکھوں کا رسُول چھوڑ دینا اُن کی بھول سمجھکر ہنس پڑا لیکن جلدی
ہی اُسے پتہ لگا کہ شیر سنگھ تیس ہزار فوج اور ساٹھ توپیں لاہور پر لیجا رہا ہے۔ یہ سُنکر
لارڈ گف کی گھبراہٹ کا ٹھکانا نہ رہا اور اُس نے جھٹ پٹ اُس کا راستہ روکنے کا
خیال کیا۔ شیر سنگھ کو لاچار گجرات میں انگریزوں کے ساتھ مورچہ لگانا پڑا۔ ۲۱ فروری
آگئی۔ اُس دن سویرے ہی انگریزی فوج نے اپنی سو توپیں کھڑی کر دیں اور خود لارڈ
گف توپخانے کے پاس کھڑے ہو کر اُس کے چلانے کا انتظام دیکھنے لگے۔
ٹھیک وِل صاحب کو دوسرے توپخانے کا چارج دیا۔ سکھ فوج بھی اپنی چھوٹی
توپیں لے کر توپوں کا مقابلہ توپوں سے کرنے لگی اور انگریزوں کی توپوں کے
گرجنے سے نڈر ہو کر بڑی بہادری سے مقابلہ کرنے لگے۔ دو گھنٹے تک گولوں کے
چلنے سے آسمان دھواں دھار ہو گیا۔ آخیر میں سکھوں کی چھوٹی توپیں چکنا چور
ہونے لگیں اور اُن کی رسد کی گاڑیاں ٹوٹنے لگیں۔ یہ دیکھ کر سکھوں نے تلواریں
ہاتھوں میں پکڑ لیں اور گولوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے دُشمن کی فوج چیر کر لارڈ
گف تک جا پہنچے۔ لیکن گولے کی بوچھاڑ سے ان بہادروں کی جانیں چلی گئیں
لیکن سکھ فوج نے اپنی دلیری برابر قائم رکھی اور تلواروں سے حملے کو جاری رکھا
اِتنے میں ایک اور چھوٹا سا واقعہ ہوا جس نے سکھ فوج کی قسمت کو بدل دیا
اِس لڑائی میں امیر دوست محمد خاں پندرہ سَو پٹھان لے کر سکھوں کی امداد کو آئے
تھے۔ یہ پٹھان سوار سکھوں کی دائیں ہاتھ کھڑے تھے۔ ٹھیک وِل کے سواروں نے
اِن پر ایسا حملہ کیا کہ وہ اپنے جھنڈے چھوڑ کر میدان سے بھاگ گئے۔ پنجاب کے
لوگوں کا عام خیال ہے کہ اِس وقت پٹھانوں کی یہ حرکت لالچ کی وجہ سے
وقوع میں آئی تھی۔ دائیں پہلو کی فوج اُکھڑ جانے سے انگریزی فوج کو سکھ فوج

سکھ فوج کے اندر گھس جانے کا موقعہ مل گیا۔ اس موقعہ پر سکھوں نے بے نظیر بہادری کا ثبوت دیا۔ گھسنے والے انگریزی سپاہیوں کے پاس سنگین تھے۔ سکھ سپاہی ایک ہاتھ سے اُن کے سنگین پکڑتے تھے اور دوسرے سے تلوار کا وار کرتے تھے۔ سکھوں کی اس بہادری کو بھی گولوں کی آگ نے خاک میں ملا دیا۔ توپوں کی آگ کے سامنے تلوار کب تک ٹھہر سکتی تھی۔ آخر میں سکھ فوج کے پیر اُکھڑنے لگے۔ لیکن سکھوں نے کبھی جان بچانے کی کوشش نہیں کی۔ خوشی سے بڑھ کر موت کو قبول کرتے تھے انگریزی فوج نے مغلوب ہوئے دشمن پر ذرا بھی رحم نہیں کیا۔ جہاں پر کوئی سکھ ملا۔ خواہ اُس کے پاس ہتھیار تھے یا نہیں۔ اُسے تلوار یا گولی کا شکار بنایا۔ شیر سنگھ کو گجرات میں شکست ہوئی اور وہ شکست بھی ایسی کہ اس کا سارا سامان توپیں انگریزوں کے ہاتھ آئیں۔ جنرل گلبرٹ نے بھاگتے ہوئے سکھوں کا تعاقب کیا اور انھیں سوائے اپنے آپ کو حوالے کئے اور کوئی چارہ نہ دکھائی پڑا۔ ۱۴ مارچ کو گلبرٹ نے سکھوں کو راولپنڈی میں آگھیرا۔ سکھوں کے پاس اس وقت نہ کوئی لڑائی کا سامان تھا نہ کوئی کھانے کا۔ گلبرٹ اور فتح امام الدین نے ایک طرف سے اور ایبورٹ نے دوسری طرف سے اُنہیں گھیر لیا۔ سردار شیر سنگھ نے ہتھیار رکھتے ہوئے گلبرٹ سے دلیری سے یہ کہا۔ "انگریزوں کے بیشمار ظلموں کی وجہ سے ہم نے یہ کیا۔ اپنے ملک کی حفاظت کے لیئے ہم سے جو کچھ ہو سکا ہم نے کیا۔ اب ہماری یہ حالت ہے کہ ہمارے سب بہادر میدان میں ہمیشہ کے لئے سوئے پڑے ہیں۔ ہماری توپیں اور ہمارے ہتھیار ہمارے ہاتھوں سے نکل گئے ہیں۔ اس لئے اس وقت ہم اپنے آپ کو حوالے کرتے ہیں۔ جو کچھ ہم نے کیا اُس کے لئے ہمیں کچھ بھی افسوس نہیں ہے اور جو کچھ ہم نے اب کہا ہے طاقت ملنے پر کل بھی وہی کریں گے" سکھ سپاہیوں کی آنکھوں سے آنسو بہ رہے تھے۔ جب سب نے اپنے ہتھیاروں کو گلبرٹ کے سامنے پیش کیا۔

سب نے روتے ہوئے بلند آواز سے کہا۔ "آج مہاراج رنجیت سنگھ کی موت ہوگئی ہے"۔ سردار شیر سنگھ اور چتر سنگھ نظر بند کر کے کلکتے بھیج دیئے گئے۔

اس لڑائی کے وقت لاہور میں بالکل امن چین رہا۔ کونسل میں آٹھ سکھ سردار تھے جن میں سے صرف ایک سردار شیر سنگھ اور رنجور سنگھ انگریزوں کے برخلاف تھے۔ باقی سب سردار انگریزوں کے ساتھ رہے۔ اُنہوں نے فوج کو سامان رسد وغیرہ پہنچانے میں پوری مدد کی۔ ریذیڈنٹ نے اس بات کو تسلیم کیا کہ پنجاب کے عام لوگوں نے جن میں عام سکھ بھی شامل تھے اس بغاوت میں حصّہ نہیں لیا۔ جموں مہاراج اور ستلج کے اس پار کی ریاستوں نے روپیہ اور آدمیوں سے انگریزوں کی امداد کی۔ اکیلے پٹیالہ سے ہی سرکار کو پچیس لاکھ ملا۔ اس سے بھی کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ اس دوسرے خالصہ کے جنگ میں مہاراج دلیپ سنگھ کا کوئی ہاتھ نہ تھا۔ پنجاب کا سارا اختیار ریذیڈنٹ کے ہاتھ میں تھا اور مہاراج کی حفاظت اور حکومت کی سب ذمہ واری ریذیڈنٹ کے سر پر تھی۔ مہاراج دلیپ سنگھ کو شاید یہ پتہ بھی نہ ہو کہ پنجاب سے باہر کیا ہو رہا ہے اور وہ حیران ہو گیا جبکہ اُس کے کھیلنے والے ساتھی گلاب سنگھ کو پکڑ لیا گیا اور اُس کے محلوں کو آ کر اُس کے سپاہیوں نے گھیر لیا۔ ان سب باتوں کے باوجود لارڈ ڈلہوزی نے فیصلہ کر لیا تھا اور ولائت سے گورنمنٹ آف انڈیا کے سکرٹری مسٹر ایلیبٹ کو لاہور روانہ کیا تاکہ وہ پنجاب کونسل میں سب شرائط وغیرہ طے کر کے پنجاب کو انگریزی حکومت میں شامل کرے۔ اتنا یہاں پر کہہ دینا ضروری ہے کہ سر ہنری لارنس اس کو غیر منصفانہ سمجھ کر اس کے برخلاف تھے۔ اُنہیں گورنر جنرل کے اس فیصلہ سے بہت صدمہ ہوا۔ لیکن لارڈ ڈلہوزی یہ کبھی برداشت ہی نہ کر سکتا تھا کہ اُس کی مرضی کے سامنے کسی قسم کی کوئی رکاوٹ پیدا ہو۔ مسٹر ایلیبٹ لاہور آئے۔ سب سے پہلے اُنہوں نے راجہ تیج سنگھ اور راجہ دینا ناتھ کو بلا کر پنجاب کو انگریزی حکومت میں شامل کرنے کے

متعلق مشورہ کیا اور جو نیا عہد نامہ مسٹر ایلیٹ نے تیار کیا تھا اپنی جاگیر ضبطی کے خوف سے اُنہوں نے اُس پر دستخط کر دیئے۔ اس کے بعد فقیر نور الدین اور بھائی ندھان سنگھ سے بھی دستخط کرائے گئے۔ دو اور ممبروں سے بھی دستخط کرا کے دوسرے دن ۲۹ مارچ ۱۸۴۹ء کو کونسل بلائی گئی۔ اُس دن مہاراج دلیپ سنگھ اپنے باپ کے سنگھاسن پر آخری دفعہ بیٹھے۔ دربار میں سب نے مُنہ پر اُداسی چھائی ہوئی تھی۔ جو سردار قیمتی کپڑے پہن کر دربار میں آیا کرتے تھے وہ معمولی میلے کپڑے پہنے ہوئے وہاں موجود ہوئے۔ مقررہ وقت پر مسٹر ایلیٹ سر ہنری لارنس اور دوسرے انگریز افسر دربار میں پہنچے۔ مہاراج دلیپ سنگھ اور دوسرے سرداروں نے اُن کا دروازے پر استقبال کیا۔ پاس ہی دائیں طرف انگریزی فوج ہتھیار باندھے کھڑی تھی۔ دیکھنے والوں کی بہت بھیڑ بھاڑ تھی۔ دلیپ سنگھ بھی اُس وقت بہت سنجیدہ ہو گئے۔ کیونکہ اُنہوں نے سمجھ لیا تھا کہ یہ آخری دربار کس غرض سے کیا جا رہا ہے۔ سب لوگوں کے بیٹھ جانے پر مسٹر ایلیٹ نے ایک تقریر کی۔ اس کے بعد ایک مولوی نے فارسی زبان میں ایک اعلان پڑھا جس میں بتایا گیا کہ پنجاب کو سرکاری بنا دیا گیا ہے۔ اس کا ترجمہ ہندوستانی میں کیا گیا۔ اس کے پیچھے کچھ منٹوں تک سناٹا سا چھا گیا۔ کسی کو بولنے کی چوں تک نہ ہوئی۔ راجہ دینا ناتھ نے روتے ہوئے اُٹھ کر اس تجویز کی مخالفت کی اور نہایت نرم الفاظ میں کہا کہ "ایسے موقعہ پر سرکار کو فراخدلی کا ثبوت دینا چاہیئے۔ انگریز وہ قوم ہے جنہوں نے نپولین کے ساتھ لڑائیاں کر کے فرانس کو اپنے اصلی بادشاہ کو سونپ دیا تھا۔ پنجاب مہاراج دلیپ سنگھ کو کیوں نہ دیا جائے۔ اس پر مسٹر ایلیٹ نے راجہ دینا ناتھ کو دھمکی دیا کہا۔ چپ رہو نہیں تو کالے پانی بھیجے جاؤ گے۔ اب فراخدلی اور رحم کا وقت گیا۔ میں تاشن کی طرف سے عہد نامہ پر دستخط کرانے آیا ہوں جو کل کونسل میں طے ہو چکا ہے۔ سب

لوگ چپ ہو گئے۔ کسی نے کچھ کہنے کی جرأت نہ کی۔ سرداروں نے وہ کاغذ مہاراج کے سامنے رکھدیا۔ مہاراج نے اپنے ملازم میاں کہاں کے کہنے پر چپ چاپ دستخط کر دیئے۔ دربار ختم ہوا۔ مہاراج رنجیت سنگھ کے قلعے پر انگریزی جھنڈا لہرانے لگا۔ لاہور کے لوگوں کو یہ معلوم ہو گیا کہ اب سے وہ سرکار انگریزی کی رعیت ہو گئے ہیں اور انہیں انگریزی قانون پر چلنا پڑے گا۔

اُس کاغذ میں مندرجہ ذیل باتیں طے کی گئیں

(۱) مہاراج دلیپ سنگھ اور اُن کے وارث پنجاب کے راج کے متعلق سب حقوق۔ دعویٰ اور استحقاق چھوڑتے ہیں۔

۲۔ لاہور دربار کی جتنی جائداد ہے۔ اُس پر ایسٹ انڈیا کمپنی کا اختیار ہوگا۔

۳۔ مہاراج رنجیت سنگھ نے جو کوہ نور ہیرا شاہ شجاع سے لیا تھا وہ مہاراج کو انگلینڈ کی نذر کرنا ہوگا۔

۴۔ مہاراج دلیپ سنگھ اُن کے کنبے اور نوکروں کے خرچ کے لئے ایسٹ انڈیا کمپنی زیادہ سے زیادہ پانچ لاکھ اور کم سے کم چار لاکھ روپیہ سالانہ دیا کرے گی۔

۵۔ مہاراجہ دلیپ سنگھ کے ساتھ عزت سے سلوک کیا جائیگا۔ اُن کا درجہ مہاراج دلیپ سنگھ بہادر رہے گا اور اگر وہ برٹش سرکار کے ماتحت رہے تو زندگی تک انہیں اوپر لکھی ہوئی رقم یا کچھ حصہ جیسا مناسب ہوگا۔ برابر ملتا رہے گا۔ اُن کے رہنے کے لئے گورنر جنرل جو مقام پسند کریں گے اُن کو آئندہ وہاں رہنا پڑے گا۔

نیا زمانہ

آزادی کا خاتمہ

پنجاب کے ساتھ ملا لینے سے انگریزی راج کی حدود ایک دم ہی پشاور کے پرے جمرود تک جا پہنچی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مہاراج رنجیت سنگھ نے اتنی بڑی سلطنت قائم کر کے انگریزی راج کے پھیلاؤ کا راستہ صاف کر دیا۔ جو کام انگریزوں کو کرنے ہوئے شاید بڑا عرصہ لگتا لیکن اُن ہی فوج کے ساتھ لڑائی کر کے انہوں نے دو چار ماہ کے اندر پورا کر لیا۔ مہاراج رنجیت سنگھ کی سلطنت کو چھوڑ کر باقی سارا ہندوستان سرکار انگریزی کے تحت میں آ چکا تھا۔ جو کچھ دیسی ریاستیں راجپوتانہ میں یا مہاراشٹر میں یا شمالی ہند میں موجود تھیں اُنہوں نے سرکار انگریزی کے ساتھ "سب سی ڈی ایری" رشتہ جوڑ لیا تھا۔ سب سی ڈی ایری طریقے کا رواج لارڈ ویلزلی نے آ کر شروع کیا جس کی غرض یہ تھی کہ ہندوستان میں جو کوئی دیسی حکومت قائم رہنا چاہے اُسے اپنی حفاظت سرکار انگریزی کے سپرد کر کے اُن سے دوستی کا رشتہ پیدا کر لینا چاہیئے۔ آزاد ریاست کے لئے زندگی کی پہلی شرط یہ ہے کہ اُس کے پاس فوجی طاقت ہو جو کہ اُس کی اندرونی یا بیرونی خطروں سے حفاظت کر سکے۔ یہ فوجی طاقت ریاست کے لئے بازوؤں کی مانند ہوتی ہے۔ لارڈ ویلزلی نے اِن ریاستوں کے لئے دوستی کا معیار یہ ٹھیرایا کہ وہ اپنے بازوؤں پر بھروسہ چھوڑ دیں اور اپنی حفاظت کے لئے اپنے خرچ پر انگریز افسروں کے ماتحت اپنے ہاں فوج رکھیں۔ پنجاب آزاد تھا۔ پنجاب کا سرکار انگریزی کے ساتھ الحاق ہو جانے سے ہندوستان میں آزادی کا خاتمہ ہو گیا۔ اِس کے بعد ہندوستان میں ایک نئے زمانے کا آغاز ہوا۔ اِس

زمانے میں انگریزی تہذیب کا اثر بلا کسی روک ٹوک کے اس ملک میں پھیلنے لگا۔ اس زمانے میں انگریزی راج کی برکتیں ہم پہ نازل ہونی شروع ہوئیں۔ سارے ملک میں ایک انگریزی حکومت ہو جانے سے اور تمام ملک کے اندر ایک سے مغربی سامان مہیا ہو جانے سے ملک کو فائدہ ضرور ہوا ہے۔ لیکن ان فائدوں اور برکتوں کی بنا غلامی کی وہ مشترکہ زنجیریں ہیں، جنھوں نے سارے ملک کو ایک کونے سے دوسرے کونے تک جکڑ رکھا ہے۔ اس مشترکہ غلامی میں آکر ہندوستان کے مختلف صوبوں کے لوگوں نے ایک دوسرے سے ملنا۔ ایکدوسرے کے مصائب کے اندر ہمدردی کرنا اور اپنے دلوں سے پرانے تعصبات کو دور کرنا سیکھا ہے جس کی وجہ سے ہمارے ہاں ایک مشترکہ قومیت کی قائم ہو جانے کے کچھ مدہم سے آثار نظر آنے لگے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ہی غلامی کے بوجھ کی وجہ سے اپنی قومی ابتری اور گراوٹ کو دیکھکر سمجھدار لوگوں کے دلوں میں آزادی کی قدر پیدا ہونی شروع ہوئی ہے۔ اگر یہ غلامی اور اس کو قائم رکھنے کے سارے سامان ریلیں تاریں سلسلۂ تعلیم وغیرہ اس ملک میں نہ بنائے جاتے تو ہمارے اندر نہ ایک قومیت کا جذبہ ہوتا نہ ایکدوسرے کے لیئے ہمدردی کا مادہ ہوتا اور نہ آزادی یا سوراجیہ کی خواہش ہوتی۔ غلامی سے بڑھکر دنیا میں اور کوئی برائی نہیں ہے۔ غلام انسان انسانیت کے درجے سے گر جاتا ہے۔ غلامی کا دکھ موت سے برا مانا جاتا ہے۔ لیکن یہ بھی دنیا میں دیکھا جاتا ہے کہ جسم کے اندر سے زہر کو خارج کرنے کے لیئے دوسری زہر کو دیا جاتا ہے۔ اپنے گہرے قومی گناہوں کو دور کرنے کے لیئے سخت سے سخت کفارہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس طرح اس ملک میں قومیت بردباری اور آزادی کے جذبے پیدا ہونے کے لیئے بڑی بھاری اور سخت غلامی کی ضرورت تھی۔ جو کچھ ہوا سب ہمارے بھلے کے لیئے ہوا لیکن ہمارا بھلا تب ہوگا

جب ہم اپنا بھلا کرنے کے لیے کوشش کریں گے۔

۱۸۵۷ء ہماری جو نسلیں انگریزی راجیہ کے سایے میں پیدا ہوئی ہیں وہ تو بچپن سے اپنے حالات کے ساتھ ایسے عادی ہو گئے ہیں کہ اُنہیں کبھی خیال بھی نہیں آسکتا کہ اُن کے اُوپر ایک دوسری قوم کا راجیہ ہے۔ دُنیا کی تاریخ میں یہ قاعدہ دیکھا جاتا ہے کہ جب کوئی قوم دوسرے کے ساتھ جنگ کر کے فتح کر لیتی ہے تو فتح کو حاصل کرتے ہی اُس کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ ایسے ذرائع اختیار کرے جن سے مفتوح لوگوں کے دِلوں میں سے اُن کے برخلاف نفرت کا خیال دُور ہو جائے۔ انگریزی قوم مُدّت سے دوسرے لوگوں کو اپنی اطاعت میں لانے کے تجربے کر چکی تھی۔ انگریز مُدبروں کو قُدرتی طور پر یہ خیال پیدا ہوا کہ اُنہوں نے جن لوگوں کے جسموں کو تلوار کے ذریعے اپنے قابو میں کر لیا ہے کوئی ایسے طریقے نکالنے چاہئیں جن سے وہ اُن کے دِلوں اور دماغوں کو اپنے قابو میں رکھ سکیں۔ دل اور دماغ کا قابو میں لانا ہی سلطنت کو مستحکم بنانا کہلاتا ہے۔ بڑے بڑے سمجھدار انگریز ایک اتنے بڑے مُلک اور انسانوں کی اتنی بڑی آبادی کو اپنے قبضے میں آیا ہُوا دیکھ کر گھبرا سا گئے۔ اور سچ مُچ وہ اپنی ذمہ واری کی سنجیدگی پر غور کرنے لگے کہ کِن ذریعوں سے وہ اتنا بڑا بوجھ اُٹھانے کے قابل ہو سکیں۔ یہ خیال تو فاتح انگریزوں کے دِلوں میں گُزرتے ہوں گے لیکن جو لوگ شکستیں کھا کر اپنے راج کو کھو کر دوسروں کی طرف آنکھیں لگائے دیکھ رہے تھے۔ وقت گُزرنے پر وہ اپنی بدقسمتی پر غور کرنے لگے کہ کیا تھا اور کیا ہو گیا۔ اپنے اُن فاتحوں کے جن کے ساتھ تھوڑی دیر پہلے اُنہوں نے دشمنی کے طور پر جنگ کیا جاری کیے ہوئے ذریعوں کو محبت کی نظروں سے نہ دیکھ سکتے تھے۔ جو شخص اس وقت ہندوستان کی حکومت کا مالک تھا اور جس نے اپنے زبردست ارادے کی طاقت سے پنجاب کو سرکار

انگریزی کے ساتھ شامل کر لیا تھا اپنے دماغ میں اتنا گھمنڈ رکھتا تھا کہ اُسے اِس ملک کے کسی چھوٹے یا بڑے کی رائے کی ذرا بھی پرواہ نہ تھی۔ پنجاب کی تاریخ کا ۱۸۵۷ء کے غدر کے واقعات سے یا اس کے اسباب اور نتائج سے براہ راست کوئی تعلق نہیں ہے لیکن پنجاب ملک کا ایک حصّہ ہو جانے سے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم اُس ہلچل پر ایک سرسری نظر ڈالیں جس نے ۱۸۵۷ء میں، ایک بڑے بھاری بھونچال کی طرح ملک کو ایک سرے سے دوسرے تک ہلا دیا۔ ۱۸۵۷ء کی ہلچل اس ملک کی اپنی آزادی قائم رکھنے کیلئے چراغ کی آخری کوشش کی مانند تھی جو کہ اپنے بجھنے کے وقت لمبی روشنی دیتا ہے اور پھر ہمیشہ کے لئے بجھ جاتا ہے۔

لارڈ ڈلہوزی نے نہ صرف پنجاب کو ملایا بلکہ وہ سب دیسی ریاستوں کی حکومت کو مٹا کر ہندوستان کی زمین کو ہموار بنا دینا چاہتا تھا۔ اُس نے دیسی ریاستوں کے قدرتی حقوق کو عجیب لاپرواہی سے پاؤں تلے روندنا شروع کر دیا۔ ناگپور کی رانیوں کو متبنّے کرنے سے روک دیا اور اُن کی جائداد ضبط کر لی۔ ناگپور کے حکمران کی بدنامی کی کوئی حد نہ رہی۔ جب اُن کی رانیوں کے زیورات عام طور پر نیلام کئے گئے۔ آخری پیشوا باجی راؤ دوئم کے متبنّے نانا صاحب کی پنشن جو کہ پیشوا کو ملتی تھی بند کر دی گئی۔ جھانسی کی رانی کے متبنّے کو نامنظور کر دیا گیا۔ لکھنؤ کے شاہ واجد علیشاہ کو گدی سے ہٹا دیا گیا۔ قریباً یہ بھی طے ہو چکا تھا کہ دہلی کے بوڑھے بادشاہ کے مرجانے پر اُس کے بیٹوں سے شاہی خطاب ہٹا لیا جائے۔ جہاں پر اِدھر ہندوستان کا گورنر جنرل اپنا لوہے کا رولر چلا رہا تھا۔ اُدھر ہندوستانی فوج میں ہندو اور مسلمان سپاہیوں میں بے چینی کے آثار دکھائی دے رہے تھے کہ اُنکے مذہب میں دخل دیا جا رہا ہے اور کوشش تھی کہ ساری ہندوستانی سپاہ کو لا مذہب سا بنا دیا جائے۔ لارڈ ڈلہوزی تو چلا گیا لیکن دیسی راجوں اور ہندوستانی

سپاہ کے دلوں میں بےچینی کا بیج بو گیا جس نے اُس کے جانشین لارڈ کیننگ کے وقت میں ایک خوفناک غدر کی صورت اختیار کر لی۔

دیسی راجے یہ امر سمجھنے لگ گئے کہ انگریزوں کی حکومت ہندوستانیوں کی امداد سے حاصل ہے اور اس امداد میں سب سے بڑا حصہ ہندوستانی سپاہ کا تھا۔ وہ یہ خیال اور کوشش کرنے لگے اگر کسی طرح سے ہندوستانی سپاہ سرکار انگریزی کے خلاف ہو جائے تو انگریزوں کی حکومت بڑی آسانی سے اُکھاڑی جا سکتی تھی۔ اُنہوں نے اپنے خُفیہ آدمیوں کے ذریعے سپاہیوں کے لیڈروں پر اپنا اثر ڈالنا شروع کیا لیکن کارتوسوں میں گائے اور سُور کی چربی کے استعمال کے معاملے نے پھوس کے ڈھیر پر چنگاری کا کام کیا۔ کلکتے کے پاس بارکپور کی پلٹنوں کے کچھ سپاہیوں نے اسی بنا پر دنگہ شروع کیا جس میں انگریز افسر بھی قتل کئے گئے۔ اُن دو پلٹنوں کے موقوف کر دینے سے ہندوستانی سپاہ کے دل ہل گئے۔ مئی ۱۸۵۷ء کو میرٹھ میں سپاہیوں نے کارتوسوں کو چھونے سے انکار کر دیا اور اُنہیں گرفتار کر کے جیل میں دیدیا گیا۔ اُن کے ساتھیوں نے گرجے پر حملہ کر کے آگ لگا دی۔ افسر قتل کئے اور ساری پلٹنیں پیدل چلکر دہلی پہنچیں اور دہلی کے بادشاہ کے ساتھ وفاداری کی قسم لیکر اُسے ملک کا بادشاہ مشہور کیا۔ جس جس شہر میں پلٹنوں کو یہ خبر پہنچی۔ وہ اپنے افسروں کو قتل کر کے سیدھے دہلی کو کوچ کرنے لگیں۔ یوں تو ہندوستان میں کوئی بڑا شہر نہ تھا جہاں پر اس آگ کے شعلے نہ بھڑک اُٹھے ہوں لیکن دہلی لکھنؤ اور کانپور اس غدر کے مرکزی شہر تھے۔

ممکن تھا کہ یہ آگ پنجاب میں بھی پھیل جاتی اور اگر ایسا ہو جاتا تو اس مُلک میں انگریزی راج کے بچ رہنے کی کوئی صورت نہ دکھائی دیتی تھی۔ پنجاب تھوڑی

زیر ہوئی فتح کیا گیا تھا۔ ابھی خالصہ فوج کے سپاہی موجود تھے جو سرکار انگریزی کے مقابلے پر لڑتے رہے تھے۔ پنجاب میں اس آگ کے آنے کو روک دینا انگریزی سلطنت کی بڑی بھاری خدمت تھی جو کہ لاہور کے جوڈیشل کمشنر منٹگمری نے ادا کی۔ چیف کمشنر لارنس راولپنڈی گیا ہوا تھا جب غدر کی خبر افسروں کو لگ گئی۔ منٹگمری نے بڑے بڑے افسروں کی ایک میٹنگ کی اور اُس میں یہ فیصلہ کیا کہ کمانڈنگ افسر مسٹر کاربٹ میاںمیر ساری فوج سے ہتھیار لے لے۔ ۱۳ مئی کو میاںمیر میں چار دیسی رجمنٹیں تھیں جن میں تین ہزار پانسو آدمی تھے اور کُل تین سو گورے سپاہی تھے۔ منٹگمری خود میاںمیر چلا گیا اور ۱۳ مئی کو پریڈ کی گئی۔ خاص طریقے سے ساری دیسی فوجوں کو انگریزی سپاہیوں کے سامنے لاکر حکم دیا گیا کہ وہ اپنے ہتھیار زمین پر رکھ دیں۔ انگریز سپاہیوں کی بندوقیں بھری ہوئی تھیں۔ دیسی سپاہیوں نے ہتھیار ڈال دیئے جس سے پنجاب کا خطرہ دُور ہو گیا۔ ان پلٹنوں نے اُسی صبح میگزین پر قبضہ کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اس واقعہ کے چھ گھنٹے بعد فیروزپور کی پلٹن اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اُس نے توپخانہ لینے کی کوشش کی لیکن انگریزی فوج کی موجودگی کی وجہ سے وہ توپیں لینے میں کامیاب نہ ہو سکے اور اِدھر اُدھر بہت سا نقصان کر کے وہ بھاگ گئے۔ اُن میں سے کچھ پٹیالے پکڑے گئے اور باقی دہلی پہنچ گئے۔ ملتان اور پشاور کے افسر بڑے سمجھدار ثابت ہوئے۔ پشاور بالکل محفوظ رہا اور ملتان میں پلٹنوں سے اُسی طریقہ سے ہتھیار لے لیے گئے۔ ملتان میں ایک پلٹن نے بغاوت کی اور وہ سرحد کے یاگی علاقے میں بھاگ گئی۔ پٹھانوں نے اِن سپاہیوں کو پکڑوا دیا گیا اور وہ سب گولی سے مار دیئے گئے۔ لدھیانہ میں ایک پلٹن نے بغاوت شروع کی مگر وہ فوراً دبا دی گئی۔

پنجاب نہ صرف اس لہجل سے بالکل محفوظ ہوگیا بلکہ اس آگ کے پھیلنے کو روک دینے سے سرکار کا پورا مددگار بن گیا۔ لاہور میں نئی رجمنٹوں کی بھرتی شروع ہوگئی۔ جن میں سکھ اور سرحد کے مسلمان دوڑ دوڑ کر بھرتی ہونے لگے۔ سکھوں کو ان ہندوستانی سپاہیوں کے برخلاف لڑنے کا جذبہ پیدا کیا گیا جنہوں نے تھوڑی دیر پہلے ان کے بھائیوں کو شکست دی تھی۔ چار ماہ کے تھوڑے عرصے میں اٹھارہ نئی رجمنٹیں طیار ہوگئیں۔ رجمنٹ کے بعد رجمنٹ دہلی روانہ کی گئی۔ پٹیالہ، نابھ اور جیند نے (جنکا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے) سات ہزار آدمی دیئے مہاراج کشمیر نے دو ہزار سپاہی، ایک سو نوے سوار اور ایک سو چالیس توپچی روانہ کیئے۔ سب کی آنکھیں دہلی کی طرف لگی ہوئی تھیں۔ بادشاہ کے شہنشاہ مشہور کیئے جانے پر پنڈتوں اور ملاؤں نے لوگوں سے اپیل کی کہ غیروں کے خلاف پوری طرح سے لڑنے اور ان کے ملک سے نکالنے کے لیئے طیار ہو جائیں۔ بادشاہ نے بخت خاں کو سپہ سالار مقرر کیا۔ تین ماہ کے قریب انگریزوں کی فوجیں دہلی کے باہر پڑی رہیں۔ اس عرصے میں دہلی شہر کے اندر بدانتظامی اور ابتری پھیلنے لگی۔ بادشاہ بوڑھا تھا اور اس کے اندر جنگ کرنے کی ہمت نہ رہی تھی۔ ہر روز اعلان کیا جاتا تھا کہ کل بادشاہ سلامت دشمن پر حملہ کریں گے لیکن دوسرے دن دوپہر تک بیگموں کے پاس ہی پڑے رہتے تھے۔ فوج کو باقاعدہ تنخواہ نہ ملتی تھی۔ سپاہیوں نے افسروں کا حکم ماننے سے انکار کرنا شروع کر دیا اور شہر میں لوٹنا مارنا بھی شروع کر دی۔ جس بادشاہ کا مشتہر کیا جانا غدر کے پھیلنے کا باعث بنا۔ وہی غدر کی ناکامیابی کا باعث ثابت ہوا۔ سب دیسی پلٹنیں پرانے بادشاہ کے تخت پر آجانے سے نئے حاکموں کے برخلاف باغی ہوگئیں لیکن اگر پرانے بادشاہوں میں آزادی لینے کی قابلیت ہوتی تو وہ

اِس آزادی کو کھو کیوں بیٹھتے۔ ۲۰ ستمبر کو دہلی فتح ہو گئی۔ باغی شہزادے گولی کا نشانہ بنا دیئے گئے۔ اُن کے مُردہ جسم چبوترے پر پھینک دیئے گئے اور اُسی مقام پر جہاں اورنگ زیب نے گورو تیغ بہادر کو قتل کرایا تھا۔ بادشاہ پر مقدمہ چلا کر اُسے رنگون میں جلاوطن کر دیا گیا۔ دہلی کے فتح ہونے سے غدر کی ناکامیابی کی بُنیاد پڑ گئی۔ لکھنؤ۔ کانپور۔ الہ آباد وغیرہ میں لڑائی جاری رہی لیکن دہلی کے لیئے جانے نے انگریزوں کے حوصلے آسمان پر چڑھا دیئے اور ہندوستانی سپاہی سمجھ گئے کہ انکا اب لڑنا ہاری ہوئی لڑائی کے لیے کوشش کرنا تھا۔ دہلی میں انگریزی فوج کے تین ہزار آٹھ سو سینتیس آدمی مارے گئے لیکن اُن کا سب سے بڑا نقصان نکلسن کی موت تھی۔ اُسے حملہ کرتے ہوئے ۱۴ تاریخ کو کاری زخم لگا جس سے ۲۳ کو وہ مر گیا۔ اُس کی موت کی خبر سُنکر جان لارنس رو پڑا اور کہنے لگا۔ "ہم نے بہت سے اپنے سپاہی کھوئے ہیں لیکن نکلسن سے کوئی مقابلہ نہ کر سکا۔ وہ مر گیا ہے اُس کی شہرت زندہ رہے گی" چیف کمشنر نے پنجاب کے سپاہیوں کا شکریہ ادا کیا۔ اگلے اتوار مغل محل میں دعا مانگی گئی۔ انگریزی سرکار کے لیئے یہ ایک نہائت نازک موقعہ آیا تھا۔ پنجاب اُس وقت انگریزی سلطنت کا سہارا ثابت ہوا۔ اِس خدمت کے عوض میں دہلی اور حصار کا علاقہ پنجاب میں شامل کر کے سر جان لارنس کو پنجاب کا پہلا لفیٹننٹ بنایا گیا۔

نامدھاری تحریک

غدر کی آگ کو بجھتے ہوئے دو سال لگ گئے۔ اِس کے بعد کے زمانے میں ہندوستان پر ایسا سناٹا سا چھا گیا جو کہ موت کی علامت ہوتا ہے۔ جس ہندوستانی سپاہ نے اِس میں سب سے بڑا حصہ لیا تھا وہ صوبجات متحدہ اور اودھ کی بھرتی کی ہوئی تھی۔ ہندوستان کے اِس حصے کو غدر کرنے کے بدلے میں سزا بھگتنی پڑی۔ غدر کے فرو کرنے میں شہروں اور دیہات

کے لوگوں پر جو سختیاں کی گئیں اُن کا بیان ہمارے مضمون سے تعلق نہیں رکھتا ان سپاہیوں میں سے جو لوگ بھاگ کر پناہ کے لیئے پنجاب میں آئے اُن کو جگہ جگہ پکڑ کر توپوں کے سامنے اُڑا دیا گیا۔ غدر کے ختم ہو جانے پر ہندوستان کی حکومت میں ایک بڑی بھاری تبدیلی یہ ہوئی کہ ملک کی بادشاہت کو کمپنی کے ہاتھ سے نکال کر انگلینڈ کی ملکہ اور اُس کی پارلیمنٹ کے سپرد کر دیا گیا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نے کئی ارب روپیہ کے عوض میں ہندوستان کو ملکہ کے ہاتھ بیچدیا۔ اس قیمت کے روپیہ کو ہندوستان کے سر پر ہمیشہ کے لیئے قرضہ کی شکل دیدی گئی۔ اس کے بعد ہندوستان کا گورنر جنرل انگلستان کی ملکہ کا وائسرائے یعنی قائم مقام کہلانے لگا۔ ملکہ نے ہندوستان کی عنانِ حکومت اپنے ہاتھ لیکر ایک بڑا اعلان نکالا جس میں مشتہر کیا گیا کہ آئندہ کو کسی دیسی راجہ یا نواب کو گدی سے محروم نہ کیا جائیگا۔ اور ملک میں مکمل مذہبی آزادی ہوگی۔ سرکار کسی کے مذہب میں دخل نہ دے گی اور ملکہ ہندوستان کی رعایا کو اپنی رعایا کے برابر سمجھے گی۔ اس اعلان سے یہ امر بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ انگلینڈ کی گورنمنٹ کو یہ یقین ہو گیا کہ غدر کے دو ہی بڑے باعث تھے، ایک دیسی ریاستوں کے حقوق کو پامال کرنا اور دوسرے لوگوں کے مذہب میں دست اندازی کرنا۔ یہ دونو حقوق آئندہ کو ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو گئے۔ جن لوگوں نے غدر میں سرکار کی امداد کی تھی اُن کو اودھ اور متحدہ علاقہ میں جاگیریں دے کر تعلقہ دار بنا دیا گیا۔ اُن کو اپنی رعایا سے اپنا لگان وصول کرنے کا اختیار مل گیا۔ کسانوں میں غریبی اور محتاجی کی کوئی حد نہ رہی۔

پنجاب میں غدر کی وجہ سے کسی قسم کی سختی نہ کی گئی۔ اس لئے پنجاب میں تھوڑی بہت زندگی باقی دکھائی دیتی تھی۔ غالباً یہ اسی زندگی کی وجہ سے تھا کہ پنجاب میں سکھوں کے اندر ایک خاص مذہبی تحریک آہستہ آہستہ پھیلنے لگی جو ظاہرا

طور پر تو اتنی مذہبی تھی کہ اسے پیوریٹن تحریک کہا جا سکتا ہے لیکن اس کی بُنیاد میں انقلاب کا خیال کام کرتا تھا۔ اس تحریک کا بانی لُودھیانہ کے ضلع کا رہنے والا بابا رام سنگھ تھا بابا رام سنگھ ایک وقت میں مہاراج رنجیت سنگھ کی خالصہ فوج میں رہ چکا تھا۔ خالصہ طاقت گر جانے پر بابا رام سنگھ اپنے پُرانے کام یعنی ترکھانی میں لگ گیا۔ اٹک کے قلعے میں بھی کام کرتا رہا۔ اُنہی دنوں میں حضرو میں پوٹھوہار کا رہنے والا ایک سادھو بالک رام رہتا تھا۔ بابا رام سنگھ سادھو بالک رام سے سنگت کرنے لگا۔ اور سادھو کے خیالات کا اثر بابا رام سنگھ پر یہ ہوا کہ اُس نے ایک سوسائٹی قائم کرنے کا فیصلہ کیا اور اُس کے اصُولوں کا پرچار زیادہ تر سکھ لوگوں میں کرنا شروع کیا۔ اُس کی تعلیم دو بڑے حصّوں میں بانٹی جا سکتی ہے۔ اس کا ایک حِصّہ تو سکھوں کو ذاتی پاکیزگی سکھلاتا تھا۔ اس میں مرد اور عورتیں ممبر ہو سکتی تھیں۔ اور برابر کا درجہ رکھتی تھیں۔ ہر ایک ممبر کیلئے سویرے اُٹھکر کیشوں سمیت اشنان کرنا ضروری تھا۔ ماس کھانے کی قطعی ممانعت کر دی گئی۔ ہر ایک ممبر کو جھُوٹ بولنے سے پرہیز کرنا ہوتا تھا اور اپنی جائداد پر دوسرے ممبروں کا حق سمجھنا بھی ضروری تھا۔ اگر کوئی ممبر دوسرے کسی ممبر کے گھر چلا جائے تو اُسے رہنا اور کھانا دینا بڑا فرض سمجھا جاتا تھا۔ کھانا کھانے کے بعد کسی قسم کا جھُوٹ چھوڑنا بُرا سمجھا جاتا تھا اور زندگی کو لباس اور خوراک میں پوُرے طور پر سادہ کرنا ہر ایک ممبر کا فرض تھا۔ یہ سب باتیں یوں تو ایسی معمولی ہیں کہ ہر ایک آدمی کے لئے ان پر چلنا اچھا سمجھا جانا چاہیئے لیکن اس سوسائٹی میں شامل ہونے والے ان باتوں کا اپنی زندگی میں خاص طور پر خیال رکھتے تھے۔ تعلیم کا دوسرا پہلو وہ تھا جسے ہم پبلک زندگی سے تعلق رکھنے والا کہہ سکتے ہیں۔ اس کی تہ میں یہ خیال تھا کہ خالصہ راج کی جگہ جو قائم کی گئی۔ نئی حکومت سے کسی قسم کا تعلق نہ رکھا جائے۔ پنجاب کو مختلف ضلعوں میں بانٹ کر ہر ایک ضلع کے لئے جُدا جُدا افسر مقرر کر دیئے گئے تھے۔ اس

سوسائٹی کے ممبروں کے لئے جو اپنے آپ کو نام دھاری کہتے تھے۔ لازمی تھا کہ وہ اپنے اپنے ضلعے کے افسر کے حکم کی پوری پوری تابعداری کریں۔ اپنا کوئی جھگڑا یا مقدمہ بجائے انگریزی عدالت کے اُس افسر کے پاس لے جائیں۔ سرکاری ڈاک کے ذریعے اپنی چٹھیاں کبھی نہ روانہ کریں اور اُن کی اپنی چٹھیاں ایک دوسرے کے پاس پہنچانے کے لیے ہر ایک آدمی کا جسے کہا جائے بطور ہرکارہ کے ڈاک کو آگے پہنچانا فرض ہوتا تھا اور یہ کہا جاتا ہے کہ اِن کی چٹھیاں سرکاری ڈاک کی نسبت کم وقت میں پہنچ جایا کرتی تھیں۔ سوسائٹی کے ممبر کبھی ریل پر نہ چڑھتے تھے اور نہ کبھی غیرملکی کپڑے یا اشیاء کا استعمال کرتے تھے اور نہ اپنے بچوں کو سرکار کے بنائے ہوئے سکولوں میں بھیجتے تھے۔

جب ہندوستان میں غدر کا شور برپا تھا۔ اُس وقت بابا رام سنگھ نے پنجاب میں اس سوسائٹی کا پرچار شروع کر دیا تھا۔ تھوڑے ہی وقت میں اس کے ممبروں کی تعداد بہت بڑھ گئی۔ دس بارہ سال کے عرصے میں پنجاب میں دو لاکھ کے قریب نام دھاری ہو گئے۔ اُن سکھوں کو جنہوں نے پنجاب میں خالصہ راج دیکھا تھا۔ بابا رام سنگھ کے خیالات زور سے اپیل کرتے تھے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ بابا رام سنگھ کی بات چیت میں کوئی غیر معمولی طاقت یا جادو کا کام کرتا تھا۔ عام خیال تھا کہ کوئی آدمی جس کے کان میں بابا کا منتر پڑتا ہے بابا کا چیلا بن جاتا ہے۔ ایک دفعہ کچھ بدمعاش امتحان کے طور پر بابا کے پاس گئے اور اُن کے دل پر ایسا اثر ہوا کہ وہ بھی چیلے بن گئے۔ جب اُس کے چیلوں کی تعداد بڑھ گئی تو وہ لوگ بابا کو اپنا گورو تسلیم کرنے لگ گئے۔ اس سے نام دھاریوں کا مروجہ سکھی پنتھ سے اختلاف ہو گیا اور وہ پنتھ کی ایک نئی شاخ سمجھے جانے لگے۔ نام دھاریوں میں مذہبی جوش کی کوئی انتہا نہ تھی۔ اس مذہبی جوش کے ساتھ ساتھ اُن کے دل میں انگریزوں

اور مسلمانوں کے بر خلاف زور دار جذبہ پایا جاتا تھا۔ انگریزوں کو وہ اُن کی آنکھوں کے رنگ کی وجہ سے حقارت کے طور پر بلے کہتے تھے اور اپنے اندھے جوش میں جب کبھی کچھ اکٹھے ہو جاتے تھے تو زور سے چیخیں لگاتے تھے۔ بلے کو نکال دینا ہے ان لمبی اور اونچی چیخوں کی وجہ سے اُن کا عام نام کوکا پڑ گیا۔

اُنکے دل میں خالصہ کی محبت اور آزادی کی خواہش موجود تھی۔ اُن کے اندر مذہبی جوش تھا۔ اُن کی زندگی میں تیاگ اور پاکیزگی بھی پائی جاتی تھی لیکن نام دھاری لوگ یہ نہ سمجھتے تھے کہ انگریزی سرکار اُن کی تحریک کے سب پھیلاؤ کو اچھی طرح سے نگرانی کر رہی ہے۔ سرکار کے ہر ایک ضلعے میں لوگوں کے لیڈروں اور اُن کے کام کرنے والوں کی فہرست برابر رکھی جاتی تھی اور اُن کے پرچار اور دوسرے کام کی باقاعدہ رپورٹ ملا کرتی تھی۔ نام دھاری اپنے کام کو دیکھتے تھے۔ وہ اپنے مخالف کی چال سے بالکل بے خبر تھے۔ گورنمنٹ صبر سے کچھ سال انتظار کرتی ہوئی اپنے موقعہ کو دیکھ رہی تھی۔

۱۸۷۱ء میں یہ موقعہ آگیا۔ کچھ جوشیلے نام دھاریوں کو اس بات سے بڑا غصہ تھا کہ امرتسر کے تیرتھ مقام پر گئو ہتیا کیوں کی جاتی ہے۔ اس لیے اُنہوں نے ایک رات جا کر امرتسر کے سب بوچڑوں کو قتل کر دیا۔ شہر میں واویلا سا مچ گیا بعد وہاں کے کمشنر نے ہندو رئیسوں کو شبہ میں گرفتار کر لیا کہ یہ واقعہ اُن کی سازش سے کیا گیا ہے۔ جن شخصوں نے یہ قتل کیا تھا انہوں نے بابا رام سنگھ کو اس معاملے کی خبر دی۔ بابا رام سنگھ نے اُن سے کہا کہ چونکہ قصور اُنہوں نے کیا ہے اور اس کے بدلے میں دوسرے بے گناہ پکڑے گئے ہیں۔ اُن کا یہ فرض ہے کہ اپنے آپ کو پیش کر کے اپنے کیے ہوئے کا اقبال کریں۔ اس پر وہ مان گئے اور اُنہوں نے اپنے آپ کو پیش کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اُن پر مقدمہ چلا کر اُن کو پھانسی کی سزا دی گئی۔ بابا

رام سنگھ لدھیانہ کے پاس بھینی صاحب ایک گاؤں میں رہا کرتے تھے۔ اس مقام میں اُن کی گدی تھی اور یہاں پر ہر سال یا دوسرے موقعوں پر نام دھاری لوگوں کا اجتماع ہُوا کرتا تھا۔ انکے ساتھیوں کو پھانسی کی سزا مل جانے سے نام دھاریوں میں سرکار کے برخلاف شورش سی پیدا ہو گئی اور جب وہ جلسے کے موقعہ پر اکٹھے ہوئے تو یہ شور سُنائی دینے لگا کہ اُن کی موت کا انگریزوں سے بدلہ لینا چاہیئے۔ بابا رام سنگھ سمجھاتا تھا کہ اُس کی سوسائٹی میں سرکار کے مقابلے کیلئے کوئی طاقت نہیں ہے لیکن اُس کے چیلوں میں ایسے جوشیلے آدمیوں کا زور بڑھ گیا جو کہ اس موقعہ پر اُس کی بات بھی سُننے پر طیار نہ تھے۔ کُھلے اجلاس میں اس بات کا چرچا شروع ہو جانے پر دو دل سے ہو گئے اور آخر میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ اس کے متعلق گرنتھ میں سے حکم لیا جائے۔ گرنتھ کا ورق نکالا گیا اور جوشیلے دل نے شور کرنا شروع کر دیا کہ ہتھیار اُٹھانے کا وقت آ گیا ہے۔ بابا رام سنگھ سمجھاتا رہا کہ ابھی صبر کرنا چاہیئے تمہارے اندر طاقت نہیں ہے لیکن کسی نے اُس کی بات نہ سُنی اور کثرت رائے کے فیصلے کے مطابق سب جگہ حکمنامے لکھدیئے گئے کہ سب ممبر طیار ہو کر لڑنے کے لئے آ جائیں۔

سرکار کو اس سب معاملے کی باقاعدہ رپورٹ ملتی جاتی تھی۔ جُونہی اُسے اس فیصلے کی اطلاع ہوئی سب ضلعوں میں حکم پہنچ گیا کہ جو جو نام دھاریوں کے لیڈر ہوں اُنہیں فوراً گرفتار کر لیا جائے۔ اُس کے ساتھ ہی بابا رام سنگھ اور اُس کا بھائی ظالم سنگھ گرفتار کر لیا گیا۔ پٹیالہ اور جالندھر کی فوجوں کو کوچ کے لئے حکم پہنچ گیا۔ نام دھاری جلسے میں یہ فیصلہ کیا گیا تھا کہ سرکار انگریزی کے ساتھ جنگ کا اعلان کرنے سے پہلے اکٹھے ہو کر انہیں لدھیانہ کے ضلع میں ایک زمیندار کے مکان پر حملہ کر کے کچھ ہتھیار لے لینے چاہئیں اور وہاں سے اکٹھے ہو کر مالیر کوٹلہ پر

حملہ کرکے ہتھیار خانے اور خزانہ پر قبضہ کر لینا چاہیئے۔ مالیر کوٹلہ کا نواب اُس وقت بچہ تھا اور یہ خیال کیا گیا تھا کہ مالیر کوٹلہ پر قبضہ کرنے میں کچھ بہت مخالفت کا سامنا نہ کرنا پڑیگا۔ جگہ جگہ پر نام دھاریوں کے لیڈر پکڑے جانے سے اُن کے چیلوں میں گھبراہٹ سی پیدا ہو گئی اور جو تجاویز پاس کی گئی تھیں اُن میں سے کسی پر بھی عمل نہ ہو سکا۔ جن جن ضلعوں سے نام دھاری لوگ لڑائی کے لئے روانہ ہوئے تھے اپنے لیڈروں کو ساتھ نہ پا کر وہ سب اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ باوجود اس کے چند سو آدمی مالیر کوٹلہ جا پہنچے۔ وہاں پر سرکار انگریزی کی فوج اور پٹیالہ کی امداد موجود تھی۔ وہ سب پکڑے گئے اور اُن میں سے ساٹھ نام دھاریوں کو بغیر کسی مقدمہ چلانے کے توپوں کے سامنے رکھکر اُڑا دیا گیا۔ اُن میں سے ہر ایک خوشی سے دوڑتا ہوا توپ کے سامنے جاتا تھا اور ایک انگریز نے اُن کی بہادری اور قربانی کو دیکھکر کہا کہ "اُس نے اُس دن کئی مسیح قربان ہوتے دیکھے ہیں"۔ بابا رام سنگھ اور ظالم سنگھ کو برہما جلا وطن کر دیا گیا اور اُن کے کچھ ساتھی کالے پانی بھیج دیئے گئے۔ نام دھاریوں کے خلاف بہت سخت قانون بنا دیئے گئے۔ کسی جگہ پانچ نام دھاریوں کا اکٹھا ہونا قانوناً بند کر دیا گیا اور بھینی صاحب کے گوردوارہ پر پولیس کی باقاعدہ چوکی مقرر کر دی گئی۔ اگرچہ اُس کے بعد نام دھاریوں کی سوسائٹی چلتی رہی۔ اُن کے ممبروں میں مذہبی شردھا اور جوش پایا جاتا ہے لیکن سرکار کی ایک چوٹ نے اُس سوسائٹی کو بالکل بیکار بنا دیا۔

آریہ سماج

پنجاب میں سرکار انگریزی کا اچھی طرح سے تسلط جم گیا۔ بڑے بڑے شہروں میں انگریزی سکول قائم ہو گئے۔ لاہور کے اندر ایک بڑا کالج بن گیا۔ بنگال کے بابوؤں اور وکیلوں نے پنجاب میں آکر لوگوں کو راستہ بتایا کہ انگریزی راج کے اندر عزت اور روپیہ کمانے کا بڑا ذریعہ

انگریزی تعلیم کو حاصل کرنا ہے۔ ہندو مسلمان اور سکھ اپنے بیٹوں کو ان سکولوں میں بھیجنے لگے اور آہستہ آہستہ ان کے دلوں میں یہ خیال کام کرنے لگا کہ وہ سماج راج کے اندر نئے طریقوں کو اختیار کر کے اپنا اور اپنے کنبے کے لئے رسوخ پیدا کرنے کا انتظام کریں۔ بنگال، مدراس اور بمبئی کے علاقوں میں انگریزی تعلیم اور تہذیب کا سکہ پورے طور پر جم چکا تھا جس کا قدرتی اثر یہ تھا کہ نئی تعلیم یافتہ جماعت جو کہ اب سوسائٹی کے اندر دماغ کی جگہ لے رہی تھی اپنے پرانے خیالات اور رواج سے متنفر ہو رہی تھی۔ اور چونکہ اس تعلیم کے پھیلانے میں عیسائی مشنری لوگوں نے بہت زیادہ حصہ لیا۔ اس جماعت کا ایک حصہ اپنے استادوں کے زیر اثر ہو کر اپنے دھرم یا مذہب کو خیرباد کہنے پر طیار ہو رہا تھا۔

بنگال کے سمجھدار اشخاص کے دل میں یہ ڈر پیدا ہوا کہ کہیں یہ انگریزی تعلیم اُن کے مذہب اور قومیت کو بالکل ہڑپ نہ کر جائے۔ انہیں ان کے بچاؤ کے لئے کوئی تدارک کرنا چاہیئے۔ بنگال کے مشہور لیڈر راجا رام موہن رائے نے برہمو سماج کی بنیاد ڈالی۔ راجا رام موہن رائے کی آنکھیں انگریزی تہذیب سے اتنی چوندھیا گئی تھیں یا اُسے اپنی پرانی تہذیب کو اچھا بتلانے کی جرأت ہی نہ تھی اُس نے ہندوؤں کو صرف اتنا ہی کہہ کر عیسائی ہونے سے بچایا کہ مذہبی سچائی سب مذاہب میں پائی جاتی ہے۔ ہندو دھرم میں بھی یہ ویسی ہی موجود ہے جیسی عیسائی مذہب میں۔ اس لئے ہمیں سب مذاہب میں سے اُس سچائی کو لینا چاہیئے اور کسی خاص مذہب کے لئے تعصب نہ رکھنا چاہیئے۔ برہمو سماج نے بنگال کے تعلیمیافتہ لوگوں کو عیسائی ہونے سے بہت حد تک بچا لیا۔ اگرچہ برہمو سماج کا دوسرا مشہور ریفارمر بابو کیشب چندر سین انگریزی تہذیب اور عیسائی مذہب کے اثر میں راجا رام موہن رائے کی نسبت بہت زیادہ تھا۔ بمبئی کی تعلیم یافتہ جماعت میں

بھی اس قسم کے خیالات پھیلنے لگے۔ وہاں کے پرارتھنا سماج ایک طرح سے برہمو سماج کی ہی شاخ تھی۔ مدراس میں آرتھوڈکسی کا زور زیادہ تھا۔ اگرچہ عیسائی مذہب نسبتاً مدراس میں زیادہ پھیلا لیکن اس میں کچھ شک نہیں کہ وہاں کے آرتھوڈاکس خیالات نے وہاں کے اعلےٰ جماعت کے لوگوں کو عیسائی مذہب سے محفوظ رکھا۔ بعض بنگالی اصحاب کے پنجاب میں آجانے سے ایک آدھ جگہ پر برہمو سماج قائم ہوگئی۔ لیکن پنجاب کے لوگوں کے دلوں پر اس کی تعلیم کا کچھ گہرا اثر نہ تھا۔ پنجاب کے ہندوؤں کے دلوں میں ایک قسم کی مذہبی بےچینی ضرور پائی جاتی تھی جبکہ سوامی دیانند ۱۸۷۶ء میں لاہور میں تشریف لے آئے سوامی دیانند نے اپنے دیش اور دھرم کی دُردشا کو دیکھ کر گھر بار کا تیاگ کردیا تھا اور اس کے بعد زندگی کا بہت سا حصہ ویداور شاستر کے مطالعہ میں تپ اور یوگ کے سادھنوں پر عمل کرنے میں صرف کیا۔ آخیر میں اُنہوں نے متھرا میں ایک اندھے مہاودوان سوامی ورجانند سرسوتی کو اپنا گُورو دھارن کیا۔ وِدّیا ختم کرنے کے بعد گورو سے وداع ہونے کے وقت گُورو نے کہا ”دیسی ریاستوں کا اُدھار کرنا اور ویدک دھرم کا پرچار کرنا“ سوامی دیانند نے دیش کے بڑے آدمیوں کو جن میں پنڈت، برہمو، مسلمان اور عیسائی شامل تھے۔ دہلی میں اکٹھا کرکے اپنی طرف سے یہ کوشش کی کہ اس مُلک کے مختلف مذاہب اور مختلف خیالات کے درمیان اگر کسی طرح سے یگانگت کی کوئی صورت نکل آئے۔ تو اُس کے ذریعے مُلک کی بھلائی کا کام کریں۔ لیکن اُن کو دہلی کی اس کانفرنس سے نتیجہ ہوا کہ یگانگت کا ابھی وقت نہ آیا تھا۔ اس لئے اس عرصے میں اُنہیں ہندو جاتی کے بچانے کا کوئی اُپائے کرنا چاہیئے۔ ہندو دھرم میں بے انتہا خرابیاں آگئی تھیں جو کہ اس قوم کو اندر سے کھوکھلا کر رہی تھیں اور جن کی وجہ سے

باہر کے دشمن اس کو آسانی سے اپنا شکار بنا رہے تھے۔ سوامی دیانند نے
ان خرابیوں کو دور کرنے کا فیصلہ کیا اور اس کے لیئے کاشی میں پنڈتوں سے
ملکر سوامی شنکر اچاریہ کی طرح شاستر ارتھ وغیرہ کئیے کہ کسی طرح سے وہ اُن
بیرونی علامات کو جنکو وہ دہرم بنائے بیٹھے تھے چھوڑ کر اصلی دہرم کی طرف
رجوع ہوں۔ پنڈتوں کی حالت عجیب سی تھی۔ وہ اپنی خود غرضی اور سستی میں
اس قدر مبتلا ہو گئے کہ اُن کے دلوں سے اپنی جاتی اور دہرم کے لیئے ہمدردی
کا خیال تک گم تھا اور جو خطرے کہ اُن کے دہرم اور قوم کے سامنے تھے اُن
کی طرف اُنہوں نے آنکھیں بند کر کے یہ سمجھا ہُوا تھا کہ کوئی خطرہ موجود نہیں ہے
اگر ہندو کم ہوتے ہیں تو ہوتے رہیں۔ اگر کروڑوں مسلمان ہو گئے تو کیا ہُوا۔ اب
اگر لاکھوں اور کروڑوں تک عیسائی ہو جائیں گے تو کیا ہو جائیگا۔ ہماری تو
اپنی آرام سے گذرتی ہے اور ہمیں دوسروں کی کیا پڑی ہے۔ یہ سب سے
بڑی زہر تھی جو کہ اس جاتی کو کھا رہی تھی۔ اگر ہندوؤں کے محافظ برہمنوں میں
مسلمانوں کے ملاؤں اور عیسائیوں کے پادریوں کی طرح اپنے دہرم کی حفاظت کا
خیال ہوتا تو ہندوؤں کے لئے یہ نوبت نہ آتی اور نہ شاید سوامی دیانند کے
کام کی کوئی ضرورت ہوتی۔ سارے سارے سوئی ہوئی ہندوجاتی میں ایک شخص دیکھنے
والا پیدا ہُوا جسے اپنے پُرانے دہرم کے بچانے کی فکر لگی اور جس نے اپنی زندگی
کو اُس دہرم اور قوم کی حفاظت کیلئے خرچ کرنے کا ارادہ کیا۔ جس کے لیئے
رشیوں نے اپنے دماغ اور گیان خرچ کیں۔ جس کے لیئے رام اور کرشن نے
جنم لیا۔ جس کے لیئے سوامی شنکر اچاریہ اور کمارل بھٹ جیسے براہمنوں نے
اپنے پران دیئے۔ جس کی رکھشا کے لیئے اگنی کل راجپوت پیدا کیئے گئے
اور جس کی حفاظت کے لیئے تھوڑا ہی زمانہ ہُوا۔ راجپوتانہ کے راجپوتوں نے

دکھن کے مرہٹوں نے اور پنجاب کے گوروں نے اتنی قربانیاں کی تھیں۔ اکیلے سوامی دیانند کو فکر تھا۔ دوسرے سب لوگ اُس پر ہنستے تھے اور حسد کے مارے مخالفت کرنے پر طیار تھے۔ جو قوم گر جاتی ہے اُس میں یہ مرض لگ جاتی ہے کہ اُس کے آدمی خود قوم کے لئے کام کرنے پر طیار نہیں ہوتے لیکن اگر کوئی مرد میدان میں نکلتا ہے تو وہ حسد سے بُننے جلتے ہیں کہ اُس کو بھی کچھ نہیں کرنے دیتے۔ اُن میں کرنے کا مادہ نہیں ہوتا لیکن مخالفت کا مادہ کہیں نہ کہیں سے نکل آتا ہے۔ کام کرنا مشکل ہوتا ہے۔ کام کرنے والے کی مخالفت کرنا آسان ہے۔ اور گری ہوئی جاتی کے لوگوں کو اس میں لطف بھی آتا ہے۔

سوامی دیانند نے دیکھا کہ اُس کی اپنی جاتی کے پنڈت جن پر اُسے کچھ بھروسہ ہو سکتا تھا اُس کے مخالف تھے۔ دونو بیگانوں اور اپنوں سے مایوس ہو کر سوامی دیانند نے ایک آزادانہ تحریک چلانے کی تجویز کی اور ۱۸۷۵ء میں بمبئی میں آریہ سماج قائم کر کے اُس کے قواعد اور ضوابط مرتب کئے۔ اگلے سال سوامی دیانند لاہور میں آئے اور اُن میں کچھ بھلے پُرشوں سے صلاح مشورہ کر کے قواعد میں تبدیلی کر کے لاہور میں آریہ سماج قائم کیا۔ سوامی دیانند نے پنجاب میں چند ماہ ہی گذارے۔ اُنہوں نے اپنا باقی کا بہت سا وقت راجپوتانہ میں خرچ کیا۔ جہاں پر اُن کی خواہش تھی کہ راجپوت ریاستیں اُن کے مشن کو اپنے ہاتھ میں لیکر پُرانے ہندو راجاؤں کی طرح اُس کی تکمیل کے لئے کوشش کریں لیکن پنجاب کی سرزمین میں ایک قابلیت تھی۔ یہاں کے لوگوں نے سوامی دیانند کے اودیش کو اپنا اودیش بنا دیا اور آریہ راج کے لئے کام کرنا شروع کر دیا۔ اِس کے بعد پنجاب کی پبلک زندگی میں آریہ سماج کا بڑا حصہ ہے۔ پنجاب کے سب سے بڑے شہروں اور قصبوں میں آریہ سماجیں قائم

ہوگئیں۔ اِن آریہ سماجوں نے جگہ جگہ لڑکوں کے لیے سکول اور لڑکیوں کیلئے پاٹھ شالائیں قائم کرلیں اور اپدیشک رکھکر پرچار کا کام کیا۔ جہاں کہیں ملک میں قحط، بھونچال یا دوسری تکلیف ہوئی۔ آریہ سماج کی آرگنیزیشن نے اُس میں سب سے بڑھ کر امداد دی۔ آریہ سماج کا سب سے بڑا کام اپنے بچوں کی تعلیم کو اپنے ہاتھ میں لینے کا تھا۔ ۱۸۸۳ء میں سوامی دیانند کی موت پر آریہ سماجوں نے اس کی طرف ایک بڑا قدم اُٹھایا۔ اُنہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ سوامی دیانند کی یادگار میں ایک بڑی تعلیمی درسگاہ یعنی کالج بنایا جائے۔ لاہور میں پہلے ایک سکول قائم کیا گیا جسے پنجاب یونیورسٹی کے طریقے کے مطابق پھر تھوڑے سال میں کالج بنا دیا گیا۔ پنجاب کی ہندو آبادی میں جو جوش تھا وہ آریہ سماج میں آکر جمع ہو گیا۔ آریہ سماج کے کام کا اثر پنجاب کی دوسری جماعتوں پر بھی بہت کافی ہوا۔ مسلمانوں نے ہندوؤں کی اس بیداری کو دیکھکر جگہ جگہ اپنی انجمنیں قائم کرنی شروع کردیں۔ سکھوں نے جگہ جگہ سنگھ سبھائیں بنا کر اپنے خاص مذہبی خیالات پر زور دیکر اپنے آپ کو دوسرے ہندوؤں سے علیحدہ تمیز کرنا شروع کیا۔ ہندوؤں میں جو لوگ آریہ سماج کے کٹڑپن سے ناراض ہوئے اور جن لوگوں کی عزت یا روزی پر آریہ سماج کے پرچار کا بُرا اثر پڑتا تھا اُنہوں نے آریہ سماج کی مخالفت میں سناتن دھرم سبھائیں بنانی شروع کیں۔

جہاں پر آریہ سماج نے پنجاب کی پبلک زندگی میں ایک ہلچل پیدا کر دی۔ وہاں پر قوم کی بدقسمتی دیکھیے۔ آریہ سماج کے اندر ابھی یہ بڑھ ہی رہی تھی تفرقہ شروع ہو گیا۔ تعلیم کا مسئلہ بذاتہٖ ایک بڑا گہرا اور مشکل سوال تھا۔ عام لوگوں کی توجہ اس بات پر ہی تسلی ہو جاتی ہے کہ تعلیم اچھی چیز ہے اور تعلیم کا پھیلانا نیک کام ہے لیکن غور طلب سوال یہ ہے کہ کیا تعلیم ہر ایک چیز کا علاج ہے

اور بُری نہیں ہو سکتی۔ غلط تعلیم سے اُتنے ہی بگاڑ کا ڈر ہے جتنا کہ درُست تعلیم سے سُدھار کی اُمید ہو سکتی ہے۔ ممکن ہے اُس وقت یہ خیال کسی سمجھدار آریہ سماجی کے دل میں پیدا نہ ہوا ہو لیکن بعد میں یہ سوال بڑے زور سے ہمارے سامنے آنے لگا کہ آیا سرکار انگریزی کا سلسلۂ تعلیم جس کے مطابق آریہ سماج نے کالج اور سکول بنا کر اپنی ساری طاقت کو اُن کے چلانے میں لگا دیا۔ سرکار کی کسی اپنی غرض کے لئے قائم کیا گیا تھا یا ہماری بہتری کے لیے کالج کی بُنیاد رکھتے وقت ایسے ایک آدمی ضرور موجود تھے جنھوں نے آریہ سماجیوں کو یہ رائے دی کہ گورنمنٹ نے یہ کالج صرف رسّوں کے طور پر بنائے ہیں جن سے لوگوں کو باندھنا ہے۔ آریہ سماج کو ایک اور رسّہ بنانے کی کیا ضرورت ہے؟ آریہ سماج میں آگے بڑھ کر کام کرنے والے زیادہ تر وہی لوگ تھے جنھوں نے سرکاری تعلیم میں نشو و نما پائی تھی۔ اُن کو یہ موٹی سی سچائی ایک دل لگی سی معلوم ہوئی اور اُنھوں نے اسے ہنسی میں ٹال دیا۔ لیکن آریہ سماج میں اس نقطۂ خیال کو چھوڑ کر جو کہ پولیٹکل کہا جا سکتا ہے۔ مذہبی سرگرمی رکھنے والے آدمی بھی موجود تھے جنھیں کالج بنانے کے بعد فوراً یہ خیال پیدا ہوا کہ ہم اپنی اس درسگاہ کو بالکل یونیورسٹی کے ماتحت کر کے آریہ سماج کے مشن کو دھوکا دے رہے ہیں۔ وہ یہ کہتے لگے کہ آریہ سماج کا کام انگریزی تعلیم نہیں ہے بلکہ ویدوں اور شاستروں کا اور سنسکرت کا پرچار کرنا ہے۔ لیکن یہ اختلاف اتنا نہ تھا کہ اس پر کوئی جھگڑا کھڑا ہو جاتا۔ اتفاق سے جو لوگ سرکاری تعلیم کے زیادہ حق میں تھے۔ اُن میں ماس کھانا ذرا بے پروائی سے دیکھا جاتا تھا۔ اس لئے اُن کے اندر یہ ایک ایسا نقطہ مل گیا جو کہ پبلک کی نظروں میں بڑی کمزوری سمجھی جا سکتی تھی۔ اس لئے ماس کھانے کے سوال کو آگے رکھ کر جگہ جگہ چرچا

کیا جانے لگا۔ یہانتک مقابلہ بڑھ گیا کہ ماس کا کھانا اچھا سمجھنے والوں کو آریہ سماج سے نکال دینے کی نوبت آپہنچی۔ جس پر ۱۸۹۲ء میں آریہ سماج کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ اس کے بعد آریہ سماج کا بہت سا کام اور ائیجی بجائے پرچار کے ایک دوسرے کے برخلاف خرچ ہونے لگی۔ ماس کی مخالف پارٹی نے تھوڑا عرصہ بعد پرانے طریقہ تعلیم کے مطابق ہردوار میں گورو کل کا ایک بڑا انسٹی ٹیوشن بنایا۔ یہ دونو پارٹیاں پنجاب میں کام کرنے لگیں اور اپنی طاقت کے مطابق کام کرتی چلی آتی ہیں۔

انڈین نیشنل کانگریس

صوبجات متحدہ میں کچھ دیش بھگتوں میں ہندوؤں میں قومیت کا جذبہ قائم رکھنے کے لیٔے گئو رکھشنی سبھا بنائی۔ سوامی دیانند کی بھی اس تحریک کے ساتھ ہمدردی تھی لیکن گورنمنٹ پولیٹیکل نقطۂ نگاہ سے دیکھتی ہوئی اس تحریک کو پسند نہ کرتی تھی۔ گئو رکھشا کے متعلق کئی مقامات میں بلوے ہوئے جنہیں گورنمنٹ نے بڑی سختی سے دبایا۔ اس کے ساتھ ہی گورنمنٹ کو یہ خیال ہو رہا تھا کہ ہندوستان کے لوگوں کو اپنے جذبات اور شکایات کو ظاہر کرنے کے لیٔے ایک بے ضرر سا ایجیٹیشن کا طریقہ بتایا جائے اس مطلب کے لیٔے گورنمنٹ کی ایما سے لارڈ ڈفرن کے وقت میں مسٹر ہیوم نے جو کہ غدر کے وقت میں اٹاوہ کے کلکٹر رہ چکے تھے اور جنہیں کانگرس کے بانی کہا جاتا ہے۔ بنگال بمبئی وغیرہ کے چند مشہور اصحاب کو بلا کر کانگریس کی بنیاد رکھی۔ کانگریس کا کام صرف اتنا تھا کہ ہر سال بڑے دن کی چھٹیوں میں ہندوستان کے کسی بڑے شہر میں اکٹھے ہو کر لوگوں کی شکایات کو گورنمنٹ کے سامنے ریزولیوشنوں کی شکل میں پیش کریں۔ اور لوگوں کو اکٹھا کرنے کے لیٔے کچھ اصحاب کی انگریزی میں بڑی بڑی تقاریر بھی ہو جائیں۔ تین چار سال

تک گورنمنٹ نے کانگریس کی حوصلہ افزائی کی لیکن اس کے بعد اپنا رُخ بدل لیا اور کانگریس میں بھی کچھ کچھ آزاد خیالی کا اظہار ہونے لگا جس وقت آریہ سماج کے دو ٹکڑے ہو گئے اُس سے دوسرے سال ۱۸۹۳ء میں کانگریس کا پہلا اجلاس لاہور میں ہوا۔ کانگریس کے لئے پنجاب میں اُس وقت بہت جوش تھا اور سب جگہ کے لوگ بڑے جوش و خروش سے لاہور میں اکٹھے ہوئے آریہ سماج کے لیڈروں کو کانگریس پر کچھ اعتبار نہ تھا۔ حُبّ الوطنی کے لحاظ سے یہ کہا جاتا تھا کہ کانگریس محض ایک گورنمنٹ کا ڈھونگ ہے "تاکہ تعلیم یافتہ جماعت کی بڑھتی ہوئی بے چینی کو روک دیا جائے۔ اُسی موقعہ پر ایک صاحب نے اس شخص کی مثال دے کر اس بات کو ظاہر کیا جس نے ایک بھوت کو اپنے بس میں کر لیا تھا لیکن بھوت نے اُس سے اقرار لیا کہ اُسے مشغول رکھنے کے لئے اُسے ہر وقت کچھ نہ کچھ کام بتاتا رہے۔ اُس شخص نے یکے بعد دیگرے اپنی سب خواہشیں اُس بھوت سے پوری کرا لیں۔ اب بھوت نے کہا "میرے پاس کچھ کام نہیں۔ میں تمہیں کھانا چاہتا ہوں"۔ وہ آدمی آگے آگے دوڑنے لگا۔ بھوت اُس کا پیچھا کر رہا تھا۔ ایک سمجھدار آدمی راستے میں اُسے ملا۔ اُس نے اُس کو بتایا کہ ایک بڑا لمبا ڈنڈا گاڑ دو اور اُس بھوت کو اُوپر چڑھنے اور نیچے اُترنے کے لئے کہہ دو۔ اُس کی رائے میں کانگریس صرف ایک ڈنڈا تھا جو کہ تعلیم یافتہ جماعت کے بھوت کو اُوپر نیچے چڑھنے کے لئے مہیا کیا گیا تھا۔ آریہ سماجی یہ سمجھتے تھے کہ وہ پولٹکل اور مذہبی لحاظ سے دہی درست راستے پر ہیں اور کئی سالوں تک یہ بات ٹھیک نظر آتی رہی لیکن مذہبی سوسائٹی اور پولٹکل سوسائٹی میں بڑا فرق یہ ہوتا ہے کہ مذہبی سوسائٹی خاص مذہبی سدھانتوں کو اپنا سمجھتی ہے اور اُن کو کبھی چھوڑنے پر تیار نہیں ہوتی۔ پولیٹکل سوسائٹی کا کوئی خاص سدھانت نہیں ہوتا۔ اُس کا طریقہ

کام ہمیشہ بدلتا رہتا ہے۔ اچھے آدمی آنے سے کام اچھا ہونے لگ جاتا ہے۔ بُرے آدمیوں کے آنے سے کام ڈھیلا پڑ جاتا ہے۔ اس کے علاوہ مذہبی سوسائٹی میں ایک اور بڑا نقص یہ ہوتا ہے کہ خطرہ کے آنے کے وقت اُن کے لیڈروں کے سامنے اپنے بچاؤ کا راستہ ہمیشہ کھلا رہتا ہے۔ دباؤ پڑنے پر وہ جھٹ ڈر کر اپنے مذہبی اصولوں کی پناہ لے لیتے ہیں۔ اور انصاف اور دلیری سے مقابلہ کرنے کے راستے سے پیچھے ہٹ جاتے ہیں۔ جتنے مذاہب خواہ، اسلام عیسائی یا سکھ وغیرہ ہوئے ہیں۔ اُن پر ایک نہ ایک وقت امتحان کا آیا ہے۔ جب اُنہیں پولیٹیکل طاقت رکھنے والوں نے اپنے لئے خطرناک سمجھکر دبانا چاہا۔ اگر وہ دب جاتے تو اُن کی ترقی اور پھیلاؤ کا دروازہ وہیں بند ہو جاتا۔ آریہ سماج کے لئے بھی یہ لازمی امر تھا کہ ایک نہ ایک وقت ایسا آئے۔ ہندوستان کی گورنمنٹ انگریزی قوم کے ہاتھ میں تھی اور یہ قوم اچھی طرح جانتی ہے کہ جو سوسائٹی آج بالکل مذہبی ہے۔ ترقی کر کے کل پولیٹیکل شکل اختیار کر سکتی ہے۔ آریہ سماج کو بھی یہ اصول سمجھ لینا چاہیے تھا کہ اگر وہ امتحان کے وقت خوف کے نیچے دب جائیں گے تو اُس کے اندر اُس زندگی کا خاتمہ ہو جائیگا جو زندگی کہ دوسروں کو کشش کر کے اُس کی ترقی کا ذریعہ بن سکتی ہے۔

سودیشی اور سوراجیہ

ملک کی تاریخ میں ۱۹۰۵ء کا سال زیادہ مشہور رہیگا اُس وقت ہندوستان پر لارڈ کرزن کی حکومت تھی جو اپنی طاقت کے گھمنڈ میں جیسا چاہتا تھا ویسا کرتا تھا۔ اس زمانے میں رُوس اور جاپان کا مشہور جنگ ہوا جس میں جاپان نے رُوس جیسی بڑی قوم کو شکست دے کر اپنی چھوٹی سی قوم کا دُنیا میں نام پیدا کر دیا۔ جاپان کی فتح کا اثر ہندوستان کے لوگوں پر ضرور ہوا۔ اس سے پہلے ہندوستانیوں کے دل پر یورپین قوموں

کی بزرگی کا ایک جادو تھا جو کہ اس جنگ نے توڑ دیا۔ ہندوستانی یہ سمجھتے تھے کہ یورپ کی قومیں حکمرانی کے لئے بنی ہیں اور ایشیا کی قومیں اُن کے ماتحت رہنے کے لئے۔ جاپان نے اس کا اُلٹ ثابت کر کے دکھلا دیا۔ لوگوں کے دلوں میں ایک قسم کی خودداری کا مادہ پیدا ہو رہا تھا جبکہ لارڈ کرزن نے بنگال کے دو ٹکڑے کر کے سب بنگالیوں کو اپنے برخلاف کر لیا۔ اس وقت سے بنگال میں بائیکاٹ کے ہتھیار کا استعمال شروع ہوا اور اس کے ساتھ ساتھ سودیشی اور سوراجیہ کی لہر پھیلنے لگی۔ انڈین نیشنل کانگریس بھی اس لہر کے اثر میں آگئی۔ اس لہر کا اثر پنجاب پر بھی ہوا۔ کانگریس میں پرانے نرم دل کے مقابلے پر ایک تیز قوم پرستوں کی پارٹی پیدا ہو گئی اور پنجاب میں بھی اس پارٹی نے لوگوں کو اپنی طرف کشش کرنا شروع کیا۔ پنجاب کی ایجی ٹیشن اب تعلیم یافتہ جماعت سے نکل کر لائل پور اور لاہور کے جاٹوں میں کام کرنے لگی۔ اتنے میں ۱۹۰۷ء آگیا جبکہ انگریز افسروں کے دل میں ایک قسم کا خوف سا پیدا ہونے لگا۔ اس خیال سے کہ اس سال میں غدر کے بعد آدھی صدی کا خاتمہ ہوتا ہے۔ پنجاب میں ایجی ٹیشن کا جب بہت زور بڑھ گیا تو پنجاب گورنمنٹ نے ۱۱ مئی کا دن آنے سے پہلے لالہ لاجپت رائے اور سردار اجیت سنگھ کو جلاوطن کرنا ضروری خیال کیا۔ لالہ لاجپت رائے آریہ سماج کے ایک بڑے لیڈر رہ چکے تھے۔ اُن کی جلاوطنی آریہ سماجیوں کے لئے پہلا امتحان تھا۔ اس سے اُن کے دوست زیادہ گھبرا گئے اور انہوں نے کمزوری کا پبلک کے سامنے بڑا ثبوت دیا۔ ۱۹۰۷ء سورت کی کانگریس میں قوم پرست اور پرانے فریق کی لڑائی ہو گئی۔ اس کے بعد قوم پرست فریق جس کے سردار تلک مہاراج تھے کانگریس سے نکل گئے اور کانگریس پرانے طریقے پر چلی گئی۔

۱۹۰۸ء میں بنگال میں بم کی پارٹی کا آغاز ہوا اور ہر صوبہ کی گورنمنٹ کو زیادہ تشویش ہونے لگی۔ لوکمانیہ تلک کو چھ سال کے لئے جلا وطن کیا۔ صرف اس لئے کہ انہوں نے اپنے اخبار میں یہ لکھا تھا کہ بم جاری ہونے کی بہت سی ذمہ داری گورنمنٹ کے سر پر ہے۔ پنجاب میں بھی قانون سخت کر دیا گیا اور گورنمنٹ کا ہاتھ ہر قسم کی ایجی ٹیشن دبانے میں رہا۔ اس طرح رہتے رہتے چار پانچ سال گزر گئے۔ سنہ ۱۹۱۱ء میں مصنف کے بر خلاف بھی ایک مقدمہ بنایا گیا۔ اس مقدمہ کے فیصلے سے پہلے ہی آریہ سماج نے اُسے کالج کی خدمات سے علیحدہ کر دیا۔ کہا جاتا ہے کہ گورنمنٹ نے آریہ سماج کے لیڈران سے یہ کہا۔ یا تم ہمارے ساتھ ہو گے نہیں تو مخالف سمجھے جاؤ گے اور انہوں نے اپنی پالیسی گورنمنٹ کے ماتحت کر دی۔ سنہ ۱۹۱۴ء میں یورپ کا بڑا جنگ شروع ہو گیا۔ امریکہ میں بہت سے سکھ اور دوسرے پنجابی مزدوری کا کام کرتے تھے ایک آزاد ملک کے اندر رہکر امریکہ کی گوری آبادی کے ساتھ برابری کے درجے پر کام کر کے ان پنجابیوں کے دلوں میں ملکی محبت اور انسانی برابری کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ جنگ کے شروع ہونے پر انہوں نے اخباروں میں پڑھا کہ انگلینڈ ہندوستان کی فوجوں کو اپنی حفاظت کے لئے فرانس کے میدان میں لانے کی کوشش کر رہا ہے۔ سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں پنجابی جن میں زیادہ تعداد سکھوں کی تھی انگلینڈ اور امریکہ کے مغربی کنارے سے چل پڑے تا کہ اپنے ملک میں آ کر فوجوں کو اور لوگوں کو سرکار کی امداد کرنے سے روک دیں۔ جبتک کہ ان کو ملکی آزادی حاصل نہ ہو۔ پنجاب میں اوڈوائر لیفٹیننٹ گورنر آ چکا تھا۔ آتے ہی اس نے دہلی سازش کا مقدمہ شروع کیا جس میں صرف ایک وعدہ معاف کے بیانوں پر کئی نوجوانوں کو پھانسی کی سزا ملی۔ ابھی مقدمہ چل رہا

تھا کہ جنگ شروع ہو گیا۔ جنگ شروع ہوتے ہی امریکہ کے پنجابی پنجاب میں آ کر شور و شر برپا کرنے کی کوشش کرنے لگے۔ اوڈوائر نے اپنی پالیسی فیصلہ کر لی تھی اُس نے اپنی ایک تقریر میں کہا کہ وہ امریکہ کے پستول اور بنگال کے بم کا اپنی پوری طاقت سے مقابلہ کریگا۔ امریکہ کے آنے والے پنجابی جہاز پر سے گرفتار کرکے جیلوں میں بھیجدیئے گئے اور جو کوئی چھپ چھپا کر نکل آئے اُن کے گھروں پر پولیس آگے سے موجود تھی۔ گھروں سے بھاگ کر گئے اُنہوں نے اِدھر اُدھر پھرنا اور سرکار کے برخلاف واہی تباہی تدبیریں سوچنا شروع کر دیا۔ ان لوگوں کے گروہ کے گروہ گرفتار کرکے لاہور کے جیل میں یکے بعد دیگرے گیارہ سازش کے مقدمے کیئے گئے جن میں پھانسی اور کالا پانی کی سزا ایک معمولی بات بن گئی۔ جب تک جنگ رہا یہ مقدمے جاری رہے اور پنجاب کے لفٹیننٹ گورنر کا مدعا یہ تھا کہ پنجاب کے لوگوں کو ان سخت سزاؤں کے ذریعے سے خوفزدہ کر دیا جائے تاکہ جنگ کی امداد کے لئے جو طریقے پنجاب میں اختیار کیئے جا رہے تھے اُن میں کسی قسم کی مزاحمت پیدا نہ ہو۔ اگرچہ جنگ کے وقت سے پہلے ہی لالہ ہردیال امریکہ سے چلا گیا تھا لیکن اس میں کچھ شک نہیں کہ ان پنجابیوں کے اندر اس جوش کی روح پھونکنے والا وہی اکیلا شخص تھا۔ اُس کی تحریر اور تقریر کا ان لوگوں پر گہرا اثر ہوا اسکی کئی حیرت انگیز مثالیں موجود ہیں۔ ان میں ایک شخص جو چودہ سال امریکہ میں رہکر ہر روز دس پندرہ روپے کماتا تھا اور شراب میں خرچ کر دیتا تھا لیکن اُس کے اثر میں آ کر وہ مُلک کے لئے جان پر کھیلنے کے لئے طیار ہو گیا۔ ایسے ہی ایک اور شخص جس نے اپنے جسم پر نہایت ہی تھوڑا خرچ کر کے ہزاروں ڈالروں کی جائداد پیدا کی ستر برس کی عمر میں اُس کے اندر یہ تبدیلی ہوئی کہ یہ سب کچھ اپنی ملکی تحریک کے حوالے کر دیا اور خود مرنے کیلئے چل پڑا۔ جن لوگوں نے غلطی سے یا جوانی کے

جوش میں آ کر اُس کام کے لئے جسے وہ اپنی مُلکی بہتری کا کام سمجھتے تھے خوشی سے جانیں دیں۔ اُن سب کے حالات ابھی اتنے تازہ ہیں کہ وہ اتنی جلدی تاریخ کا مضمون نہیں بن سکتے۔ صرف اتنا کہنا کافی ہے کہ اگر اڈوارڈ انگلینڈ کا بڑا نڈر اور ہیرو ہے۔ تو یہ لوگ سچے دیش بھگت تھے۔

جنگ شروع ہوا اور ختم ہو گیا۔ جنگ کے شروع میں دوران میں اور آخیر تک انگلینڈ کو جرمنی سے بڑا بھاری خطرہ تھا اور اگر انگلینڈ کو شروع میں ہندوستانی فوجوں کی مدد اس طرح نہ پہنچتی جیسی کہ آخیر میں امریکہ کی فوجوں کی ملی تو یہ کہنا بڑا مشکل ہے کہ انگلینڈ کی اس وقت کیا حالت ہوتی۔ جنگ کے دنوں میں انگلینڈ کے لوگ ہندوستانی فوجوں کی امداد کی سچے دل سے قدر کرتے تھے۔ اور انگلینڈ میں خواہ اس کی وجہ سے خواہ کسی دوسری وجہ سے یہ خیال زور پکڑتا گیا کہ ہندوستان اور انگلینڈ دونو کی بہتری اسی میں ہے کہ ہندوستان کو ایک خود حکومت کرنے والا ملک بنا دیا جائے۔ اس جنگ کے دوران میں انگلینڈ کے مُدبر جرمنی کے برخلاف لڑتے ہوئے بار بار یہ دعویٰ کرتے تھے کہ انگلینڈ کمزور اور چھوٹی قوموں کو جرمنی کے ظلم سے بچانے کے لئے لڑ رہا ہے انگلینڈ کے لئے یہ جنگ دنیا میں آزادی قائم رکھنے کی غرض سے ہے۔ جنگ کے خاتمہ کے نزدیک انگلینڈ کی گورنمنٹ کی طرف سے یہ اعلان کیا گیا کہ جلدی ہی ہندوستان کی گورنمنٹ میں اصلاح کر کے سوراجی حکومت کا آغاز کر دیا جائے گا۔ خاتمہ پر ریفارم ایکٹ آیا اور موجودہ کونسلوں کی سکیم طیار کر کے پارلیمنٹ میں پاس کر دی گئی اور ان کے اجرا کا وقت بھی مقرر کر دیا گیا۔

ستیہ گرہ اور عدم تعاون

انگلینڈ ایک ہاتھ سے جو کچھ دینا چاہتا تھا اُس کو دوسرے ہاتھ سے لے لینے کا خیال کیا۔ اصلاح کی سکیم کے ساتھ ساتھ رولٹ ایکٹ ایک نیا قانون پولیٹکل مجرموں کے برخلاف بنایا گیا۔

جس کی غرض نہ صرف مجرموں کو سزا دینا تھی بلکہ ہندوستان کے لوگوں میں آزادی کی سپرٹ اور خواہش کو کچل ڈالنا تھا۔ ملک کی رہنمائی کیلئے اس وقت کانگریس میں ایک اور شخصیت کام کرنے لگ گئی تھی ۱۹۰۷ء سے ۱۹۱۵ء تک کانگریس نرم دل کے ہاتھ ایک مُردہ آرگنیزیشن سی رہی۔ نہ یہ کچھ کام کرتی تھی اور نہ لوگوں پر اس کا کچھ اثر تھا۔ ۱۹۱۴ء میں لوکمانیہ تلک جلاوطنی سے رہا ہو کر آ گئے اور نرم دل کے لیڈر مسٹر گوکھلے اس جہان سے چل دیئے۔ ۱۹۱۶ء کی کانگریس لکھنؤ میں ہوئی۔ اس میں جس جوش سے لوکمانیہ تلک کا استقبال کیا گیا۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ ملک کی ہوا بدل گئی ہے اور کانگریس نئے ہاتھوں میں آ رہی ہے۔ ہر سال کانگریس کا رعب و داب بڑھتا گیا اور یہ لوگوں کی خواہش کو ظاہر کرنے والی سوسائٹی بنتی گئی۔ مہاتما گاندھی افریقہ میں ہندوستانیوں کی خدمات میں اپنی زندگی کا ایک بڑا حصہ گذارنے کے بعد ملک کو واپس آئے اور اپنی تحریک ستیہ گرہ کی سابرمتی آشرم (احمد آباد) میں بنیاد رکھی۔ اس تحریک کی شہرت رولٹ ایکٹ کے جاری ہونے پر بڑھنے لگی۔ ملک رولٹ ایکٹ کو منظور کرنے پر طیار نہ تھا۔ اس کے برخلاف جگہ جگہ جلسے کئے گئے۔ مہاتما گاندھی پنجاب کو آ رہے تھے کہ ان کو راستے میں روک کر گرفتار کیا گیا۔ دہلی۔ امرتسر وغیرہ شہروں میں اس کے برخلاف بڑا زوردار پروٹسٹ کیا گیا۔ گورنمنٹ پبلک رائے کے اس اظہار کو دبا دینا چاہتی تھی۔ اس کشمکش میں لوگوں کی طرف سے کہیں کہیں زیادتی ہوئی جس کا نتیجہ امرتسر کا مشہور واقعہ جلیاں والا باغ کا قتل اور پنجاب کیلئے مارشل لا ہوا۔ پنجاب کا گورنر او ڈوائر اپنی میعاد سے کچھ زیادہ پنجاب میں اس لئے رہ گیا کہ اس شورش کا خاتمہ کر کے یہاں سے جائے اور مارشل لا اس کی آخیری کوشش تھی۔ مارشل لا کے دوران میں جو مقدمات لاہور۔ امرتسر۔ گوجرانوالہ۔ وزیر آباد

حافظ آباد، قصور وغیرہ مقامات میں کئے گئے اور جو سزائیں بڑے بڑے شریف لوگوں کو یونہی بلا قصور دی گئیں، پبلک کے لیے ابھی بہت تازہ واقعات ہیں۔ کانگریس کی طرف سے پنجاب پر تشدد اور ان سب واقعات کی تحقیقات کرنے کے لیے ایک کمیٹی مقرر کی گئی۔ مہاتما گاندھی اس کمیٹی میں تھے۔ اس کمیٹی کا یہ خیال تھا کہ گورنمنٹ جلیانوالہ کے اتیاچار پر ضرور اظہار افسوس کریگی لیکن جب گورنمنٹ نے اس کی طرف دھیان تک نہ دیا تب مہاتما گاندھی کو گورنمنٹ کے ساتھ مکمل عدم تعاون کا خیال سوجھا۔

اس عرصے میں مسلمانوں کو گورنمنٹ کے خلاف ایک خاص مذہبی شکایت پیدا ہو گئی تھی۔ پچھلے جنگ میں ترکی جرمنی کے ساتھ تھا اور سب شرائط طے ہو جانے کے بعد ترکوں کا مقابلہ بیچ میں ہی پڑا رہا۔ وارسیلز کے عہد نامے میں جو شرائط ترکوں کے لیے طے کی گئیں اُن پر ترک راضی نہ تھے۔ ترکی کا معاملہ لمبا ہوتا گیا اور یونان اور ترکی میں پھر لڑائی چھڑ گئی۔ اس لڑائی میں انگلینڈ یونان کا اندرونی طور پر مددگار تھا۔ ہندوستان کے مسلمان عام طور پر یہ خواہش رکھتے تھے کہ قسطنطنیہ میں ترکی سلطان یعنی خلیفہ کی حکومت ویسی ہی قائم رکھی جائے سلطان ساری دنیا کے مسلمانوں کا مذہبی ہیڈ یعنی پیغمبر کا جانشین سمجھا جاتا تھا اور ہندوستان کے مسلمان اُس کے ساتھ وفادار رہنا اپنا فرض سمجھتے تھے۔ انگلینڈ مسلمانوں کی اس خواہش کی طرف توجہ دینے کے لیے طیار نہ تھا۔ اس لیے مسلمانوں نے خلافت کی حفاظت کے لئے کانگریس کے ساتھ ساتھ خلافت آرگنزیشن قائم کرلی۔ کلکتہ کی سپیشل کانگریس میں ان دو نوجماعتوں کی طرف سے گورنمنٹ کے سامنے یہ پیش کیا گیا کہ جبتک سرکار پنجاب کے ظلم کی تلافی نہ کریگی اور جب تک خلافت کا مسئلہ مناسب طور پر حل نہ ہوگا ہندوستان کے ہندو

اور مسلمان گورنمنٹ کے ساتھ عدم تعاون کرتے رہیں گے۔ مہاتما گاندھی نے
ملک سے اپیل کی کہ کم ازکم ایک سال کے لئے سب لوگ کانگریس کے
عدم تعاون پر عمل کریں جس کا نتیجہ سوراجیہ کا مل جانا ایک ضروری امر ہے۔ یہ
سال گورنمنٹ کے لئے بہت نازک تھا اور یہ کہا جاتا ہے کہ گورنمنٹ کو کچھ
سوجھتا نہ تھا کہ اس عدم تشدد والے عدم تعاون کی لہر کو کس طرح روکے ہزاروں
آدمی بڑی خوشی سے سرکاری قانون کو توڑ کر جیلوں میں جانے کے لئے طیار
ہو گئے اور ان کے دلوں سے قانون کا اور پولیس کا خوف بالکل اُٹھ گیا جب
گرفتار کرکے عدالت میں لایا جاتا تھا تو وہ عدالت کی کارروائی میں کوئی حصہ نہ
لیتے تھے اور عدالت کے اختیار کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیتے تھے۔ گورنمنٹ
کو ڈر یہ تھا کہ اگر یہ لہر دن بدن بڑھتی ہی جائے گی تو اس کا ایک ایسا طوفان بن
جائیگا کہ گورنمنٹ کہیں بہ نہ جائے لیکن انگریزوں نے اپنی ایمپائر کے بنانے
اور قائم رکھنے میں ایسے کئی نازک موقعوں کا تجربہ کیا ہوا ہے۔ انگریزی قوم میں
ایک بڑا وصف صبر اور استقلال کا پایا جاتا ہے۔ جب کبھی اُن کے سر پر کوئی
مصیبت ہو یا اُن کے سامنے کوئی مشکل ہو تو وہ حوصلہ قائم رکھتے ہیں اور صبر سے
وقت کے گذر جانے کا انتظار کرتے ہیں۔ یورپ کے عظیم جنگ میں اُن کی
کامیابی کا اصلی راز یہی ہے کہ انہوں نے حوصلہ نہیں ہارا اور میدان میں ڈٹے رہے
ہندوستان کی مشکل کچھ اتنی بڑی مشکل نہ تھی۔ مہاتما گاندھی نے لوگوں کو ایک سال
تک قربانی کرنے کے لئے کہا تھا۔ ایک سال گذر گیا۔ ایک سال سے اوپر دوسرا
سال گذرنے لگا۔ ہندوستانیوں کی کمر میں اتنی طاقت نہ تھی کہ وہ اتنی دیر تک میدان
میں کھڑے رہ سکتے۔ خود کام کرنے والے اور اُن کے لیڈر گھبرا گئے۔ یہ گھبراہٹ
اس بات کی علامت تھی کہ اُن کے حوصلے کا خاتمہ ہو گیا۔ دنیا میں جدوجہد کا اصول

ایک ہی طریقہ پر چلتا ہے۔ کامیابی اُسے ہوتی ہے جو زیادہ دیر تک میدان میں کھڑا رہ سکتا ہے۔

خلافت گوُردوارہ سُدھار اور ہندو سنگھٹن

مہاتما گاندھی کی عدم تعاون کی تحریک کو سب سے بڑھکر عملی صُورت دینے والی تحریک سکھوں کی گوُردوارہ سُدھار کی تحریک تھی جس اصُول کا مہاتما گاندھی نے سوراجیہ حاصل کرنے کے لیئے کھُلا اعلان کیا۔ اُسے سکھوں کی گوُردوارہ پربندھک کمیٹی نے آئندہ کے لیئے اپنا طرزِ عمل بنا لیا۔ پنجاب کے سکھوں کو اپنی تحریک کی یاد ابھی نہیں بھُولی۔ اُن کی روایات اُن کے دلوں میں ہر وقت نئی زندگی ڈالتی رہتی ہیں۔ سکھ لوگ اپنی طاقت کو بخوبی سمجھتے ہیں۔ اُنہوں نے اپنی ترقی کی کنجی اس امر میں دیکھی کہ گوُردواروں کی حالت کو درُست کر کے سکھوں میں ایک تازہ مذہبی رُوح پھُونکی جائے۔ جن مہنتوں کے ہاتھ میں گوُردواروں کا انتظام تھا وہ ایک سرمایہ دار جماعت بن گئی تھی اور ہزاروں کی جائداد کو وہ اپنی ملکیت بنا بیٹھے تھے۔ سرکاری افسروں کے ساتھ اُن کے تعلقات قائم ہو چکے تھے اور گورنمنٹ بھی قدرتی طور پر ان لوگوں کی امداد کرنا اور حفاظت کرنا اپنا فرض سمجھتی تھی۔ ننکانہ صاحب کی جائداد کے انتظام کا جھگڑا پہلا واقعہ ہے جس نے سکھ لوگوں میں اکالی تحریک کی بنیاد ڈال دی۔ جب پربندھک کمیٹی مہنت کے ساتھ صُلح کے طریقوں کو آزما چکی تو پربندھک کمیٹی کی طرف سے بھائی لچھمن سنگھ اور اُس کے ساتھی اس بات کے لیئے مُقرر ہوئے کہ ننکانہ صاحب جا کر وہاں کے گوُردوارہ پر چُپ چاپ اپنا قبضہ کر لیں۔ مہنت نرائن داس اس خطرہ کو سمجھ گیا اور اُس نے پہلے سے ہی اُن کے مُقابلے کے لیئے ہتھیار اور آدمی اکٹھے کر لیئے تھے۔ جب وہ سویرے پاٹھ سُننے کے لیئے اندر داخل ہوئے تو گوُردوارہ کے دروازے جسے قلعہ بنا لیا گیا تھا بند کر دیئے

گئے اور چھپے ہوئے آدمیوں نے انہیں قتل کرنا شروع کر دیا۔ سکھوں کی اس شہادت نے پنجاب میں ایک قسم کا تہلکہ مچا دیا۔ پربندھک کمیٹی نے جگہ جگہ اکالیوں کی ایک فوج کو بھرتی کرنے کا حکم دیدیا۔ کمیٹی یہ سمجھ گئی کہ گوردوارہ سدھار میں اُسے مہنتوں اور گورنمنٹ دونو کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے تیار ہونا چاہیے۔ پربندھک کمیٹی نے ستیہ گرہ کے طریقے کو اپنا طرزِ عمل بنا کر مختلف مقامات میں اپنی اکالی فوج کو حکم دیدیا کہ وہ گوردواروں کے انتظام کو اپنے ہاتھ میں لیتے جائیں۔

پنجاب کی سکھ آبادی تو اپنے اس کام میں لگ گئی۔ مسلمانوں نے ۱۹۲۰ء سے کانگریس کا ساتھ دینا شروع کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ اُن کا مُدعا چونکہ یورپ میں خلافت اور ترکوں کے رُعب داب کو قائم رکھنے کے لیے ہندوستانی سرکار پر دباؤ ڈالنا تھا۔ انہوں نے خلافت کانفرنس اور اُس کے ماتحت جگہ جگہ خلافت کمیٹیاں قائم کر لی تھیں۔ مہاتما گاندھی نے خلافت کی قائمی کو سوراجیہ کے ساتھ اس ملک کے لئے ایک دوسرا بڑا آدرش رکھ دیا۔ اس کا جہاں پر یہ اچھا اثر ہوا کہ مسلمان ہندوؤں کے ساتھ کانگریس میں شریک ہوئے۔ وہاں پر خلافت کمیٹیوں کے ماتحت ایک قسم کی علیحدہ تنظیم ہوتی گئی اور نئی مذہبی زندگی بھی آتی گئی۔ اس امر سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ہندوستان کے مسلمانوں کے مذہبی جوش اور ہندو مسلم اتحاد نے ہندوستانی سرکار پر اپنا اثر ڈالا۔ اگر یہ شور ملک میں نہ ہوتا تو گورنمنٹ کے لئے ہندوستان سے باہر دوسرے اسلامی ممالک پر اپنا ہاتھ پھیلا لینا آسان بات تھی اور گورنمنٹ اس کوشش میں بھی تھی کہ میسوپوٹامیہ میں مستقل حکومت قائم کر کے وہاں سے ایران اور افغانستان پر بھی اپنا مکمل رُعب قائم کر لیں۔ ہندوستان کی اس ایجی ٹیشن نے اُن کے ارادوں میں بلاشبہ ایک رکاوٹ پیدا کر دی۔ میسوپوٹیمیا میں انگریزی حکومت موجود ضرور رہی لیکن ابھی تک

گورنمنٹ کا خرچ وہاں کی آمدنی سے کئی گنا بڑھ کر ہے اور ممکن ہے کہ اگر یہی حالت رہی تو گورنمنٹ اُس زمین کو چھوڑ دینے کا فیصلہ کر دے۔ اِس ایجی ٹیشن کی بدولت ہی افغانستان نہ صرف سرکار کے رُعب داب میں نہیں آیا بلکہ اُس نے اپنی پوزیشن کو بالکل خود مختار اور آگے سے بڑھکر کہیں مضبوط بنا لیا ہے۔ ایران بھی سرکار کے رُعب سے نکل گیا۔ مصر نے بھی جد و جہد کر کے ایک خاص حد تک اپنی خود مختاری قائم کر لی۔ ان سب کے علاوہ مُصطفےٰ کمال پاشا نے جنگ میں اپنی بہادری اور لیاقت سے قُسطنطنیہ اور خلافت کو بچا لیا۔ اگرچہ اُسی مُصطفےٰ کمال پاشا کی بدولت سُلطان کو تخت سے معزول کر کے خلافت کا خاتمہ بھی کر دیا گیا۔ خلافت کا سوال ایک طرح سے حل ہو گیا۔ ہندوستان کے مسلمان فوراً ہی یہ بھول گئے کہ مہاتما گاندھی نے یا مہاتما گاندھی کی بدولت ہندوؤں نے اسلام کے لئے کیا کچھ کیا اور خواہ مالابار کی بغاوت میں موپلوں نے سینکڑوں ہندوؤں کو بے گناہ قتل کیا یا زبردستی مُسلمان بنایا۔ خواہ مُلتان کے فسادیوں نے ہندو مندروں کو گرایا اور عورتوں پر اپنا ہاتھ چلایا۔ ہندوستان کے عام مسلمانوں کی ہمدردی اپنے مُسلمان بھائیوں کی طرف ہی رہی اور کسی لیڈر کو بھی اتنی جُرأت نہ ہوئی کہ وہ صاف طور پر ان فسادی مسلمانوں کو سرزنش کرے۔ ان واقعات نے ہندوؤں کی آنکھیں کھول دیں۔ اگر یہ واقعات یہیں ختم ہو جاتے تو شاید یہ معاملہ زیادہ طُول نہ کھینچتا لیکن مسلمانوں نے تو جگہ جگہ پر دلیر ہو کر ہندوؤں کو کمزور سمجھکر اُن پر حملے کرنے شروع کر دیئے جس اتحاد کو ہندو سچ سمجھ رہے تھے وہ تو محض ایک خواب نکلا گورنمنٹ کی اِن فسادوں سے چاندی بن گئی۔ انگریز تو شروع سے ہی یہ کہتے تھے کہ ہندو مسلمانوں کا مستقل طور پر میل ہونا مشکل ہے اور اس لئے ملک کا انتظام

کرنے کے لئے سب طاقت انگریزوں کے ہاتھ میں رہنی چاہیئے۔ فسادی مسلمانوں نے اس امر کو ثابت کر دیا۔

ہندو جو کہ اس مُلک کی اصل آبادی ہے اور ایک طرح سے اس مُلک کی محبت ہندوؤں کے دلوں میں ہی موجزن ہو سکتی ہے یہ حالات دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ اُنہوں نے کانگریس کے کہنے پر بے انتہا قربانیاں کیں تاکہ اس میں اُن کی جاتی اور دیش کا بھلا ہو لیکن نہ سوراجیہ ملا اور سوراجیہ کے لئے اتحاد بھی بالکل کھوکھلا نکلا۔ اب ہندوؤں کے لئے کیا راستہ تھا؟ کیا وہ ہاتھ جوڑ کر اتحاد کے لئے درخواست کرتے رہیں اور مسلمان لیڈروں سے اپیلیں کریں کہ اُن کی اپنے ہم مذہبوں کی زبردستی سے حفاظت کریں۔ کیا وہ سوراجیہ کے لئے اپنی ہستی کو مٹا دینے پر طیار ہو جائیں۔ مسلمانوں کی پالیسی تو صاف تھی۔ جہاں پر کچھ آدمی مہاتما گاندھی کے ساتھ کام کر رہے تھے۔ وہاں پر اُن کے دوسرے بھائی سرکار کے ساتھ ملکہ سرکار سے اس شرط پر حقوق لے رہے تھے کہ وہ مسلمانوں کو کانگریس کے برخلاف کر کے گورنمنٹ کا ساتھ دلائیں گے۔ وہاں پر ایک تیسرا گروہ ہر جائز اور ناجائز ذریعے سے اپنی تعداد بڑھانے میں مصروف ہو گیا تاکہ اس مُلک میں مسلمانوں کی تعداد ہندوؤں کے برابر کر کے اس مُلک کو بجائے ہندوستان کے اسلام ستھان بنا لیں۔ ہندوؤں کی سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ یہ سب قسم کے مسلمان گروہ اسلام کے فائدے کو مدِ نظر رکھتے ہوئے دل سے ایک دوسرے کے حامی اور مددگار تھے۔ اِن حالات کو سامنے رکھتے ہوئے ہندوؤں کا راستہ صرف ایک ہی تھا کہ وہ اپنے آپکو سنگٹھت کریں۔ اپنی قوم کو مٹنے سے بچانا ہندوؤں کے لئے پہلا فرض ہو گیا۔ سوراجیہ حاصل کرنا اور سوراجیہ کے لئے کام کرنا بلاشبہ ایک پوِتر کام ہے لیکن سوراجیہ

ایک ذریعہ ہے جس سے قوم کی ہستی قائم رہ سکتی ہے اور قوم کو ترقی کرنے کا پورا موقعہ مل سکتا ہے۔ مدعا قوم کی ہستی کو قائم رکھنا ہے۔ سوراجیہ ایک ذریعہ ہے ہندو اگر مضبوط ہونگے۔ تب بھی وہ اپنے آپ کو زندہ رکھتے ہوئے سوراجیہ کے لئے کوشش کر سکیں گے۔ ہندو یہ نہیں چاہتے کہ مسلمانوں کو اس ملک سے نکال دیں لیکن ہر ایک ہندو کو یہ خواہش ضرور ہونی چاہیئے کہ وہ اس ملک میں ہندو جاتی کو مٹنے سے بچانے کے لئے پوری کوشش کرے۔ غلامی بری ہے کیونکہ اس سے قوم تباہ ہو جاتی ہے لیکن مسلمانوں کا تعصب ہندوؤں کے خلاف نفرت اور ہندوؤں کو ہضم کرنے کی کوشش ویسی ہی بری اور خوفناک ہے۔ ہندوؤں نے مسلمانوں پر پورا اعتبار کیا۔ اُن کے ساتھ برادرانہ محبت کرنے کا خیال ہندوؤں میں دن بدن بڑھتا جا رہا تھا مگر اس کا بدلہ اُن کو نہایت مایوس کن دکھائی دیا۔ قدیم ایام سے ہندوؤں کی کمزوری ایک ہی چلی آتی ہے کہ اُن میں باہمی سنگٹھن (آرگنیزیشن) کی کمی ہے۔ سنگٹھن بیرونی مخالف طاقتوں سے بچنے کے لئے کیا جاتا ہے۔ پرانے زمانے میں ہندوؤں کو کوئی ایسی طاقتیں نظر نہ آتی تھیں جو اُن کی جاتی کو تباہ کرنے والی ہوں۔ اس لئے اُنہوں نے کسی سے نہ دشمنی رکھا اور نہ آپس میں ہمدردی کا جذبہ پیدا کیا۔ اس کی کوئی ضرورت ہی محسوس نہ ہوئی۔ باقی کی سب خوبیوں پر ہی ہندو زور دیتے رہے۔ بیماری ہمیشہ کمزور جگہ دیکھ کر ہی وہاں پر حملہ کرتی ہے۔ اس لئے ہندوؤں کی اس کمزوری کو دیکھ کر اسی کے ذریعے ہندوؤں پر حملے کئے گئے ہندوؤں میں سنگٹھن کے نہ ہونے نے اُن کی یہ حالت کر دی۔ ہماری پچھلی تاریخ کا یہی ایک سبق ہے جو ہمیں سیکھنا چاہیئے اور اگر ہمارے اندر یہ سنگٹھن اب بھی نہ ہوگا تو ہندوؤں کا اس دیش میں زندہ رہنا ممکن نہیں ہے۔ پچھلی تاریخ

اِس سبق کو سیکھ کر اِس سنگٹھن کو پیدا کرنے کیلئے ہم اپنی جان کی اپنے مال کی اور اپنی آبرو کی حفاظت کے لئے جو کچھ قربانی کر سکتے ہوں کرنے پر طیّار ہو جائیں۔ اِس میں ہماری ترقی ہے اِس سے ہماری زندگی ہے اور یہی ہماری ساری اُمیدوں کا سہارا ہے۔

Extract from the Rules:—

Books are issued for fourteen days only.

A fine of half anna per day will be charged for each volume kept over time.

Books lost, defaced or injured in any way shall have to be replaced by the Borrowers.